درسِ تفسیر

تبیان الفرقان

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

[illegible]

حضرت اقدس مولانا عبد المجید لدھیانوی

مکتبۂ حبیبیہ رشیدیہ
اردو بازار لاہور
۰۳۳۲_۴۳۷۷۶۳۱
۰۳۲۱_۴۱۰۲۱۱۷

درسی تفسیر

تبیان الفرقان

افادات

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ

شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

الجزء السابع

مکتبہ حلیمیہ رشیدیہ

29L/G، حادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37242117,0332-4377621

maktabah.hr@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ______ تبیان الفرقان (ہفتم)

افادات ______ حضرت حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام ______ مولانا انیس احمد مظاہری زید فضلہ

موضوع ______ تفسیر

سن طباعت ______ ۱۴۳۶ھ

تعداد ______ ۳۰۰

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ
29L/G، ھادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ شیخ لدھیانوی
باب العلوم کہروڑپکا

مکتبۃ المظاہر
شارع امیر معاویہ چوبرجی لاہور 0332-4377501

مکتبۃ الحرمین
اردو بازار لاہور

مکتبہ یادگار شیخ
اردو بازار لاہور

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی پر ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست

سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ الخ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ الخ

سُوْرَةُ النَّمْلِ

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ الخ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ الخ

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ الخ

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ الخ

سُوۡرَۃُ الۡقَصَصِ

طٰسٓمّٓ ① تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ② الخ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤى اٰتَيۡنٰهُ الخ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الخ

اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ الخ

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ الخ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ الخ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ الخ

سُوْرَةُ لُقْمٰن

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ الخ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ الخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرضِ مرتب

قرآنِ حکیم انسانیت کیلئے دستورِ حیات اور زندگی کا آئین ہے...... اس کی تعلیمات و ہدایات اور احکامات ہمہ گیر بھی ہیں اور عالمگیر بھی ہیں...... پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہیں۔

برصغیر کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہمارے اکابرینِ دیوبند نے قرآنِ حکیم کو اپنی دعوت کی بنیاد بنا کر عقائد و اعمال کی اصلاح کا خوب کام کیا ہے...... جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمیع صفات حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا...... مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ امام اہلسنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے تفسیر اور اشاعت قرآنِ حکیم پر اپنی بساط اور بھرپور کوششوں کیساتھ کام کیا۔ انہیں اکابر و اسلاف کے صحیح جانشین، اور انہیں مردانِ علم و حکمت کی روایات کے صحیح امین، مرشد و مربی، محسن و مشفق، بحر العلوم والفنون، منبع فیوض و برکات، مفسر و محدث، شیخ الحدیث، حکیم العصر، الشیخ عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ کی مبارک ہستی ہے...... جن کی زبانِ فیضِ ترجمان سے قرآنِ حکیم کی آیات مقدسات کی تشریح و تفسیر کے لعل و جواہر جو اپنے اندر خصوصاً درستی عقائد و اعمال کا گوہرِ نایاب لئے ہوئے ہے جو دیگر تفاسیر میں بہت کم ہے...... بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ جس منفرد اور دلنشین انداز میں حضرت حکیم العصر مدظلہٗ نے حکیمانہ انداز میں گفتگو فرمائی ہے اور آیات کی تفسیر کی وضاحت فرمائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تفسیر ''تبیان الفرقان'' کی ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے آٹھویں جلد جلد انشاء اللہ

آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دَور میں افادۂ خلق کی جو توفیقِ خاص حضرت حکیم العصر مدظلہم العالی کو مرحمت فرمائی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ نے ہمیشہ معاشرے کی ان دُکھتی ہوئی رَگوں پر ہاتھ رکھا ہے جن کے بارے میں غفلت اور بے پروائی عام ہوتی جارہی تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم العصر دامت فیوضہم کا سایۂ شفقت ہمارے لئے تاکہ متلاشیانِ سایہ کو آسانی سایہ اور شفقت حاصل ہوتا رہے۔

بہرحال اس ناچیز کے لئے بڑی سعادت وخوش بختی کا مقام ہے کہ عصر حاضر کے عظیم استاذ، مفسر، محدث، محقق کی نظرِ عنایت اس حقیر پر پڑی کہ اپنی خدمت کے لئے قبول فرمایا۔ ورنہ اس ناچیز کی حالت تو یہ ہے کہ۔

بگذار کہ بندہ کمینم　　　　تا در صف بندگاں نشینم

اس کارِ خیر میں برادرم مولانا محمد عمران صاحب حفظہٗ اللہ تعالیٰ مدرس جامعہ باب العلوم کا بہت بڑا حصہ شامل ہے کہ انہوں نے پروف ریڈنگ اور تصحیح کا مکمل کام اپنے لئے عظیم سعادت سمجھ کر انجام دیا۔ اور بندہ کی اہلیہ محترمہ نے کیسٹوں سے صفحات پر منتقل کیا، مولانا قاری نسیم الدین صاحب کراچی والوں نے کیسٹوں میں اس سرمایہ کو محفوظ کیا۔

اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور سعادت دارین کا سبب بنائے۔ (آمین)

محتاجِ دُعا
یکے از خدام حکیم العصر
احقر الانام محمد عمیر شاہین
جامعہ محمدیہ حنفیہ میلسی (وہاڑی)
Mob:0300-6417618

سُورَةُ الشُّعَرَآءِ

مَكِّيَّة

اٰیاتها ۲۲۷ ۲۶ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۴۷ رکوعاتها ۱۱

سورۂ شعراء مکہ میں نازل ہوئی اس میں دوسوستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا

طٰسٓمّٓ ۝۱ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں ۝۲ شاید کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کردیں

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ۝۳ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کردیں، پھر ان کی

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

گردنیں اس نشانی کی وجہ سے جھک جائیں ۝۴ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی کوئی نصیحت

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا

آتی ہے تو اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ۝۵ سوانہوں نے جھٹلا دیا سو آجائیں گی ان کے پاس

مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

اس چیز کی خبریں جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے ۝۶ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

اس میں ہم نے ہر قسم کی اچھی اچھی بوٹیاں اُگائی ہیں ۝۷ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہیں، اور ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹ ع

لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝۸ اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے رحمت والا ہے ۝۹

تفسیر

سرورِ کائنات کائنات ﷺ کی جب اہل مکہ نے تکذیب کی تو یہ آپ کو شاق گذرا، چونکہ آپ کو اس بات کی حرص تھی، کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں اس لئے ان کی تکذیب سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ کو تسلی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ نازل فرمائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا کام کرتے رہیں ان کے غم میں آپ کو جان ہلاک کرنا نہیں ہے، اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ کہ ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل فرمادیں، جسے یہ تسلیم کرلیں اوراس کی وجہ سے ان کی گردنیں جھک جائیں، اوراس طرح سے جبراً وقہراً ایمان لے آئیں لیکن ایسا کرنا نہیں ہے، کیونکہ لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے تاکہ اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔

اس کے بعد مخاطبین کی عام حالت بیان فرمائی کہ جب بھی رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے، تو قبول کرنے کے بجائے اعراض کرتے ہیں، ان کے جھٹلانے اور آیات کا مذاق بنانے کا نتیجہ عنقریب ان کے سامنے آجائے گا، یعنی تکذیب اور استہزاء کی سزا پائیں گے اور آنے والے عذابوں کو انباء سے تعبیر فرمایا جو نبأ کی جمع ہے نباء خبر کے معنی میں آتا ہے چونکہ قرآنِ عظیم نے پہلے سے تکذیب واستہزاء کے عواقب کی خبر دی ہے، اس لئے اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ فرمایا، یعنی تکذیب پر عذاب آنے کی جو خبریں دی گئی تھیں ان کا ظہور ہوجائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ ربوبیت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے زمین سے ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں نکالی اور اگائی ہیں جنہیں بنی آدم اور حیوانات کھاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں آخر میں فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور کمال پر بڑی نشانی ہے، اور اکثر لوگ مانتے نہیں ہیں اور انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اور آپ کا رب عزیز ہے غلبہ والا ہے، منکرین دین اور معاندین یہ نہ سمجھیں کہ ہم یوں ہی انتقام اور عذاب سے چھوٹے رہیں گے نیز اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے جو لوگ اب بھی کفر شرک سے باز آجائیں ایمان قبول کرلیں ان پر رحم فرمائے گا۔ (انوار البیان)

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم ﴿۱۰﴾ یعنی قوم فرعون کے پاس چلے جاؤ

اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ

کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں ہیں ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں ﴿۱۲﴾ اور میرا سینہ تنگ

صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ

ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی لہٰذا ہارون کو بھی پیغمبر بنا دیجئے ﴿۱۳﴾ اور مجھ پر ان لوگوں کا جرم ہے

ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۚ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ

لہٰذا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر ڈالیں ﴿۱۴﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا سو تم دونوں ہماری آیات لے کر جاؤ، بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں

مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱۶﴾

سننے والے ہیں ﴿۱۵﴾ سو تم فرعون کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں ﴿۱۶﴾

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا

یہ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے ﴿۱۷﴾ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے اپنے پاس رکھ کر اس وقت نہیں پالا جب تو نومولود تھا

وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ۙ﴿۱۸﴾ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ

اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے برسہا برس رہا ﴿۱۸﴾ اور تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا

وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ؕ﴿۲۰﴾

اور تو ناشکروں میں سے ہے ﴿۱۹﴾ موسیٰ نے جواب دیا یہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جب میں چوک جانے والوں میں سے تھا ﴿۲۰﴾

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِیْ

سو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا جب مجھے تمہاری طرف سے ڈر لگا، سو میرے رب نے مجھے دانشمندی عطا فرمائی

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ

اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرمادیا ﴿۲۱﴾ اور وہ جو تو مجھ پر اپنا احسان جتلا رہا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی

اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا اور رب العالمین کون ہے؟ ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے جواب دیا کہ رب العالمین وہی ہے جو آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ

اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنیوالے ہو ﴿۲۴﴾ فرعون اپنے آس پاس کے بیٹھنے والوں سے کہنے لگا

اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ

کیا تم نہیں سنتے؟ ﴿۲۵﴾ کہا موسیٰ نے کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے گزرے ہوئے آباء کا بھی رب ہے ﴿۲۶﴾ فرعون نے کہا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

بیشک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے البتہ دیوانہ ہے ﴿۲۷﴾ کہا موسیٰ نے کہ رب العالمین مشرق کا رب ہے

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ

اور مغرب کا رب ہے اور ان چیزوں کا جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم سوچتے ہو ﴿۲۸﴾ فرعون نے کہا اگر تو نے بنایا

اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ

کوئی معبود میرے علاوہ البتہ ضرور کروں گا میں تجھے قیدیوں میں سے ﴿۲۹﴾ موسیٰ کہنے لگے کیا پھر بھی تو مجھے قید کردیگا

بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾

اگرچہ میں تیرے سامنے واضح دلیل ہی لے آؤں ﴿۳۰﴾ فرعون کہنے لگا کہ وہ لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿۳۱﴾

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی پس اچانک وہ کھلے طور پر اژدھا بن گیا ﴿۳۲﴾ انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچا پس اچانک

هِیَ بَیۡضَآءُ لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾

وہ سفید تھا دیکھنے والوں کیلئے ﴿۳۳﴾

تفسیر

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ:۔

یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے جو بہت سی آیات پر مشتمل ہے ان میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے فرعون کے پاس جانے اور گفتگو کرنے کا تذکرہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ فرعون بنی اسرائیل کا دشمن تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا، اور ان کی جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں انہیں زندہ چھوڑ دیتا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ اس بچہ کو ایک تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈال دو......! انہوں نے ایسا ہی کیا، اہل فرعون نے اس تابوت کو پکڑ لیا، دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے، بچہ کو اٹھا لیا اور فرعون کی بیوی نے فرعون سے کہا اُسے قتل نہ کرو......! ممکن ہے کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں......! جب فرعون اس پر راضی ہو گیا تو دودھ پلانے والی عورت کی تلاش ہوئی، موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں لیتے تھے، جب ان کی والدہ نے تابوت میں رکھ کر انہیں سمندر میں ڈالا، تو ان کی بہن کو پیچھے لگا دیا تھا کہ دیکھ یہ تابوت کدھر جاتا ہے؟ جب تابوت فرعون کے محل میں پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا، تو ان کی بہن بول اٹھی کہ میں تمہیں ایسا خاندان بتا دیتی ہوں، جو ان کی کفالت کرلے گا، ان لوگوں نے منظوری دے دی، اور یہ جلدی سے اپنی والدہ کو لے آئیں......! موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ قبول کرلیا، اور اپنی والدہ کے پاس رہتے رہے، لیکن فرعون کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے رہتے تھے، جب بڑے ہو گئے تو فرعون کے محل میں رہنا سہنا شروع ہو گیا، اور وہاں کئی سال گزارے، پھر جب اور بڑے ہو گئے تو ایک قبطی یعنی فرعون کی قوم کے ایک شخص کا ان کے ہاتھ سے قتل ہو گیا، لہٰذا ایک شخص کے مشورہ دینے پر مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں ایک بزرگ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا دس سال وہاں گزارے اس عرصہ میں بکریاں چراتے رہے، پھر جب اپنے وطن یعنی مصر کو واپس ہونے لگے تو اپنی بیوی کو ساتھ لیا جنگل بیابان میں کوہِ طور کے پاس پہنچے (جو مصر اور مدین کے درمیان ہے) اللہ کا کرنا ایسا

ہوا کہ راستہ بھول گئے، اور سردی بھی لگنے لگی کوہِ طور پرآگ نظر آئی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو......! میں جاتا ہوں تمہارے تاپنے کیلئے کوئی چنگاری لے آؤں گا، یا کوئی راہ بتانے والا ہی مل جائے گا وہ نار نہ تھی بلکہ نورِ الٰہی تھا، وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت سے نواز دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اسے توحید کی دعوت دو، وہ اور اس کی قوم ظالم لوگ ہیں انہیں کفر وشرک سے اور اس کی سزا سے بچنا چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں، اور ساتھ ہی یہ بات ہے کہ میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے، اور زبان میں بھی روانی نہیں ہے، اس لئے میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایئے، اور میرے کام میں شریک فرمایئے ایک بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ میرے ذمہ ان کا ایک جرم ہے میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اب ڈر ہے وہ مجھے اس کے بدلہ قتل نہ کر دیں......! اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا تمہاری درخواست قبول کر لی گئی، ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز کر دیا اور ان کو بھی تمہارے کام میں شریک کر دیا اور تم اس بات کا خیال نہ کرو......! کہ وہ تمہیں قتل کر دے گا ایسا ہرگز نہ ہوگا تم دونوں جاؤ اسے حق کی دعوت دو، ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارا حال دیکھتے ہیں، اور جو کچھ فرعون سے بات چیت ہوگی، وہ سب ہم سنتے رہیں گے فرعون کے پاس پہنچو اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں، تو رب العالمین پر ایمان لا اور ہماری رسالت کو بھی تسلیم کر، اور رب العالمین کے سوا کسی کو اپنا رب اور معبود مت بنا اور ہمارا یہ بھی کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے اور اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لیا اور دونوں فرعون کے پاس پہنچے، اُسے توحید کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کو ساتھ بھیجنے کیلئے کہا فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ......! جب تو چھوٹا سا بچہ تھا ہم نے تجھے پالا اپنی عمر کے کئی سال تم نے ہمارے ساتھ گزارے، اور تو نے وہ حرکت کی جسے تو جانتا ہے (یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا) ہم نے تیری پرورش کی تو نے اس کا یہ بدلہ دیا اور شکر گزاری کی بجائے ناشکروں میں شامل ہو گیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ مجھ سے ایک شخص قتل ہو گیا تھا، مجھ سے غلطی ہو گئی تھی (میں نے عمداً قتل نہیں کیا تھا اس کی ظالمانہ روش کو دیکھ کر تادیباً مکا مارا تھا وہ ایک مکا لگنے سے مر گیا میرا مقصود نہ مارنا تھا نہ کوئی ایک مکا میں مرتا ہے) تم لوگ میرے قتل کے مشورے کر رہے تھے، لہٰذا میں قتل کے ڈر سے بھاگ گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دانشمندی عطاء فرما دی، اور مجھے اپنے پیغمبروں میں شامل فرما دیا۔ اب جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ کا فرمان لے کر تیرے پاس آنا

ضروری ہوا، رہی یہ بات کہ تو نے میری پرورش کی تھی اور تو مجھ پر اس کا احسان جتا رہا ہے تو تجھے سمجھنا چاہیے کہ میری پرورش تجھے کیوں کرنی پڑی، نہ تو بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا، نہ میں سمندر میں بہایا جاتا، نہ تیرے گھر میں پہنچتا، نہ تجھے پرورش کرنی پڑتی، تو نے جو بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا، اس کی وجہ سے تیرے گھر میں میری پرورش کرائی گئی، پھر یہ بھی تو دیکھ کہ میں نے ایک شخص کو قتل کیا میرا ایک شخص کا قتل کردینا، تیرے نزدیک قابل ذکر ہے، اور تو نے جو بنی اسرائیل کے لڑکے کثیر تعداد میں قتل کیے اس کا تجھے کوئی دھیان نہیں؟ اگر تو نے ایک لڑکے کی پرورش کر ہی دی تو کیا اس سے اس ظلم کو دبایا جاسکتا ہے؟ جو تو نے بنی اسرائیل کیساتھ روا رکھا ہے۔

فرعون چونکہ اپنے ہی کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اپنی قوم کے لوگوں سے منواتا تھا اور یہ لوگ خالق حقیقی جل مجدہ کے منکر تھے اس لئے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا فرمانا کہ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اچھا نہ لگا اس نے سوال جواب کے ذریعہ ان کی بات کو رد کرنے اور اپنے درباریوں کو مطمئن رکھنے کیلئے سوالات شروع کردیئے، اس میں سے بعض سوال اور ان کے جواب سورۃ طہٰ کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں اور کچھ یہاں شعراء میں ذکر فرمائے ہیں فرعون کہنے لگا کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں یہ تو بتاؤ......! رب العالمین کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے دھڑک جواب دیا کہ رب العالمین جل مجدہ وہ ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان ہے، ان سب کا رب ہے، اس میں یہ بتادیا کہ اے فرعون......! تو اور تیرے آس پاس بیٹھنے والے اور تیری مملکت کے سارے افراد تیری ساری مملکت اور ساری دنیا اور اس کے رہنے بسنے والے، رب العالمین ان سب کا رب ہے فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ بات کبھی نہ سنی تھی وہ اچنبھے کے طور پر اپنے درباریوں سے کہنے لگا اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ کیا آپ لوگ سن رہے ہیں کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ (انوار البیان)

فرعون کا اپنے حواریوں سے خطابِ عام:۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ: رب العالمین وہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے، اور تمہارے پہلے گزرے ہوئے آباء کا بھی رب ہے، قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ فرعون نے کہا اپنے حواریوں کو جو اردگرد اکٹھے ہو کر بیٹھے ہوئے تھے، کہ بے شک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، البتہ دیوانہ

ہے، یعنی اپنے دعوے کے اعتبار سے یہ جو رسول بن کے آیا ہے، کہتا ہے کہ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس کی تو عقل ہی ٹھکانے پہ معلوم نہیں ہوتی، باتیں کس طرح سے کرتا ہے......! میرے سامنے کھڑا ہوا ہے، کبھی میرے آباء کا ذکر کرتا ہے، کبھی کسی کا ذکر کرتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ ٹھکانے نہیں، جب بات کو پھیرنا ہو تو اسی طرح سے بات کی جایا کرتی ہے، تا کہ مخاطبین کا ذہن اُلجھ جائے، اب جواب تو تھا نہیں پاس، یہ تو کہہ نہیں سکتا تھا کہ آسمانوں کا رب بھی میں ہوں، زمین کا رب بھی میں ہوں، یا مَابَيْنَهُمَا میں بھی میری حکومت چلتی ہے، یہ باتیں تو کہہ نہیں سکتا تھا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں نمرود مبہوت ہو گیا تھا، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو جو کہتا ہے کہ میں رب ہوں، میرا رب مشرق کی طرف سے سورج کو نکالتا ہے، تو تو ذرا مغرب کی طرف سے نکال کے دکھا دے؟ تو پتہ چل جائے گا کہ تیرا زور کہاں تک چلتا ہے؟ وہ آگے عاجز آ گیا۔ کیا کہتا کہ میں نکال کے دکھاتا ہوں، کہہ ہی نہیں سکتا تھا، سمجھتا تھا، کہ میرے اندر قدرت ہے ہی نہیں، اسی طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان باتوں میں فرعون سمجھ تو رہا تھا، کہ نہ میرا آسمانوں پہ کوئی حکم چلتا ہے، اور نہ ساری زمین پر چلتا ہے، نہ مَابَيْنَهُمَا پہ چلتا ہے، اور نہ میرے پیدا ہونے سے پہلے جو میرے آباؤ اجداد گزرے ہیں، ان پہ کوئی حکم چلتا تھا، تو واقعی تعریف تو رب العالمین کی کرتا ہے، اور میں تو نہیں کہہ سکتا کہ میں ایسا ہوں، اب اس بات کو اُلجھانے کیلئے کہتا ہے کہ دیکھو......! جی یہ کیسی باتیں کرتا ہے۔ میرے سامنے آ کر جو ایسی باتیں کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے اس کی عقل ٹھکانے پہ نہیں ہے، یہ جواب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کا۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے فرعون پر ایک اور اعتراض:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑھ کر اُسے اور فقرہ چست کر دیا، رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا کہنے لگے رب العالمین وہ ہے، جو مشرق کا رب ہے، جدھر سے سورج نکلتا ہے، اور مغرب کا رب ہے، جدھر کو سورج چھپتا ہے، اور جو کچھ مشرق و مغرب کے درمیان ہے، وہ اس کا مالک ہے، اس میں بھی وہ سمجھتا تھا کہ نہ مشرق پہ میرا زور نہ مغرب پہ میرا زور، نہ مَابَيْنَهُمَا پہ میرا زور سوائے اس کے کہ مصر کی چند میل سلطنت پہ میں بادشاہ بنا بیٹھا ہوں، باقی مشرق مغرب سب میرے اختیار سے باہر ہیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا کہ رب العالمین مشرق کا رب ہے، اور مغرب کا رب ہے، اور ان چیزوں کا جو کچھ ان کے درمیان ہے، اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم سوچتے ہو یعنی اگر تم

عقل سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ جس کی ربوبیت اتنی عام ہے اصل کے اعتبار سے، رب العالمین وہی ہے، چند گز زمین پر کوئی بادشاہ بن کے بیٹھ گیا یہ رب کہلانے کا حقدار نہیں، اگر تم عقل سے کام لو تو تمہیں یہ بات سمجھ میں آ جائے جب یہ باتیں ساری کی ساری ہو گئیں۔

جب دلیل نہ رہے تو دشمن لڑائی پر اتر آتا ہے:۔

تو وہ لڑائی پر آ گیا جیسے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

چو حجت نہ ماند جفا جوی را

پر خاش درھم کشد روی را ①

کہ جب ظالم آدمی کیلئے، جفا جو کیلئے دلیل نہیں ہوتی، تو پھر وہ لڑائی کیلئے مکا نکال لیتا ہے، اب یہاں پھر وہی اقتدار کا نشہ حکومت کا زور، اب فرعون اس کو اس طرح سے ظاہر کرتا ہے قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ اگر تو نے بنایا کوئی معبود میرے علاوہ، لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ البتہ ضرور کر دوں گا میں تجھے قیدیوں میں سے، مسجون یہ سجن سے لیا گیا۔ ''سجن'' کا لفظ سورۃ یوسف میں آپ کے سامنے گزرا تھا، ''سجن'' کے معنی قید کے ہیں اور ''مسجون'' اسے کہتے ہیں جو قید کر دیا گیا ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ حکومت کی دھمکی آ گئی کہ اگر اس طرح کرو گے تو ہم تمہیں باغی قرار دیں گے۔ جس طرح باغیوں کو سزا دی جاتی ہے، کہ ان کو جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ وہاں وہ سڑ سڑ کے مر جاتے ہیں، اسی طرح سے میں تجھے بھی جیل میں ڈال دوں گا، اب قوت کے اظہار کے ساتھ یہاں دلائل کا جواب دیا جا رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ کیا پھر بھی تو مجھے قید کر دے گا؟ جیل میں ڈال دے گا؟ اگر چہ میں تیرے سامنے واضح دلیل ہی لے آؤں، کوئی واضح شئے تیرے سامنے لے آؤں پھر بھی تو ایسا کرے گا؟ قَالَ فَاْتِ بِهٖ تو فرعون کہنے لگا کہ وہ لے آ......! کیا شئے ہے تیرے پاس؟ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تو سچوں میں سے ہے فَاَلْقٰى عَصَاهُ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ پس اچانک وہ کھلے طور پر اژدھا بن گیا، ثعبان کہتے ہیں بڑے سانپ کو مبین کا معنی واضح جس میں کوئی تاویل کی گنجائش نہیں تھی، کہ شاید یہ کوئی نظر بندی ہے، بڑا سارا سانپ بن کے لہلہانے لگ گیا، اچانک یعنی دیکھتے ہی دیکھتے

① بوستان، باب اوّل، حکایت حجاج بن یوسف

آنکھوں کے سامنے بڑا سارا سانپ بن گیا، وَّنَزَعَ يَدَهٗ انہوں نے ہاتھ کھینچا یعنی پہلو سے جیسے دوسری جگہ ہے وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ (سورۃ طٰہٰ: آیت۲۲) اس طرح سے اپنے پہلو میں ملاتے تھے اور یوں باہر نکالتے انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچا یعنی اپنے پہلو سے فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ پس اچانک وہ سفید تھا دیکھنے والوں کیلئے یعنی کھلی آنکھوں سے لوگ دیکھ رہے تھے، یہ تو اس طرح سے چمکتا ہے، جس طرح سے سورج اور چاند چمکتا ہے۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ

فرعون نے کہا ان سرداروں کو جو اسکے اردگرد بیٹھے تھے، یہ تو کوئی بہت علم والا جادوگر ہے ﴿۳۴﴾ ارادہ کرتا ہے کہ نکال دے تمہیں

مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ

تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے پھر تم کیا حکم دیتے ہو؟ ﴿۳۵﴾ وہ کہنے لگے اس کو ڈھیل دیدے اور اس کے بھائی کو

وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ

اور شہروں کے اندر جمع کرنے والے بھیج دو ﴿۳۶﴾ لے آئیں وہ تیرے پاس ہر بڑے جادوگر علم والے کو ﴿۳۷﴾ پھر اکٹھے کر لئے گئے

السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

جادوگر، ایک معلوم دن کے معلوم وقت کے لئے ﴿۳۸﴾ اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ کیا تم

مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۰﴾

اکٹھے ہونے والے ہو؟ ﴿۳۹﴾ تاکہ ہم پیروی کریں جادوگروں کی، اگر وہ غلبہ پانے والے ہوئے ﴿۴۰﴾

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

پس جب آگئے جادوگر کہنے لگے فرعون کو کیا ہمارے لئے البتہ اجر ہوگا؟ اگر ہم

نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۲﴾

غلبہ پانے والے ہوئے ﴿۴۱﴾ فرعون نے کہا ہاں، اور تم بیشک اس وقت البتہ مقربین میں سے ہو جاؤ گے ﴿۴۲﴾

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

موسیٰ نے کہا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ﴿۴۳﴾ ڈال دیا انہوں نے اپنی رسیوں کو،

وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

اپنی لاٹھیوں کو اور یہ نعرہ لگادیا کہ فرعون کی عزت کی قسم بیشک ہم ہی غالب آنے والے ہیں ﴿۴۴﴾

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِىَ
موسیٰ نے ڈال دی اپنی لاٹھی پس اچانک وہ لاٹھی نگلتی تھی، اس چیز کو جو وہ بناتے تھے ﴿۴۵﴾ جادوگر ڈال دیئے گئے
السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى
اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والے تھے ﴿۴۶﴾ اور یہ پکار اٹھے کہ ہم اس رب العالمین پہ ایمان لے آئے ہیں ﴿۴۷﴾ جو موسیٰ
وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ
اور ھارون کا رب ہے ﴿۴۸﴾ فرعون نے کہا تم ایمان لے آئے ہو اس کے لئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، بیشک یہ تمہارا بڑا ہے،
الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، پس عنقریب اب تمہیں پتہ چل جائے گا، البتہ ضرور کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھوں،
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا
اور پاؤں کو، مختلف جانب سے اور البتہ ضرور میں تم سب کو سولی دوں گا ﴿۴۹﴾ جادوگروں نے کہا کوئی حرج نہیں ہے
لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا
ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر چلے جائیں گے ﴿۵۰﴾ بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ بخش دے ہمارے لئے
رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾
ہمارا رب ہماری غلطیاں، اس سبب سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں ﴿۵۱﴾

تفسیر

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗ: فرعون نے کہا ان سرداروں کو جو اس کے اردگرد بیٹھے تھے، ملأ سے وہی درباری لوگ مراد ہیں، اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ اب یہ دوسرا رخ بدل لیا، کہ یہ تو کوئی بہت بڑا علم والا جادوگر ہے، یعنی رسالت اور نبوت کا اقرار کرنے کی بجائے اب رخ اِدھر کو بدل دیا، چونکہ اس زمانے میں جادوگر اس قسم کے کرتب دکھایا

کرتے تھے، یہ تو علم والا جادوگر ہے۔

فرعون کی سیاسی چال:۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ :ارادہ کرتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہاری زمین سے بِسِحْرِهٖ اپنے جادو کے زور سے فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ پھر تم کیا حکم دیتے ہو؟ کیا مشورہ دیتے ہو؟ اب اس کو ایک سیاسی چال بنالیا کہ موسیٰ علیہ السلام جو آئے ہیں، اب یہ انقلاب لانا چاہتے ہیں، بنی اسرائیل کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور قبطیوں کو نکالنا چاہتے ہیں، یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی سازش ہے، یہ تو حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں، تو اپنی قوم کو بھڑکانے کیلئے اس نے یہ دوسرا ڈھنگ اختیار کیا، آپ جانتے ہیں کہ سیاسی لیڈر جو ہوتے ہیں شاطر تو ہوتے ہی ہیں، قوم کے جذبات سے کھیلنے کیلئے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیا، اب یہ شوشہ چھوڑا کہ یہ تو حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، تمہارا ملک چھیننا چاہتا ہے، مقصد اس کا تھا کہ کہیں یہ موسیٰ علیہ السلام سے متاثر ہو کر ان کے پیچھے لگ کر کہیں میرا نہ تیا پانچا کردیں، اب ان کا ذہن جو تھا وہ سیاسی چال پر ڈال دیا، کہ یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے، ملک سے ارض مصر مراد ہے، اپنے جادو کے زور سے، پس تم کیا حکم دیتے ہو؟ کیا مشورہ دیتے ہو؟ یہ جی بنے ہوئے رب العالمین ہیں اپنی عقل چھوڑ بیٹھے ہیں اور اپنے پاس بیٹھنے والوں سے مشورے پوچھتے ہیں، تمہارا کیا حکم ہے؟ تم کیا کہتے ہو؟ کہ میں اب کیا کروں؟ قَالُوْٓا وہ کہنے لگے اَرْجِهْ اس کو ڈھیل دیدے اِرْجَاء ڈھیل دینے کو کہتے ہیں وَاَخَاهُ اور اس کے بھائی کو مہلت دیدو کچھ، وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ اور شہروں کے اندر جمع کرنے والے بھیج دو......يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ لے آئیں وہ تیرے پاس ہر بڑے جادوگر علم والے کو، جو بہت بڑا جادوگر علم والا ہے، وہ سب جادوگروں کو اکٹھا کر کے لے آئیں۔ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ اختصار ہے، واقعہ میں تفصیل آپ کے سامنے سورۃ طٰہٰ میں گزری پھر اکٹھے کر لیئے گئے جادوگر، ایک معلوم دن کے معلوم وقت کیلئے کہ دن بھی متعین ہو گیا، وقت بھی متعین ہو گیا، جیسے سورۃ طٰہٰ میں آیا تھا یوم زینہ اور وقت ضحیٰ اور مکاناً سویٰ یہ تینوں باتیں آئی تھیں، (سورہ طٰہٰ: آیت ۵۸۔۵۹) ایسی درمیانی سی جگہ جہاں ہر کوئی پہنچ سکے، اور جشن کا دن، میلے کا دن، اور چاشت کا وقت یہ متعین ہو گیا اس وقت کیلئے جادوگر اکٹھے کر لئے گئے، اور لوگوں میں بھی فرعون نے اعلان عام

کر دیا، وَقِیْلَ لِلنَّاسِ لوگوں سے کہہ دیا هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ کیا تم اکٹھے ہونے والے ہو؟ یعنی تمہیں اکٹھے ہو جانا چاہیے لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ تا کہ ہم پیروی کریں جادوگروں کی، اگر وہ غلبہ پانے والے ہوئے، لوگوں سے کہا بھائی سب اکٹھے ہو کے آؤ......! ملک کو خطرہ پیش آ گیا ہے، اور یہ ہمارے غلام ہم سے باغی ہو رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت میں انقلاب آ جائے، اور ملک تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے، سارے اکٹھے ہو جاؤ......! کیونکہ جادوگر کا مقابلہ کریں گے، تو وہ ایک ہے اور ادھر اتنے ہوں گے، تو غالب گمان یہی ہے، کہ غالب یہی ہوں گے غلبہ پالیں گے ہمیں پھر جادوگروں کی بات ماننی چاہیے، ہم اس کی بات نہیں مانیں گے، اور جادوگروں کی بات یہی ہوگی کہ فرعون ہی ٹھیک ہے، رب الاعلیٰ یہی ہے، تو اپنے طور پر وہ فتح کی امید پر ساری مخلوق کو اکٹھا کر کے لے آئے۔

فرعون نے اپنی حکومت بچانے کیلئے سب لوگوں کو جمع کیا:۔

اعلان کر دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ......! اور ملک کے دفاع کیلئے جمع ہو جاؤ......! ملک خطرے میں ہے یہ انقلاب لانا چاہتے ہیں، یہ تختہ الٹ دیں گے، یہ تمہارے غلام تمہیں تمہارے ملک سے باہر نکال دیں گے، اس طرح لوگوں کے جذبات بھڑکا کر ان سب کو اکٹھا کر لیا، هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ میں ترغیب کا پہلو ہے، کیا تم اکٹھے ہونے والے ہو؟ یعنی تمہیں اکٹھے ہونا چاہیے تا کہ ہم پیروی کریں جادوگروں کی، اگر وہ غلبہ پانے والے ہوئے۔

فرعون کا جادوگروں کو طمع دینا:۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ: پس جب جادوگر آئے اب فرق دیکھو......! پیشہ ور جادوگر اور نبی کا بنیادی طور پر۔ نبی جس وقت تبلیغ کرنے کیلئے آتا ہے، تو ساتھ یہ نعرہ لگاتا ہے، کہ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (پ۱۲: سورۃ ہود: آیت ۵۱) میں تم سے کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، تم میری بات سنو......! اور مانو......! فائدے میں رہو گے، لیکن یہ جو پیشہ ور جادوگر ہوتے ہیں، ان کا تو کام ہی یہی ہے کہ کوئی کرشمہ دکھایا، اور ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے مانگ لیا، جیسے بازی گر کرتے ہیں کہ کوئی کرتب دکھایا اور پھر ہاتھ پھیلا کے لوگوں سے مانگنے لگ گئے، اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جو جادوگر کہا تھا، وہ ان سے ڈرتا ہے کہ یہ کہیں اس کی حکومت کا تختہ نہ الٹ دیں، یہ محض

ایک سیاسی چال تھی، ورنہ وہ جانتا ہے، کہ ملک میں کتنے ہی جادوگر موجود ہیں، اور وہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتے.....! کہ حکومت کا تختہ الٹے گا، بادشاہ کے دربار میں آ کے بادشاہ کو غلطیوں سے ٹوکنا تو درکنار، وہ ایک سپاہی سے آنکھ لڑانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے، جادوگروں کی تو پوزیشن ہی یہی ہوتی ہے، کہ حلقہ لگائیں گے کرشمہ دکھائیں گے، لوگوں سے مانگ مانگ کے تو روٹی کھاتے ہیں۔ ان میں کہاں حوصلہ ہوتا ہے، کہ وہ حکومت کا تختہ الٹ دیں تو یہ سب جانتا ہوا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جادوگر کہتا ہے، تو یہ اس کی محض ایک سیاسی چال تھی، چنانچہ جادوگر آئے اور آتے ہی انہوں نے پہلے اپنا مطالبہ رکھ دیا، کہ اگر ہم نے غلبہ پالیا تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا، فرعون کی تو اب جان کو آئی ہوئی تھی وہ کہتا ہے کہ انعام بھی ملے گا، اور اس کے ساتھ ساتھ تم میرے مقرب بھی بن جاؤ گے، دربار میں کرسی ملے گی، تو اس کا مطلب ہے کہ مال اور جاہ دونوں کی ان کو طمع دلائی، کہ اس سے جان چھڑاؤ میری......! اگر تم نے اس کے اُوپر غلبہ پالیا تو خزانوں کے منہ کھل جائیں گے تمہارے لئے، اور پھر تم درباری بھی ہو جاؤ گے، اور دربار میں تمہیں کرسی بھی ملے گی، یہ جاہ کی طمع دلائی، پس جب آ گئے جادوگر کہنے لگے فرعون کو کیا ہمارے لئے البتہ اجر ہوگا؟ اگر ہم غلبہ پانے والے ہوئے قَالَ نَعَمْ فرعون نے کہا ہاں وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اور تم بے شک اس وقت البتہ مقربین میں سے ہو جاؤ گے، یعنی دربار میں میرے مقربین بن جاؤ گے، مقابلہ لگ گیا، معلوم یوں ہوتا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریریں جادوگر شہر میں سنتے رہے، کیونکہ یہ قاعدہ ہوتا ہے، جس طرح دو مولویوں میں اگر مناظرے کا مقابلہ ہونا ہو، تو ایک مولوی جس نے پہلے تقریر کی ہوئی ہے، دوسرا اس کی کیسٹیں منگوا کر سنتا ہے کہ یہ دلائل کیا دیتا ہے؟ کیا باتیں کرتا ہے؟ تاکہ جب مقابلے میں تقریر کی جائے تو اس کی باتوں کا جواب دیا جا سکے، چھپ چھپ کر تقریریں سنتے ہیں ایک دوسرے کی کہ اس کا انداز کیا ہے؟ تقریریں کیسے کرتا ہے؟ یکدم تو ایک دوسرے کے مقابلے میں نہیں آ جایا کرتے، تیاری کے اندر یہ بات بھی داخل ہے، اب وہ جادوگر کئی دن سے جو مصر میں ٹھہرے ہوں گے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وعظیں بھی سنیں ہوں گی، لوگوں سے پوچھا بھی ہوگا، کہ آخر یہ کیا کہتا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں کو خطاب:۔

اور دوسری جگہ آپ کے سامنے آیا تھا کہ جب مقابلہ لگا کے کھڑے ہوئے تھے، تو اس وقت بھی حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے ایک مؤثر بات کہی، کہ دیکھو......! حق کو حق کہنا باطل کو باطل کہنا، اگر تم نے باطل کی حمایت کی تو خطرہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے اُوپر بھی عذاب آ جائے، جادوگر سمجھ گئے، کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اس کا مطالبہ کیا ہے؟ کون سی اس کی باتیں ہیں؟ اور یہ دکھاتا کیا ہے؟ اس لئے تو وہ بھی مقابلہ کرنے کیلئے لاٹھیاں اور رسیاں لائے تھے، یہ مختلف باتیں مختلف سورتوں کے اندر گزری ہیں، جب انہوں نے نے آ کے دیکھا کہ یہ لاٹھی کو سانپ بناتا ہے، تو وہ لاٹھیاں لائے اور ان کے پاس صرف لاٹھی تھی، وہ ساتھ رسیاں بھی لائے کہ جب یہ دو چیزیں پھینکی جائیں گی، تو لوگوں کو پتہ چل جائے گا، کہ لو اس نے تو صرف لاٹھی کا سانپ بنایا، ہم نے تو رسیوں کو بھی سانپ بنا دیا، غلبہ نمایاں ہو جائے گا، تو سارے حالات انہوں نے سن لئے تھے، اور دیکھ لئے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مابین مقابلہ:۔

اب جس وقت مقابلے میں آئے تو قَالَ لَهُمْ مُّوسٰٓى موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ڈالو......! جو کچھ ڈالنے والے ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھ لیا ہوگا کہ یہ بھی ڈنڈے ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں، فرمایا ڈالو......! جو ڈالتے ہو فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ ڈال دیا انہوں نے اپنی رسیوں کو، اپنی لاٹھیوں کو، حبال حَبل کی جمع ہے، حبل رسی کو کہتے ہیں، عصی عصا کی جمع ہے عصا لاٹھی کو کہتے ہیں انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں، وَقَالُوْا اور ساتھ ہی یہ نعرہ لگا دیا۔ جس طرح سے کہ عادت ہوتی ہے، ایک آدمی ایک کام کرتا ہے، تو اس کے حواری اردگرد کے لوگ ایک نعرہ بھی لگا دیتے ہیں، تا کہ رعب پڑ جائے، کہنے لگے بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ فرعون کی عزت کی قسم بے شک ہم ہی غالب آنے والے ہیں، یہ ساتھ ہی انہوں نے قسم کھائی، اور قسم کھا کر آواز بلند کی، فرعون کی عزت کی قسم، بے شک ہم ہی غالب آنے والے ہیں، فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ تو جب وہ ڈال کر فارغ ہو گئے، اور ان کے ڈالنے کا کیا اثر ہوا تھا؟ یہ بھی قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ذکر کیا تھا يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (پ۱۶: سورۃ طٰہٰ: آیت ۶۶) وہ رسیاں وغیرہ جو ڈالی تھیں "يُخَيَّلُ" موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ بات ڈالی جا رہی تھی، ان کے جادو کے اثر سے کہ یہ سب بھاگی پھر رہی ہیں، ایسا جادو کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں آ رہا تھا، کہ یہ سانپوں کی طرح بھاگی پھر رہی ہیں، تبھی موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اندیشہ ہوا تھا، کہ اگر عوام کو بھی اگر یہ یونہی بھاگتی ہوئی نظر آنے لگ گئیں، تو پھر عوام فرق کس طرح سے کرے گی؟ کہ یہ حق ہے یہ باطل ہے؟ یہی

اندیشہ آیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کہ میری لاٹھی بھی تو سانپ ہی بنے گی اور یہ بھی اسی طرح سے چل رہی ہیں، یہ تو حق اور باطل ملتبس ہوجائے گا، لوگوں کو پتہ کس طرح سے چلے گا؟ جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا اندیشہ نہ کر ڈال دے تو موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دی اپنی لاٹھی فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ پس اچانک وہ لاٹھی نگلتی تھی، اس چیز کو جو وہ بناتے تھے، جو کچھ انہوں نے گھڑا تھا، تراشا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سب کچھ نگل گئی، نگلنے کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ رسیاں لاٹھیاں سب کچھ نگل گئی، اور یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی میدان میں آئی تو وہ لاٹھی بن گئی سانپ، اور جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کو اسی طرح سے لاٹھیاں اور رسیاں نظر آنے لگ گئیں، جادو کے زور سے انہوں نے جو کچھ بنایا تھا، سب ختم ہوگیا، لوگوں کو نظر آ گیا کہ دیکھو......! یہ سانپ ہے اور وہ اسی طرح سے لاٹھیاں اور رسیاں پڑی ہیں، تفسیر میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ یا تو یہ ہے کہ جس طرح سے بڑا سانپ چھوٹے سانپ کو نگل جایا کرتا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام کے سانپ نے جو منہ کھولا تو جو کچھ ادھر پھر رہا تھا، سب کچھ نگل لیا، یہ صورت بھی ہوسکتی ہے، یا یہ ہے کہ اس کا میدان میں آنا ہی تھا کہ جادوگروں کا تصرف ختم ہوگیا، اور ان کی رسیاں لاٹھیاں ویسے ہی پھر رہی تھیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو تھا وہ سانپ کی شکل میں پھر رہا تھا، چنانچہ یہاں حاشیے میں شیخ الاسلام تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں، جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائیں تھیں، ان کو موسیٰ علیہ السلام کا عصا نگل گیا، یعنی صورتیں ختم ہوگئیں، یا پھر لاٹھیاں اور رسیاں ویسے ہی سانپوں کی شکل میں رہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان کو نگل گیا، دونوں باتیں لکھیں ہیں۔

جادوگروں کے دل میں معجزے کی عظمت بیٹھ گئی:۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ: یہ وضاحت پہلے بھی آپ کے سامنے کی تھی کہ عام آدمی فرق کر سکے یا نہ کر سکے، لیکن صاحب فن فرق کر جایا کرتا ہے، کہ یہ مسئلہ کس فن کا ہے؟ اب وہ جادوگر جانتے تھے کہ جادو کا اثر کس طرح سے ہوا کرتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو سانپ بنی اس کے اثرات دیکھے تو وہ پہچان گئے، کہ یہ جادو نہیں ہے، اس کا تعلق اس فن سے نہیں ہے، جو ہم جانتے ہیں۔ فوراً پہچان گئے کہ ان کا تعلق کسی اور قوت سے ہے کیونکہ صاحب فن تھے ان کو پرکھنے میں دیر ہی نہیں لگی، فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ جادوگر ڈال دیئے گئے اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والے تھے، یعنی اس معجزے کی ان کے دل میں اتنی عظمت بیٹھی، کہ وہ ایسے پڑے تھے، جیسے کسی نے پکڑ کر

سجدے میں گرا دیا ہو، وہ قلبی کیفیت سے اس طرح مجبور ہوئے، اور یہ پکار اٹھے اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ابھی جو کہہ رہے تھے بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ اب وہی کہتے ہیں اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اب موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ رب العالمین کا ذکر کیا تھا، تو انہوں نے بھی ایمان کا اظہار رب العالمین پہ کیا، لیکن اس میں یہ اندیشہ تھا کہ فرعون کہیں اپنے آپ کو رب العالمین نہ سمجھ بیٹھے......! تو کہہ دیا کہ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ہم اس رب العالمین پہ ایمان لے آئے ہیں جو موسیٰ اور ھارون کا رب ہے، لیجئے......! وہ ساری کی ساری فوج جو مقابلے میں آئی تھی شکست کھا گئی۔

فرعون کی سیاسی چال ناکام ہوگئی:۔

اور فرعون کی جان پہ بن گئی کہ لوگ تو اکٹھے کئے تھے، اس لئے کہ جادوگر غالب آ جائیں گے تو ان کے اثرات ختم ہو جائیں گے، اور کوئی ان کی بات مانے گا ہی نہیں، یہ الٹا حساب ہوگیا کہ جادوگر جب شکست کھا گئے تو لوگ سارے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متاثر ہو جائیں گے، اور میرا تو تختہ الٹا ہی الٹا، اب آگے اس نے وہی سیاسی لیڈروں کی طرح دوسری چال چلی کہنے لگا ہاں پتہ چل گیا، میری اجازت کے بغیر تم ایمان لے آئے ہو......! معلوم ہوتا ہے کہ یہ استاد ہے تم شاگرد ہو، اندر اندر سے تم سب نے مل کر سازش کی ہے میرے خلاف، اور میری حکومت کو بدلنے کیلئے پہلے استاد کو بھیج دیا کہ جا کے چیلنج کرے گا، اور تم بعد میں آ جاؤ گے، اور بھرے میدان میں شکست کھا کر تم نے لوگوں کے ذہنوں پر اثر ڈالا ہے، تمہاری سازش ہے اندر سے۔

فرعون کی جادوگروں کو دھمکی:۔

پھر اس کو سازش کو عنوان دیدیا، قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ تم ایمان لے ہو اس کے لئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا یعنی یوں غصہ جھاڑا کہ اگر تمہیں اس دلیل کے جواب میں شکست ہو ہی رہی تھی، تو تم میرے سامنے آتے مجھے آ کے کہتے کہ جی بات یوں معلوم ہوتی ہے، کہ یہ جادو نہیں ہے، یہ جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے، میرے سے آ کے مشورہ کرتے، پھر میں تمہیں کہتا کہ ٹھیک ہے، اگر تم دلیل سے شکست کھا گئے ہو، تو چلو ہم مل جل کے اس کو مان لیتے ہیں، میرے سے تو تم نے بات ہی نہیں کی، مجھ سے تو تم نے اجازت ہی نہیں لی، اور ایسے اپنے

طور پر ہی مان لیا اعلان کر دیا معلوم ہو گیا، کہ تم سب اندر سے ایک ہو، اگر تم اندر سے ایک نہ ہوتے، تو شکست کھانے کے بعد میرے پاس آتے، اور میرے سامنے حالات ذکر کرتے، پھر ہم اپنی شکست اکٹھی مانتے یا کوئی اور تدبیر اختیار کرتے، تو مجھ سے مشورہ کئے بغیر اور مجھ سے اجازت لئے بغیر تم نے جو ایمان کا اعلان کر دیا یہ نشاندہی ہے اس بات کی کہ اندر اندر سے تمہارا مشورہ ہے، کہ ایک جا کے پہلے یوں چیلنج کرے، دوسرے یوں مقابلے میں آئیں گے، مقابلے میں آنے کے بعد شکست کھا جائیں گے، یہ سب آپس میں تمہارا مشورہ ہے، یہ ملی بھگت ہے تم مجھے شکست دینا چاہتے ہو۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ تم ایمان لے آئے ہو اس کیلئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، بے شک یہ البتہ تمہارا بڑا ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، پس عنقریب اب تمہیں پتہ چل جائے گا، کہ میں تم سے کیا کرتا ہوں...... ! لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ البتہ ضرور کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھوں کو، اور پاؤں کو، مختلف جانب سے، یعنی ایک طرف کا ہاتھ، ایک طرف کا پاؤں، جو اس زمانے میں حکومت کے باغی کی سزا تھی، تو اب میں اسی طرح سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا، وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ البتہ ضرور میں تم سب کو سولی دوں گا۔

جادوگروں کا فرعون کو جواب:۔

قَالُوْا وہ جادوگر کہنے لگے لَا ضَيْرَ کوئی حرج نہیں ہے، اب یہ دیکھئے...... ! یہ مستقل معجزہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا، کہ وہ جادوگر جو کہ پیسے پیسے کیلئے ہاتھ پھیلاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہمیں انعام دینا اگر ہم غالب آ گئے، اگر ہم جیت گئے، اور آج فرعون کو اور فرعون کی سلطنت کو ٹھوکریں مار رہے ہیں، ایمان کا یہی اثر ہوتا ہے کہ جب قلب کے اندر آ جاتا ہے پھر دنیا کی کوئی قوت، کوئی طاقت، کوئی حرص، کوئی لالچ اس کو پریشان نہیں کرتا نہ ہی اسے شکست دے سکتا ہے، اب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں کلمہ پڑھ لیا اور اب یہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابی بن گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات تو آپ دیکھتے رہتے ہیں، کہ کلمہ پڑھنے کے بعد کیسی پہاڑوں جیسی مصیبتیں انہوں نے برداشت کیں، لیکن قدم نہیں ڈگمگائے، ادھر موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کا بھی یہی حال تھا، ابھی یہ فرعون کے سامنے دست گدائی اختیار کئے ہوئے تھے، اور پیسہ مانگنے کیلئے اور یہ جاہ کی لالچ میں تھے لیکن اب یہ ہوا کہ وہ کہتا ہے میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا، اور تمہیں سولی پر چڑھاؤں گا، کہتے ہیں کہ کوئی پرواہ نہیں، لَا ضَيْرَ کیا نقصان ہے،

اگر تو ہاتھ پاؤں کاٹ لے گا۔ سولی چڑھا دے گا، تو کیا نقصان ہے اس میں؟ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر چلے جائیں گے، اللہ کے ساتھ ان کا تعلق کتنا مضبوط ہو گیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باتیں انہوں نے پہلے سنی ہوئی تھیں، اب ایمان لانے کی دیر تھی ایمان لائے اور ساری حقیقت منکشف ہوگئی، اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ بخش دے ہمارے لئے ہمارا رب ہماری غلطیاں، اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اس سبب سے کہ ہم اس مجمع میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ یعنی مجمع کے اعتبار سے جتنا مجمع یہاں موجود ہے ان سب سے ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیاں معاف کر دے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ

ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کیطرف، لیکر چل میرے بندوں کو رات کے وقت بیشک تم پیچھا کیے جاؤ گے ﴿۵۲﴾ پھر فرعون نے بھیج دیا

فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

شہروں میں جمع کرنے والوں کو ﴿۵۳﴾ بے شک یہ لوگ البتہ جماعت ہیں چھوٹی سی ﴿۵۴﴾

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ

اور بیشک یہ لوگ البتہ ہمیں غصہ چڑھانے والے ہیں ﴿۵۵﴾ اور بیشک ہم سب البتہ خطرہ محسوس کرنیوالے ہیں ﴿۵۶﴾ پھر ہم نے ان

مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

سب کو نکال دیا باغات سے اور چشموں سے ﴿۵۷﴾ اور خزانوں سے اور عمدہ مکانوں سے ﴿۵۸﴾ ہم نے ایسے ہی کیا

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ

اوران نعمتوں کاوارث بنادیا ہم نے بنی اسرائیل کو ﴿۵۹﴾ فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا اس حال میں کہ وہ لوگ روشنی کے وقت میں داخل ہونیوالے تھے ﴿۶۰﴾ جب ان دونوں

الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ

جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ بیشک ہم تو پکڑے گئے ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں، بیشک میرے ساتھ

رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ

میرا رب ہے عنقریب مجھے وہ راستہ دکھائیگا ﴿۶۲﴾ پھر ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کیطرف کہ مارتو اپنی لاٹھی سمندر پہ،

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ

پس وہ سمندر پھٹ گیا، پس ہوگیا ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی طرح ﴿۶۳﴾ ہم نے قریب کردیا وہاں

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ

دوسروں کو بھی ﴿۶۴﴾ اور ہم نے نجات دی موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ﴿۶۵﴾ پھر

اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
ہم نے دوسروں کو غرق کردیا﴿۶۶﴾ بے شک اس واقعہ میں البتہ نشانی ہے اور ان میں سے اکثر
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾
ایمان لانے والے نہیں ﴿۶۷﴾ بے شک تیرا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۶۸﴾

تفسیر

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى: ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ سَرٰى يَسْرِيْ اور اَسْرٰى يُسْرِيْ دونوں کا معنی ہوتا ہے رات کو چلنا اور آگے بات آگئی میرے بندوں کو لے کے چل رات کے وقت، رات کا معنی لفظ اَسْرِ میں ہے، جیسا کہ پندرھویں پارے کے ابتداء میں یہی لفظ آیا تھا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا جوراتوں رات لے گیا آگے ''لیلا'' کا لفظ بھی یہاں آیا ہوا ہے، سَرٰى يَسْرِيْ یہ خود رات کے وقت چلنے کے معنی میں ہوتا ہے، لے کر چل میرے بندوں کو رات کے وقت اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ بے شک تم پیچھا کیے جاؤ گے، یعنی دشمن تمہارے پیچھے آئے گا، یہ خبر اللہ تعالیٰ نے پہلے دیدی فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ مدائن کا لفظ پہلے بھی گزرا مدینہ کی جمع ہے پھر فرعون نے بھیج دیا شہروں میں، حٰشِرِيْنَ جمع کرنے والوں کو اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ بے شک یہ لوگ البتہ جماعت ہیں چھوٹی سی شرذمۃ چھوٹی جماعت کو کہتے ہیں یہ چھوٹی سی جماعت ہیں وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ اور بے شک یہ لوگ البتہ ہمیں غصہ چڑھانے والے ہیں، غائظون یہ غیظ سے لیا گیا ہے، دوسری جگہ قرآنِ کریم میں آئے گا وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (پ:۴:سورۃ آل عمران:۱۳۴) اور اسی طرح سے لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (پ:۲۶:سورۃ فتح:۲۹) تو یہ لفظ قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہوا ہے یہ لوگ البتہ ہمیں غصہ چڑھانے والے ہیں۔

فرعون نے اپنی ساری قوت وجمعیت اکٹھی کرلی:۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ: اور بے شک ہم سب البتہ اکٹھے ہیں حٰذِرُوْنَ یہ حٰذِرُوْنَ لفظ حذر سے لیا گیا ہے، حَذِرَ يَحْذَرُ ڈرنے کے معنی میں ہوتا ہے بچنے کے معنی میں بھی ہوتا ہے، اور ''حذر'' احتیاط کو بھی کہتے ہیں خُذُوْا حِذْرَكُمْ

(پ۵: سورۃ نساء:۷۱) اپنی احتیاط اختیار کرو......! اور بچاؤ اختیار کرو......! توانَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ بے شک البتہ ہم سارے کے سارے ہی خطرہ محسوس کرنے والے ہیں، یہ حذر ڈرنے والا معنی ہوگیا، ہم سارے کے سارے محتاط ہیں، یہ حذر جو بچاؤ کے معنی میں آتا ہے، یہ وہ مفہوم ہو جائیگا کہ ہم سارے کے سارے البتہ اپنی احتیاطی تدبیر کرنے والے ہیں، ہم سب نے اپنا بچاؤ کر رکھا ہے، یا ہم سب خطرہ محسوس کر رہے ہیں، کہ یہ لوگ کہیں نکل کے پھر باہر سے ہمارے خلاف کوئی دوسرا انقلاب نہ لے آئیں، یہ ہے وہ واقعہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر نکل گئے تھے اور فرعونیوں نے ان کا پیچھا کرنا چاہا تھا، تو فرعون نے مختلف شہروں کے اندر پیغام بھیج دیئے کہ اکٹھے ہو جاؤ فوجیوں نے اپنی ساری قوت اکٹھی کرلی اور یہ پیغام دیا کہ تھوڑے سے لوگ ہیں، اور ہمیں غصہ چڑھا رہے ہیں، ایسی حرکتیں کر کے اور ہم پوری طرح سے محتاط ہیں، اس لئے کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، یا یہ ہے کہ ہم خوف اور اندیشہ کرنے والے ہیں، کہ یہ لوگ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے، اور نکلنے کے بعد پھر کوئی قوت مجتمع کر کے کوئی گڑ بڑ نہ کریں، اس لئے ہمیں ان کا پیچھا کرنا چاہیے، تو اپنی قوم کی حوصلہ افزائی کیلئے یا موقع کی نزاکت کا احساس دلانے کیلئے، فرعون نے اس قسم کی باتیں کیں؟ اور لوگوں میں یہ پیغام پھیلایا، یہاں چونکہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ نہیں آرہا، تو آگے حاصل یہ ہوگا کہ وہ لوگ اکٹھے ہو گئے اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر فرعون نے خود قیادت کی، فرعون بھی ان فوجوں کے آگے آگے تھا، اور ساری کی ساری فوجیں پیچھے لگ گئیں، اور پیچھے لگنے کے بعد نتیجہ کیا ہوا؟ کہ ان سب کو غرق کر دیا۔ اور بنی اسرائیل جو تھے وہ نجات پا گئے۔

فرعونی تمام نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے:۔

اور اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کیلئے فرعونی جو نکلے تھے، تو ان کا یہ نکلنا تھا کہ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ پھر ہم نے ان سب کو نکال دیا باغات سے، اور چشموں سے، اور خزانوں سے، اور عمدہ مکان سے، یعنی ان کا نکلنا یہ ہوا کہ تمام نعمتوں سے محروم ہو گئے، چشموں سے محروم ہو گئے، خزانوں سے محروم ہو گئے، ان کا اپنا ٹھکانہ بڑا عمدہ ٹھکانہ تھا، جس سے یہ فائدہ اٹھا رہے تھے، اس سے بھی محروم ہو گئے۔

بنی اسرائیل وارث بنادیئے گئے:۔

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: كَذٰلِكَ کا معنی ہم نے ایسے ہی کیا اوران نعمتوں کا وارث بنادیا ہم نے بنی اسرائیل، کومصریوں کومحروم کردیا، فرعونیوں کومحروم کردیا، اوران نعمتوں کا وارث بنادیا بنی اسرائیل کو ہم نے، ھاضمیر یہ پچھلی چیزوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کہ جو جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ کے عنوان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اَوْرَثْنٰهَا کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ فرعونی جو چیزیں چھوڑ کے گئے تھے، وہ ورثہ کے طور پر بنی اسرائیل کومل گئیں کیونکہ یہ مفہوم تب صحیح ہوگا، اگر یہ تاریخی طور پر ثابت ہوجائے کہ فرعونیوں کے غرق ہوجانے کے بعد اسرائیلی واپس مصر میں آگئے تھے اور یہ ساری کی ساری چیزیں اسرائیلیوں نے آکر سنبھال لی تھیں، پھر یہ بات صحیح ہوگی کہ فرعونیوں کی چھوڑی ہوئی چیزیں اسرائیلیوں کومل گئیں، لیکن تاریخی طور پر یہ بات ثابت نہیں ہے کہ اسرائیلی دوبارہ مصر میں گئے ہوں، اور جا کے مصر کی حکومت پہ قابض ہوگئے ہوں، بلکہ وہاں سے نکل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ان کو حکم ہوا تھا کہ جہاد کریں، اور فلسطین کے علاقے پر قبضہ کریں، لیکن انہوں نے جہاد میں سستی اور کاہلی کی تھی، اور انکار کردیا تھا۔ کہ ہم تو ان جبار لوگوں سے لڑنے کیلئے تیار نہیں، اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ① جیسے آپ کے سامنے سورۃ مائدہ میں تفصیل گزری تھی اس سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو چالیس سال کیلئے صحراء سینا میں محصور کردیا یہ صحراء سینا جو آج کل بھی مصر کے قبضے میں ہے، اسرائیلیوں سے جواب آزاد کروایا گیا، چھڑوایا ہے تو یہی صحراء سینا جس میں اسرائیلی چالیس سال تک دھکے کھاتے پھرتے تھے، پھر یوشع ابن نون کی قیادت میں جہاد کیا، پھر شام اور فلسطین کا علاقہ ان کے قبضے میں آیا اور فلسطین کا علاقہ وہ بھی چشموں والا علاقہ ہے، باغات کا علاقہ ہے، ہر قسم کی خوشحالی وہاں میسر ہوئی، تو اَوْرَثْنٰهَا کا معنی یہ ہوگا کہ ان نعمتوں سے مصریوں کومحروم کردیا۔ اور یہ نعمتیں بنی اسرائیل کو دیدیں، یعنی دوسرے علاقے میں شام کے علاقے میں، فلسطین کے علاقے میں، یہ مصر والی ان کی متروکہ نعمتیں مراد نہیں ہیں، ہم نے ان نعمتوں کا وارث بنادیا ان کو محروم کردیا چونکہ شام کا علاقہ جب فتح ہوگیا۔ پھر اسرائیلی وہاں آباد ہوگئے، فلسطین کا علاقہ فتح ہوگیا، اسرائیلی وہاں آباد ہوگئے، تو پھر یہ جنت اور عیون والی نعمتیں ان کو وہاں وافر مقدار میں مل گئیں۔

---

① پارہ نمبر ٦، سورۃ نمبر ٥، آیت نمبر ٢٤، ص ١٠٢

فرعونی اور بنی اسرائیلیوں کا تقابل:۔

فَاَتۡبَعُوۡهُمۡ مُّشۡرِقِيۡنَ: یہ تو درمیان میں ان کے انجام کی طرف اشارہ کردیا تھا آگے وہی واقعہ کا تتمہ ہے، فَاَتۡبَعُوۡهُمۡ فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا مُّشۡرِقِيۡنَ مشرقین اِشْراق سے ہے اور شَرَقَ مجرد ہے بمعنی سورج کا نکلنا تو اَشْرَقَ کا معنی سورج نکلنے کے وقت میں داخل ہونا روشنی میں داخل ہونا یہ بھی اس کا مفہوم ہے تو مُّشۡرِقِيۡنَ کا مطلب یہ ہوگا اس حال میں کہ وہ لوگ روشنی کے وقت میں داخل ہونے والے تھے، یعنی سورج نکل رہا تھا، تب یہ فرعونی اسرائیلیوں کے پیچھے پہنچ گئے، تو آگے آگے وہ سفر کرتے جارہے تھے اور پیچھے سے یہ فوجوں کی فوجیں تھیں، چونکہ کوئی ایک دن کا واقعہ تو تھا نہیں، نجانے کتنی منزلیں طے کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام پہنچے تھے، اس سمندر تک جس کو عبور کرنا تھا، اور اسی طرح سے یہ فرعونی بھی اپنے سازوسامان کے ساتھ، اپنی فوجوں کے ساتھ ان کے پیچھے لگ گئے، آخرکار راتوں رات چلتے چلتے اس سے وہی ایک رات مراد نہیں، کئی راتیں جس طرح سے سفر میں لگتی ہیں، ایک رات سفر کرنے کے بعد جب سورج نکلنے والا تھا، تو اس وقت یہ فرعونی ان کے پیچھے پہنچ گئے، فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ، تَرَآءَ یہ باب تفاعل ہے ایک دوسرے کے سامنے آجانا، ''رَاٰی'' اس نے دیکھا تَرَآیٰ یہ تقابل کیلئے باب تفاعل آگیا جس میں اشتراک اور تشارک ہوا کرتا ہے، جب ان دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے ہوگئیں۔

آگے موجیں پیچھے فوجیں:۔

قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤى اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ: فرعونیوں پر جب اسرائیلیوں کی نظر پڑی، یعنی اسرائیلیوں نے پیچھے مڑکر دیکھا، تو فرعونیوں کی فوجیں نظر آرہی تھیں، اور فرعونیوں کو چونکہ دن کی روشنی ہورہی تھی، اسرائیلی جاتے ہوئے نظر آنے لگے۔ پیچھا کرتے کرتے وہ سورج نکلنے کے وقت صبح کے وقت وہ وہاں پہنچ گئے، تو دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا دیکھنے کے بعد اسرائیلی گھبراگئے چونکہ موقع ایسا تھا اور آگے سمندر تھا، جیسے ہمارے مرحوم مولانا غلام اللہ خاں کہا کرتے تھے۔ آگے سمندر کی موجیں، پیچھے فرعون کی فوجیں، وہی بات ہوگئی کہ آگے ان کو موجیں مارتا سمندر نظر آرہا ہے، اور پیچھے فرعون کی فوجیں نظر آرہی ہیں۔ تو اب یہ گھبراگئے کہنے لگے اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ موسیٰ کے

ساتھیوں نے کہا کہ بے شک ہم تو پکڑے گئے، یعنی اب آگے بھاگنے کا راستہ بھی کوئی نہیں، اور پیچھے فوجیں پہنچ گئیں، اب کدھر جائیں گے؟ یہ موسیٰ کے ساتھیوں نے گھبرا کے کہا اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ بے شک ہم البتہ پکڑے گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تسلی:۔

اور اللہ کے نبی کو اللہ کے وعدے کے اُوپر کتنا پختہ یقین ہوتا ہے، وہ یہی لفظ ''کَلَّا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ چاہے آگے سمندر ہے، چاہے پیچھے فرعون کی فوجیں اوپر چڑھ آئیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کَلَّا ہرگز نہیں پکڑے جائیں گے ہم، یا یہ ہم پہ قابو نہیں پا سکتے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم ان کو لے کے چلو اور آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی کا وعدہ تھا، تو یہ فرعونی کیسے پکڑ سکتے ہیں؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اسی پختگی کے ساتھ کہا کَلَّا ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا، کہ فرعونی ہمیں پکڑ لیں......! اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے عنقریب مجھے وہ راستہ دکھائے گا، هَدٰی یَهْدِیْ راستہ دکھانے کے معنی میں ہے، مجھے ہدایت دے گا، یعنی مجھے میری منزل تک پہنچائے گا، اور یہاں ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہے اپنے اکیلے کا کیا ہے، لیکن مقصود ہے قوم سمیت، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہیں جانا چاہتے تھے، نہ اکیلے کسی منزل پہ پہنچنا چاہتے تھے، بلکہ اپنی قوم کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے، قائد چونکہ آپ تھے اور راہنما چونکہ آپ تھے، اس لئے نسبت آپ کی طرف ہوئی، کہ اللہ میرے ساتھ ہے مجھے ضرور میری منزل تک پہنچائے گا، میں اپنی قوم کو نجات دلاؤں گا، اپنی قوم کو لے کر ضرور کسی منزل پہ پہنچوں گا، اللہ کا میرے ساتھ وعدہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی دینا:۔

یہ بات ویسی ہے جیسا کہ ہجرت کی رات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں غار میں جا کے بیٹھ گئے تھے، اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ ① جو قرآن میں ذکر کیا ہے، اور پیچھے سے مشرک غار کے دھانے تک پہنچ گئے تھے، اور وہ مشرک آس پاس کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، تو غار کا جو منہ ہے اس سے ان کے قدم نظر آرہے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو، غار کی بناوٹ ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ چٹان اس طرح سے اُوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت یوں جیسے کسی نے فرش کے رکھی ہو، بہت بڑی چٹان ہے اتنی بڑی، اتنی اونچی جیسے تمبو (شامیانہ) لگا ہوا ہو،

① پارہ نمبر ۱۰: سورۃ نمبر ۹: آیت نمبر ۴۰

اور اُوپر سے اس کی ہیئت ایسی ہے کہ ایک طرف سے اندر کو گھسنے کا راستہ ہے، اور دوسری طرف پہاڑوں کی دوسری چٹان آئی ہوئی تو اتنا سا کچھ فصل ہے کہ وہاں اس طرف اگر پہاڑ پہ کوئی انسان کھڑا ہو تو اِدھر بیٹھنے والے کو، اس کے قدم نظر آتے ہیں اور اندر میں یہ ہیئت جس طرح سے میں بیٹھا ہوں، یہ نیچی ہے ادھر کی جانب اور آگے کو پتھر سا پڑا ہوا ہے، تو جدھر نیچی جگہ وہاں انسان آسانی کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے، اور اس کی اُونچائی پہ جا کے اُوپر جو آتا ہے تو پھر ذرا جھک کے بیٹھنا پڑتا ہے، پوری طرح سے انسان سر اٹھا کے بیٹھ نہیں سکتا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے راستہ تھا اندر گھسنے کو، یہاں سے اندر گھسے اور گھستے ہی نیچی جانب کو بیٹھ گئے، اور اِدھر کی جانب اُوپر والی چٹان اور نیچے والے پہاڑ میں کچھ فصل ہے، جس میں سے انسان اندر آ نہیں سکتا کوئی ایک بالشت کا ہوگا یا اس سے ایک آدھ انچ زائد، جیسے پتھر پہ پتھر رکھا ہو تو اِدھر سے اور اُدھر سے سارا جڑا ہوا ہے، اور درمیان میں یہ فصل ہے، یعنی اگر ہم چاہتے تو اس میں سے اندر آ سکتے تھے، ایک آدمی ملائیشیا کا تھا یا انڈونیشیا کا تھا وہ بہت چھوٹے چھوٹے قد کے اور پتلے پتلے ہوتے ہیں تو ہم اندر بیٹھے ہوئے تھے، تو وہ اس چٹان کے اُوپر لیٹ کے اندر کی جانب آ گیا تھا، چونکہ قد اُس کا چھوٹا تھا اور ہلکا پھلکا تھا، اس علاقے کے لوگ ایسے ہی ہلکے پھلکے ہوتے ہیں، اور اگر وہ ادھر سے نیچے ہو کے دیکھتے تو یہ ادھر بیٹھے ہوئے نظر آ جاتے، اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر انہوں نے اپنے قدموں کو دیکھ لیا تو ہمیں دیکھ لیں گے، تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کچھ گھبراہٹ اور خوف طاری ہوا، کیونکہ آپ کو اپنی جان کی تو فکر نہیں تھی، یہ فکر تھی کہ کہیں سرورِ کائنات ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ جن کی خدمت کیلئے جن کی حفاظت کیلئے وہ ساتھ دیئے ہوئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر انہوں نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو ہمیں دیکھ لیں گے، یہ ایسی بات ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے بھی ان حالات کو دیکھ کے کہا تھا کہ اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب ہم پکڑے جائیں گے، تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی، کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہے۔ حدیث شریف میں جیسے الفاظ آئے ہیں مَاظَنُّكَ بِاثۡنَیۡنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا① اے ابوبکر......! تیرا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے؟ جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے، اور قرآنِ کریم میں بھی یہ واقعہ ذکر کیا گیا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہے گویا کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی

① مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۰ ج ۲، باب فی المعجزات، بخاری ج ۲ ص ۶۷۲

اپنی قوم کو اسی طرح سے تسلی دی، لیکن یہ جمع اور واحد کے صیغے موقع محل کے مطابق آ جاتے ہیں، ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا'' وہاں حضور ﷺ نے جمع کا صیغہ بولا ہے اور یہاں اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا رب ہے، تو حضور ﷺ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے ساتھ اللہ کی مدد اور یہاں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب میرے ساتھ ہے، تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ ہے تو آپ کی قوم کے ساتھ بھی ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو قوم کو لئے جا رہے ہیں تو گویا کہ نبی قوم کا نمائندہ ہوتا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اللہ کی معیت اور نصرت جو تھی، تو یوں سمجھو......! کہ پوری قوم کے ساتھ ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی نجات پا گئے فرعون اور اس کے ساتھی ہلاک ہو گئے:۔

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی: پھر ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی طرف اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ اَنْ یہ اَوْحَیْنَا کے اندر جو معنی ہے اس کی تفسیر کیلئے آیا ہے ہم نے حکم بھیجا اور اس حکم میں ہم نے یوں کہا کہ مار تو اپنی لاٹھی کو سمندر پر فَانْفَلَقَ پس وہ سمندر پھٹ گیا، كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ طود کہتے ہیں پہاڑ کو، پس ہو گیا ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی طرح دیکھئے......! مثال کے طور پر پانی اگر اتنا گہرا ہو جیسے ہماری چھت ہے، اور یہ زمین ہے، اور یہ درمیان سے پھٹ کر یوں ہو جائے، کہ اِدھر بھی پانی کھڑا ہوا نظر آتا ہے، پہاڑ کی طرح اور اُدھر سے بھی پانی پہاڑ کی طرح کھڑا نظر آتا ہے، درمیان میں راستہ بن جائے گا، جب درمیان میں راستہ بن گیا تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس راستے پر سے چلتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے، ان کا دوسرے کنارے پر پہنچنا تھا، کہ فرعون بھی آ گیا، اس نے جب دیکھا کہ راستہ بنا ہوا ہے، وہ چونکہ پیچھے لگا ہوا ہے، لشکر کو لے کر وہ بھی اسی راستے میں داخل ہو گیا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ......! ساری فوج کو لے کر سمندر میں داخل ہو گیا، ادھر اسرائیلی سارے کے سارے نکل گئے، اور فرعونی سارے کے سارے سمندر میں داخل ہو گئے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے طور پر اللہ کی رحمت سے جو راستہ بنا تھا، وہ ختم ہو گیا، اور وہ پانی اور یہ پانی دونوں آپس میں مل گئے، یہ فرعونی سارے کے سارے ڈوب گئے، اَزْلَفْنَا ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسروں کو بھی اُن دوسروں سے مراد فرعون اور فرعون کے ساتھی، وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ اور ہم نے نجات دی موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا، اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک اس واقعہ میں البتہ نشانی ہے، سوچنے والے سوچ سکتے ہیں، عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کر سکتے ہیں، وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں، وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ بے شک تیرا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔ یہ آیت پہلے بھی گزری ہے اور آئندہ بھی ہر واقعہ کے آخر میں آئے گی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾

ابراہیم کا واقعہ ان پر تلاوت کیجئے ﴿٦٩﴾ جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کیا ہیں یہ چیزیں جن کی تو پوجا کرتے ہو؟ ﴿٧٠﴾

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ

انہوں نے کہا کہ ہم پوجا کرتے ہیں بتوں کی پس ہم ان کیلئے جم کے بیٹھنے والے ہیں ﴿٧١﴾ ابراہیم نے کہا کیا یہ تمہاری باتیں سنتے ہیں؟

اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

جسوقت تم ان کو پکارو ﴿٧٢﴾ یا تمہیں کوئی یہ نفع پہنچاتے ہیں یا کوئی نقصان دیتے ہیں؟ ﴿٧٣﴾ وہ کہنے لگے کہ ہم نے تو اپنے آباء کو پایا ہے

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ

کہ وہ اسی طرح کرتے تھے ﴿٧٤﴾ ابراہیم نے کہا پھر دیکھا تم نے جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ﴿٧٥﴾ تم

وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور تمہارے پرانے آباؤ اجداد ﴿٧٦﴾ پس وہ سارے کے سارے میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے ﴿٧٧﴾

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾

جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے ہدایت دیتا ہے ﴿٧٨﴾ اور جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور جو مجھے پانی پلاتا ہے ﴿٧٩﴾

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾

اور جسوقت میں بیمار ہو جاتا ہوں پس وہی مجھے شفا دیتا ہے ﴿٨٠﴾ اور جو مجھے مارے گا پھر وہ مجھے زندہ کرے گا ﴿٨١﴾

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ

اور رب العالمین وہ ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا، مجھ سے میری غلطیاں جزا کے دن ﴿٨٢﴾ اے میرے رب! مجھے حکمت

حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي

دے اور ملادے مجھے اچھے لوگوں کے ساتھ ﴿٨٣﴾ اور کردے میرے لئے اچھا ذکر

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ

پچھلوں میں ﴿۸۴﴾ اور کردے مجھے خوشحالی کے باغ کے ورثا میں سے ﴿۸۵﴾ اور بخش دے میرے باپ کو

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ

بے شک وہ بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ہے ﴿۸۶﴾ اور اے میرے پروردگار! مجھے رسوا نہ کرنا جس دن کہ لوگ اٹھائے جائیں گے ﴿۸۷﴾ جس دن

لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ

نفع نہیں دے گا مال اور نہیں نفع دیں گے بیٹے ﴿۸۸﴾ ہاں جو شخص اللہ کے پاس قلب سلیم لے کے آیا ﴿۸۹﴾ جنت قریب کردی جائیگی

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا

متقین کے لئے ﴿۹۰﴾ اور ظاہر کردی جائے گی جہنم گمراہوں کے لئے ﴿۹۱﴾ ان گمراہوں سے کہا جائے گا کہاں ہیں

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

وہ چیزیں جنکو تم پوجا کرتے تھے ﴿۹۲﴾ اللہ کے علاوہ کیا وہ تمہاری مدد کریں گی یا وہ اپنے آپ کو بچالیں گی؟

فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا

منہ کے بل گرا دیئے گئے جہنم میں وہ بھی اور گمراہ ہونیوالے بھی ﴿۹۴﴾ اور ابلیس کے سارے لشکر ﴿۹۵﴾ کہیں گے وہ

وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ

لوگ اس حال میں کہ آپس میں جھگڑتے ہونگے ﴿۹۶﴾ اللہ کی قسم بیشک ہم صریح گمراہی میں تھے ﴿۹۷﴾ جبکہ

نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا

ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے ﴿۹۸﴾ نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرم لوگوں نے ﴿۹۹﴾ نہیں ہے ہمارے لئے

مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ

کوئی سفارش کرنے والا ﴿۱۰۰﴾ اور نہ کوئی گرم جوش دوست ﴿۱۰۱﴾ کاش کہ ہمارے لئے لوٹنا ہو پس ہو جائیں ہم

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ایمان لانے والوں میں سے ﴿۱۰۲﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۰۳﴾ بے شک تیرا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰۴﴾

تفسیر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ: ''نبأ'' واقعہ کو کہتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ان پر تلاوت کیجئے......! پڑھئے......! اس میں بھی وہی توحید رد شرک اور اثبات معاد والا مضمون ہے، اور ابراہیم علیہ السلام کی طرف چونکہ یہ لوگ نسبت بھی رکھتے تھے، اس لئے یہ واقعہ زیادہ مؤثر ہوسکتا ہے اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ یہ واقعہ آپ کے سامنے سورۃ مریم میں اور دوسری آیات میں گزر گیا۔ قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو مَا تَعْبُدُوْنَ یہ استفہام تحقیر کیلئے ہے۔ جیسے سورۃ انبیاء میں لفظ آیا تھا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ کیا ہیں یہ مورتیاں جن کیلئے تم جمے بیٹھے ہو؟، مطلب ہے کہ یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے اس لئے وہاں بیان القرآن سے ترجمہ نقل کیا تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا، یہ کیا واہیات مورتیاں ہیں جن کیلئے تم جمے بیٹھے ہو۔ واہیات کا لفظ اسی تحقیر کو ظاہر کرنے کیلئے ہے تو یہاں بھی استفہام پوچھنے کیلئے نہیں بلکہ استخفاف اور تحقیر کیلئے ہے۔ کہ کیا ہیں یہ چیزیں جن کی تم پوجا کرتے ہو یعنی یہ کوئی پوجنے کے قابل ہیں؟ ایسی نکمی چیزیں جن کے تم پیچھے لگے ہو؟ کیا ہیں یہ چیزیں؟ جن کے تم پیچھے لگے ہوئے ہو۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا: اس جواب کا حاصل یہ نہیں کہ انہوں نے نرمی سے بات کی ہوگی، بلکہ جس وقت دونوں جانبوں میں سختی ہوجایا کرتی ہے، تو ایک شخص کسی پہ نفرت کا اظہار کرتا ہے، تو دوسرا اتنی پختگی کے ساتھ اس پہ اپنی استقامت ظاہر کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم پوجا کرتے ہیں بتوں کی، پس ہیں ہم ان کیلئے جم کے بیٹھنے والے، فَنَظَلُّ کہتے ہیں کسی کام کو دن کے وقت کرنا، ظَلَّ زَيْدٌ رَاكِبًا یہ نحو کی کتابوں میں بھی آپ پڑھا کرتے ہیں، زید دن کے وقت سوار ہونے والا ہوگیا، جس کا حاصل ترجمہ ہوا کرتا ہے کہ زید نے دن کے وقت سواری کی، فَظَلُّوْا فِيْهِ

یَعْرُجُوْنَ ① یہ چودھویں پارے میں آپ کے سامنے لفظ آئے تھے، وہاں ترجمہ یہی کیا تھا کہ پھر وہ دن دیہاڑے آسمان پہ چڑھنے لگ جائیں۔ توظل کسی کام کے دن کے وقت ہونے کیلئے بولا جاتا، فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم سارا دن ان کیلئے جم کے بیٹھے رہتے ہیں۔ تو نفرت کرتا ہے تو کرہم تو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور ان کیلئے جم کے بیٹھتے ہیں، تیرے نفرت کرنے کی وجہ سے یا تیرے انکار کرنے کی وجہ سے ہم نے ان سے تعلق نہ توڑا ہے، نہ توڑیں گے ہم ان کیلئے سارا سارا دن جم کے بیٹھنے والے ہیں، یہ گویا کہ قوم کا آگے وہی شدت سے جواب ہے، ان لفظوں کی نوعیت یہی ہے، یہ کوئی سرسری گفتگو نہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مشرکین سے ان کے بتوں کے متعلق سوالات:۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ: ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا یہ تمہاری باتیں سنتے ہیں؟ جس وقت تم ان کو پکارتے ہو......! اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ یا تمہیں کوئی یہ نفع پہنچاتے ہیں؟ یا کوئی نقصان دیتے ہیں؟ ان کو کوئی نفع نقصان کا اختیار ہے؟ الٰہ تو وہ ہونا چاہیے، عبادت تو اس کی کرنی چاہیے، ماتھا تو اس کے سامنے ٹیکنا چاہیے......! عاجزی کا اظہار وہاں کرنا چاہیے جس کو کم از کم علم اور قدرت تو ہو......! کیا جن کے سامنے تم جھکتے ہو......! اور عبادت کرتے ہو......! کیا ان کے پاس کوئی علم اور قدرت ہے؟ یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ کیا ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ تم کیا کہتے ہو؟ اور ان کو پتہ ہے تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اور کیا نفع دینے پر اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں؟ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بہت ہی واضح سوال ہے۔

مشرکین کا ابراہیم علیہ السلام کو جواب:۔

قَالُوْا: وہ کہنے لگے کہ ہمیں نہیں پتہ کہ قدرت رکھتے ہیں کہ نہیں رکھتے سنتے ہیں کہ نہیں سنتے، ہم نے تو اپنے آباء کو ایسا کرتے دیکھا ہے، اور ہم بھی ایسے ہی کرتے رہیں گے، یہی ہے وہ ضد کی انتہاء بل کا مطلب یہ ہے کہ اِضْراب یعنی ہم نہیں جانتے کہ سنتے ہیں کہ نہیں سنتے......! اور نفع نقصان کی قدرت رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے......! بلکہ ہم نے وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا پایا اپنے آباء کو كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ایسے ہی کرتے ہوئے۔

① پارہ نمبر۱۴: سورۃ نمبر۱۵: آیت نمبر۱۴

اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق ایسا ہونا چاہیے:۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ: ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا پھر دیکھا تم نے لفظی ترجمہ ایسے ہے جیسے ہم بھی گفتگو کرتے کرتے کہتے ہیں کہ دیکھو جی! بات ایسے ہے یہ محاورتاً اَفَرَءَيْتُمْ کا لفظ بولا جاتا ہے، کیا پھر دیکھا تم نے؟ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو اور تمہارے آباء بھی، اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ تمہارے پُرانے آباء واجداد فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ پس وہ سارے کے سارے میرے دشمن ہیں، میں ان کو اپنا دوست نہیں سمجھتا، یہ میرے لئے باعث نقصان ہیں۔ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ سوائے رب العالمین کے، میرا تعلق دوستی کا، محبت کا، رب العالمین کے ساتھ ہے، الَّذِيْ خَلَقَنِيْ جس کی اتنی قدرت اور اتنے انعامات ہیں، جس نے مجھے پیدا کیا فَهُوَ يَهْدِيْنِ پس وہی مجھے ہدایت دیتا ہے، میری مصلحتوں کی طرف عقل وسمجھ فطرت کے مطابق، میری مصلحت کے طریقے بتاتا ہے۔ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ اور جو مجھے کھانا کھلاتا ہے وَيَسْقِيْنِ اور جو مجھے پانی پلاتا ہے وَاِذَا مَرِضْتُ اور جس وقت میں بیمار ہو جاتا ہوں فَهُوَ يَشْفِيْنِ پس وہی مجھے شفا دیتا ہے کھانے پینے کیلئے دینا بھی اسی کا کام ہے، اور بیماروں کو شفا دینا بھی اسی کا کام ہے۔ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ اور جو مجھے مارے گا ثُمَّ يُحْيِيْنِ پھر وہ مجھے زندہ کرے گا موت وحیات بھی اسی کے پاس، اور رب العالمین وہ کہ میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا، مجھ سے میری غلطیاں جزا کے دن یعنی اسی سے مجھے مغفرت کی امید ہے کہ جب میں اس کے سامنے جاؤں گا، تو وہ مجھ سے میری خطائیں معاف کردے گا، وہ رب العالمین کہ میں اس کی امید رکھتا ہوں کہ بخش دے گا مجھ سے وہ میری خطا، میری غلطی، میری تقصیر، جزاء کے دن۔ اب یہاں تک جس وقت بات پہنچی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رجحان گفتگو کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی طرف ہوگیا اور اس مناجات کے ضمن میں بھی قوم کو سمجھانا مقصود ہے، کہ اللہ کے ساتھ بندے کے تعلق ایسا ہونا چاہیے، اور اللہ ہی ہے جو دنیا و آخرت میں انسان کی حاجت روائی کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اور اس کے ثمرات:۔

اے میرے رب......! هَبْ لِيْ حُكْمًا حکم سے حکمت مراد ہے اور حکمت کا اصل مفہوم ہوا کرتا ہے علم وعمل کا کمال، اے میرے رب......! مجھے علم وعمل کا کمال عطا فرما مجھے حکمت اور دانش مندی دے۔ اور ملا دے مجھے اچھے

لوگوں کے ساتھ۔ یعنی دنیا اور آخرت میں، مجھے اچھے لوگوں کی رفاقت نصیب فرما۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ لسان زبان کو کہتے ہیں اور یہاں زبان بول کے ذکر مراد ہے، اور لسان صدق کے اندر اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے۔ جس طرح سے قَدَمَ صِدْقٍ کی ترکیب سورۃ یونس کی ابتداء میں گزری تھی۔ اور جیسے مَقْعَدَ صدق کی ترکیب جو ہے وہ سورۃ قمر کے آخر میں آئے گی۔ اور اسی طرح سے مُدْخَلَ صِدْقٍ کی ترکیب آپ کے سامنے سورۃ بنی اسرائیل میں گزری ہے، یہ ہے لِسَانَ صِدْقٍ یعنی کر دے میرے لئے اچھا ذکر پیچھے رہنے والوں میں، یعنی مجھے ایسے حالات نصیب فرما کہ پچھلے آنے والے میرا اچھا تذکرہ کریں دنیا میں بھی اللہ عزت دے آخرت میں بھی اللہ عزت دے اور میری باتوں کو یاد کر کے ان کے اُوپر عمل کریں، تا کہ پچھلے آنے والے جب عمل کریں گے، تو مجھے بھی اس کا ثواب پہنچے گا، اس قسم کی تمنا رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا مقتداء بنا دے۔ ہماری باتوں کے ساتھ موجودہ لوگوں کو بھی ہدایت ہو، اور ہماری باتوں کے ساتھ پچھلے لوگوں کو بھی ہدایت ہو۔ یہ تمنا اچھی تمنا ہے، دین کی اشاعت ہے، اور اپنے لئے ثواب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا جس طرح سے قبول فرمائی وہ آپ کے سامنے ہے کہ بعد میں آنے والے سارے کے سارے انبیاء کرام علیہم السلام ملت ابراہیمی پر ہی تھے۔ اور ملت ابراہیمی کو ہی اپنا مقتداء سمجھتے تھے، اور مسلمان بھی مقتداء سمجھتے تھے، بلکہ غالباً میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر زید مجدہٗ ① (حضرت اُس وقت حیات تھے) نے ''گلدستۂ توحید'' ② کتاب جو لکھی ہے، اس میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کا ایک بڑا بت ہے جس کو ''برہما'' کہتے ہیں اس کی یہ پوجا کرتے ہیں، جس بت کی طرف نسبت کی بناء پر ایک طبقہ ان میں برہمن کہلاتا ہے، برہمن ان کا مذہبی طبقہ ہے ہندوؤں کا، جو ہندوؤں کی کتابیں پڑھتا ہے، اور مذہبی راہنمائی کرتا ہے، اس کو برہمن کہتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بت بھی حضرت ابراہیم کے نام پر ہے، ابراہیم کا نام بدل کر ان کی زبان میں ''برہما'' ہو گیا جس طرح سے بعض الفاظ بگڑتے بنتے رہتے ہیں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے، اسی طرح سے برہما کا لفظ ابراہیم سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بڑی بڑی قومیں چاہے وہ مشرکین کی تھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی اپنا مقتداء سمجھتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر خیر اس طرح سے پچھلوں میں باقی رکھا۔ کر دے میرے لئے اچھا ذکر پچھلوں میں وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ

① شیخ محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ اپنے دور کے امام اہلسنت والجماعۃ تھے، آپ کا فیض پوری دنیا میں پھیلا، معتبر مفسر، محدث، فقیہ، محقق اور کتب کثیرہ کے مصنف تھے۔ (از محمد عمیر شاہین)

② دیکھئے گلدستہ توحید ص ۶۴

النَّعِیۡمِ نعیم خوشحالی کو کہتے ہیں، جنت باغ خوشحالی کا باغ، اور کردے مجھے خوشحالی کے باغ کے ورثاء میں سے، یعنی مجھے جنت کا وارث بنا، آخرت میں مجھے جنت دے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے دعاء مغفرت کرنا اور اللہ کی طرف سے ممانعت:۔

وَاغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ: اور بخش دے میرے باپ کو، بے شک وہ بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ہے، اب یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے مغفرت کی دعا کی، اگر زندگی میں کی تو پھر اس کا مطلب کہ اس کو ہدایت دے، اور ہدایت دے کر مغفرت کے قابل بنادے، یہ بھٹکا ہوا ہے، جیسا کہ وعدہ کر آئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَکَ رَبِّیۡ ① یہ گویا کہ اسی وعدے کا ایفاء ہے، میرے باپ کو بخش دے وہ ضالین میں سے ہے، یعنی اس کو ایمان کی توفیق دے توفیق دے کر اس کے لئے بخشش کا سامان مہیا کردے، اور اگر ان کی وفات کے بعد یہ دعا مانگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے یہ حقیقت نمایاں نہیں ہوئی تھی، کہ میرے باپ کا خاتمہ جو ہے وہ شرک کی حالت میں ہوگیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات ان کے سامنے واضح کردی گئی پھر وہ لاتعلق ہوگئے، پھر انہوں نے دعا چھوڑ دی جیسا کہ آپ کے سامنے غالباً سورۃ برأت کے اندر آیا تھا وَمَا کَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰہِیۡمَ لِاَبِیۡہِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَۃٍ وَّعَدَہَاۤ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗۤ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنۡہُ ② تو ابراہیم اپنے باپ کیلئے استغفار کرتے رہے تو وہ ایک وعدے کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے باپ سے کر آئے تھے، جب ان کو پتہ چلا کہ یہ تو اللہ کا دشمن ہے یعنی اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا، خاتمہ کفر پر ہوگیا مر گیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے لاتعلقی کا اعلان کردیا، اس کے بعد ان کیلئے دعا نہیں کی۔

مشرک کے لئے دعاءِ استغفار درست نہیں:۔

یہ مسئلہ واضح کردیا گیا کہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ ③ مومنوں کیلئے مناسب ہی نہیں کہ مشرکین کیلئے استغفار کریں، اس لئے اگر کسی کا کوئی رشتہ دار کفر کی حالت میں مر گیا ہو، شرک کی حالت میں مر گیا ہو،

① پارہ نمبر ۱۶: سورۃ مریم: آیت نمبر ۴۷
② پارہ نمبر ۱۱: سورۃ نمبر ۹: آیت نمبر ۱۱۴
③ پارہ نمبر ۱۱: سورۃ نمبر ۹: آیت نمبر ۱۱۳

تو اس کیلئے استغفار درست نہیں ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو استغفار تھا، وہ اسی وجہ سے تھا جب ان کے سامنے حقیقت نمایاں ہوگئی، تو پھر انہوں نے لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کی قیامت کے روز حالت:۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ: اور اے میرے پروردگار......! مجھے رسوا نہ کرنا جس دن کہ لوگ اٹھائے جائیں گے، اس کا تعلق بھی ماقبل کے جملے کے ساتھ یوں کیا جا سکتا ہے، کہ میرے اللہ میرے باپ کو بخش دے، جو بھٹکے ہوؤں میں سے تھا، اور میرے باپ کو معذب کر کے جہنم میں ڈال کے مجھے رسوا نہ کرنا۔ کیونکہ اپنے آباء اور اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کی اس قسم کی حالت انسان کیلئے رسوائی کا باعث بن جاتی ہے، تو مجھے رسوا نہ کرنا، جس دن کہ لوگ اٹھائے جائیں گے، بلکہ بخش دینا اور میرے یہ آباء، میرے یہ رشتہ داران کی بھی مغفرت کر دینا، چنانچہ حدیث شریف کی طرف دیکھتے ہوئے یہی معنی زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ابراہیم اپنے باپ آزر کو دیکھیں گے وَعَلٰی وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ ① کے الفاظ ہیں کہ اس کے اُوپر گرد وغبار سیاہی جیسا کہ کافروں پر ہوگی اس کے اُوپر بھی ویسے ہوگی، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کہ اے میرے ابا......! تجھے میں کہتا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کر......! میری بات مان لے تو آزر کہے گا کہ بیٹے آج میں وعدہ کرتا ہوں مجھے تیری نافرمانی نہیں کرنی......! لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس وقت اس وعدے سے کیا حاصل؟ اس وقت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے، کہ اے اللہ......! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے رسوا نہیں کروں گا۔

کہ میرا باپ جو رحمت سے دور ہے اس سے بڑھ کر میری رسوائی کیا ہوگی؟ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے میدان میں کہیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ابراہیم......! میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، کافر جنت میں نہیں جائیں گے، باقی رہ گئی تیری رسوائی کی بات تو رسوائی دور کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو جنت میں بھیج دیا جائے، ایسا تو ہوگا نہیں، میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا، ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ پہچانا ہی نہ جائے، کہ یہ ہے کون؟ اگر کسی شخص کا باپ یہاں بُری حالت میں پھر رہا ہو، اور جس کو پتہ ہے کہ فلانے کا باپ۔ ہے تو اس کے پتہ

① بخاری ج ۱ ص ۴۷۳، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۸۳، باب الحشر، فصل اوّل

ہونے کی وجہ سے تو رسوائی کی صورت بنے گی، اور اگر کسی کو پتہ ہی نہیں کہ یہ کون ہے؟ تو پہچانا ہی نہ جائے اور اس کو جاننے والا کوئی نہ ہو، یہ نسبت ہی معلوم نہیں کہ یہ فلانے کا باپ ہے، تو اس کیلئے تو کوئی رسوائی کی بات نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو متوجہ کریں گے اور آزر کو بجّو کی شکل میں مسخ کر کے بہت گندی حالت میں اس کی ٹانگوں سے پکڑ کے اس کو اٹھا کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی شکل انسانی نہیں رہے گی، اور اس کو دیکھنے والا کوئی پہچان ہی نہیں سکے گا کہ یہ آزر ہے۔ اور اس کا ابراہیم کے ساتھ کوئی تعلق ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت اس کی مخفی کر دی جائے گی، کہ نہ کوئی پہچانے نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت ہو، یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص ایمان کی دولت لے کر دنیا سے نہیں گیا، تو اس کا بیٹا اگر پیغمبر بھی ہو، پیغمبر چھوڑو......! پیغمبروں کا باپ بھی ہو، اور بہت جلیل القدر مرتبہ رکھتا ہو، تو بھی وہ اپنے باپ کو اللہ کے عذاب سے چھڑا نہیں سکے گا، اگر باپ کے پاس ایمان کی دولت نہ ہو۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت نمایاں ہوگئی جیسا کہ آگے بات آرہی ہے کہ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اب بعض مفسر کہتے ہیں یہاں سے آگے اللہ کی کلام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام پر گویا کہ تتمے کے طور پر ہے کہ جس دن کی رُسوائی سے حضرت ابراہیم پناہ مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ......! مجھے قیامت کے دن رسوائی سے بچانا، اس دن میں یہ حالات ہیں۔

اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلام اسی دعا میں شامل ہے، تو دعا کے ضمن میں باتیں سنا کے گویا کہ اپنی قوم کو تنبیہ کر رہے ہیں، کہ وہ دن جس کو میں یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ سے تعبیر کر رہا ہوں، اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے کام آئیں گے۔

قیامت کے دن مال اور اولاد کس کے کام آئیگی؟:۔

یہ اللہ تعالیٰ اس دن کے متعلق فرما رہے ہیں کہ وہ دن ایسا ہے کہ نہیں نفع دے گا مال اور نہ بیٹے، کسی شخص کو۔ یہ دیکھنا ذرا......! مستثنیٰ متصل کے طور پر ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا مال اور بیٹے کسی شخص کو نفع نہیں دیں گے، مگر اس شخص کو جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کے آئے، جو ایسا دل لے کر آئے جو کفر و شرک سے صاف ستھرا ہے، ایسے شخص کو تو مال اور اولاد نفع دے سکتی ہے، وہ کیسے کہ ایمان انسان لے آیا، اس نے دنیا کے اندر رہتے ہوئے نیکی کے اندر مال خرچ کیا تھا، یا دنیا کے اندر رہتے ہوئے اپنی اولاد کو نیکی کے راستے پہ لگایا۔ یہ دونوں باتیں اس کیلئے آخرت

میں مفید ثابت ہو جائیں گی جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ولد صالح انسان کیلئے قبر میں بھی مفید ہے ① آپ اپنی اولاد کو نیکی سکھائیں آپ کے والدین آپ کو نیکی سکھارہے ہیں وہ مریں گے تو اولاد ان کے کام آئے گی کہ وہ آپ کو نیکی کے راستے پہ لگا کے گئے ہیں اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کر کے گئے ہیں تو آخرت میں کام آئے گا تو جو پاک صاف دل لے کے اللہ کے پاس جائے اس کے لئے تو مال واولاد نافع ہوگی اس کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے نافع نہیں ہوگی آزر کے پاس قلب سلیم نہیں تھا واقعہ یہ ہوا کہ ابراہیم جیسا صالح بیٹا نہیں کام آیا اور اس طرح سے مشرک دنیا میں کتنا ہی مال خرچ کرلیں یتیم پروری پر، مسکین پروری پر، خدمت خلق پر اور مسجدیں بنوادے لیکن اگر خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو یہ مال اس کیلئے کوئی نفع نہیں۔ اور مستثنیٰ منقطع ہو جائے تو ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ جس دن نفع نہیں دے گا مال اور نہیں نفع دیں گے بیٹے ہاں جو شخص اللہ کے پاس قلب سلیم لے کے آیا وہ اپنے قلب سلیم سے فائدہ اٹھائے گا وہ شخص نجات پائے گا بیٹے مال وہاں کوئی کام نہیں آئیں گے بیٹوں کا ذکر اس لئے کردیا بیٹیوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ دنیا کے اندر بھی کسی مشکل کے اندر کوئی شخص مددگار ہوتا ہے بیٹے ہی ہوتے ہیں، بیٹیاں عموماً مشکلات میں کام نہیں آیا کرتیں دنیا کے اندر ہاتھ بٹانے کیلئے بیٹوں کو ہی سمجھا جاتا ہے اس لئے فرمایا بیٹے بھی کوئی نفع نہیں دیں گے۔

متقین کے لئے جنت اور گمراہ لوگوں کے لئے جہنم قریب کردی جائے گی:۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ، اُزْلِفَتْ وہی لفظ آیا جو اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخِرِيْنَ میں آپ کے سامنے آیا ازلفنا کا ہم نے ترجمہ کیا تھا کہ ہم نے قریب کردیا یہ ازلفت مجہول آگیا جنت قریب کردی جائے گی متقین کے لئے جیسے کسی کے سامنے کوئی ہدیہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے، گویا کہ جنت اس طرح سے قریب کردی جائے گی متقین کیلئے اور ظاہر کردی جائے گی جہنم گمراہوں کیلئے غوین یہ غَوِیَ یَغْوٰی گمراہ ہونا بُرِّزَ کا معنی ظاہر کردی جائے گی دکھادی جائے گی کھلے آنکھوں اس کو دیکھیں گے۔

مشرکین کے معبود اپنے آپ کو بھی نہیں بچاسکیں گے:۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ان گمراہوں سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ چیزیں جن کو تم پوجا کرتے تھے

① دیکھئے صحیح مسلم ج۲ ص۴۱، مشکوۃ شریف ج۱ ص۳۲

کیا اس مشکل میں وہ تمہاری مدد کریں گی، اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ نصرۃ مدد کرنا انتصار یعنی بدلہ لینا، اپنا بچاؤ کرنا جیسے دفاع کرنا کہتے ہیں کیا وہ تمہاری مدد کریں گی؟ یا وہ اپنے آپ کو بچالیں گی؟ کیا وہ تمہاری مدد کرتی ہیں، یا اپنے آپ کو بچاتی ہیں؟ فَكُبْكِبُوْا استفہام کا جواب خود ہی واضح ہے کہ نہیں نہ وہ مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں کوئی دفاع نہیں کر سکتے کبکبوا یہ مجرد ہے اس کا معنی ہوتا ہے الٹا کر دینا۔

معبودین اور ان کے پیروکار سب جہنم میں منہ کے بل گرا دیئے جائیں گے:۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ یہ وہی لفظ ہے کبَّ الٹا کرنا اکبَّ منہ کے بل الٹا ہو جانا کَبَبْتُهٗ فَاَكَبَّ میں نے اس کو الٹا کیا پس وہ الٹا ہو گیا اس لئے اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ کا معنی کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے وہاں ترجمہ یوں ہی کیا جائے گا اور یہ کبکبوا وہی کبَّ سے ہے کبَّ سے کَبْكَبَ یہ رباعی بنالیا منہ کے بل گرا دیے گئے جہنم میں وہ بھی اور گمراہ ہونے والے بھی یعنی وہ معبودین بھی اور وہ گمراہ ہونے والے بھی سب جہنم میں گرا دیے گئے اور كُبْكِبُوْا کی ضمیر لیڈروں کی طرف بھی جا سکتی ہے جن کے پیچھے لگ کے لوگ گمراہ ہوتے ہیں ان کو بھی اور ان کے پیچھے لگ کے گمراہ ہونے والوں کو بھی جہنم میں منہ کے بل گرا دیا جائے گا اوندھے ڈال دیے جائیں گے وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ اور ابلیس کے سارے لشکر۔

جہنمی ایک دوسرے سے جھگڑیں گے:۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ کہیں گے وہ لوگ اس حال میں کہ آپس میں جھگڑتے ہوں گے جس طرح سے جنتی آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو صلوٰتیں کہیں گے سلام کہیں گے دعائیں دیں گے جہنمیوں کی ملاقات آپس میں ہوگی تو جھگڑیں گے لڑیں گے آپس میں ایک دوسرے پہ لعنت کریں گے۔ کہیں گے اس حال میں کہ وہ اس جہنم میں جھگڑتے ہوں گے۔

معبودانِ باطلہ سے کون مراد ہیں؟:۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اللہ کی قسم بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے یہ عابدین معبودین کو کہیں گے جن کے پیچھے لگے ہوئے تھے

معبودان کے۔ چاہے فرشتے ہوں چاہے اپنے طور پر وہ انبیاء، اولیاء کو قرار دیتے ہوں لیکن حقیقت میں سب شیطان ہیں کیونکہ انبیاء، اولیاء وہ تو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلاتے شیطانوں نے ان کو ترغیب دی تو پوجا جن کی کر رہے ہیں وہ حقیقت میں سب شیطان ہیں انبیاء ان کے معبود نہیں ہیں اولیاء ان کے معبود نہیں ہیں فرشتے ان کے معبود نہیں ہیں چاہے وہ اپنے طور پر انبیاء کا نام لیں اولیاء کا نام لیں چاہے فرشتوں کا نام لیں لیکن فرشتے، اولیاء، انبیاء ان کے معبود نہیں شیاطین نے اپنے آپ کو ان کا معبود بنایا لیکن نام ان کا لیا، یہی وجہ ہے کہ جتنے پوجے جارہے ہیں ان سب کو اٹھا کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اس سے مراد وہی شیاطین ہیں چاہے انہوں نے نبیوں کا نام لیا چاہے ولیوں کا نام لیا چاہے کچھ ہو حقیقت میں ان کے معبود شیطان ہیں جن کی وہ پوجا کر رہے ہیں وہ سب طاغوت ہیں ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا چاہے انہوں نے جو نام رکھے ہوئے ہوں لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس میں کوئی شخصیت نہیں ہے جس قسم کے نام وہ لیتے ہیں اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ ① یہ نام ہی نام تم نے رکھ لئے ہیں حقیقت میں کچھ نہیں اگر ابراہیم کا بت سامنے رکھ لیا تو ابراہیم نہیں ہے وہ ایک نام ہی نام ہے جو تم نے لیا۔ ولیوں کے نبیوں کے بت اگر بنالیں گے تو حقیقت کے اعتبار سے وہ نبی اور ولی نہیں ہیں یہ نام ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو ان سب کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور شیاطین کو وہ خطاب کر کے کہیں گے کہ ہم تمہیں جب رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے اللہ کی قسم ہم بہت صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ہم تو سمجھتے تھے کہ جیسے اختیارات اللہ کو ہیں ویسے اختیارات تمہیں بھی ہیں اس لئے ہم تمہارے سامنے عبادت کرتے تھے اور جھکتے تھے لیکن اب معلوم ہو گیا وہ تو صریح گمراہی تھی۔

گمراہ لوگوں کی حسرتیں:۔

وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرم لوگوں نے یہاں سے مراد ہے قیادت کرنے والے فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِيۡنَ پھر وہ آپس میں حسرت سے کہیں گے نہیں ہے ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والا۔

صدیق حمیم کسے کہتے ہیں؟:۔

وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ اور نہ کوئی گرم جوش دوست حمیم اصل میں کہتے ہیں گرم کو جیسے ماۤء حمیم گرم پانی اور

① پارہ نمبر ۲۷: سورۃ نجم: آیت نمبر ۲۳

صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ وہ ہوتا ہے مخلص دوست جس کا دل گرمی کے ساتھ پگھلتا ہے، جس کے دل میں آپ کی محبت کی گرمی ہے، اسے صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ کہا جاتا ہے اس لئے حاصل ترجمہ کیا جاتا ہے مخلص دوست یا گرم جوش دوست جس کے دل میں محبت کی گرمی ہو صدیق دوست ہو گیا حمیم کا معنی گرم جوش یا محبت کی گرمی رکھنے والا حاصل ترجمہ ہو گا اس کا مخلص دوست، کوئی ہمارا مخلص دوست نہیں جو ہمارے سامنے آ کے ہماری تکلیفوں پر دل سوزی کرلے کوئی دُکھ درد کا اظہار ہی کرلے کوئی دکھ بٹالے ایسا دوست بھی کوئی نہیں، فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ لو تمنائیہ ہے کاش کہ ہمارے لئے لوٹنا ہو پس ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے یا یوں معنی کرلیں کہ اب اگر لوٹنا ہو جائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً بے شک اس بیان میں جو آپ کے سامنے دیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وعظ میں، قوم کے ساتھ مناظرے میں، جو کچھ پیچھے ذکر کیا گیا اس میں البتہ نشانی ہے اگر کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک تیرا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۣالۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ نُوۡحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿۱۰۵﴾ جبکہ کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو ﴿۱۰۶﴾

اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ ۚ‏ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ

بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں ﴿۱۰۷﴾ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۱۰۸﴾ اور اس تبلیغ پر میں تم سے

اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ؕ‏ ﴿۱۱۰﴾

کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا، نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۰۹﴾ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۱۱۰﴾

قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ ؕ‏ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلۡمِىۡ بِمَا

کہنے لگے کیا ہم ایمان لے آئیں تجھ پر حالانکہ تیری پیروی کی ہے گھٹیا قسم کے لوگوں نے ﴿۱۱۱﴾ نوح کہتے ہیں نہیں ہے میرا علم

كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۲﴾ اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰى رَبِّىۡ‌ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۳﴾

ان کاموں میں جو یہ کرتے ہیں ﴿۱۱۲﴾ نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب کے ذمے، کاش کہ تم سمجھ جاؤ ﴿۱۱۳﴾

وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۴﴾ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ‏ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوۡا لَـئِنۡ

اور میں ایمان لانے والوں کو دور ہٹانے والا نہیں ﴿۱۱۴﴾ نہیں ہوں میں مگر صریح طور پر ڈرانے والا ﴿۱۱۵﴾ قوم نے کہا

لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِيۡنَ ؕ‏ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ

اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ان لوگوں میں سے ہو جائیگا جنکو پتھر مار مار کے مار دیا جاتا ہے ﴿۱۱۶﴾ نوح نے کہا اے میرے رب! میری قوم

كَذَّبُوۡنِ‌ ۖ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِىۡ وَمَنۡ مَّعِىَ مِنَ

نے مجھے جھٹلایا ہے ﴿۱۱۷﴾ میرے اور ان کے درمیان خوب فیصلہ فرما دے اور مجھے نجات دے اور جو لوگ میرے ساتھ

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡـفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ‌ ۚ‏ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ

مومن ہیں ﴿۱۱۸﴾ پس ہم نے اسے نجات دی اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے بھری کشتی میں ﴿۱۱۹﴾ ان کو

اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

بچانے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا ﴿۱۲۰﴾ بیشک اسمیں البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾

ایمان لانے والے ﴿۱۲۱﴾ بے شک تیرا رب زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۲۲﴾

تفسیر

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ا۟لْمُرْسَلِیْنَ: نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، جھٹلانے والے نوح علیہ السلام کو تھے، کیونکہ نوح علیہ السلام اور باقی پیغمبر سب کی تعلیم ایک ہی ہے، اور ایک ہی قسم کی بات سب نے کہی تو جنہوں نے نوح علیہ السلام کی نہیں مانی، گویا کہ انہوں نے کسی کی نہیں مانی، ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب ہے جبکہ کہا ان کو ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے اَلَا تَتَّقُوْنَ نسبی بھائی نے، قومی بھائی نے، وطنی بھائی نے جس وقت کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو یہ ویسے لفظ ہے جس طرح سے پہلے آپ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرعونیوں کے متعلق کہتے ہیں کیا وہ ڈرتے نہیں؟ ان کو کوئی اللہ کا قہر غضب یاد نہیں آتا، اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں امین رسول ہوں خائن نہیں ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بات تمہیں پہنچائی جاتی ہے وہ میں تمہیں صحیح صحیح پہنچاتا ہوں اس میں کوئی کسی قسم کی بددیانتی نہیں کرتا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

انبیاء تبلیغ پر اجرت نہیں مانگتے:۔

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اور اس تبلیغ پر اس وعظ پر، دین کے پہنچانے پر میں تم سے کوئی کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے، یہ اپنے خلوص کو ظاہر کرتے تھے کہ ہم دنیا میں اپنے مفاد کی خاطر یا اپنی کسی ذاتی غرض کی خاطر تمہیں نہیں سمجھا رہے، اس میں فائدہ تمہارا ہی ہے یہ نہیں کہ ہم تم سے اس کا کوئی معاوضہ مانگیں گے یا کوئی اجر مانگیں گے، ایسی کوئی بات نہیں پس تم

اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

خوئے بدرا بہانہ بسیار:۔

قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لَکَ اب ان کے پاس کوئی بات، کوئی دلیل تو تھی نہیں جیسے ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' عادت تو اپنی بری ہوتی ہے اور بہانے انسان ہزار بنالیتا ہے تو یہاں اور کوئی ان کے پاس بہانہ باقی نہ رہا تو ایک یہ بہانہ بنالیا کہ بھئی ہم تیری بات کس طرح سے مانیں تیرے پاس مجلس میں آ کے کس طرح سے بیٹھیں......! تیرے پاس ذلیل کمینے گھٹیا درجے کے غرباء لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو کسی مقصد کیلئے کسی غرض کیلئے آپ کے پیچھے لگ گئے ہیں ہم ان میں آپ کے ساتھ کس طرح سے بیٹھ سکتے ہیں؟ اگلے ان لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ ہم نہیں بیٹھ سکتے جیسے مشرکین نے حضور ﷺ کے سامنے کچھ اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا تھا مطلب ان کا یہ تھا کہ ان سب کو نکال دے یہ سارے کے سارے نکل جائیں تو ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کی مجلس میں آ جائیں یہ ایک بہانہ ہوتا ہے کہ عذر نکالیں گے نہ ہم جائیں گے یعنی عذر کرنے کیلئے ایک بہانہ بنالیا کہ ان کمینوں کے ساتھ ان گھٹیا لوگوں کے ساتھ، ہم جا کے نہیں بیٹھ سکتے آپ کے پیچھے لگنے والے سارے ارذل ہیں مزدور قسم کے جن کے پاس کوئی اچھا لباس نہیں ہے، اچھا مکان نہیں، اچھی خوراک نہیں، دنیا کے اندر کوئی جاہ وجلال حاصل نہیں، ہم ان کے ساتھ مل کے کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ دنیاداروں کا متکبروں کا ذہن کچھ اس قسم کا ہوتا ہے، گویا کہ حق قبول کرنے والوں کی مسکنت، غربت اور دنیا کے اندر ان کا جاہ وجلال کا مالک نہ ہونا یہ بھی ایک ان کے تکبر کی بناء پر مانع ہوتا ہے یہ طریقہ ہم کیسے قبول کرلیں؟ یہ تو ایسے لوگوں کا طریقہ ہے وہ کہنے لگے کیا ہم ایمان لے آئیں تجھ پر؟ حالانکہ تیری پیروی کی ہے ارذل لوگوں نے گھٹیا قسم کے لوگوں نے، رزیل کمینہ جسے کہہ دیتے ہیں یہ جو آپ کہا کرتے ہیں کہ فلانا کمی ہے یہ وہی غلط لفظ ہے جو لوگوں کی زبانوں پہ چڑھا ہوا ہے کمی کا لفظ کمینہ سے لیا گیا ہے اور یہاں سے کمینہ کا لفظ بنتا ہے گھٹیا درجے کے لوگوں کیلئے جو کمی کا لفظ بولتے ہیں یہ بھی اچھا لفظ نہیں محنت مزدوری کرکے اگر کوئی شخص کماتا ہے وہ تو باعزت ہے اس کو آپ گھٹیا کس طرح سے کہہ سکتے ہیں کسی کے پیشے کی بناء پر ادنیٰ پیشے کی بناء پر اس سے نفرت کرنا یہی تو تکبر ہے اللہ کے ہاں مرتبہ کس کا بلند ہے، کس کا نہیں، وہ اللہ ہی جانتا ہے، جو شخص حلال کمانے کیلئے کوئی ذریعہ اختیار کرتا ہے، اس کی شرافت ہے وہ سب باعزت ہے۔

اہل ایمان اللہ کے پیارے ہیں:۔

وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ دیکھو......! اس کا لفظی ترجمہ نوح علیہ السلام کہتے ہیں نہیں ہے میرا علم ان کاموں میں جو یہ کرتے ہیں میں نہیں جانتا وہ کیا کچھ کرتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ خاص علم کی نفی کرنا مقصود ہے یہ مطلب نہیں کہ میں نہیں جانتا یہ کام کیا کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ میرے نزدیک یہ کوئی قابل قدر نہیں ہے کہ یہ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں کرتے جیسے آپ کا کوئی دوست ہو کوئی شخص آپ سے کہے کہ آپ نے اس سے دوستی کیوں لگا رکھی ہے؟ وہ تو ایسے کام کرتا ہے ایسے کرتا ہے تو آپ کو پتہ بھی ہے کہ وہ ایسے کرتا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ مجھے کیا پتہ وہ کیا کرتا ہے میں تو دیکھتا ہوں جب مجھے ضرورت پیش آتی ہے میرے کام آتا ہے تو میں کیا جانوں کہ وہ کیا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ چیزیں قابل توجہ نہیں، ان کا کیا پیشہ ہے؟ کیا کردار ہے؟ انہوں نے اپنا دنیا کے اندر کونسا ذریعہ معاش اختیار کیا ہوا ہے؟ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، میں تو دیکھتا ہوں ایمان لے آئے اللہ کے بندے بن گئے، اللہ کے پیارے بندے بن گئے، ان کے کاموں کی ذمہ داری میرے پہ کوئی نہیں، کہ وہ کیا کرتے ہیں، کیا نہیں کرتے، میں تو انہیں اپنے پاس بٹھاؤں گا، میری مجلس میں بیٹھیں گے، تمہارے کہنے کی وجہ سے میں ان کو مجلس سے نہیں اٹھا سکتا، اگر میں نے ان کو مجلس سے اٹھا دیا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے میں جوابدہ ہوں گا، تم ایمان لاتے ہو لاؤ نہیں لاتے نہ لاؤ، مگر تمہارے لئے ان مساکین کو مجلس سے نہیں اٹھایا جا سکتا۔

یہ جواب کا حاصل ہے مجھے کیا پتہ وہ کیا کرتے ہیں میں نہیں علم رکھتا، ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں یعنی یہاں ظاہر میں علم کی نفی کی جا رہی ہے اصل میں مقصود اس سے عدم توجہ ہے کہ میری کوئی توجہ نہیں ان کاموں کی طرف جو یہ کرتے ہیں۔

ساڑھے نوسو سال پر پھیلی داستان:۔

اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب کے ذمے، مخلص ہیں یا نہیں، کوئی مفاد یا غرض لے کر میرے پیچھے لگے ہیں اس کا محاسبہ بھی میرے ذمے نہیں ہے، یہ بھی رب کے ذمے ہے لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ کاش کہ تم سمجھ جاؤ، وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور میں ایمان لانے والوں کو دور ہٹانے والا نہیں کہ تم اس قسم کی باتیں

کر کے مجھے ان کو دور ہٹانے پر آمادہ نہیں کر سکتے، اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ نہیں ہوں میں مگر صریح طور پر ڈرانے والا، میرا مقصد ڈرانا ہے تم مانو نہ مانو یہ ذمہ داری میرے پہ نہیں، وہ کہنے لگے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یہ کوئی ایک دن کی گفتگو نہیں بلکہ ساڑھے نوسو سال پہ پھیلی ہوئی داستان ہے جیسے قرآن کریم کے دوسرے حصوں میں آپ کے سامنے تفصیل گزری یہ تو خلاصہ تھا جو نقل کیا جا رہا ہے نوسو سال یا ساڑھے نوسو سال کی کشمکش ہے حضرت نوح علیہ السلام کی اور ان کی قوم کی۔ کہنے لگے اے نوح......! اگر تو نہیں باز آئے گا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ تو مرجومین میں سے ہو جائے گا ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کو سنگسار کر دیا جاتا ہے جن کو پتھر مار مار کے مار دیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم تجھے بھی سنگسار کر دیں گے، باز آ جا ہر وقت کے دھندے کو ختم کر دے قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ جب ہر طرح سے نوح علیہ السلام تھک گئے اور کوئی طریقہ نہیں چھوڑا جس سے سمجھایا جا سکتا، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو سمجھایا جب وہ لڑائی پہ ہی اتر آئے، تو نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھائے کہ میرے رب بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلایا، بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا میرے اور ان کے درمیان خوب فیصلہ فرما دے۔ وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مجھے نجات دے اور جو لوگ میرے ساتھ مؤمن ہیں، انہیں نجات دے، فَاَنْجَيْنٰهُ پس ہم نے اسے نجات دی، اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے بھری کشتی میں ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی ان کو بچا لینے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا "الْبٰقِيْنَ" یہ اَغْرَقْنَا کا مفعول ہے، ان کو بچا لینے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً بے شک اس میں البتہ نشانی ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ نہیں ہیں ان میں اکثر ایمان لانے والے، وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک تیرا رب زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۟الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾

عاد نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿۱۲۳﴾ جب کہا ان کو ان کے بھائی ھودؑ نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو ﴿۱۲۴﴾

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ

بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں ﴿۱۲۵﴾ کہ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۱۲۶﴾ نہیں سوال کرتا میں تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ

اس تبلیغ پر کسی اجرت کا، نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۲۷﴾ کیا تم بناتے ہو ہر اونچی جگہ پہ ایک یادگار عبث

اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا

حرکت کرتے ہوئے ﴿۱۲۸﴾ اور بناتے ہو تم بڑی بڑی عمارتیں شاید کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے ﴿۱۲۹﴾ اور جب تم

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا

گرفت کرتے ہو تو گرفت کرتے ہو اس حال میں کہ تم جبار ہو ﴿۱۳۰﴾ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۱۳۱﴾ ڈرو تم

الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ

اس سے جس نے تمہیں امداد دی ان چیزوں کیساتھ جن کو تم جانتے ہو ﴿۱۳۲﴾ مدد دی اس نے تمہیں چوپاؤں کیساتھ اور بیٹوں کیساتھ ﴿۱۳۳﴾ باغات

وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ

اور چشموں کیساتھ ﴿۱۳۴﴾ بیشک میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے عذاب کا ﴿۱۳۵﴾ وہ کہنے لگے

عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ

کہ ہم پر برابر ہے کہ تو وعظ کہے یا واعظین میں سے نہ بنے ﴿۱۳۶﴾ نہیں ہے یہ مگر پہلوں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ

کی عادت ﴿۱۳۷﴾ ہم عذاب دیئے ہوئے نہیں ہیں ﴿۱۳۸﴾ پس انہوں نے جھوٹا بتلایا پھر ہم نے انہیں ہلاک کردیا، بیشک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں ان میں سے اکثر ایمان لانے والے ﴿۱۳۹﴾ اور بیشک تیرا رب
الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع
البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۴۰﴾

تفسیر

كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ: عاد نے مرسلین کو جھٹلایا سورۃ ھود میں مفصل یہ واقعہ آپ کے سامنے گزرا تھا کہ عاد کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے ان کا نام ہے ھود علیہ السلام، جیسا کہ اگلی آیت میں یہاں بھی مذکور ہے، اور ایک رسول کو جھٹلانا سب رسولوں کو جھٹلانا ہے، کیونکہ تعلیم سب کی ایک ہے، اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اب یہ سب الفاظ بار بار گزرے ہوئے ہیں، جب کہا ان کو ان کے بھائی ھود نے، کیا تم ڈرتے نہیں ہو اللہ کے قہر سے، اللہ کے عذاب سے، اور اَخُوْهُمْ جو کہا ان کے بھائی تو یہ اخوت نسبی بھی ہے، وطنی بھی ہے، اور اخوت قومی بھی ہے۔ چونکہ انہیں میں سے ہی تھے۔

امانت ہر رسول کی صفت ہوتی ہے:۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں، امانت دار ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بات آتی ہے، ویسے ہی تمہاری طرف پہنچاتا ہوں، اس میں کوئی کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا، اور یہ امانت ہر رسول کی صفت ہے، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ کہ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو......!

دولت کا مصرف کیا ہے؟:۔

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: یہ آیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں گزر گئی، نہیں سوال کرتا میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا، نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے، اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ یہ قوم عاد جس طرح سے کفر اور شرک میں مبتلا تھی، اور اللہ کے نبی ھود علیہ السلام نے ان کو توحید کی تعلیم دی تھی جیسا کہ تفصیل سورت ھود میں گزری، اس طرح سے ان کے اندر

ایک تمدنی خرابی تھی یعنی ان کا تمدن خراب تھا، ایک دوسرے کے مقابلے میں مفاخرت اور بڑائی حاصل کرنے کیلئے وہ لوگ اُونچی اُونچی عمارتیں بڑے بڑے محلات، اور یادگاریں بناتے اور آپ جانتے ہیں، جس قوم میں اس قسم کا مقابلہ شروع ہوجائے، تو اس کے حالات اچھے نہیں رہا کرتے، جس کو اللہ تعالیٰ دولت دے تو اصل مصرف اس دولت کا یہ ہے کہ انسان اس سے اپنی ضروریات پوری کرے، اور پھر اس کے بعد اپنے محتاج اور مخلص بھائیوں کی امداد کرے، اور قومی ضرورتوں کے اندر اپنے سرمائے کو صرف کرے، اور اگر قومی ضرورتیں اسی طرح سے پڑی ہوں، پورا کرنے کیلئے سرمایہ نہیں، اور اپنے ہی جیسے، اپنی قوم کے بھائی، جو مسکین اور نان شبینہ کے محتاج ہیں، لوگ بنانے لگ جائیں بڑی بڑی کوٹھیاں، اور بڑے بڑے بنگلے تو اس سے پھر توازن قائم نہیں رہا کرتا تمدن کا، ابوداؤد شریف میں واقعہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ جس وقت مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، وہاں چونکہ آپ نے ترغیب یہی دی تھی کہ ہر شخص اپنی کم سے کم ضرورت پوری کرکے، باقی سرمایہ اپنے بھائیوں پہ خرچ کرے، کیونکہ آئے دن مہاجرین آرہے تھے، جن کے پاس مکان نہیں تھا، جن کے پاس ضرورت کے مطابق لباس نہیں تھا، جن کیلئے کھانے کا انتظام نہیں تھا، اور ان سب کی ضروریات اہل مدینہ نے ہی بظاہر پوری کرنی تھیں۔

کونسی عمارت انسان کے لئے وبال ہے؟:۔

حضور ﷺ مدینہ منورہ کی ایک طرف ایک دن تشریف لے گئے، تو وہاں ایک قبہ نما مکان بنا ہوا دیکھا، اتنا پوچھا کہ کس کا ہے؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ فلانے شخص کا ہے، آپ تشریف لے گئے اور کوئی بات نہیں کی، دوسرے وقت میں وہ صاحب مکان حضور ﷺ کی مجلس میں آتا ہے، اور آکے سلام کرتا ہے آپ اس سے اعراض کرلیتے ہیں، سلام کا جواب نہیں دیتے، وہ سمجھا کہ شاید سنا نہیں ہوگا، وہ پھر سامنے کو ہوکے سلام کرتا ہے، تو آپ دوسری طرف کو منہ کرلیتے ہیں، پھر اس شخص کو احساس ہوا کہ ناراضگی ہے، یہ ''عمداً'' اعراض ہے تو اپنے رفقاء سے پوچھتا ہے کہ میرا کوئی تذکرہ ہوا مجلس میں، کہ رسول اللہ ﷺ اُوپرے اُوپرے ہیں آج مانوس نہیں ہیں، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اور تو کچھ واقعہ معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ صبح تیرے گھر کی طرف تشریف لے گئے تھے بس اتنا پوچھا تھا تیرا مکان دیکھ کر کہ یہ کس کا مکان ہے؟ بس اس پر کوئی بات نہیں فرمائی، وہ سمجھ گیا کہ میرا مکان پسند نہیں آیا، جو باقی لوگوں سے ممتاز کرکے بنالیا گیا، وہ گیا جاکے اس نے اس مکان کو ڈھادیا، برباد کردیا، اینٹ سے اینٹ

بجادی، اور پھر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع نہیں دی، کسی دوسرے موقع پر آپ ﷺ ادھر پھر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے پھر وہ قبہ نہ دیکھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا قبے کا کیا ہوا؟ تو لوگوں نے کہا کہ اس کا مالک آیا تھا، اس نے آ کے آپ کے اعراض کی شکایت کی، تو ہم نے واقعہ ذکر کیا تھا، تو اس نے آ کے اس کو گرادیا تو وہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر عمارت انسان کیلئے وبال ہے سوائے اس کے جس کے بغیر چارہ نہیں ①، تو گویا کہ حوصلہ شکنی کردی، اگر ایک شخص قبہ نما مکان بنالیتا، تو لوگوں میں ریس تو ہے ہی، اکثر و بیشتر لوگوں کے اندر ریس ہے، دوسرے کو شان و شوکت سے رہتے ہوئے دیکھتے ہیں، تو ریس کرتے ہیں کہ ہم بھی ایسے وقت گزاریں، عیش و عشرت والی زندگی گزاریں، پنجابی میں ایک مثال مشہور ہے آپ سنتے رہتے ہوں گے، لوگ کہتے ہیں کہ پڑوسی کا مقابلہ کرنا چاہیے، کسی طرح سے اس کو نیچے نہیں ہونا چاہیے، ''اگر پڑوسی کا منہ سرخ ہو تو اپنا منہ چھتر مار مار کے کرلینا چاہیے'' بہر حال یہ نہ ہو کہ پڑوسی کا سرخ ہے اور آپ کا پیلا، اور اگر ویسے نہ ہو سکے تو تھپیڑے مار مار کے اپنا منہ سرخ کرلیں! تا کہ پڑوسی کے مقابلے میں پستی نہ ہو، جب اس طرح سے لوگوں کے اندر ریس کا مقابلہ ہو، اور ایک آدمی کو اچھا مکان بنانے کی اجازت دے دی جائے، یا اس کا اچھا مکان بنانے کو برداشت کرلیا جائے، تو دوسرے لوگ بھی پھر سرمایہ جمع کرنے کی کوشش کریں گے......! کہ ہم بھی ایسی کوٹھی اور ایسا محل بنالیں......! اور یہ تعمیرات تو ایسی چیز ہیں، جس کی کوئی حد ہی نہیں جتنی اُونچی، جتنی فراخ، جتنی خوبصورت آپ بنانا چاہیں......! بناتے چلیں جائیں، تو سرمایہ تو سارا گارے مٹی میں مل گیا، باقی آپ اپنے پڑوسیوں کی کیا خدمت کریں گے؟ اپنے گاؤں کی برداری کی کیا خدمت کریں گے؟ قومی ضرورتوں میں آپ سرمایہ کس طرح سے لگائیں گے؟ اس طرح قوم کا سرمایہ گارے اور مٹی میں ضائع ہونا شروع ہو جاتا ہے، اور باقی سارے کے سارے حالات خراب ہو جاتے، تو سرورِ کائنات ﷺ نے بار بار اس کی تلقین فرمائی مکان بقدرِ ضرورت ہو جس میں انسان گزارہ کرے، اور یہ بڑے بڑے مکان بنانا یہ پیسے ضائع کرنے والی بات ہے، اس قوم میں یہ عادت تھی، اُونچے اُونچے محلات بنانا بڑی بڑی یادگاریں بنانا، ایک دوسرے کے مقابلے میں، تو حضرت ہود علیہ السلام نے جہاں ان کے عقائد کی تردید کی ہے، اور ان کو کفر و شرک سے روکا ہے۔

عمارتوں پر پیسہ لگانا عبث حرکت ہے:۔

اسی طرح سے اس تمدن کی خرابی کے اُوپر بھی متنبہ کیا ہے، ریع کہتے ہیں اُونچی جگہ کو، بلند جگہ کو، اور مصانع

① مشکوٰۃ ص ۴۴۱ عن انسؓ، ابی داؤد باب البناء

یہ مَصْنَعٌ کی جمع ہے مصنع کا لفظ قلعہ محل اور بڑی عمارت کیلئے بولا جاتا ہے، تَخْلُدُوْنَ خُلُوْد سے آ گیا ہمیشہ رہنا، تَعْبَثُوْنَ یہ عبث آ گیا، فضول حرکت کرنا، کیا تم ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار قائم کرتے ہو؟ یہاں آیۃ سے نشانی یادگار مراد ہے، کیا تم بناتے ہو ہر اُونچی جگہ پہ ایک یادگار عبث حرکت کرتے ہوئے، اور اس طرح سے سرمایہ، تم سارے کا سارا ادھر لگا رہے ہو عبث حرکت کرتے ہو، وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ اور بناتے ہو تم بڑے بڑے قلعے، بڑے بڑے محلات، بڑی بڑی عمارتیں، شاید کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے؟ یعنی اتنی بڑی بڑی عمارتیں جو بنا رہے ہو، تو یہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے ہمیشہ یہاں رہنا ہے، اس لئے مضبوط اور بڑی عمارت بنانا کہ آنے والی نسلیں بھی اُن پر پہنچ جائیں، اور یہ شکستہ زیر بھی نہ ہو، اور ٹوٹے بھی نہ، تو آخرت سے غفلت اور فضول سرمایہ خرچ کرنے پہ ھود علیہ السلام نے ان الفاظ سے تنبیہ کی ہے، کیا بناتے ہو تم ہر جگہ اُونچی یادگار عبث حرکت کرتے ہوئے، فضول حرکت کرتے ہوئے، جس کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ بقدر ضرورت جو مکان بنایا جائے اس کی اجازت ہے، اور تیار کرتے ہو تم بڑے بڑے محلات اور یہ لَعَلَّكُمْ کو بعض مفسرین نے كَأَنَّكُمْ کے معنی میں کیا ہے، ① گویا کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے، شاید کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔

قوم عاد کی سختی:۔

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ: یہ ان کے اخلاق کی سختی آ گئی، بدمعاملگی بطش کہتے ہیں، گرفت کرنے کو يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ② قرآنِ کریم میں دوسری جگہ یہ لفظ آیا ہوا ہے، إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ③ اور جب تم گرفت کرتے ہو، تو گرفت کرتے ہو اس حال میں کہ تم جبار ہو، یعنی تمہارے معاملات میں اس قسم کی سختی اور تشدد ہے، کسی سے لینا دینا اگر ہوتا ہے تو اس سے انتہائی درجے سے تشدد سے پیش آتے ہو، فَاتَّقُوا اللَّهَ تم اللہ سے ڈرو......! یعنی تمہاری طبیعتوں میں رقت نہیں نرمی نہیں، اور اپنے ہم جنسوں پر کوئی شفقت نہیں، معاملات میں تمہارے انتہائی درجے کے سختی ہے، پس تم اللہ سے ڈرو......! اور میرا کہنا مانو......!

---

① دیکھئے جلالین وغیرہ

② پارہ نمبر ۲۵: سورۃ نمبر ۴۴: آیت نمبر ۱۶

③ پارہ نمبر ۳۰، سورۃ ۸۵، آیت نمبر ۱۲

کتنی اللہ کی نعمتیں تم پر برس رہی ہیں؟:۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ: ڈروتم اس سے جس نے تمہیں امداد دی ان چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو، اللہ نے کیسی کیسی نعمتیں تمہیں دے رکھی ہیں، وہ تمہیں پتہ ہی ہے تم اس سے ڈرو یہ نعمتوں کا ذکر کر کے ترغیب ہے جس طرح شکر کی ترغیب ہوا کرتی ہے، ڈروتم اس سے جس نے تمہیں امداد دی، ان چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو، آگے اس کی تفصیل آ گئی بِمَا تَعْلَمُوْنَ کے اندر ابہام تھا، اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ مدد دی اس نے تمہیں چوپاؤں کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ باغات اور چشموں کے ساتھ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ بے شک میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے عذاب کا۔

منعم کی شکر گزاری نعمت میں اضافہ کا باعث ہے:۔

کیسی کیسی نعمتیں اللہ نے تمہیں دی ہیں؟ تمہیں ہر قسم کے جانور دیئے ہیں، انعام کے اندر گائے، بھیڑ، بکری، بھینس، ہر قسم کے جانور آ جاتے ہیں، جو گھر میں ہوتے ہیں، جن سے انسان اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، اور بیٹوں کو انسان فخر سمجھتا ہے، اپنی زندگی کے اندر ان کو معاون بناتا ہے، بیٹیوں کا تذکرہ نہیں کیا، کیونکہ بیٹیاں زیادہ تر خدمتگار ہونے کی بجائے مخدوم ہوتی ہیں، دنیاوی معاملات میں لوگ بیٹوں ہی کو سہارا سمجھتے ہیں، وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ باغات اور چشمے باغات جمع آ گئی، ہر قسم کے میوے، ہر قسم کے پھل فروٹ اللہ نے تمہیں دیے ہیں، اور پانی کی کمی نہیں، کیسی کیسی نعمتیں اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں، اس کا شکر ادا کرو......! اور اس کی مخالفت سے بچو......! کیونکہ منعم اور محسن کی شکر گزاری یہ نعمتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے......! اور اگر کفران نعمت کیا جائے ناشکری اختیار کی جائے تو نعمتیں الٹا چھن جاتی ہیں، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ①

لفظ وعظ کی وضاحت:۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ: وَعَظْتَ وعظ سے لیا گیا ہے، وَعَظَ يَعِظُ مضارع بھی دوسری جگہ آیا ہوا ہے، وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ ② جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ اس

① پارہ نمبر ۱۳: سورۃ نمبر ۱۴: آیت نمبر ۷

② پارہ نمبر ۲۱: سورۃ نمبر ۳۱: آیت نمبر ۱۳

کو وعظ کر رہے تھے، وعظ کا معنی ہوا کرتا ہے کسی کے سامنے ایسی باتیں کرنا، جس کے ساتھ اس کے دل میں رقت پیدا ہو جائے، مَوْعِظَةٌ اس کا مصدر میمی قرآنِ کریم میں آیا ہوا ہے نصیحت کرنا۔ تو اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ کہنے لگے کہ ہم پر برابر ہے کہ تو وعظ کہے یا واعظین میں سے نہ بنے لفظی ترجمہ، اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ یہ استفہام جو ہے یہ تسویہ کیلئے ہے، یعنی دونوں باتوں کو برابر قرار دینے کیلئے ہے، سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ان لوگوں پہ برابر ہے کہ تو انہیں ڈرایا نہ ڈرا، اس کا ترجمہ یوں ہوگا یہ ہمزہ تسویہ کیلئے ہے، فارسی میں جس طرح سے محاورہ آتا ہے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ:

چو آہنگ رفتن کند جان پاک
چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک ①

اب چہ بھی عام طور پر استفہام کیلئے آیا کرتا ہے، لیکن یہاں تسویہ کیلئے ہے کہ جب جان پاک نے جانے کا ارادہ کرلیا تو تخت اور خاک پہ مرنا برابر ہے، کیا تخت پہ مرنا کیا خاک پہ مرنا، دونوں برابر ہیں، یہاں بھی یہی بات ہے کہ تو وعظ کہہ یا نہ کہہ، واعظین میں سے بن یا نہ بن، ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مطلب کیا؟ بارہا آپ کے سامنے عرض کیا گیا کہ قرآنِ کریم نے ایک واقعہ عنوان کے طور پر نقل کردیا، ورنہ اس کی زندگی میں طویل کشاکشی ہوتی ہے، سالہا سال تک پیغمبر انہیں سمجھاتا ہے، اور بُرے کاموں سے روکتا ہے، اور وہ جب نہیں سمجھتے تو یہ ایک قسم کا آخری فیصلہ ہوتا ہے، کہ بھائی......! ہم تو تیری بات کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ مرضی ہے تو کچھ کہہ یا نہ کہہ، اب اس کے بعد پھر کسی کے کہنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ ہمارے لئے تیرا بولنا نہ بولنا برابر ہے، تو مغز مار یا نہ مار، تو بول یا نہ بول، ہمیں بار بار کہہ یا نہ کہہ، ہمارے لئے برابر ہے، ہم تو تیری باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اور نہ ہم تیری باتوں سے متاثر ہوتے ہیں، یہ گویا کہ قوم کی طرف سے آخری فیصلہ ہوتا ہے، کہ ہم نہ سننے کے ہیں اور نہ ماننے کے ہیں، برابر ہے ہم پر کہ تو ہم پر نصیحت کرنے والا ہو یا نہ ہو، یعنی ہمارے نزدیک دونوں باتیں برابر ہیں۔

قوم کا حضرت ھود علیہ السلام سے سلوک اور پھر ان کا انجام:۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ: نہیں ہے یہ مگر پہلوں کی عادت ہم نے سنا ہے کہ پہلے بھی کچھ اس قسم کے لوگ آتے تھے جو آزادانہ زندگی میں رکاوٹ ڈالتے تھے، اور انسانوں کو اپنی خواہش کے مطابق رہنے نہیں دیتے،

① گلستان حکایت نمبر۲

کبھی آخرت سے ڈراتے ہیں، کبھی اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، یہ پہلوں سے عادت چلی آرہی ہے، اور تو بھی اسی طرح سے ہے، نہیں ہے یہ مگر پہلوں کی عادت جیسے دوسری جگہ الفاظ آتے ہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ① یہ بھی ایسے ہی ہے وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ہم عذاب دیئے ہوئے نہیں ہیں، اللہ نے ہمیں خوشحالی دے رکھی ہے، کیسے عذاب آجائے گا؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا، نہیں ہیں ہم عذاب دیے ہوئے، فَكَذَّبُوْهُ پس انہوں نے اس ھود کو جھوٹا بتلایا، اس کی تکذیب کی، اور کہا کہ تو غلط کہتا ہے کہ ہمارا طریقہ غلط ہے، آخرت ہوگی، اللہ کا عذاب آئے گا، ان بتوں کو نہیں پوجنا چاہیے، تیری یہ باتیں ٹھیک نہیں ہیں، انہوں نے ھود علیہ السلام کو جھٹلایا فَاَهْلَكْنٰهُمْ پھر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، یہاں اس ہلاکت کی تفصیل نہیں ہے کہ ان کو ہلاک کس طرح سے کیا تھا؟ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ② جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اُوپر کوئی جھکڑ چلے تھے، آندھی، تیز ہوا جس نے سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا، صرصر وہ ہوتی ہے جس کے چلنے کے ساتھ شاں شاں کی آواز پیدا ہوتی، صرصر کی آواز آتی ہے گویا کہ یہ لفظ اسی آواز سے لیا گیا ہے، اور سات راتیں اور آٹھ دن تک وہ آندھی چلتی رہی جس کے نتیجے میں قرآنِ کریم کہتا ہے وَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ تو دیکھتا ہے اس قوم کو کہ وہ اکھاڑ اکھاڑ کے پھینک دیے گئے، صرعیٰ صریع کی جمع ہے، اور گرے پڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسا کہ کھوکھلے تنے آندھی کے ساتھ گرتے ہیں، اسی طرح سے اٹھا اٹھا کے پٹخ پٹخ کے مارے گئے، جو کہتے تھے ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کون ہمارے مقابلے میں آسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکے، اور آج ان کا یہ علاقہ جس میں یہ قوم آباد تھی، خوفناک قسم کا صحراء جس میں آمد ورفت بھی نہیں ہے، بڑے بڑے ریت کے ٹیلے ہیں وہاں نہ کوئی آبادی اور نہ کوئی وہاں آنا جانا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ پھر اس قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہلاک کرنے کی تفسیر آپ کی خدمت میں عرض کر دی گئی۔ آخر میں آیت وہی آ گئی جو ہر واقعہ کے آخر میں آرہی ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً بے شک اس میں البتہ نشانی ہے عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے تو جیسے کوئی اس کو سوچے اور سمجھے تو صرف سوچنے سے ہی بات کو سمجھ سکتا ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور نہیں ہیں ان میں سے اکثر ایمان لانے والے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اور بے شک تیرا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔

---

① پارہ نمبر ۷: سورۃ نمبر ۶: آیت نمبر ۲۵

② پارہ نمبر ۲۹: سورۃ الحاقہ: آیت نمبر ۶-۷

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۱۴۱ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ صٰلِحٌ

ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا (۱۴۱) جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے

اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۱۴۲ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۝۱۴۳ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝۱۴۴

کیا تم ڈرتے نہیں ہو (۱۴۲) بیشک میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں (۱۴۳) تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (۱۴۴)

وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۴۵

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت، نہیں ہے میری اجرت مگر رب العالمین کے ذمے (۱۴۵)

اَتُتۡرَكُوۡنَ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيۡنَ ۝۱۴۶ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۝۱۴۷ وَّزُرُوۡعٍ

کیا چھوڑ دیئے جاؤ گے تم ان چیزوں میں جو یہاں موجود ہیں بے خوف (۱۴۶) باغات اور چشموں میں (۱۴۷) اور کھیتوں میں

وَّنَخۡلٍ طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ‌ ۝۱۴۸ وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ ۝۱۴۹

اور کھجوروں میں جن کے گچھے گھنے ہیں (۱۴۸) تراشتے ہو تم پہاڑوں کو ازروئے گھروں کے اتراتے ہوئے (۱۴۹)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ ۝۱۵۰ وَلَا تُطِيۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝۱۵۱ الَّذِيۡنَ

تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (۱۵۰) حد سے گزرنے والوں کے کہنے کی اطاعت نہ کرو (۱۵۱) وہ لوگ

يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ ۝۱۵۲ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ

جو زمین میں فساد مچاتے ہیں اور وہ حالات کو درست نہیں کرتے (۱۵۲) وہ کہنے لگے کہ تو

الۡمُسَحَّرِيۡنَ‌ ۝۱۵۳ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۖۚ فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ

جادو کیے ہوئے لوگوں میں سے ہے (۱۵۳) نہیں تو مگر انسان ہم جیسا ہی۔ لے آ کوئی نشانی اگر تو

الصّٰدِقِيۡنَ ۝۱۵۴ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَـكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ‌ ۝۱۵۵

سچوں میں سے ہے (۱۵۴) کہا یہ ناقہ ہے اس کیلئے پانی پینے کی باری ہے اور تمہارے لئے پانی پینے کی باری ہے معلوم دن کی (۱۵۵)

وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوۡهَا
اور اس کو نہ چھونا کسی برائی کے ساتھ، پس پکڑے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب ﴿۱۵۶﴾ انہوں نے اُس کی کونچیں کاٹ دیں
فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِيۡنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
پس ہوگئے وہ پچھتانے والے ﴿۱۵۷﴾ ان کو عذاب نے پکڑ لیا بے شک اس میں نشانی ہے
وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۵۹﴾ ع
نہیں ہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے ﴿۱۵۸﴾ اور بے شک تیرا رب زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۵۹﴾

تفسیر

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ: ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا یہاں بھی وہی بات کہ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام پیغمبر بن کے آئے تھے اور ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ تم اللہ سے ڈرو......! اور میری اطاعت کرو......! وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ نہیں ہے میری اجرت مگر رب العالمین کے ذمے اَتُتۡرَكُوۡنَ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ کیا چھوڑ دیئے جاؤ گے تم ان چیزوں میں جو یہاں موجود ہیں بے خوف۔ یعنی یہاں جو نعمتیں موجود ہیں کیا تم ان میں بے خوف وخطر رہو گے کوئی تمہیں پکڑنے والا یا روکنے والا کیا یہاں نہیں ہوگا؟ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ اس میں ابہام ہے ان نعمتوں میں اس خوشحالی میں جو یہاں موجود ہے جس کی تفصیل اگلی آیت میں آگئی، فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ وَّزُرُوۡعٍ وَّنَخۡلٍ طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ یہ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ کا بیان ہے باغات میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ طلع کہتے ہیں کھجور کے خوشے کو اور هَضِيۡمٌ کا معنی یہ دیکھا ہوگا آپ نے جس وقت یہ نیا نیا خوشہ نکلا کرتا ہے تو کھجوریں اس وقت بالکل ایک دوسرے کے ساتھ چمٹی ہوئی ہوتی ہیں جس طرح سے تہہ بہ تہہ لگی ہوئی ہوتی ہے گتھم گتھا ہے، جن کے گچھے گھنے ہیں یعنی جن

میں کھجوریں بہت زیادہ لگی ہوتی ہیں۔

قوم عاد کی تعمیری مہارت:۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ: یہاں بھی وہی کفر وشرک کے ساتھ ساتھ قوم جن حرکتوں میں لگی ہوئی اور ان حرکتوں کی وجہ سے وہ آخرت سے غافل ہو گئے تھے وہ جس طرح سے اونچی اونچی جگہوں پر یادگاریں بناتے تھے، عاد والے۔ تو ان کی عادت تھی پہاڑوں کو تراش کر کر کے ان کے اندر مکان بنایا کرتے تھے، پہاڑوں کو تراش کر کے ان کے اندر مکان بنانا اس چیز میں ان کو اتنی مہارت حاصل تھی کہ آپ جس طرح سے اینٹوں کے ساتھ بہترین اور شاندار مکان بناتے ہیں، وہ پہاڑوں کو تراش کر بنالیا کرتے تھے، مدینہ منورہ سے تبوک کو جائیں تو راستے میں ایک وادی آتی ہے ''وادئ حجر'' وہاں پر یہ قوم آباد تھی مدینہ منورہ سے ترکوں نے جو ریلوے لائن بچھائی تھی اس ریلوے لائن پر اسٹیشن بھی ہے ''مدائن صالح'' کے نام سے۔ اور یہ ان کی یادگاریں اب تک محفوظ ہیں چونکہ وہ پہاڑ تراش تراش کے بنائی گئیں تھیں، تو ان کے ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یعنی اب ہزاروں سال گزر جانے کے بعد اس وقت تک ان کے وہ مکانات موجود ہیں اور یادگار کے طور پر اس علاقے میں ان کو رکھا ہوا ہے اور سیاح لوگ جاتے ہیں جا کر ان کو دیکھتے ہیں مودودی صاحب نے جس وقت یہ تفہیم القرآن لکھی ہے تو اُن علاقوں کو دیکھنے کیلئے گئے تھے جن علاقوں کے متعلق قرآنِ کریم کے اندر کچھ تذکرہ آتا ہے تو یہ اِس وادی کے اندر بھی گئے ہیں اور وہاں جا کر انہوں نے ان کے مکانات کے فوٹو لئے ہیں اور وہ فوٹو اپنی تفسیر کے اندر شائع کئے ہیں تو تفہیم القرآن میں ان کی ایک وادی کے مکانات کے فوٹو موجود ہیں، اگر آپ ان تصاویر کو دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود بھی ان کے مکانات کس طرح سے نمایاں ہیں اور سرورِ کائنات ﷺ کے زمانے میں تو بہت ہی نمایاں ہوں گے کیونکہ اس زمانے کو بھی چودہ سو سال گزر گئے ہیں پتھروں کو تراش تراش کے وہ لوگ قسم قسم کی عمارتیں بناتے تھے پہاڑوں کے اندر اندر۔

اب بھی اگر آپ پشاور کے آگے قبائلی علاقے میں جائیں تو اس سائیڈ پر جاتے ہوئے بہت اونچے اونچے پہاڑ ہیں تو وہاں سے بس میں بیٹھے ہوئے گزرتے ہوئے نظر آتا ہے کہ وہاں بھی پٹھان لوگ پہاڑوں کو تراش کر کے جس طرح سے کہ ایک قدرتی غار ہوتی ہے تو قدرتی غار کی بجائے مصنوعی غار بنالی جاتی ہے، صرف

دروازے نظر آتے ہیں پہاڑوں کے اندر لوگ رہتے ہیں تو اب بھی لوگ بناتے ہیں لیکن جس قسم کا کمال انہیں تھا شاید ان کی نقالی یہ لوگ نہ کر سکتے ہوں۔ بہر حال تفہیم القرآن میں اس کی تصویریں ہیں۔

قوم عاد کا فخر وغرور:۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ : فارھین یہ لفظ لیا گیا ہے فراہت سے، فَرَاهَةٌ کہتے ہیں چستی چالاکی کو ہوشیاری کو اور اس طرح سے یہ لفظ خوشی کیلئے بھی بولا جاتا ہے تو یہاں ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے یا تو مرحین کے ساتھ کیا گیا ہے یا پھر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے حاذقین کے ساتھ۔ تراشتے ہو تم پہاڑوں کو ازروئے گھروں کے مہارت دکھاتے ہوئے بہت تجربے کے ساتھ یا یہ ہے کہ اتراتے ہوئے فخر وتکبر کرتے ہوئے دونوں طرح سے مفہوم واضح ہے اور یہ دونوں صفتیں ان میں پائی جاتی تھیں ہر کوئی نئی سے نئی کاریگری دکھاتا، نیا سے نیا تجربہ دکھاتا اور یوں وہ اپنے تجربے کے ساتھ تراش کر مکان بناتے تھے۔ اور اس میں فخر اور اترانا بھی تھا۔

تراشتے ہو تم پہاڑوں کو ازروئے گھروں کے یعنی تم پہاڑوں کو تراش تراش کے گھر بناتے ہو نَحت کہتے ہیں تراشنے کو اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ① یہ جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آیا تھا کیا تم پوجتے ہو ان چیزوں کو جن کو خود تراشتے ہو وہاں بھی یہی نَحت کا لفظ تھا تو فارھین ہوشیاری کے ساتھ، ہوشیار بنتے ہوئے تجربہ کار بنتے ہوئے یا اتراتے ہوئے فخر کرتے ہوئے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ حد سے گزرنے والوں کے کہنے کی اطاعت نہ کرو مسرفین سے ان کے لیڈر اور سردار مراد ہیں الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وہ لوگ جو زمین میں فساد مچاتے ہیں وَلَا يُصْلِحُوْنَ اور وہ حالات کو درست نہیں کرتے۔

قوم عاد کے حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق خیالات:۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ : یہاں بھی وہی بات آخری فیصلہ قوم کا وہ کہنے لگے اس کے سوا کچھ نہیں یہ مسحرین میں سے ہے مسحر یہاں مسحور کے معنی میں ہے لیکن باب تفعیل پر چلے جانے کی وجہ سے اس میں اور قوت اور شدت پیدا ہوگئی مُسَحَّر مَسْحُوْر جس کے اوپر جادو کر دیا گیا ہو۔ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے اوپر کوئی سخت قسم کا

① پارہ نمبر ۲۳: سورۃ صافات: آیت نمبر ۹۵

جادو کردیا گیا اور اس جادو کے اثر سے اس کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا اور اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے تو بھی انہی لوگوں میں سے ہے جس پر کسی نے جادو کر کے اس کی عقل ماردی ہو، سورۃ ھود میں آپ کے سامنے یہ لفظ آئے تھے، کہ انہوں نے کہا تھا کہ اے صالح......! تیرے متعلق تو ہمیں بڑی امیدیں تھیں کہ تو ہونہار بچہ ہے، تو بڑا ہوگا تو اپنے آباؤ اجداد کا نام روشن کرے گا تو قوم کو ترقی دلائے گا تو یہ کیا ہوگیا کہ تیرا دین تجھے اس بات سے روکتا ہے، یہ کریں وہ کریں، اس قسم کی باتیں ذکر کی گئیں تھیں یعنی ہمیں تو تیرے متعلق بڑی توقعات تھیں لیکن تو نے تو اور باتیں شروع کردیں کہ آباؤ اجداد کی تردید کرنے لگ گیا اور ان کو کافر و مشرک کہنے لگ گیا ان کو جہنمی کہنے لگ گیا ان کے طریقے کو غلط بتانے لگ گیا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ تو اس کا حاصل ترجمہ یہ ہو جائے گا کہ تو دیوانوں میں سے ہے یعنی ان لوگوں میں سے ہے جن کے اوپر سخت قسم کا جادو کردیا گیا ہو جس کے بعد ان کے حواس ٹھیک نہیں رہتے وہ مخبوط الحواس ہو جاتے ہیں۔

قوم عاد کا حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ:۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا: نہیں ہے تو مگر انسان ہم جیسا ہی فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ لے آ کوئی نشانی اگر تو سچوں میں سے ہے کوئی واضح نشانی دکھا اگر تو اپنے اس دعوے کے اندر سچا ہے تفصیل سورۃ ھود میں آئی تھی کہ معجزے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے کسی چٹان میں سے ایک اونٹنی نکالی اور اس اونٹنی کو نشانی قرار دیا حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کا اور وہ اونٹنی کچھ عجیب الخلقت تھی، قد کے لحاظ سے بڑی تھی جب وہ پانی پینے کیلئے جاتی تھی تو باقی جانور ڈرتے تھے اور وہ پانی پینے کیلئے جاتی تو پانی سارا پی لیتی تھی، جس کی بناء پر قوم کے ساتھ کشاکشی شروع ہوگئی، اس اونٹنی کے بارے میں تو حضرت صالح علیہ السلام نے باریاں باندھ دیں کہ ایک کنویں پہ یہ پانی پینے جائے گی تمہارے جانور نہ جائیں، اور ایک دن تمہارے جانور جائیں گے، یہ نہیں جائے گی۔

ناقۃ اللہ کے متعلق حضرت صالح علیہ السلام کی ہدایات:۔

اور یہ بات یاد رکھو......! کہ اب یہ نشانی اللہ کی طرف سے آئی ہے تمہاری طرف، اس لئے اس کی بے ادبی نہ کرنا، اسے کسی بُرائی کے ساتھ نہ چھونا اس کو تکلیف نہ دینا ورنہ اللہ کا عذاب آجائے گا۔ لیکن وہ کہاں برداشت

کر سکتے تھے......! کہ ایک دن ان کے جانور پانی پینے نہ جائیں اور یہ جائے ناقۃ اور اکیلی پیئے ان لوگوں نے تکلیف محسوس کی تو آخر نتیجہ وہی نکلا کہ انہوں نے مشورہ کیا مشورہ کر کے ان میں سے ایک آدمی اٹھا جو زیادہ جری سمجھا جاتا تھا، زیادہ خبیث النفس تھا اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹیں، اس طرح سے اس کو ہلاک کر دیا جب ہلاک کر دیا۔

قوم عاد پر اللہ کا عذاب:۔

تو پھر حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا کہ تین دن کے اندر اندر تم پہ عذاب آ جائے گا تو تین دن کے بعد کوئی زلزلہ آیا کوئی شور برپا ہوا جس طرح سے صیحہ کا لفظ آیا ہے ① صیحہ عام طور پر جس طرح سے مفسرین کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر چیخ ماری اور اس چیخ کے ساتھ ان کے کلیجے پھٹ گئے یہ بھی تعبیر ہے صرف لفظ صیحہ کی۔ حدیث صحیح کے اندر یہ بات نہیں آتی لفظوں کی طرف دیکھ کر تعبیر کی جاتی ہے۔ شور وغوغہ نے ان کو پکڑ لیا صیحہ کا مصداق یہ بھی ہوتا ہے اور رجفۃ ② بھی آیا کہ نیچے سے زلزلہ آیا یا اس قسم کی کوئی مصیبت آئی کہ ساری قوم شور وغوغہ کے اندر مبتلا ہوگئی اور اس کے بعد بھسم ہوگئی، گویا کہ یہاں کوئی نام ونشان ہی نہیں تھا سارے کے سارے اس طرح سے مر گئے اس عذاب کی تفصیل بھی دوسری جگہ موجود ہے۔ یہ ناقہ ہے اس کیلئے پانی پینے کی باری ہے اور تمہارے لئے پانی پینے کی باری ہے معلوم دن کی، معلوم اور متعین دن کی باری تمہارے لئے اسی طرح سے پانی پینے کی باری اس کیلئے وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اور اس کو نہ چھونا کسی برائی کے ساتھ یعنی اسے تکلیف نہ پہنچانا فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ پس پکڑ لے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب فَعَقَرُوْهَا انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں یعنی اس کو ہلاک کر دیا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ پس ہو گئے وہ پچھتانے والے بعد میں جب اللہ کا عذاب آیا تو پھر پچھتانے لگے لیکن اب۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

جب وقت گزر گیا تو اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں، فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ان کو عذاب نے پکڑ لیا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً بے شک اس میں نشانی ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ نہیں ہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے، وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔

---

① پارہ نمبر ۱۲: سورۃ ہود: آیت نمبر ۶۷

② پارہ نمبر ۸: سورۃ اعراف: آیت نمبر ۷۸

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾

لوطؑ کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿۱۶۰﴾ جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۶۱﴾

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

بیشک میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں ﴿۱۶۲﴾ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿۱۶۳﴾ نہیں سوال کرتا میں تم سے

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ

اس تبلیغ پر کسی اجرت کا نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۶۴﴾ سارے جہانوں میں سے کیا تم ہی ہو

مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ

جو مذکروں کے پاس آتے ہو ﴿۱۶۵﴾ چھوڑتے ہو تم ان بیویوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، بلکہ تم

قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾

حد سے نکلنے والے ہو ﴿۱۶۶﴾ کہنے لگے اے لوط! اگر تو باز نہیں آئے گا، تو ہو جائے گا تو نکالے ہوؤں میں سے ﴿۱۶۷﴾

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾

کہا لوطؑ نے بیشک میں تمہارے عمل سے بیزار لوگوں میں سے ہوں ﴿۱۶۸﴾ اے میرے رب مجھے نجات دے اور میرے اہل کو، اس سے جو کچھ یہ کرتے ہیں ﴿۱۶۹﴾

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

پس ہم نے اس کو نجات دی اور اس کے سب گھر والوں کو ﴿۱۷۰﴾ مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی ﴿۱۷۱﴾ ان کے

الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾

بچا لینے کے بعد ہم نے باقیوں کو نیست و نابود کر دیا ﴿۱۷۲﴾ اور ہم نے اِنکے اُوپر خاص قسم کی بارش برسائی، پس منذرین کی بارش بہت بُری بارش تھی ﴿۱۷۳﴾

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

بیشک اِس واقعہ میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ﴿۱۷۴﴾ اور بے شک تیرا رب

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

زبردست ہے رحمت والا ہے ﴿۱۷۵﴾

تفسیر

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ: لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ایک کی تکذیب سب کی تکذیب، واقعہ آپ کے سامنے کئی سورتوں میں گزر چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا تعارف:۔

جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے یہ اخوت وطنی ہے کیونکہ لوط علیہ السلام ان کے قومی بھائی نہیں تھے یعنی نسبی بھائی نہیں تھے یاد ہوگا آپ کو کہ لوط علیہ السلام عراق کے علاقے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے اور یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح سے تبلیغ شروع کی تو یہ بھتیجے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تو ان کو اپنے قریب دوسرے مرکز میں جو بڑا شہر تھا سدوم اور اس کے ملحق دوسری بستیاں تھیں وہاں ان کو تبلیغ کیلئے بھیج دیا۔ یہ نسبی بھائی نہیں ہیں ان کے تو اس لئے یہ اخوت وطنی ہے، ایک علاقے میں رہتے تھے ساتھ ہی رہتے تھے تو ایسے تھے جیسے ایک ہی قوم کے بن گئے، اور ایک ہی برادری ہوگئی ورنہ نسبی طور پر ان کے ساتھ یہ شریک نہیں ہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ پس تم اللہ سے ڈرو......! اور میرا کہنا مانو......! وَمَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ نہیں سوال کرتا میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے۔ اب یہ ان کا اخلاقی فساد ہے جس کو آگے ذکر کیا، جیسے پہلے دونوں قومیں آپ کے سامنے گزریں ان میں تمدنی فساد تھا ان میں یہ اخلاقی فساد ہے۔

قوم لوط کا اخلاقی فساد اور ایک اہم غلطی کی نشاندہی:۔

تفصیل بارہا آپ کے سامنے ذکر کی گئی کہ ان میں اخلاقی فساد یہ تھا کہ مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے تھے عورتوں کی طرف ان کا رجحان نہیں تھا، جس کیلئے بعد میں لوگوں نے لفظ لواطت بنالیا یہ لفظ لواطت مُحْدَث ہے قرآن وحدیث میں نہیں آتا اور یہ بعد میں لوگوں کی نئی ایجاد ہے۔ حدیث شریف میں جہاں بھی اس کا

ذکر آیا کہ اتنی لمبی ترکیب کے ساتھ حضور ﷺ اس کو ذکر کرتے ہیں کہ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ ① جو قوم لوط والا عمل کرے وہاں لوطی کا لفظ نہیں بولا گیا، یہ لفظ لواطت بعد میں بنایا گیا یہ لفظ محدث ہے اور مذموم لفظ ہے، اچھا لفظ نہیں ہے اور جس نے بھی اس کو ایجاد کیا اس نے ظلم کیا۔ کہ حضرت لوط علیہ السلام کے نام کو ہی اس کا ماٗ خذ قرار دیدیا، حالانکہ لوط علیہ السلام کے ساتھ اس فعل کی کوئی نسبت نہیں یہ فعل تو اس کی قوم کا ہے اور ان کے نام کو ماٗ خذ بنا کے اسے لفظ بنالیا اب کوئی شخص عیسوی کہلا سکتا ہے، یوسفی کہلا سکتا ہے، ابراہیمی کہلا سکتا ہے، نوحی کہلا سکتا ہے، داؤدی کہلا سکتا ہے، ہودی کہلا سکتا ہے، صالحی کہلا سکتا ہے، ان انبیاء کے نام کے ساتھ نسبت انسان کر سکتا ہے اور اس نسبت کے اوپر فخر بھی کر سکتا ہے لیکن آج اس لفظ کے بن جانے کی وجہ سے کوئی شخص لوطی نہیں کہلا سکتا۔ کہ اپنی نسبت لوط علیہ السلام کی طرف کر دے کیونکہ جب لوطی کا لفظ بولا جائے تو فوراً ذہن اس خبیث فعل کی طرف جاتا ہے اس لئے یہ لفظ جو ہے یہ بعد کی ایجاد ہے۔ سرور کائنات ﷺ کے کلام میں بھی کہیں موجود نہیں جب بن گیا تو پھر ادب میں بھی شامل ہو گیا کلام میں بھی شامل ہو گیا، تو اب فقہ کی کتابوں میں بھی آ جاتا ہے تفاسیر کی کتابوں میں بھی آ جاتا ہے، لیکن یہ لفظ ہے بعد کا تو ان میں یہ اخلاقی بگاڑ تھا کہ شہوت رانی کیلئے مرد مردوں کو تجویز کرتے تھے، جس کو آج آپ لونڈا بازی سے تعبیر کر لیں، یہی حرکت تھی ان لوگوں کے اندر، عورتوں کی طرف رغبت نہیں تھی، مردوں کی طرف ان کا رجحان تھا اور اس اخلاقی زوال پر حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو متنبہ کیا۔

مذکر، مذکر سے شہوت پوری کرے اس کے موجد قوم لوط ہیں:۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ: مِنَ الْعٰلَمِيْنَ کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے سارے جہانوں میں سے کیا تم ہی ہو جو مذکروں کے پاس آتے ہو یعنی یہ حرکت تم میں ہی پائی جاتی ہے دنیا کے اندر کسی میں بھی نہیں پائی جاتی، قرآنِ کریم نے جس طرح سے دوسری جگہ ذکر کیا ہے، مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ③ عالمین میں سے کوئی شخص بھی اس حرکت کے ساتھ تم سے سابق نہیں، پہلے کسی نے بھی یہ حرکت نہیں کی، سارے جہانوں میں سے یہ حرکت پہلے تم نے شروع کی یہی نہیں کہ تم اس عمل کے اندر مبتلا ہو، بلکہ اس عمل کے موجد بھی ہو سارے جہانوں میں کوئی دوسرا شخص نہیں جس نے اس قسم کی حرکت کی ہو۔

---

① مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۶/ ابن ماجہ باب ما من عمل عمل قوم لوط/ مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۶۵
② یہی بات خطباتِ حکیم الامت ج ۳ ص ۱۷۴ میں بھی لکھی ہے۔ (از: عمران)
③ پارہ نمبر ۸: سورۃ اعراف: آیت نمبر ۸۰، پارہ نمبر ۲۰: سورۃ عنکبوت: آیت نمبر ۲۸

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے تو انسان کے ساتھ باقی حیوان بھی ہیں جن کے اندر شہوت رکھی ہے اور اس شہوت کے نتیجے میں مذکر کا رجحان مؤنث کی طرف ہے۔ یہ ایک حیوانی فطرت ہے مذکر کا رجحان مؤنث کی طرف، اور اسی رجحان میں ہی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں نسل پھیلاتے ہیں، آبادی ہوتی ہے یہی حکمتیں ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی طرف راغب کر دیا، لیکن ساری حیوانی تاریخ اٹھا کر دیکھو......! کسی حیوان کا بھی نر کا رجحان آپ کو نر کی طرف نہیں ملے گا کہ کوئی حیوان اپنی قضائے شہوت کیلئے نر کو تجویز کر لے ایسا آپ حیوان کی تاریخ میں نہ ملے گا۔

قوم لوط کا فعل حیوانات میں سوائے گدھے اور خنزیر کے نہیں پایا جاتا:۔

کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا ہے واقعہ کا مشاہدہ ہمارا نہیں یہ سیرت حلبیہ ہے اس میں ایک جگہ بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قِيْلَ وَلَا يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ مِنَ الْحَيْوَانِ إِلَّا الْحِمَارُ وَالْخِنْزِيْرُ ① کہ حیوانات میں سے یہ فعل کسی میں نہیں پایا جاتا سوائے گدھے اور خنزیر کے اب خنزیروں کے ریوڑ تو اس طرح سے پھرتے ہوئے نہیں دیکھے عام طور پر کہ یہ دیکھیں......! کہ یہ بھی آپس میں اس طرح سے مستیاں کرتے ہیں، لیکن گدھے تو ہمارے آس پاس بہت ہیں اور آپ حضرات بھی دیکھتے رہتے ہیں لیکن میں نے اتنی طویل زندگی میں کبھی کسی گدھے کو گدھے کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور خنزیروں کا معاملہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے مطلب یہ ہوگا اس لکھنے والے کا کہ اگر کوئی واقعہ شاذ نادر پیش آئے تو یہ گدھے اور خنزیر میں تو آتا ہے باقی حیوانوں میں سے کسی حیوان کے اندر یہ واقعہ پیش نہیں آتا، نہ بکرا بکرے سے، نہ مینڈھا مینڈھے سے، نہ بیل بیل سے، یہ کوئی واقعہ پیش نہیں آتا کبھی شاذ و نادر اگر کوئی بات پیش آ ہی جائے تو یہ صرف گدھوں میں اور خنزیروں میں ہی پیش آتی ہے باقی حیوانوں کے اندر یہ سلسلہ نہیں پایا جاتا، جس سے معلوم یہ ہو گیا کہ یہ فعل جو ہے یہ حیوانی فطرت کا تقاضا نہیں ہے یہ خالص شیطانی حرکت ہے۔

شیطانی فعل کا آغاز کیسے ہوا؟:۔

اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کے اندر ایک جگہ وعظ میں دیکھا کہ یہ حرکتیں پھر شروع کیسے ہوئیں جب

① سیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ بیروت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں تو کیا رکھنی تھی حیوان کی فطرت میں بھی یہ بات نہیں رکھی کہ قضائے شہوت کیلئے نر جو ہے وہ نر کی طرف متوجہ ہو اور یہ حیوانی فطرت بھی نہیں ہے تو یہ ان میں شروع کس طرح سے ہوگئی؟

تو حضرت تھانوی ؒ کسی اسرائیلی روایت کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ خالص شیطانیت ہے اور شیطان کی تعلیم کے ساتھ یہ فعل شروع ہوا، کہتے ہیں کہ ایک شخص کا باغ تھا اور شیطان ایک خوبصورت لونڈے کی شکل میں جاتا اور جا کر باغ کے پھل خراب کرنے لگ جاتا باغ والے نے پکڑا اسے پکڑ کر مارا اور چھوڑ دیا لیکن بعد میں پھر اس نے ایسی حرکت کی پھر اس نے پیٹا لیکن پھر وہ باز نہیں آیا، پھر اس طرح سے نقصان کرتا رہا تو باغ والا اس کو روک روک کر عاجز آ گیا، اور مار مار کے تھک گیا تھا اور وہ تھا کہ باز ہی نہیں آتا تھا، اس طرح سے نقصان کرتا تھا، آخر اس باغ والے نے پوچھا کہ بدبخت تو کسی طرح سے رک بھی سکتا ہے؟ کہنے لگا ہاں ایک کام کرو تب میں رکوں گا وہ کہنے لگا کہ وہ کیا کام ہے؟ تو اس نے یہ نشان دہی کی اور اس باغ والے نے اس کے ساتھ یہ حرکت کرنی شروع کر دی، اس کو جو لطف آیا تو اس نے دوسروں کو بتانی شروع کر دی، اس طرح سے یہ بیماری جو تھی سای قوم کے اندر یوں پھیل گئی تو یہ فعل جو ہے تو یہ خالص شیطان کی تعلیم کے ساتھ شروع ہوا اور یہ خالص شیطانی فعل ہے اس کا حیوانی فطرت کے ساتھ کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

یہ شیطانی فعل نسل کی تباہی کا باعث ہے:۔

اس لئے حضرت لوط علیہ السلام کہتے ہیں کہ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ سارے جہانوں میں سے اس حرکت پر تم میں سے کوئی بھی سبقت نہیں لے گیا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ موجد بھی یہی لوگ ہیں اور اس فعل کی یہ نحوست ہے جن کو اس فعل کے ساتھ رغبت ہو جاتی ہے تو ان کو بیویوں سے کوئی انس نہیں رہتا، اور اس طرح سے ان کی نسل تباہ ہوتی ہے اور سارے کا سارا معاملہ جو ہے وہ فساد کی طرف چلا جاتا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ: ایک ترجمہ تو اس کا یہ ہو گیا کہ سارے جہانوں میں سے کیا تم ہی اس حرکت کا ارتکاب کرتے ہو تم مذکروں کے پاس آتے ہو۔

اور دوسرا ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے کہ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ کا تعلق ذکرانا سے لگا دیں کہ سارے جہانوں میں سے مذکر ہی ہیں، جن کے پاس تم آتے ہو تمہیں قضائے شہوت کیلئے کوئی دوسری چیز (عورت) نہیں ملتی سارے

جہانوں میں سے مذکروں کے پاس ہی تم آتے ہو اور جو اللہ نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑتے ہو۔

شیطانی فعل کے عادی ہونے کے بعد بیویوں سے بے رغبتی ہو جاتی ہے:۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ: یہ ما کا بیان ہے چھوڑتے ہو تم ان بیویوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں اور لوط علیہ السلام کے قصے میں سورۃ حود کے اندر یہ تفصیل آئی تھی جب وہ ان مہمانوں کو پکڑنے کیلئے آئے تھے بار بار تقاضا کرتے تھے تو حضرت حود علیہ السلام نے کہا تھا هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ① کہ میری بیٹیاں جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں تمہاری بیویاں ہیں کیونکہ نبی جو ہوتا ہے وہ ساری قوم کا باپ ہوتا ہے تو گھروں میں جو بچیاں ہوتی ہیں، تو بزرگ ان کو اپنی بیٹیاں کہا کرتے ہیں، اگر تم نے یہ قضائے شہوت کا معاملہ کرنا ہی ہے تو میری بیٹیاں جو موجود ہیں تمہارے گھروں میں ہیں جاؤ تم جا کے اپنی بیویوں کے ساتھ قضائے شہوت کرو، وہ کہتے تھے کہ تجھے پتہ ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں کے ساتھ کوئی رغبت نہیں تو وہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس فعل کا جوش پیدا ہو جاتا ہے اور انسان اس فعل کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر بیویوں سے بے رغبتی ہو جاتی ہے تو یہاں بھی یہی ہے کہ تم چھوڑتے ہو ان بیویوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیں بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ تمہاری یہ حرکت کسی ضرورت یا دلیل پر مبنی نہیں بلکہ تم لوگ حد سے نکلنے والے ہو، تم حد انسانیت سے نکل گئے بلکہ حد حیوانیت سے نکل گئے۔

اس شیطانی فعل کی سزا زنا سے بھی سخت ہے:۔

جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کسی حیوان کا فعل بھی نہیں ہے تو جب کوئی شخص اس فعل کے اندر مبتلا ہو تو اس کو خاص طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے بڑھ کر دنیا کے اندر شیطان کے کسی فعل کی اتباع نہیں جتنی کہ اس فعل کے اندر ہے اس لئے شریعت نے اس فعل کی سزا بھی زنا کے مقابلے میں سخت رکھی ہے کہ مرد کی طرف عورت کی رغبت عورت کی طرف مرد کی رغبت یہ تو طبعی چیز ہے، اگر کوئی شخص کسی عورت کی طرف رغبت کرتا ہے تو حیوانیت سے باہر نہیں ہے حیوان کا تقاضا ہے کہ مذکر کی رغبت مؤنث کی طرف ہوتی ہے، ہاں البتہ کسی قاعدے اور قانون کا پابند ہوگا تو انسانیت ہے اگر کسی قاعدے قانون کا پابند نہیں تو حیوانیت سے باہر نہیں کم از کم حیوان ہے لیکن جب مذکر کا رجحان

① پارہ نمبر ۱۴: سورۃ حجر: آیت نمبر ۷۱

مذکر کی طرف ہو تو حیوانیت سے بھی بڑھ گیا تو سزا اس کی اس لئے سخت رکھی گئی، زنا کی سزا کے مقابلے میں کسی کے نزدیک ان کو زندہ جلا دینا چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ ان کو دیوار گرا کے نیچے دبا دینا چاہیے، کوئی کہتا کہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر اس کو سر کے بل گراؤ اور اس طرح سے گرا کر اس کو مار دیا جائے، بہر حال تعزیر ہے اس پر حد متعین نہیں بلکہ صوابدید ہے کہ جس طرح سے چاہو ان کو دردناک طریقے سے مار دو......! جیسے روایت میں آتا ہے کہ مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ ① کہ جس کو تم دیکھو کہ وہ عمل قوم لوط کرتا ہے تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دیا کرو اب قتل کی صورتیں ائمہ کے نزدیک مختلف ہیں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ان کی سزا زنا والی ہے اور حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تعزیر ہے وہ حاکم کی صوابدید پر ہے وہ جس طرح سے چاہے ان کو مروا دے۔

تو خلاف فطرت فعل ہونے کی بناء پر اس کی سزا بھی سخت رکھی گئی بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ کا یہ معنی ہے کہ تم ایسے لوگ ہو جو حد انسانیت سے بلکہ حد حیوانیت سے بھی نکل گئے۔

قوم کی دھمکی اور لوط علیہ السلام کی دُعاء:۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ: بس آخر وہی دھمکی کہ اے لوط......! اگر تو باز نہیں آئے گا ہمیں کہنے سننے سے تو ہو جائے گا تو نکالے ہوؤں میں سے یعنی ہم تجھے بستی میں رہنے ہی نہیں دیں گے ہم تجھے اپنی بستی سے نکال دیں گے، قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ، قالین قلی سے ہے بے زار ہونا، بے شک میں تمہارے عمل سے بیزار لوگوں میں سے ہوں، یعنی میں بہت بیزار ہوں، رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب......! مجھے نجات دے اور میرے اہل کو مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ان کے عملوں کے وبال سے یہاں وبال کا لفظ محذوف نکالیں گے مِنْ جَزَاءِ مَا يَعْمَلُوْنَ جو کچھ یہ کرتے ہیں یا اللہ تیرا عذاب تو آئے گا ہی ہمیں اس عذاب سے بچا لے۔

جو کچھ یہ کرتے ہیں مجھے اس سے نجات دے یعنی اس کے وبال سے اس کے عذاب سے مجھے نجات دے فَنَجَّيْنٰهُ اور ہم نے اس کو نجات دی وَاَهْلَهٗ اور اس کے گھر والوں کو اَجْمَعِيْنَ سب کو اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِيْنَ مگر

① مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۳ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ

ایک بڑھیا جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی اس سے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مراد ہے، چونکہ یہ کافر اور مشرک تھی اس کی ہمدردیاں انہیں لوگوں کے ساتھ تھیں تو اس لئے وہ بھی اس عذاب کے اندر ہلاک ہوگئی ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ، ثُمَّ کا معنی ہے ان کے بچالینے کے بعد ہم نے باقیوں کو نیست و نابود کر دیا، دَمَّرَ تَدْمِیْرًا یہ لفظ سورۃ فرقان میں بھی آیا تھا اس کا معنی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا تھا کسی چیز کو ایسے طور پر توڑ دینا کہ اس کو جوڑا نہ جاسکے جیسے کہتے ہیں کہ بالکل ریزہ ریزہ کر دی، وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا اس بات کی تفصیل بھی سورۃ ھود میں آئی تھی اور ہم نے ان کے اوپر خاص قسم کی بارش برسائی اس خاص قسم کی بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ پس منذرین کی بارش بہت بری بارش تھی اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ بے شک اس واقعہ میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں، وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ اور بے شک تمہارا رب زبردست ہے رحمت والا ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اصحاب ایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿۱۷۶﴾ جب کہا ان کو شعیبؑ نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۷۷﴾

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ

بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں ﴿۱۷۸﴾ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿۱۷۹﴾ نہیں سوال کرتا میں تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ

اس تبلیغ پر کسی اجر کا اور نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۸۰﴾ پورا پورا کیا کرو کیل،

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا

اور دوسروں کو خسارے میں ڈالنے والے نہ بنو ﴿۱۸۱﴾ وزن کیا کرو درست ترازو کے ساتھ ﴿۱۸۲﴾ اور لوگوں کو ان کی چیزیں

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

کم کر کے نہ دیا کرو، اور زمین کے اندر فساد مچاتے ہوئے نہ پھرو ﴿۱۸۳﴾ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پیدا کیا

وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ

اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا ﴿۱۸۴﴾ کہنے لگے تو تو مسحرین میں سے ہے ﴿۱۸۵﴾ نہیں تو انسان

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا

مگر ہم جیسا بے شک ہم تجھے سمجھتے ہیں البتہ جھوٹوں میں سے ﴿۱۸۶﴾ پس گرادے تو ہم پر ٹکڑے

مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

آسمانوں سے اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿۱۸۷﴾ کہا میرا رب خوب جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو ﴿۱۸۸﴾

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

پس انہوں نے اسکو جھٹلایا پس سائبان کے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا، بیشک یہ بڑے دن کا عذاب تھا ﴿۱۸۹﴾

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ
بے شک اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے ﴿۱۹۰﴾ بے شک تیرا رب
لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾
البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۱۹۱﴾

تفسیر

کَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْکَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ: اصحاب اُیکہ نے مرسلین کو جھٹلایا اصحاب اُیکہ یہ قوم شعیب ہے یہ اصحاب مدین بھی ہیں اور اصحاب اُیکہ بھی ہیں یہ ایک ہی قوم ہیں۔

اُیکہ کہتے ہیں جنگل کو بَن کو جہاں بہت سے درخت ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہاں جو قوم شعیب آباد تھی تو وہاں ان کے ساتھ کچھ جنگلات بھی تھے، اس لئے ان کو اصحاب اُیکہ بھی کہا ہے اور اصحاب مدین بھی کہا ہے جب کہا ان کو شعیب علیہ السلام نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہیں سوال کرتا میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجر کا اور نہیں ہے میرا اجر مگر رب العالمین کے ذمے۔

قوم شعیب کی معاشی بدنظمی:۔

اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ: یہ قوم جو تھی یہ معاشی بدنظمی کے اندر مبتلا تھی، ان کے اندر معاش کا فساد تھا تاجر لوگ تھے اور تاجر لوگ ہونے کے ساتھ انہوں نے یہ گڑبڑ کر رکھی تھی کہ کم ناپتے کم تولتے اور اس طرح سے اشیاء کے اندر ملاوٹ کرنا یہ بھی اسی میں شامل ہے، کیونکہ اگر ایک چیز اس میں آپ نے ایک پاؤ دوسری چیز ملا دی، اب جو آپ سے خریدنے کیلئے آیا مثال کے طور پر جس طرح سے آج کل والوں میں دوسری چیزیں ملی ہوئی ہیں اب آپ دیں گے تو صحیح تول کے ایک سیر دیں گے لیکن اس میں جو دوسری چیز ایک پاؤ ملی ہوئی ہے جو کہ خریدار کے مطلب کی نہیں تو یوں سمجھو......! کہ سیر کی بجائے آپ نے اس کو تین پاؤ دی ہے، تو ملاوٹ بھی اسی میں شامل

ہے یہ عمل یعنی گھٹانا کم کرنا دوسرے کا حق پورا ادا نہ کرنا، اس میں جس طرح سے کم تولنا ہے، کم ماپنا ہے، اسی طرح سے ملاوٹ بھی اسی فعل میں داخل ہے اور تاجر لوگ جب اس بات میں اتر آتے ہیں، تو آپ جانتے ہیں اس میں لوگوں کے حقوق بھی تلف ہوتے ہیں، بلکہ چیزوں کے ملاوٹ ہو جانے سے انسان کی صحت کیلئے بھی نقصان دہ ہو جاتی ہیں تو یہ معاشی فساد ان لوگوں میں تھا کم تولنے کا کم ماپنے کا یا ملاوٹ کرنے کا جس کے اوپر ان کو حضرت شعیب علیہ السلام نے متوجہ کیا کہ اس طرح سے تم اپنی حلال کمائی کو بھی حرام کر رہے ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو سمجھانا:۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ: کیل پورا پورا کیا کرو یہ کیل ہوتا تھا جیسے برتن کے ساتھ کوئی چیز پیمائش کر کے ڈالی جاتی تھی وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ اور دوسروں کو خسارے میں ڈالنے والے نہ بنو، پورا پورا کیل کیا کرو، وَزِنُوْا امر کا صیغہ ہے، وزن کیا کرو درست ترازو کے ساتھ قسطاس سے ترازو مراد ہے یعنی ڈنڈی نہ مارا کرو، ترازو اس قسم کی بنائی جائے کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ پورا تول رہا ہے لیکن حقیقت میں فرق ہوتا ہے تو وہ قسطاس مستقیم نہیں ہے ترازو مستقیم وہ ہوتی ہے جس کے دونوں پلڑے بالکل برابر ہوں اور آپ ایسے طور پر تولو کہ وہ درست ہی رہے، اس میں ڈنڈی مارنے کی کوشش نہ کرو وزن کیا کرو درست ترازو کے ساتھ۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ: اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ اور زمین کو اندر فساد مچاتے ہوئے نہ پھرو وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پیدا کیا اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا جبلۃ مخلوق کو کہتے ہیں۔

قوم کا شعیب علیہ السلام کو جواب:۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ: یہ لفظ بھی پہلے آپ کے سامنے آ گیا کہ تو تو مسحرین میں سے ہے معلوم ہوتا ہے کسی نے جادو کر کے تیرے حواس ہی خراب کر دیئے تو مخبوط الحواس ہو گیا، وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا نہیں ہے تو انسان مگر ہم جیسا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ بے شک ہم تمہیں سمجھتے ہیں البتہ جھوٹوں میں سے فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ، كِسَفًا كِسْفَةٌ کی جمع ہے ٹکڑا پس گرا دے تو ہم پر ٹکڑے آسمانوں سے اِنْ

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تو سچوں میں سے ہے مطلب یہ کہ تو ہم پر عذاب لے آ، حاصل اس کا یہی ہے
قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یہ اصل میں شعیب علیہ السلام نے انہیں ڈراتے ہوئے کہا تھا کہ آسمان پھٹ جائے گا تم
عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لہٰذا اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ تو کہتے ہیں کہ گرا دے ہم پر آسمان اگر تو سچا ہے،
ٹوٹ پڑے ہم پر آسمان جس طرح کہ کہتے ہیں کہ زمین پھٹ جائے گی اے اللہ کے بندے آسمان ٹوٹ
جائے گا اس طرح عذاب کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تو جواب میں وہ کہتے ہیں کہ ہم پر تو آسمان کے ٹکڑے
گرا دے اگر تو سچوں میں سے ہے۔

قومِ شعیب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب:۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ: میرا رب خوب جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو فَكَذَّبُوْهُ پس انہوں
نے اس کو جھٹلایا فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ سائبان کے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا ظلۃ سائبان کو کہتے ہیں
سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا کیا مطلب؟

لوگ قحط سالی کے اندر مبتلا ہو گئے، گرمی شدید تھی تو ایک دن بادل آیا اور اس بادل کے نیچے ٹھنڈا سایہ تھا تو
اللہ تعالیٰ کو لوگوں کو سزا دینے کیلئے کوئی زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی، لوگ بھاگ بھاگ کے آتے ہیں اللہ کے
عذاب کی طرف۔

ہر ایک کو اس کی مقررہ جگہ پر موت آتی ہے:۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کیلئے جہاں مرنا مقدر کیا ہے انسان خود چل کے وہاں
پہنچ جاتا ہے ① اس علاقے میں اس کو کوئی نہ کوئی ضرورت پیش آ جاتی ہے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے چل
کے وہاں پہنچ جاتا ہے وہاں پھر اس کو موت آ جاتی ہے اس لئے لکھی ہوئی جگہ مقدر جگہ ٹلتی نہیں آپ دیکھتے ہیں کہ یہ
ایکسیڈنٹ میں یہ جو لوگ مرتے ہیں تو یہی لوگ کرایہ دے دے کر وہاں پہنچتے ہیں کوشش کر کے وہاں کا ٹکٹ خرید خرید
کے پہنچتے ہیں، جہاں مرنا ہوتا ہے جیسا کہ آپ بیٹھے ہیں یہاں اور موت آپ کی سندھ میں لکھی ہوئی ہے، تو کوئی نہ
کوئی کام اس قسم کا پیش آ جائے گا کہ آپ اس علاقے میں خود پہنچ جائیں گے، وہاں جائیں گے اللہ کی تقدیر پوری
ہو جائے گی، علامہ سیوطی نے واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہاں عزرائیل

① مشکوٰۃ ص ۲۲ عن مطر بن عکامس بحوالہ ترمذی

بھی تھا جس کو لوگ پہچانتے تھے پہلے فرشتے سامنے آجایا کرتے اور لوگ پہچان لیا کرتے تھے تو ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور عزرائیل اس کی طرف گھور گھور کے دیکھ رہا ہے اب وہ شخص ڈر گیا کہ یہ جو آج مجھے گھور گھور کے دیکھ رہا ہے تو آج خیر نہیں اس نے سلیمان علیہ السلام کے سامنے شکایت کی کہ مجھے تو اس سے بڑا ڈر لگ رہا ہے مجھے یہاں سے کہیں دور پہنچادو......! سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ کہاں جانا چاہتے ہو تو کہنے لگا کہ جی ہوا کو حکم دو مجھے ہندوستان پہنچادے، سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا ہوا نے اس کو اٹھایا اور ہندوستان میں پھینک دیا اور یہاں جس وقت پھینکا تو آتے ہی مر گیا تو دوسرے دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت عزرائیل سے پوچھا کہ تو اس کو کیوں گھور گھور کے دیکھ رہا تھا کیا بات ہوئی بیچارہ ڈر رہا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ میں اس کو گھور گھور کے اس لئے دیکھ رہا تھا کہ اس کی موت کا وقت قریب آگیا تھا اور حکم یہ تھا کہ اس کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے یہ پہنچے گا کیسے؟ میں اس لئے اس کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ اس کے مرنے کا وقت قریب آیا ہوا ہے اور حکم یہ ہے کہ اس کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے اور یہ یہاں بیٹھا ہوا ہے تو اس لئے آپ نے ہوا کو وہاں پہنچانے کا حکم دیا یہ وہاں پہنچا تو وہاں میں نے اس کی جان نکال لی [1]، تو مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جس انسان کے مرنے کی جو جگہ مقرر ہے تو وہ وہاں ضرور پہنچے گا، ہزار بار حیلہ کر کے پہنچے گا تو اسی طرح سے وہ بادل آیا سائبان کی طرح اور اس کے نیچے ٹھنڈا سایہ تھا گرمی سے یہ لوگ تنگ آئے ہوئے تھے سارے کے سارے گھروں سے نکل کر اس سائے کے نیچے آگئے، اس خیال سے کہ ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا [2] ہم پر یہ برسے گا کہ بارش آئے گی اور ہم بارش میں نہائیں گے اور گرمی دور ہوگی اس خیال کے ساتھ وہ سارے کے سارے آگئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بادل سے بجائے پانی کے آگ برسی اور اسی طرح سے ممکن ہے کہ کوئی زلزلہ بھی آیا ہو، اور وہ ساری کی ساری قوم وہیں تباہ ہوگئی تو یوم الظلۃ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بادل کی شکل میں یہ عذاب آیا تھا جس سے ان کے اوپر آگ برسی، پکڑ لیا ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں ہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک تیرا رب البتہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔

---

[1] دیکھئے الحبائک فی اخبار الملائک ج ا ص ۱۵ للسیوطی رحمہ اللہ

[2] پارہ نمبر ۲۶: سورۃ احقاف: آیت نمبر ۲۴

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾

بیشک یہ قرآن البتہ اتارا ہوا ہے رب العالمین کا ﴿١٩٢﴾ اترا اس قرآن کو لے کر روح الامین ﴿١٩٣﴾

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ

آپ ﷺ کے دل پر تا کہ ہو جائیں آپ ڈرانے والوں میں سے ﴿١٩٤﴾ واضح عربی زبان میں ﴿١٩٥﴾ اور بیشک یہ قرآن

زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾

البتہ پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے ﴿١٩٦﴾ کیا ان مشرکین مکہ کیلئے نشانی نہیں کہ جانتے ہیں اس قرآن کریم کو علماء بنی اسرائیل ﴿١٩٧﴾

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾

اگر ہم اتارتے اس قرآن کو عجمیوں میں سے کسی پر ﴿١٩٨﴾ پھر وہ عجمی ان پر اس قرآن کو پڑھتا، نہیں تھے یہ لوگ اس قرآن پر ایمان لانیوالے ﴿١٩٩﴾

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾

ایسے ہی ہم نے داخل کر دیا اس تکذیب کو ان مجرمین کے قلوب میں ﴿٢٠٠﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ﴿٢٠١﴾

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

پھر وہ عذاب ان کے پاس آ جائے اچانک اور ان کو پتہ بھی نہ ہو ﴿٢٠٢﴾ پھر یہ کہیں گے کہ کیا ہم مہلت دیئے ہوئے ہیں ﴿٢٠٣﴾

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ

کیا پھر یہ ہمارے عذاب کو جلدی طلب کرتے ہیں ﴿٢٠٤﴾ کیا آپ نے دیکھا اگر ہم ان کو فائدہ پہنچا دیں چند سال تک ﴿٢٠٥﴾ پھر آ جائے

مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا

انکے پاس وہ چیز جس کا یہ وعدہ کیے گئے ﴿٢٠٦﴾ ان کو فائدہ پہنچایا جانا ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیگا ﴿٢٠٧﴾ نہیں ہلاک کیا ہم نے

مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى قف وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا

کسی بستی کو مگر اس بستی کیلئے ڈرانے والے تھے ﴿٢٠٨﴾ یاددہانی کیلئے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں ﴿٢٠٩﴾ نہیں اترتے

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ

اس قرآن کو لے کر شیاطین ﴿۲۱۰﴾ اور نہیں مناسب ان کے لئے اس قرآن کو لانا اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں ﴿۲۱۱﴾ بیشک وہ

عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

شیاطین سننے سے البتہ دور ہٹائے ہوئے ہیں ﴿۲۱۲﴾ نہ پکاریں آپ اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ، پھر ہو جائیں گے

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ

آپ عذاب دیئے ہوؤں میں سے ﴿۲۱۳﴾ اور ڈرا اپنے قریبی رشتہ داروں کو ﴿۲۱۴﴾ پست کر تو اپنے بازو

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

ان لوگوں کے لئے جو تیری پیروی کریں ایمان والوں میں سے ﴿۲۱۵﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں، تو آپ کہہ دیجئے،

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ

بیشک میں لاتعلق ہوں ان چیزوں سے جو تم کرتے ہو ﴿۲۱۶﴾ اور بھروسہ کیجئے! عزیز رحیم پر ﴿۲۱۷﴾ وہ دیکھتا ہے

يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

آپ کو جس وقت کہ آپ قیام کرتے ہیں ﴿۲۱۸﴾ اور آپ کے چلنے پھرنے کو ساجدین میں ﴿۲۱۹﴾ بیشک وہ اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۲۲۰﴾

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ

کیا میں تم کو خبر دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ ﴿۲۲۱﴾ اترتے ہیں ہر جھوٹے پر

اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

اور گنہگار پر ﴿۲۲۲﴾ کان لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ﴿۲۲۳﴾ شعراء، ان کے پیچھے لگتے ہیں گمراہ لوگ ﴿۲۲۴﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

کیا تو دیکھتا نہیں کہ بیشک وہ ہر وادی میں پریشان پھرتے ہیں ﴿۲۲۵﴾ اور بیشک یہ لوگ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں ﴿۲۲۶﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ
مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، اور بدلہ لیتے ہیں
بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾
مظلوم ہونے کے بعد، اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کونسی لوٹنے کی جگہ وہ لوٹتے ہیں ﴿۲۲۷﴾

تفسیر

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: ہٗ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف لوٹ رہی ہے تنزیل مصدر ہے اور یہاں مفعول کے معنی میں ہے بے شک یہ قرآن البتہ اتارا ہوا ہے رب العالمین کا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ امانت دار فرشتہ، روح سے روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں عَلٰى قَلْبِكَ آپ ﷺ کے دل پر۔

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ: تاکہ ہوجائیں آپ ڈرانے والوں میں سے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ واضح عربی زبان میں وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ اور بے شک یہ قرآن البتہ پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے، ہٗ ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے، اور بے شک یہ قرآن البتہ پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے، زبر زَبُور کی جمع ہے یعنی بے شک قرآن کریم کا ذکر پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے، یا یہ ہے کہ قرآن کریم کے مضامین پہلے لوگوں کی کتابوں میں موجود ہیں، قرآن کریم نے توحید معاد ان چیزوں کا تذکرہ کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام جو پہلے گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ یا اس قرآن کریم کا ذکر پہلے لوگوں کی کتابوں میں ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں اس اترنے والی کتاب کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً: کیا ان مشرکین مکہ کے لئے نشانی نہیں کہ جانتے ہیں اس قرآن کریم کو علماء بنی اسرائیل۔ کہ یہ اترنے والا تھا اللہ کی طرف سے اس کی پہلے پیش گوئی کردی گئی تھی پچھلی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، علماء بنی اسرائیل اس بات کو جانتے ہیں تو مشرکین مکہ کیلئے کیا یہ قرآن کی صداقت کی نشانی نہیں؟ جیسے بنی اسرائیل میں سے جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ تو صراحتاً اقرار کرتے تھے، برملا کہتے تھے کہ اس نبی کا ذکر بھی پہلی کتابوں میں ہے اور اس قرآن کا ذکر بھی پہلی کتابوں میں ہے، اور جو ایمان نہیں لائے تھے اپنے نجی مجلسوں میں بسا

اوقات وہ بھی ذکر کرتے تھے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ: اگر ہم اتارتے اس قرآن کو عجمیوں میں سے کسی پر فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ پھر وہ عجمی ان پر اس قرآن کو پڑھتا مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ نہیں تھے یہ لوگ اس قرآن پر ایمان لانے والے، عجم غیر عرب کو کہتے ہیں۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ: ایسے ہی ہم نے داخل کر دیا اس تکذیب کو ان مجرمین کے قلوب میں لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں، حتی کے بعد مضارع آ جائے تو محاورتاً نفی کے ساتھ ترجمہ کیا جاتا ہے۔ فَيَاْتِيَهُمْ پھر وہ عذاب ان کے پاس آ جائے اچانک وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور ان کو پتہ بھی نہ ہو فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ پھر یہ کہیں گے کہ کیا ہم مہلت دیئے ہوئے ہیں مُنْظَر یہ انظار سے ہے بمعنی ڈھیل دینا۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ: کیا پھر یہ ہمارے عذاب کو جلدی طلب کرتے ہیں، یعنی جس عذاب کے آنے کے بعد پھر یہ چیخیں گے کہ ہائے ہمیں اس عذاب سے مہلت مل جائے ابھی یہ جلدی کر رہے ہیں کیا پھر یہ ہمارے عذاب کا جلدی مطالبہ کر رہے ہیں۔ استعجال کسی چیز کو جلدی طلب کرنا جلدی مچاتے ہیں ہمارے عذاب کے ساتھ یا ہمارا عذاب جلدی مانگتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ: کیا آپ نے دیکھا اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ اگر ہم ان کو فائدہ پہنچا دیں چند سال تک ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ پھر آ جائے ان کے پاس وہ چیز جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ نہیں فائدہ دے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ یہ فائدہ پہنچائے گئے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ: فائدہ پہنچانا، دور ہٹانا، کام آنا۔ وہ چیزیں جن کے ساتھ ان کو فائدہ پہنچایا گیا وہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی، وہ چیزیں اللہ کے عذاب کو دور نہیں ہٹا سکیں گی اور اگر مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ میں مَا مصدریہ بنا لیا جائے تو یوں ترجمہ ہوگا کہ ان کو فائدہ پہنچایا جانا ان کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا یعنی اگر برسوں تک ہم ان کو فائدہ پہنچاتے رہیں ان کو خوشحال کر دیں لیکن جب اللہ کی گرفت میں آئیں گے تو جو ان کو خوشحالی دی گئی تھی جس چیز کے

ساتھ ان کو فائدہ پہنچایا گیا یہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس بستی کے لئے ڈرانے والے تھے، ذِكْرٰى یاددہانی کیلئے یعنی ہماری عادت ہے ہم کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے جب تک کہ اس بستی میں کوئی مُنْذِر نہ بھیج دیں، ڈرانے والا نہ بھیج دیں، جو ان کو یاددہانی کرائے وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین، شیاطین شیطان کی جمع ہے شیطان اس کتاب کو لے کر نہیں اترے۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ اور نہیں مناسب ان کے لئے اس قرآن کو لانا۔ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں۔ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ بے شک وہ شیاطین سننے سے البتہ دور ہٹائے ہوئے ہیں، جدا کئے ہوئے ہیں، وہ تو اس وحی کو سن بھی نہیں سکتے۔ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ پس نہ پکار تو۔ یہ خطاب بظاہر سرورِ کائنات ﷺ کو ہے مراد باقی لوگ ہیں۔ نہ پکاریں آپ اللہ کے ساتھ کوئی اور اِلٰہ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ پھر ہو جائیں گے آپ عذاب دیئے ہوؤں میں سے، یعنی اگر اللہ کے علاوہ کسی اِلٰہ کو پکارو گے تو معذب ہو جاؤ گے اللہ کی طرف سے سزا ملے گی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ: اور ڈرا اپنے قریبی رشتہ داروں کو، عشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں، اقربین جو سب سے زیادہ قرب رکھنے والے ہوں، آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: جناح کہتے ہیں اصل کے اعتبار سے پرندے کے پر کو اور پھر جب یہ لفظ انسان کیلئے بولا جائے تو اس سے مراد بازو ہو گئے، چونکہ پرندے کے پَر وہ ایسے ہی ہیں جیسے انسان کے بازو ہیں، اور خَفض پست کرنے کو کہتے ہیں۔ پست کر تو اپنے بازو ان لوگوں کیلئے جو تیری پیروی کریں، مؤمنین میں سے یہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جو ہے مَنِ اتَّبَعَكَ کا بیان ہے جو آپ کے متبع ہیں ان کیلئے اپنے بازوؤں کو پست کیجئے! اور خفض جناح یہ کنایہ ہوتا ہے کسی چیز پر شفقت کرنے سے، آپ نے دیکھا ہوگا گھروں میں آپ لوگ مرغیاں رکھتے ہوں گے اور جب مرغی کے بچے نکلے ہوئے ہوتے ہیں بچے مرغی کے ساتھ ساتھ پھرا کرتے ہیں، اور جس وقت مرغی کوئی خطرہ محسوس کیا کرتی ہے جیسے اوپر کوئی چیل آ گئی یا کوئی جانور آ جائے تو اپنے پَروں کو پھیلا کر اپنے بچوں کو نیچے چھپا کر اپنے پَروں کو پست کر لیا کرتی ہے، اور انسان جس وقت کسی دوسرے انسان پر شفقت کرتا ہے، محبت کرتا ہے، تو ایسے ہوتا ہے کہ بغل میں لیا بغل میں لے کر اس کے اوپر اپنے بازو پست کر لیے۔ یہ محبت و

شفقت کی علامت ہوا کرتی ہے تو اپنے متبع مومنین کیلئے اپنے بازوؤں کو پست کرلیں اوران کے اوپر شفقت کیجئے!
ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے! تو یہاں خفض جناح کا یہی معنی ہے شفقت سے پیش آئیں ان لوگوں کے ساتھ
جو کہ آپ کے متبع ہیں یعنی مومنین۔

فَاِنْ عَصَوْكَ : پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں فَقُلْ تو آپ کہہ دیجئے اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ بے شک
میں لاتعلق ہوں ان چیزوں سے جو تم کرتے ہو میرا تمہارے عملوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اور
بھروسہ کیجئے! اعتماد کیجئے! عزیز رحیم پر، عزیز کے معنی زبردست، غالب، رحیم کے معنی رحم کرنے والا۔

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ، وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ : وہ دیکھتا ہے آپ کو جس وقت کہ آپ اٹھتے ہیں جس وقت
کہ آپ قیام کرتے ہیں اور آپ کے چلنے پھرنے کو ساجدین میں۔ تقلب حرکت کرنا یا آنا جانا سٰجدین سے یہاں
نماز پڑھنے والے مراد ہیں آپ کو دیکھتا ہے جس وقت کہ آپ اٹھتے ہیں تہجد کیلئے آپ قیام کرتے ہیں اور اسی طرح
سے جس وقت آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے کیلئے پھرتے ہیں کہ وہ تہجد پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز
کر رہے ہیں۔ جیسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی رات کو کبھی کبھی چکر لگایا کرتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو
دیکھا کرتے تھے کہ وہ کس حال میں ہیں جیسے حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ گزرے تو حضرت
عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ آہستہ آواز میں
قرآن شریف پڑھ رہے تھے تو پھر صبح کو جب دونوں حضرات تشریف لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے عمر! میں نے سنا کہ تم رات کو بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، کہا اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ
الشَّيْطَانَ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں بلند آواز سے اس لئے تلاوت کر رہا تھا کہ میں سونے والوں کو جگاتا تھا تاکہ میری
آواز سن کر جو سوئے ہوئے ہوں وہ بھی جاگ اٹھیں اور شیطان کو میں دفعہ کرتا تھا میں جانتا تھا کہ اللہ کے قرآن کی
آواز جہاں جائے گی تو شیطان وہاں سے بھاگے گا۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ آہستہ آہستہ کیوں پڑھ
رہے تھے؟ وہ کہنے لگے کہ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ یارسول اللہ! جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا اسے میں سنا رہا تھا
کسی اور کو سنانے کی کیا ضرورت تھی! تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سمجھایا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تو اپنی آواز کو کچھ
آہستہ کرلے زیادہ اونچا نہ پڑھا کر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تو اپنی آواز کو کچھ اونچی کر کیونکہ تہجد میں قرآن کریم اگر

کچھ جہراً پڑھا جائے تو اس میں قلب کی طرف اثر پڑتا ہے ① اور حضور قلب نصیب ہوتا ہے تو اس طرح سے حضور ﷺ چلتے پھرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو دیکھا کرتے تھے۔

تو ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن پڑھ رہے تھے حضور ﷺ بڑی دلچسپی کے ساتھ کھڑے سنتے رہے اور بہت پسند فرمایا ان کے قرآن پڑھنے کو اور بعد میں تعریف فرمائی لَقَدْ اُوْتِیتَ مِزْمَاراً مِنْ مَزَامِیْرِ آلِ دَاوُدَ ② کہ تجھے جو حضرت داؤد علیہ السلام کا جو ترنم تھا اس میں سے حصہ ملا ہے۔ بہت خوش الحان تھے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو یہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کا معنی یہ ہو جائے گا کہ آپ کا چلنا پھرنا نماز پڑھنے والوں میں یعنی تہجد کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نماز پڑھتے تو آپ ان میں چلتے پھرتے ان کا حال دیکھنے کیلئے تو اللہ آپ کو دیکھتا ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: بے شک وہ اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔ اَب وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ میں سٰجدین سے بعض لوگوں نے حضور ﷺ کے آباء بھی مراد لئے ہیں پھر اس کا معنی یوں کیا کہ آپ کا ادل بدل ہونا سٰجدین میں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آپ مختلف آباء کی پشت میں جو ادل بدل ہوتے آئے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت بھی آپ کو جانتا تھا اور یہ جو سٰجدین کے لفظ کے ساتھ تعبیر جو کیا تو سٰجدین سے عابدین مراد ہیں، تو یہ معنی لے کر پھر بعض لوگوں نے یہاں سے سرورِ کائنات ﷺ کے آباء و اجداد کے ایمان پر اور ان کے مغفور ہونے پر بھی استدلال کیا، جیسے حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ پہلا تو وہی معنی بیان کیا یعنی جب تو تہجد کے وقت اٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل ہیں! یا تو جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت، رکوع و سجود وغیرہ کرتا ہے تو یہ بھی تقلب کا معنی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ سٰجدین سے آپ کے آباء مراد ہیں۔ یعنی آپ کے نور کا ایک نبی کے صلب سے دوسرے نبی کے صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا۔ بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور ﷺ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے یہ مسئلہ آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ (۱۲ صفحات کے بعد)

---

① مشکوٰۃ ص ۱۰۵ عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ / ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹ / ترمذی باب ما جاء فی القراءۃ باللیل

② بخاری ج ۲ ص ۷۵۵ باب جامع المناقب۔ فصل اول

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ: کیا میں تم کو خبر دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ اترتے ہیں ہر جھوٹے پر اور گنہگار پر اَثِيْمٍ گنہگار اَفَّاكٍ یہ لفظ افک سے لیا گیا ہے افک بدترین قسم کے جھوٹ کو کہتے ہیں تو اَفَّاكٍ ہو جائے گا بہت زیادہ جھوٹا۔ بہت جھوٹے اور گنہگار پر اترتے ہیں وہ جھوٹے اور گنہگار کان لگاتے ہیں وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ یہ جو کہانت کے پیشہ ور ہیں جنات سے غیب کی خبریں لے کر لوگوں کو سناتے ہیں ان میں سے بعض کو تو یہ ملکہ ہوتا ہے کہ جنات کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیتے ہیں اور کوئی جھوٹی موٹی باتیں وہ ان کو پہنچاتے ہیں اور یہ آگے اس میں اور جھوٹ ملا کر لوگوں کو پہنچاتے رہتے ہیں، اور بعض کو تو سرے سے یہ ملکہ ہوتا ہی نہیں لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے یونہی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں اور کان لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، جیسا کہ ان کو غیب سے کوئی خبر پہنچ رہی ہو اور پھر لوگوں کے سامنے اس کو ذکر کرتے ہیں، اکثر تو ان میں سے ویسے ہی جھوٹے ہوتے ہیں اور جو یہ ملکہ رکھتے ہیں کہانت والا تو وہ بھی اکثر جھوٹ بولتے ہیں، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جن شیاطین ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں کہیں سے کوئی بات مل لے آئے اپنے دوستوں کو پہنچا دیتے ہیں اور وہ دوست اس میں سو جھوٹ اور ملاتے ہیں ① یوں خلط ملط کر کے لوگوں کو خبر سناتے ہیں تو جو بات وہ جنات سے سنی ہوتی ہے اتنی بات تو سچی نکل آتی ہے اور جو اس میں انہوں نے اپنی باتیں ملائی ہوتی ہیں وہ جھوٹی نکل آتی ہیں، تو ان کے اقوال بھی اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور ویسے بھی ان میں سے لوگ بھی اکثر جھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی ارواح کے ساتھ کوئی ربط قائم ہے یا جنات سے خبر لے لیتے ہیں یہ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے ایسی ہیئت اختیار کر لیتے ہیں اور اگر کسی کو ملکہ ہو بھی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کہانت ایک مستقل پیشہ تھا تو ان کی اکثر باتیں غلط ہوتی ہیں تو اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ کے یہ دونوں مفہوم ہیں یا تو یہ کہانت کے پیشے کا ہی دعویٰ کر کے جھوٹ بولتے ہیں ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں، ان کو یہ پیشہ حاصل ہی نہیں ہوتا کوئی ربط ہے ہی نہیں ان کا جنات کے ساتھ یا یہ ہے کہ ان کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں یہ اکثر جھوٹ بولتے ہیں کبھی کوئی بات ان میں سے سچی بھی نکل آتی ہے جیسے حدیث شریف میں تفصیل موجود ہے۔

---

① مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۳۹۳ باب الکہانۃ۔ فصل اوّل۔ بخاری ج ۱ ص ۴۵۶، ج ۱ ص ۶۶۴ وغیرہ

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ: اور شعراء ان کے پیچھے لگتے ہیں گمراہ لوگ شعراء شاعر کی جمع ہے شعر کہنے والے لوگ، شعراء ان کے پیچھے لگتے ہیں گمراہ لوگ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ کیا تو دیکھتا نہیں کہ بے شک وہ ہر وادی میں پریشان پھرتے ہیں هَامَ يَهِيْمُ کا معنی ہوتا ہے منہ اٹھائے چل پڑنا پتہ نہیں ہے کہ کدھر کو جارہے ہیں۔ هَائِم کہتے ہیں سر پھرے آدمی کو جس طرح کوئی پریشان پھر رہا ہو جدھر کو منہ ہوا ادھر کو چل دیا وادی سے یہاں خیالات کی وادی مراد ہے یہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں شاعروں کا کام ہوتا ہے کہ جو خیال باندھ لیا بس اسی کی طرف چل دیئے۔ مبالغہ آمیزی جھوٹی باتیں جوڑنا اور ان کو مُقَفّٰی عبارت کے اندر ادا کرنا یہ شعراء کا کام ہوتا ہے یہ حقیقت پسند نہیں ہوا کرتے ان میں ملمع سازی زیادہ ہوا کرتی ہے۔

کیا تو دیکھتا نہیں کہ یہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں پریشان پھرتے ہیں یعنی خیالات کی وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ: اور بے شک یہ لوگ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے ہیں یعنی ان کا قول ان کے کردار کے مطابق نہیں ہوتا یعنی گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے غازی نہیں ہوتے یہ بولتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں یعنی ان کا قول ان کے فعل کے مطابق نہیں ہوتا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: یہ شعراء سے ان کو مستثنیٰ کر لیا گیا سارے شاعر برے نہیں ہوتے تو فرمایا مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا: اپنے شعروں میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔

وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا: اور بدلہ لیتے ہیں مظلوم ہونے کے بعد۔ بعد اس کے کہ ان کے اوپر ظلم کیا گیا یعنی اگر کسی کی برائی میں شعر کہتے ہیں تو وہ بھی ایک قسم کا انتصار بدلہ ہوتا ہے۔ ابتداءً غیبت یا کسی کی برائی شعروں میں نہیں کرتے اور اگر کوئی ان کو برا بھلا کہا گیا تو جواباً ان کو کہا کرتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو شاعر تھے تو وہ مشرکین کی باتوں کا جواب شعروں میں دیتے تھے انہیں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ برے نہیں ہیں بدلہ لیتے ہیں بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد وہ لوگ بدلہ لیتے ہیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا۔ اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ منقلب ظرف کا صیغہ لوٹنے کی جگہ کونسی لوٹنے کی جگہ وہ

لوٹتے ہیں یعنی ان کا انجام کیا ہوتا ہے لوٹ کے یہ کدھر جاتے ہیں عنقریب ان ظالموں کو پتہ چل جائے گا۔

ماقبل سے ربط:۔

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ سورۃ کے شروع میں سرورِ کائنات ﷺ کیلئے تسلی کا مضمون تھا اور آپ کی نبوت اور رسالت کا تذکرہ تھا پھر آگے واقعات کثرت کے ساتھ بیان کئے گئے جن سے انہی مضامین کو ایک تاریخی شہادت کے ساتھ مؤکد کرنا تھا یہ واقعات کا سلسلہ ختم ہوا۔ اب آخری رکوع میں بھی حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت کا تذکرہ ہے۔ پہلی بات تو یہ کہی گئی ہے یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

قرآن کریم رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے:۔

قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر آپ نے پڑھا کہ مشرکین سرورِ کائنات ﷺ کو کاہن کہتے تھے اور شاعر کہتے تھے۔ کاہن اسے کہا جاتا ہے جو جنات کے ساتھ رابطہ قائم کر کے کچھ خبریں معلوم کرتا ہو۔

اور شاعر وہ ہوتا ہے جو خیال بندی کے ساتھ مضامین کو ادا کرتے ہیں اور ایک سادی سی بات کو مزین کر کے ادا کر دیتے ہیں وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ شاعر ہیں یا کہتے تھے کہ کاہن ہیں، اس لئے یہ باتیں بنا بنا کر مزین کر کے سجا سجا کے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں محض یہ خیال بندی ہے باقی اس میں حقیقت کچھ نہیں ہے تو قرآنِ کریم کو شعر کہتے تھے، یا کہانت کہتے تھے، تو اس رکوع میں ان کی تردید کرنا مقصود ہے۔ پہلے تو یہ بات کہی کہ یہ رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

راوی قرآن جبرئیل امین کی ثقاہت اور اس کی صفات:۔

اور درمیان میں واسطہ جو حضور ﷺ کے پاس لے کر آیا وہ روح الامین ہیں امانت دار فرشتہ، امانت دار کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کمی وبیشی کے جیسے اللہ کی طرف سے چلا تھا ویسا ہی رسول ﷺ کی طرف پہنچا دیا۔ جیسے سورۃ التکویر میں بھی اس کا ذکر آئے گا یہ جبرائیل کی تعریف کہ یہ جو قرآن لانے والا ہے یہ کن صفات کا مالک ہے تیسویں پارے کے اندر سورۃ التکویر میں اس کا ذکر آئے گا۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ تو گویا کہ جو راوی ہے یعنی واسطہ اس کی تعدیل ذکر کر دی گئی کہ وہ بہت ثقہ ہے اور بہت

عادل ہے جو درمیان میں واسطہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بات چلی اور حضور ﷺ تک پہنچی درمیان میں واسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جیسی صفات اور اس کی ثقاہت قرآن کریم میں دوسری جگہ ذکر کردی گئیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جیسے راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ضروری ہے تو ملاقات کا ذکر سورۃ النجم میں آئے گا ملاقات بھی ہے اور درمیان والا راوی ثقہ بھی ہے۔

قرآنِ کریم کی اصل حیثیت:۔

اور پھر یہ قرآن اترا اللہ کی جانب سے لے کر روح الامین پہنچا کہاں آپ کے قلب مبارک پر، قلب مبارک کا ذکر اس لئے آگیا کہ سرورِ کائنات ﷺ پر جس وقت وحی آنے لگتی تھی تو آپ کے اوپر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی جس طرح سے ظاہری حواس معطل ہوجاتے تو حضور ﷺ کا قلب مبارک براہِ راست وحی اخذ کرتا تھا اور اس وحی کا نزول آپ کے قلب پر ہوتا تھا۔ تو یہ قرآن مبارک قلب پر اترا اور لسان عربی میں اترا۔ عربی زبان میں اور اترا اس لئے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں یہ تو قرآن کریم کی اصل حیثیت بیان کردی۔

اور جب یہاں اس کو لسان عربی ذکر کیا تو معلوم ہوگیا اگر قرآنِ کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کردیا جائے، اُردو میں اس عبارت کو نقل کریں، فارسی میں نقل کریں، یا کسی دوسری زبان میں نقل کریں، وہ قرآن نہیں ہے وہ قرآن کا ترجمہ ہے، اسے قرآن نہیں کہہ سکتے، اس لئے یہ جو اُردو کے ترجمے چھپے پھرتے ہیں ان کو کہتے ہیں کہ یہ اُردو کا قرآن ہے، تو ان کو قرآن کہنا غلط ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو بے وضو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے، جنبی اس کو پڑھ سکتا ہے، حائضہ عورت اس کو پڑھ سکتی ہے، اور نماز میں پڑھے گا تو اس نے قرآن نہیں پڑھا بلکہ قرآن کا ترجمہ پڑھا ہے، اور نماز میں چونکہ قرآن پڑھنا ضروری ہے اس لیے اس کی نماز ہوگی ہی نہیں۔

پہلی کتب آسمانی میں تحریف کیوں ہوئی......؟

اور فقہ میں آپ نے پڑھا ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ غیر عربی میں بھی پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں تو یہ مرجوع عنہ قول ہے اور اس سے حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع ثابت ہے۔ امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ قرآنِ کریم عربی میں پڑھا جائے تو یہ قرآن ہے اگر اس کو کسی دوسری زبان کے اندر

پڑھا جائے تو یہ قرآن نہیں بلکہ قرآن کریم کا ترجمہ ہے۔ یہ احکام قرآن کے نہیں ہیں تو بغیر الفاظ قرآن کے قرآن کا ترجمہ چھاپنا فقہاء کے نزدیک جائز بھی نہیں کیونکہ اس سے تحریف کا راستہ کھلتا ہے۔ پہلی کتابیں محرف اس لئے ہوگئیں کہ ان کی اصل زبان باقی نہیں رہی، کسی نے ترجمہ کچھ کر دیا کسی نے کچھ کر دیا کہاں سے کہاں بات پہنچ گئی۔ اگر اصل الفاظ سامنے ہوں تو غلطی کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اور اگر اصل الفاظ نہ ہوں تو ترجمے کی غلطی کون نکالے تو وہ اپنی اپنی تعبیر کے طور پر بات کو کہیں کا کہیں لے گئے، اس لئے قرآن کریم وہی ہے جو عربی میں ہو یہ عربی مبین میں اترا ہے، غیر زبان کے اندر اس کو قرآن نہیں کہہ سکتے، حتیٰ کہ وہ الفاظ بھی بدل دیئے جائیں۔ جو الفاظ حضور ﷺ سے منقول ہیں قرآنِ کریم کے چاہے عربی میں بدلے جائیں تو بھی وہ قرآن نہیں ہے تو عربی مبین جس وقت تک باقی ہوگی فصیح بلیغ جو اللہ تعالیٰ نے اتاری اس وقت تک یہ قرآن کہلائے گا۔ وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ میں اس کے اوپر صداقت کی شہادت پیش کی ویسے تو خود قرآن کریم ہی حجت ہے اپنے لئے۔ سورج کی دلیل سورج ہے اس کا خود اپنا وجود ہے کوئی اور دلیل دینے کی ضرورت نہیں تو اس کی فصاحت و بلاغت اور جس طرح سے لوگوں کو چیلنج کیا گیا تو یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ کسی بشر کا کلام نہیں۔

سابقہ کتب آسمانی میں قرآنِ کریم جیسے مضامین موجود ہیں:۔

اور اس کی صداقت کیلئے یہ دلیل بھی ہے کہ اس کا ذکر پہلی کتابوں میں آیا ہے اس کی پیش گوئی موجود ہے اور یہ پیش گوئی کے مطابق ہی آیا ہے اور علماء بنی اسرائیل اس کو جانتے ہیں جو علماء بنی اسرائیل ایمان لے آئے تھے، انہوں نے صراحت کے ساتھ اس کا اقرار کیا جیسے عبداللہ ابن سلام اور اسی طرح دوسرے لوگ تو کیا مشرکین مکہ کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ اس کے مضامین کوئی عجیب نہیں ہیں، کوئی نرالے نہیں ہیں پہلی کتابوں میں بھی یہ مضامین آئے ہوئے ہیں، قرآن کریم نے توحید کا ذکر کیا تو کون سی آسمانی کتاب توحید سے خالی ہے؟ قرآنِ کریم نے رسالت کا مسئلہ ذکر کیا تو ہر آسمانی کتاب اس رسالت کے مسئلے کو بیان کرتی ہے اور قرآنِ کریم میں آخرت کا تعارف آیا جنت دوزخ کا ذکر آیا تو پہلی کتابیں سب اس کا ذکر کرتی ہیں۔ تو یہ مضامین پہلی کتابوں کے اندر موجود ہیں علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں اس لئے کوئی نئی بات نہیں ہے نہ نبی کا آنا نیا اور نہ اس قسم کے عقیدے کوئی نئے ہیں۔

قرآن جیسا کلام بنانے پر نہ عربی قادر ہے اور نہ ہی کوئی عجمی قادر ہے:۔

اور وہ جو شبہ کرتے تھے کہ یہ خود بنایا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قرآن ہم کسی عجمی پر اتار دیتے اور کوئی عجمی اس قرآن کو پڑھ کر سناتا جس پر یہ شبہ بھی نہ کیا جاتا کہ اس نے خود بنایا ہے۔ کیونکہ آپ تو عربی ہیں اس لئے ان کو یہ کہنے کی گنجائش نکلی، اگر کسی عجمی پر اتار دیتے اور وہ ان کو عربی میں پڑھ کر سناتا تو کوئی شبہ کی گنجائش نہ ہوتی کہ یہ اس کا بنایا ہوا ہے، اور یہ سمجھتے کہ اس کا بنایا ہوا نہیں، لیکن پھر بھی ایمان نہ لاتے یہ تو ضدی ہیں، اب اگر عجمی پڑھ کر سنائے تو وہی بات ہے، اگر عربی پڑھ کر سنائے تو وہی بات ہے کیونکہ اس قسم کی کلام بنانے پر نہ کوئی عربی قادر ہے اور نہ اس قسم کی کلام بنانے پر کوئی عجمی قادر ہے، جیسے آگے سورۃ حم میں بھی آئے گا کہ اگر یہ کسی عجمی پر اتار دیا جاتا تو یہ کہتے کہ یہ عجیب بے جوڑ بات ہے کہ کتاب عربی میں اور رسول عجمی، پھر یہ یوں شبہ نکال لیتے ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' نہ ماننے کی صورت میں کوئی نہ کوئی وہ عذر تراشتے رہتے ہیں۔

عدم ایمان اور تکذیب کافروں کے دلوں میں گھس گئی ہے:۔

اگلا لفظ جو ہے یہ حضور ﷺ کیلئے تسلی بھی ہے اور ان کیلئے وعید بھی ہے کہ یہ تکذیب اسی طرح سے لوگوں کے دلوں میں گھس گئی، جس طرح کہ پہلے لوگ جو تھے تکذیب پہ اُڑ جاتے تھے تو پھر کسی صورت باز نہیں آتے تھے۔ ہم نے اس تکذیب کو اس جھٹلانے کو اس ایمان نہ لانے کو مجرمین کے قلوب میں داخل کر دیا ہے جس میں وجہ آگئی مجرمین یعنی ان کا جرم کرنا، جرم کرتے کرتے ان کے قلوب کی صلاحیت ختم ہوگئی اب یہ عدم ایمان اور تکذیب ان کے دلوں کے اندر گھسی ہوئی ہے یہ اس وقت تک نہیں نکلے گی اور یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہیں دیکھیں گے، جو عذاب ان کے پاس اچانک آجائے گا اور ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا، اچانک آنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ علامت نمایاں نہیں ہوتی یہ نہیں سمجھتے کہ عذاب آنے والا ہے جس طرح کہ بعض قوموں کے تذکرے میں آیا کہ آندھی آرہی تھی عذاب کی اور وہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ہم پر بارش برسانے کیلئے بادل آرہا ہے، جو ہمارے لئے زندگی کا باعث بنے گا ہماری زمین سرسبز ہوگی اور آگیا فوراً عذاب۔ تو لَا یَشْعُرُوْنَ کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ علامت دیکھ کر بھی سمجھ نہیں رہے ہوں گے کہ عذاب آرہا ہے اور عذاب ان پر آرہا ہوگا پھر یہ چیخیں

چلائیں گے کہ ہمیں کچھ مہلت مل جائے کہ ہم اپنے آپ کو سنبھال ہی لیں، تو آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے عذاب کی یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں کہ جس کے آنے کے بعد ان کے یہ حالات ہوں گے۔

کافروں کا سامانِ خوشحالی ان سے عذاب کو دور نہیں ہٹا سکے گا:۔

اور اگر ہم ان کو چند سال تک خوشحالی دے ہی دیں، جس طرح کہ ہم نے ان کو دنیا میں مہلت دے رکھی ہے پھر جب اللہ کا عذاب آ جائے گا تو پھر یہ خوشحالی ان کے کس کام آئے گی یا جن چیزوں کے ساتھ ان کو فائدہ پہنچا ہے یہ چیزیں ان کے کس کام آئیں گی۔ اگلے الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ آپ دیکھیں کہ اگر ہم انہیں چند سال تک فائدہ پہنچاتے ہیں پھر ان کے پاس وہ چیز آ گئی جس کا یہ وعدہ کئے جاتے ہیں یعنی عذاب تو جو کچھ یہ خوشحالی دیئے گئے ہیں وہ ان کے کچھ کام نہ آئے گی اَغْنٰی عَنْهُمْ کا ترجمہ تینوں طرح سے کر دیا جاتا ہے کام آنا، فائدہ پہنچانا، دور ہٹانا۔ تینوں طرح سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے، اور اگر ان کو کوئی مہلت دی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت کے مطابق دی ہے کہ پہلے جتنی بستیاں تباہ ہوئی ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے بھیجے تھے، جو یاددہانی کیلئے آئے تھے ذِکْرٰی یعنی تذکیر کیلئے نصیحت کیلئے، ہم نے ان کیلئے ڈرانے والے بھیجے۔ نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر ان بستیوں کیلئے ڈرانے والے تھے، نصیحت کرنے والے تھے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں یعنی اگر ہم نہ سمجھاتے اور کسی منذر کو نہ بھیجتے اور ایسے ہی ان کو پکڑ لیتے تو ظاہری طور پر یہ زیادتی معلوم ہوتی۔ لیکن ہم ایسی زیادتی بھی نہیں کرتے۔

قرآنِ کریم کہانت کی کتاب نہیں:۔

اب آگے کہانت کی تردید آ گئی جو کہتے تھے کہ یہ کاہن ہیں اور ان کو کہانت حاصل ہے، کہانت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جنات شیاطین اس قسم کی باتیں پہنچاتے ہیں، جس طرح پرانے زمانے میں کاہن باتیں لے کر ان کو اچھے الفاظ میں بیان کر دیا کرتے تھے، اس کی تردید کرنا مقصود ہے کہ یہ کہانت نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ہے کہانت میں تو باتیں شیاطین کی وساطت سے آیا کرتی ہیں۔ شیطان ایسی بات کیسے لا سکتے ہیں جو سراسر ان کے مشن کے خلاف ہوں۔ شیطان تو گمراہی پھیلاتے ہیں اور یہ کتاب سراپا ہدایت ہے تو اپنے خلاف اس قسم کی کتاب شیاطین نے کیسے بنالی وہ تو ایسی باتیں لانے کی، بنانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے وہ تو وحی کی طرف ملأ اعلیٰ کی

طرف کان ہی نہیں لگا سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو دور ہٹایا ہوا ہے تو اس لئے پھر تم کس طرح سے سمجھتے ہو کہ یہ شیاطین کی وساطت سے اترا ہے۔ شیاطین اس قسم کی باتیں نہیں لا سکتے یہ تو ساری کی ساری کتاب شیاطین کی تردید میں ہے اپنی تردید میں اور اپنے مشن کے خلاف کی باتیں وہ کیسے لا سکتے ہیں......! تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس میں واسطہ کسی شیطان کا ہو، تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تو پھر آگے توحید کی تاکید آ گئی کہ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہ پکارو جو بھی کوئی پکارے گا معذب ہو جائے گا۔

قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کا حکم:۔

یہاں خطاب حضور ﷺ کو ہے لیکن سنانا باقیوں کو مقصود ہے اور پھر خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ ان کا حق ہے کہ ان کو پہلے سمجھاؤ......! اور جب قریبی رشتہ داروں کو ڈرانا ایک حق بھی ہے تا کہ وہ بھی عذاب سے بچ جائیں جہنم میں نہ جائیں قُوٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ① ہر انسان کے اوپر یہ حق ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو سمجھائے اور ان کو جہنم سے بچانے کی کوشش کرے باقی اگر قریبی رشتہ دار نہ سمجھیں نہ مانیں اعراض کریں تو ان سے لاتعلقی کا اعلان کر دو۔

رشتہ داروں پر اہل ایمان کو ترجیح دینے کا حکم:۔

اور جو بھی ایمان لے آئے اور آپ سے محبت کرے اس سے محبت اور شفقت سے پیش آؤ......! ان کی طرف اپنے بازو پھیلاؤ......! اور آپ کی جتنی شفقت اور محبت ہے وہ ساری کی ساری قبع مومنین پر ہونی چاہیے۔ جو بھی ایمان لے آئے تو ان کے اوپر اپنے بازو پھیلاؤ اور اپنے بازو ان کے اوپر پست کرو یعنی نہایت شفقت کا معاملہ اس کے ساتھ کرو، جو رشتہ دار کافر ہوں ایمان قبول نہیں کرتے تو ان کے مقابلے میں مومنین کو ترجیح دو چاہے وہ غیر ہی ہوں جیسے ہمارے شیخ سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

''اپنا ہزار رشتہ دار جو خدا سے بیگانہ ہے''

فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد ②

---

① پارہ نمبر ۲۸: سورۃ تحریم: آیت نمبر ۶

② گلستان باب دوم، حکایت نمبر ۴۲

''ایک تن بیگانہ جو اللہ کو جاننے والا ہے ہزار رشتہ دار کو اس کے اوپر قربان کیا جا سکتا ہے''

تو یہاں بھی اسی طرح حکم ہے کہ ان اقربین سے برأت کا اعلان کر دیجئے اور محبت و شفقت کا اظہار مومنین کے ساتھ کیجئے باقی دیکھئے جس وقت اقربین سے برأت کا اعلان کیا جائے گا۔

ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کریں:۔

اور جب اپنوں کو چھوڑ دیا اور آگے پتہ نہیں کہ حالات کیسے آنے والے ہیں؟ اس میں بسا اوقات انسان گھبراتا ہے کہ اپنوں کو تو چھوڑ دیا تو میرا ماحول کس طرح سے بنے گا؟ مستقبل میں مجھے کوئی تکلیف تو پیش نہیں آئے گی؟ ایسے ہزاروسوسے انسان کے قلب میں سکتے ہیں، تو ان وسوسوں کو دور کرنے کیلئے کہہ دیا کہ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ آپ عزیز رحیم پر توکل کیجئے......! بھروسہ کیجئے......! اپنوں کو چھوڑ کر اور ان سے برأت کا اعلان کر کے اللہ سے بھروسہ جوڑ لیجئے......! وہ ہر حال میں آپ کو جانتا ہے آپ کی باتیں سنتا ہے آپ کے حال کو دیکھتا ہے اس لئے گھبرانے کی بات نہیں ہے یہ آگے گویا کہ تقویت پہنچا دی دل کو کہ رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار کر کے آپ یہ نہ سمجھیں کہ زندگی میں کوئی تکلیف ہوگی بھروسہ کیجئے عزیز رحیم پر وہ دیکھتا ہے جس وقت کہ آپ قیام کرتے ہیں اور اٹھتے ہیں اور آپ کا چلنا پھرنا نماز پڑھنے والوں میں جیسے مضمون آپ کی خدمت میں عرض ہو چکا ہے۔ آخر میں ایمان ابوین کا مسئلہ عرض کرتا ہوں۔ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

شیاطین کن کے پاس آتے ہیں؟:۔

یہ تو کہہ دیا کہ شیاطین اس قرآن کو لے کر نہیں آئے آپ پر شیاطین نہیں آتے نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ ہاں ہم بتا دیں گے کہ شیاطین کن پہ اترا کرتے ہیں شیاطین ان پر اترتے ہیں جو افاک اور اثیم ہوں بدترین قسم کے جھوٹے اور گنہگار۔ واقعہ بھی ایسے ہی ہے کہ شیاطین کے ساتھ دوستی ان ہی کی ہوگی جن کی اپنی زندگی شیطانوں جیسی ہوگی اور یہ جادوگر قسم کے لوگ جو کہ ارواح خبیثہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کاہن قسم کے لوگ جو کہ جنات کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں تو ان کا کام یہی ہے کہ جتنے گندے رہیں جتنے بُرے کام کریں، جتنی بدزبانی کریں اتنی ان کو شیاطین سے مناسبت زیادہ ہوتی ہے عملاً گندے ہوں گے، قولاً جھوٹے ہوں گے بدزبان ہوں گے اس قسم کے لوگوں پر شیاطین آیا کرتے ہیں، مناسبت ان کو ہے لیکن تم اس نبی کو دیکھو......! تو کتنا پاکیزہ

کردار، کتنی سچی گفتار ان کو کیا مناسبت......؟ یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وہی لوگ گنہگار جھوٹے، کان لگاتے ہیں شیاطین کی باتوں پر اور اکثر ان میں جھوٹے ہوتے ہیں اور اکثر ان کی باتیں جھوٹی ہوتی ہیں کبھی اتفاق ہو کہ کوئی بات سچی نکل آئے ورنہ اکثر و بیشتر یہ جھوٹ ہی بولتے ہیں جیسے کاہنوں کا حال ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نہ شاعر ہیں اور نہ شاعروں کی صفات کے حامل ہیں:۔

اور باقی رہا کہ تم کہتے ہو کہ یہ شاعر ہیں تو یہ شاعر بھی نہیں شاعروں کی صفات میں بھی غور کرو......! اور اس نبی کی صفات میں بھی غور کرو......! تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ان دونوں کی آپس میں کوئی نسبت نہیں شعراء کا حلقہ دیکھو......! کہ اُن کے اردگرد کون لوگ جمع ہوا کرتے ہیں......! ان کے ساتھ مناسبت کن لوگوں کو ہوا کرتی ہے وہی ذہنی عیاش قسم کے لوگ جو باتیں کرلیں اور خوش ہولیں، عمل اور کردار کی ضرورت ہی نہیں، بھٹکے ہوئے ذہن کے لوگ شعراء کے اردگرد جمع ہوا کرتے ہیں، وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ یعنی کسی شاعر کے حلقے کو آپ دیکھ لیجئے......! اور یہ شعراء جو زمانہ جاہلیت کے تھے امرأ القیس وغیرہ ان کو دیکھ لو......! ان کا کیا کردار تھا، اور ان کے ماننے والے اور ان کے ساتھ محبت کرنے والے کس قسم کے بدکردار لوگ تھے ان کا حلقہ جو ہے یہ تو گمراہوں کا حلقہ ہوتا ہے۔

اکثر شاعر خیالات کے میدانوں میں بھٹکے پھرتے ہیں:۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ خیالات کے میدانوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں کوئی ایک نظریہ ان کا نہیں ہوتا، کبھی کسی کی تعریف کرنے لگیں گے تو اس طرح سے کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ اس جیسا دنیا میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوا، جنہوں نے متنبی پڑھی ہے انہوں نے دیکھا ہوگا متنبی کی تعریف کا تماشا کہ جب متنبی کسی کی تعریف کرتا ہے تو کیسے کرتا ہے اور جب اسی کی مذمت کرنے لگ جائیں تو اتنا آگے نکل جائیں گے، جس کا حد حساب کوئی نہیں، ان کا ٹھکانہ ہی کوئی نہیں، جس کے متعلق انہوں نے بات کرنی ہے اور کبھی بہادری کے شعر کہنے لگیں گے تو پڑھنے والا سمجھے گا کہ وہ کوئی رستم ہے۔

اکثر شاعر قوال ہوتے ہیں فعال نہیں ہوتے:۔

لیکن جب جا کر دیکھو گے......! تو چوہا مارنے کی بھی قوت نہیں ہے اور اسی طرح جب سخاوت میں اور اپنی عشق بازی میں محبت کے واقعات سنانے لگیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے یہ واقعی کوئی وقت کے مجنوں ہیں لیکن

جس وقت ان کو جا کر دیکھو گے تو بالکل ہی خالی، نہ محبت میں کوئی مقام، نہ بہادری میں کوئی مقام، نہ سخاوت میں کوئی مقام، بس باتیں ہی بناتے ہیں اور وقتی طور پر ذہن کو راحت ولذت پہنچنے کیلئے ان کی کلام کام آتی ہے اس لئے بے کار قسم کے لوگ ان کے اردگرد جمع ہوتے ہیں اور آج بھی مشاعروں میں جا کر دیکھو......! یہی نقشہ آپ کو نظر آ جائے گا، ان کا کردار ان کی گفتار کے مطابق نہیں ہوگا یہ گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے غازی نہیں ہوتے قوال ہوتے ہیں فعال نہیں ہوتے۔ عمل میں یہ بہت پیچھے ہوتے ہیں باتیں زیادہ بناتے ہیں اور نبی کی ان صفات سے کیا مناسبت، یہاں تو ایک ایک بات سچی، جو کہیں وہی کر کے دکھائیں، قول اور عمل ایک ہی ہے۔

شاعروں کے دوست عیاش اور حضور ﷺ کے اصحاب پاک باز ہیں:۔

اور اردگرد جمع ہونے والوں کی صفات کو دیکھو......! بھلا شاعروں کے دوست ایسے ہوا کرتے ہیں؟ کیسے خداترس گروہ پیدا ہو گیا، کیسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھنے والے ہیں، کس طرح سے ان زندگیوں میں پاکیزگی آ گئی اپنی عزت کا احساس ہوا، دوسروں کی عزت کا خیال کرتے ہیں کوئی عیاشی بدمعاشی ان لوگوں کے اندر موجود نہیں تو کیا شاعروں کے متبعین ایسے ہوا کرتے ہیں تو گویا کہ کسی آدمی کے اردگرد لوگ دوستی کے طور پر جمع ہوتے ہیں، تو ان کا اچھا ہونا اس آدمی کے اچھا ہونے کی دلیل ہے اور ان کا بُرا ہونا اس آدمی کے برا ہونے کی دلیل ہے، تو شاعروں کے دوستوں کو بھی دیکھو......! اور اس کے دوستوں کو بھی دیکھو تمہیں پتہ چل جائے گا اس لئے یہ شاعر بھی نہیں۔

اہل ایمان عمل صالح والے شاعر مستثنیٰ ہیں:۔

اب ان آیات میں جو شعراء کی مذمت آئی تو اس میں مستثنیٰ کر لیا ان لوگوں کو جو کہ شعر ایمان اور عمل صالح کے جذبے سے کہتے ہیں اور اپنے شعروں کے اندر اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور اولیاء اللہ بھی شاعر گزرے ہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حمد لکھی اور ہمارے شیخ وہ تو آپ جانتے ہیں کہ بہت پیارے شاعر تھے کتابیں گلستان، بوستان اس نے لکھی وہ بھی شاعر تھے لیکن وہ ان جیسے شاعر نہیں ان کے شعروں کے اندر کثرت سے اللہ کا ذکر پایا جاتا ہے نصیحتیں ہیں، وعظ ہیں، حمد ہے، ثناء ہے، حضور ﷺ کی تعریف ہے، اچھے اچھے مضامین کو نہایت ہی اچھے انداز میں ذکر کیا گیا ہے تو جو لوگ ایسے ہوں جو ایمان لاتے ہوں نیک عمل کرتے ہوں اللہ کا ذکر

کرتے ہوں، اور اگر کسی کی مخالفت میں شعر کہیں جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے خلاف کہتے تھے، تو وہ مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیتے تھے ابتداءً کسی کے خلاف کوئی ایسی بات نہیں کہتے کسی کے خلاف الزام تراشی یا بہتان بازی نہیں کرتے، ہاں البتہ اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچا تا ہے تو اس کی تردید میں کوئی شعر کہیں تو ان کو مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ بدلہ لیتے ہیں بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور عنقریب یہ جان لیں گے ظالم لوگ کہ یہ کس منقلب میں مڑتے ہیں کون سی جگہ ہے، ان کے لوٹنے کی، ان کو پتہ چل جائے گا کہ ان کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے یہ آخر میں ایک تنبیہی فقرہ کہہ دیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے متعلق لطیف بحث:۔

درمیان میں ایک بات آئی تھی جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ بعض مفسرین نے اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ یہ مسئلہ آ گیا ایمان ابوین کا۔ اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ قرآن اور حدیث میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ نص کے درجے میں مذکور نہیں اور علماء اسلام کے اقوال اس بارے میں کچھ مختلف سے ہیں، سب سے زیادہ مفصل کلام اس مسئلے کے اوپر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے کیا ہے اور متعدد رسالے اس بارے میں لکھے جس میں ثابت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول میں کوئی کافر نہیں، آپ کے والدین آباؤ اجداد آدم علیہ السلام تک جتنے ہیں وہ سارے کے سارے مغفور ہیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ جو آتی ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہ جا کر آتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ آزران کے مشرک اور کافر ہونے کی قرآن کریم میں صراحت ہے، تو پھر یہ آباؤ اجداد تک سب کو مومن اور سب کو ناجی کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ اشکال درمیان کے اندر آتا ہے تو نص قرآن کے اندر آیا اور احادیث میں بھی آزر کو ابراہیم کا باپ قرار دے کر ان کو جہنمی قرار دیا گیا اور ان کا انتقال کفر پر ہوا اور قرآنِ کریم میں بھی متعدد آیات آپ کے سامنے آ گئیں، اس لئے پھر ان لوگوں نے تاریخی روایات کے ساتھ یا اسرائیلی روایات کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے چچا تھے باپ نہیں، اور ان کے باپ کا نام تارخ یہ تاریخی روایات میں آتا ہے، بہرحال یہ بات اگر کھٹکتی ہے تو یہاں جا کر کھٹکتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بعض لوگوں نے اس بارے میں یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ یہ باپ نہیں چچا ہیں۔

لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو باپ ہی قرار دیا اور روح المعانی والا ان کے پیچھے لگا کیونکہ صاحب روح المعانی جو ہیں سید محمود آلوسی مفتی بغداد ترک کے زمانے میں ہوئے ان کی تفسیر بہت اچھی اور قابل اعتماد تفسیر ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی قلت تتبع ہے انہوں نے کوئی حوالہ جات زیادہ تلاش نہیں کئے غور نہیں کیا اور آزر کو حقیقی باپ قرار دیدیا، ورنہ وہ باپ نہیں چچا ہیں اور روح المعانی والے نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جو رسالے لکھے ہیں تو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب نے ان کا ذکر کیا ہے اس میں ذکر کرتے ہیں مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ اس آیت کے ضمن میں وہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اس آیت کو دلیل بنا کر ان کے والدین کو مشرک قرار دینا ٹھیک نہیں، جو سورت برأت میں آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو مومن ثابت کرنے کیلئے سیوطی نے چند رسائل لکھے ہیں بلکہ آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباؤ اجداد امہات کے ایمان کو ثابت کیا ہے، میں نے ان سب کا خلاصہ کر کے ایک رسالہ "تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تالیف کر دیا ہے یعنی یہ "مالا بد منہ" والے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کہتے ہیں کہ میں نے ان سب کا خلاصہ تالیف کر دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی ثناء اللہ بھی اسی مسلک پہ ہیں اور یہ روح المعانی نے اسی آیت پر صرف ایک اشارہ کیا ہے اسی آیت کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں وَاسْتُدِلَّ بِالْاٰيَةِ عَلٰى اِيْمَانِ اَبَوَيْهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنْ اَجَلِّ اَهْلِ السُّنَّةِ ① اہل سنت میں سے جلیل القدر علماء ادھر گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے متعلق۔ اگلا لفظ بہت سخت ہے جو کہ روح المعانی والے نے لکھا ہے **وانا اخشی الکفر علی من یقول فیهما رضی الله تعالٰی عنهما علی رغم انف علی القاری** جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں زبان کھولتے ہیں اور کوئی دوسری قسم کی بات کہتے ہیں تو وَاَنَا اَخْشَى الْكُفْرَ عَلٰى مَنْ يَّقُوْلُ فِيْهِمَا مجھے تو اس شخص پر کفر کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہی کافر ہو کر نہ مرے اور آگے فرمایا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا دونوں کو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا کر کے ذکر کیا تو روح المعانی کا مسلک یہی ہے، اور آگے اشارہ کیا کہ علی قاری ناک چاہے رگڑتا رہے، میں اس کی پرواہ نہیں کرتا یہ علی القاری ہیں ہمارے شارح مشکوٰۃ جنہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے انہوں نے کتاب کے اندر صراحت کی ہے اپنی قلم کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

① تفسیر الآلوسی روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۳۵ بیروت

والدین کا خاتمہ کفر پر ہوا تو یہ کہتے ہیں کہ ملاعلی قاری چاہے اس بات پر ناراض ہی ہو جائیں چاہے وہ ناک رگڑیں لیکن میں اس کی بات ماننے کو تیار نہیں میں تو علی رغم یہ کہتا ہوں کہ جو ان کے بارے میں زبان کھولتا ہے تو اس پر کفر کا ڈر ہے تو ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت یہ مسئلہ لکھا تو ان کے استاد تھے ابن حجر مکی۔ تو ابن حجر مکی نے ملاعلی قاری کے متعلق خواب دیکھا خواب میں دیکھتے ہیں کہ ملاعلی قاری ایک مکان کی چھت سے گرے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور جس وقت یہ گرے اور ان کی ٹانگ ٹوٹی تو کوئی شخص کہہ رہا ہے ھٰذَا جَزَآءُ اِھَانَۃِ وَالِدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی اہانت کی جزاء ہے تو یہ تو تھا خواب ابن حجر مکی کا لیکن بعد میں لکھتے ہیں فَوَقَعَ کَمَا رَاٰی ① کہ جیسے انہوں نے خواب دیکھا تھا واقعہ ایسے ہی پیش آیا کہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کسی بلند جگہ سے گرے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی چونکہ ایک طبقہ ایسا ہے جن کو اصرار ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر ثابت کیا جائے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کی تردید ہو جائے یعنی مختار کل کی تردید کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان کو کافر ثابت کیا جائے کہ وہ جہنمی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچا نہیں سکیں گے، اس مسئلہ پہ میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر تو ہمارا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل نہیں اور اس کیلئے دوسری سینکڑوں دلیلیں ہیں لیکن مہربانی کر کے اس دلیل پہ زیادہ زور نہ دو......! ادب کے یہ بات خلاف ہے جب بڑے بڑے علماء اس بات کی طرف گئے ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ہی زیر بحث لایا جائے اور ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں انہیں نبراس ② سے نقل کر کے بتایا کرتا تھا کہ ٹانگ توڑ مسئلہ ہے اس لئے اس میں زبان زیادہ نہ کھولا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مسئلہ کی بناء پر آپ کی بھی ٹانگ ٹوٹ جائے۔

بہر حال جہاں تک علماءِ دیوبند کی بات ہے تو فتاویٰ کے اندر بھی یہ لکھا ہوا ہے اور "فتح الملہم ج ۲ ص ۵۳۲" کے اندر علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا اور فتاویٰ مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ (جلد اوّل، کتاب العقائد) کے اندر بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ حضرات سارے کے سارے یا تو خاموشی کی تلقین کرتے ہیں کہ اس مسئلے پہ بولنا نہیں چاہیے کیونکہ ضروریات دین میں سے یا عقائد میں سے تو کوئی بات ہے نہیں، اور اگر قول کیا جائے تو پھر ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ان روایات کا سہارا لے کر ایمان کا قول کیا جائے، اصل یہ ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے کیونکہ ایسی منقح فیصلہ شدہ

① النبراس ص ۳۱۶، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان

② مزید دیکھئے امداد الاحکام ج ۱ ص ۳۴۰ تا ج ۱ ص ۳۴۲، فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۵۲، خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۲۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۱۳

بات ہمارے سامنے نہیں، زمانہ وہ ہے ان لوگوں کا کہ جب اللہ کا کوئی نبی موجود نہیں تھا جس کو فترت کا زمانہ کہتے ہیں اور فترت کے زمانے میں اگر کوئی شخص صرف اللہ کی وحدانیت کا ہی قائل ہو تو بھی اس کی نجات کیلئے کافی ہے، جب انبیاء علیہم السلام کسی علاقے میں نہ آئے ہوں تعلیمات ان کی مٹ جائیں تو ایسے وقت میں اگر تھوڑی سی جگہ بھی حق کی اگر کسی کے قلب کے اندر ہو تو وہ بھی اس کی نجات کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ کے والدین آپ جانتے ہیں کہ دونوں ہی حضور ﷺ سے بھی پہلے وفات پا گئے تھے اور جس وقت حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور سرورِ کائنات ﷺ کی عمر ابھی چھ سال تھی جبکہ والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی انتقال فرما گئی تھیں تو وہ زمانہ ایسا ہے جس میں کسی نبی کی تعلیم موجود نہیں تھی کہ اگر حق کی جھلک ان کے قلب کے اندر تھوڑی سی موجود ہو تو نجات کیلئے کافی ہو سکتی ہے فترت کے زمانہ میں ایسے ہی ہوتا ہے بہر حال ہم اس بات پہ زور بھی نہیں دیتے کیونکہ منصوص نہیں لیکن ادب کا تقاضا یہی ہے یا تو تذکرہ ہی نہ کیا جائے اللہ کے سپرد کر دیا جائے اس معاملے کو اور اگر ذکر کیا جائے تو پھر یہ قول کرنا چاہیے کہ ان کی نجات ہے، نجات کا ہی قول کرنا چاہیے شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں بھی اس مسئلے کو بیان کیا ہے باب زیارۃ القبور میں۔ اور روح المعانی میں یہ مسئلہ موجود ہے اور تفسیر مظہری میں بھی یہ موجود ہے اور مظہری ہی میں ذکر آیا کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر متعدد رسالے لکھے ہیں اور ان رسالوں کا خلاصہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ''تقدیس آباء النبی'' کے عنوان سے لکھا اور شرح عقائد کے حاشیے میں بھی اس مسئلے کی تشریح موجود ہے۔ اس لئے میں نے آپ کو متوجہ کر دیا یہ روح المعانی والے کہتے ہیں کہ اگر چہ میں اس آیت کے دلیل ہونے کا قائل نہیں کہ اسی آیت سے ''ایمان ابوین'' ثابت ہے جس طرح سے کہ بعض لوگوں نے کہا لیکن مسئلہ اپنی جگہ محقق ہے کہ وہ مومن ہیں کیونکہ بڑے بڑے حضرات ادھر چلے گئے ہیں اگر چہ بعض دوسرا قول کرنے والے بھی موجود ہیں، ہمارا مسلک یہی ہے کہ ہم اس بارے میں خاموشی اختیار کریں۔ اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں لیکن اگر بات کریں گے تو ہمارا رجحان ادھر ہی ہے کہ ہم یہی کہیں گے کہ حضور ﷺ کے ابوین والدین ناجی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفور ہیں قول کریں گے تو یہی کریں گے لیکن زور نہیں دیتے اس بات پہ۔ دوسری طرف ہم زیادہ سخت تنقید نہیں کرتے خاموشی اختیار کریں تو سب سے زیادہ اسلم ہے، اور اللہ کے سپرد کر دیں اس معاملے کو کہ حقیقت حال جو بھی وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، قرآن اور حدیث کے اندر یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں آیا اور نہ یہ اپنے اسلامی عقائد میں سے ہے کہ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھو......! اختلاف ہے بہت سارے علماء ادھر گئے ہیں

بہت سوں کا قول یہ ہے تو علماء دیو بند ہمیشہ محتاط پہلو اختیار کیا کرتے ہیں اور محتاط پہلو یہی ہے کہ ہمیشہ خاموشی اختیار کی جائے اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

سُورَةُ

النَّمل

مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۹۳ ۲۷ سُورَۃُ النَّمل مکّیّۃ ۴۸ رکوعاتھا ۷

سورۂ نمل مکہ میں نازل ہوئی اس میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم کرنے والا ہے

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى

طٰسٓ، یہ قرآن کی اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں﴿۱﴾ یہ ہدایت اور بشریٰ ہیں

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

مؤمنین کے لئے﴿۲﴾ مومن وہ لوگ ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز کو دیتے ہیں زکوٰۃ اور

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

آخرت پر یقین کرتے ہیں﴿۳﴾ بیشک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر، ہم نے مزین کیا ان کے لئے

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

ان کے اعمال کو پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں﴿۴﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے برا عذاب ہے اور یہ

فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

آخرت میں بھی انتہائی خسارہ پانے والے ہوں گے﴿۵﴾ اور بیشک تو البتہ دیا جاتا ہے قرآن

حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ

حکیم علیم کیطرف سے﴿۶﴾ جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا، میں نے آگ کو محسوس کرلیا ہے،

مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾

عنقریب لاتا ہوں تمہارے پاس کوئی خبر یا لاتا ہوں کوئی سلگایا ہوا شعلہ تاکہ تم سینکو﴿۷﴾

فَلَمَّا جَآءَهَا نُودِيَ أَنۢ بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ط وَسُبْحٰنَ

جب موسیٰ اس آگ کے پاس آئے تو آواز دیئے گئے، کہ بابرکت ہے وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو آگ کے اردگرد ہے اور اللہ پاک ہے

اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾ يٰمُوْسٰٓى إِنَّهٗٓ أَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾

جو رب العالمین ہے ﴿۸﴾ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ بے شک میں اللہ ہوں زبردست ہوں حکمت والا ہوں ﴿۹﴾

وَأَلْقِ عَصَاكَ ط فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط

تو اپنی لاٹھی ڈال دے، جب اسکو دیکھا حرکت کرتا ہوا گویا کہ وہ ایک سانپ ہے تو بھاگے پیٹھ پھیر کر، اپنی ایڑیوں پر نہ لوٹے،

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ قف إِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ

اے موسیٰ خوف نہ کر بے شک میرے پاس مرسلون ڈرا نہیں کرتے ﴿۱۰﴾ مگر وہ جس نے کسی ظلم کا ارتکاب کیا

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَإِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ

پھر بدلے میں لے آئے وہ اچھائی کو برائی کے بعد پس بیشک میں غفور رحیم ہوں ﴿۱۱﴾ اور داخل کر تو اپنے ہاتھ کو

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ قف فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ إِلٰى فِرْعَوْنَ

اپنے گریبان میں نکلے گا سفید ہو کر بغیر کسی بیماری کے، یہ دونوں نشانیاں نو نشانیوں میں داخل ہیں جن کیساتھ موسیٰ کو فرعون

وَقَوْمِهٖ ط إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً

اور اسکی قوم کیطرف بھیجا گیا تھا بیشک وہ نافرمان لوگ تھے ﴿۱۲﴾ پھر جب ان فرعونیوں کے پاس ہماری نشانیاں آ گئیں اس حال میں کہ وہ روشن تھیں

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ج وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا

تو انہوں نے کہا یہ صریح جادو ہے ﴿۱۳﴾ فرعونیوں نے ان آیات کا انکار کر دیا حالانکہ ان نشانیوں کا یقین کر لیا تھا ان کے دلوں نے

وَّعُلُوًّا ط فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

(انکار کیا) از روئے ظلم کے اور سرکشی کے پس تو دیکھ ان فسادیوں کا انجام کیا ہوا ﴿۱۴﴾

مضامین سورة اور ماقبل سے ربط:۔

سورة النمل مکہ میں اتری اور اسکی ۹۳ آیات ہیں اور سات رکوع ہیں سورت کا نام نمل یہ آگے سلیمان علیہ السلام کا واقعہ آ رہا ہے جس میں چیونٹیوں کا ذکر آئے گا اور نمل چیونٹی کو کہتے ہیں تو یہ نام یہیں سے ماخوذ ہے اور یہ مکی سورت ہے اور مکی سورتوں میں جس قسم کے مضامین ہوتے ہیں وہی اس میں ہیں فروعی احکام ان میں ذکر نہیں کئے جاتے بلکہ اصول کا ذکر ہوتا ہے اس سورت کے اندر بھی اصول کا ہی ذکر ہے۔

ابتدائی آیات وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ یہاں تک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ذکر ہے اور یہ آیات بالکل ہی سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات کے مشابہ ہیں اور آگے پھر واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہو گا اور اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر ہو گا پھر آگے حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ ہو گا پھر توحید کا ذکر ہو گا اسی طرح مضمون آگے چلتا چلا جائے گا۔

تفسیر

طٰسٓ: یہ حروف مقطعات میں سے ہے "اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ" ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم بتعیین اس کی مراد ذکر نہیں کر سکتے۔ اور بعض مفسرین اس کو سورۃ کا نام بتاتے ہیں۔
تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ قرآن اور کتاب مبین یہ دو لفظ استعمال کئے گئے قران پڑھنے کی چیز، کتاب لکھنے کی چیز، تو یہ جو اللہ کی کتاب ہے اس میں دونوں ہی شانیں ہیں، یہ قرآن کی اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں، یعنی یہ پڑھنے کی اور لکھنے کی بھی ہیں۔ واضح ہونا کئی مرتبہ آپ کے سامنے ذکر کر دیا گیا، اپنے مقصد میں واضح ہے ہر لحاظ سے روشن ہے، اپنی صداقت کی خود دلیل ہے، اپنے مقصد کو خود واضح کرتی ہے۔ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، هُدًى یہ بھی مصدر ہے اور بُشْرٰى یہ بھی مصدر ہے تو اس کو آیات سے حال بھی واقع کیا گیا ہے۔ یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ اس حال میں کہ یہ راہنما ہیں اور بشارت دینے والی ہیں ایمان والوں کیلئے۔ اور هُدًى اور بُشْرٰى کو آپ خبر بھی بنا سکتے ہیں یہ قرآن کی آیات ہیں یہ ہدایت اور بشریٰ ہے مومنین کیلئے، لِلْمُؤْمِنِيْنَ کا ذکر کر دیا، چونکہ ہدایت سے فائدہ یہی اٹھاتے ہیں جیسا کہ شروع میں آیا تھا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ تو وہاں ذکر کیا تھا کہ لام انتفاع کیلئے ہے کہ متقین ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح سے یہاں ہے کہ چونکہ مومنین فائدہ اٹھاتے ہیں

اس لئے اس کی تخصیص کر دی ورنہ ہدایت تو یہ سب لوگوں کیلئے ہے۔ھدی للعالمین جس طرح سے آیا ہے۔

مومنین کی صفات:۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ : یہ مومنین کی صفات کا ذکر کر دیا، مومن وہ لوگ ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ دیتے ہیں زکوٰۃ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور وہ آخرت کا یقین کرتے ہیں اقامت الصلوٰۃ یہ بدنی عبادت کا اصل الاصول ہے اور ایتاء الزکوٰۃ یہ مالی عبادت کا اصل الاصول ہے اور آخرت کا یقین کرنا یہ عقائد میں سے ہے یعنی ان کے عقیدے بھی صحیح ہیں کہ آخرت کے قائل ہیں اور بدنی عبادت بھی اللہ کی کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور مالی عبادت بھی کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

بدعملی کی اصل جڑ:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ : بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ ہم نے مزین کیا ان کیلئے ان کے اعمال کو پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ آخرت پر عقیدہ نہیں اس لئے جن برائیوں میں وہ لگے ہوئے ہیں، وہی برائیاں ان کو اچھی لگ رہی ہیں، جو اعمال انہوں نے اپنے لئے تجویز کئے ہوئے ہیں وہی ان کو اچھے لگتے ہیں انجام کی چونکہ فکر نہیں اپنی رغبت کے مطابق اپنی خواہش کے مطابق انہیں کاموں کو اچھا سمجھتے ہوئے بھٹکتے پھرتے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ بدعملی کی اصل بنیاد جو ہے وہ آخرت کا یقین نہ کرنا ہے۔ اور اگر آخرت کا یقین کر لیا جائے تو پھر انسان کو نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے اور یہ فکر لگ جاتی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کوئی حساب و کتاب دینا ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ یہی لوگ ہیں کہ ان کیلئے بُرا عذاب ہے اور یہ آخرت میں بھی انتہائی خسارا پانے والے ہوں گے اَخْسَرُوْنَ یعنی سب سے زیادہ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہوں گے اب آخرت کا ذکر چونکہ آگے آ گیا ہے تو اب سُوْٓءُ الْعَذَابِ سے دنیا کا عذاب بھی مراد لیا گیا ہے ان کیلئے دنیا میں بدتر عذاب ہے جس طرح سے کفر کی وجہ سے اکثر و بیشتر لوگ دنیا کے اندر تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

دنیا میں تکلیف مومن کے لئے رحمت اور کافر کیلئے عذاب ہے:۔

دنیا کے اندر یہ عام تکلیفیں بخار ہو گیا کوئی چوٹ لگ گئی یا کوئی مالی نقصان ہو گیا کوئی اولاد کی وجہ سے تکلیف

ہوگئی یہ سب انسانوں کو پہنچتی ہیں چاہے کوئی مومن ہو، چاہے کوئی کافر ہو لیکن کافر کیلئے یہ عذاب ہے اور مومن کیلئے رحمت ہے مومن کو ان تکلیفوں کی بناء پر آخرت میں ثواب ملے گا تو یہ ایک تدارک ہے کہ یہاں کچھ تکلیف اٹھائی اور آخرت میں ثواب لے لیا اور کافر کیلئے یہ سزا ہی سزا ہے کیونکہ آخرت میں اس کو ثواب تو ملنا ہی نہیں دونوں باتوں کو اگر آپ مثال سے سمجھنا چاہیں تو اس طرح سے سمجھ لیجئے......! کہ ایک کاشتکار ہے جو گندم کے بونے کے وقت گھر سے گندم اٹھاتا ہے اور لے جا کر کھیت میں بکھیر دیتا ہے اس کے گھر سے بھی گندم گئی اور ایک ہے کہ کسی کے گھر سے چور اٹھا کر لے جائیں اور آپ جانتے ہیں کہ گندم اس کے گھر سے بھی گئی چور اٹھا کر لے گئے اور اس کے گھر سے بھی گئی جو جا کر کھیت میں بکھیر آیا لیکن جو چور اٹھا کر لے گیا اس پر افسوس ہے لیکن جو خود کھیت میں بکھیر آیا اس پر کوئی افسوس نہیں فرق کی کیا وجہ......؟ انسان ظاہری طور پر سمجھتا ہے کہ جس کو چور اٹھا کر لے گیا وہ تو ہو گیا نقصان، وہ تو واپس لوٹ کے آنے والی نہیں اس کا نفع کوئی نہیں پہنچے گا اور جس کو اپنے ہاتھوں سے لے جا کر کھیت میں بکھیر دیتا ہے اس میں اس لئے خوش ہے کہ دوسرے وقت میں ایک من کے چالیس من بن کے آجائیں گے۔ معلوم ہو گیا کہ اگر جانے والی چیز زیادہ ہو کر واپس آرہی ہو تو اس کے جانے پر افسوس نہیں ہوتا اور اس کا جانا باعث تکلیف نہیں ہوتا۔ تو اسی طرح سے سمجھ لیجئے......! کافر کو جو تکلیف پہنچتی ہے چاہے مالی تکلیف پہنچے چاہے بدنی تکلیف پہنچے چاہے اہل وعیال کے اعتبار سے کوئی ایذاء پہنچے تو وہ تکلیف ہی تکلیف ہے اس میں کوئی نفع کا پہلو نہیں ہے اس لئے یہ تکالیف دنیا میں ان کیلئے عذاب ہیں اور مومن کیلئے ایک قسم کی تجارت ہے کہ اگر دنیا میں کسی قسم کی تکلیف برداشت کرتا ہے تو یہ ظاہری صورت کے اعتبار سے تکلیف ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے بہت نفع کی چیز ہے۔

تکلیف نعمت کب ہے؟:۔

حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جس وقت اہل مصائب کو ثواب دیا جائے گا تو اہل عافیت جن کو دنیا کے اندر کوئی تکلیف نہیں پہنچی ان کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ ہائے......! کاش دنیا میں ہمارے چمڑے قینچیوں سے کاٹے جاتے تاکہ آج ہم بھی یہ ثواب حاصل کرتے ① تو اس سے آپ اندازہ کریں کہ مومن کیلئے مصیبت کتنی بڑی رحمت ہے، مانگنی نہیں چاہیے یہ نعمت غیر مطلوبہ ہے کیونکہ یہ نعمت ثواب

① عن جابرؓ قال رسول اللہ ﷺ یود اھل العافیة یوم القیامة حین یعطی اھل البلاء والثواب لو ان جلودھم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض (مشکوٰۃ ص۱۳۳/ترمذی ج۴ص۶۰۳ مطبوعہ بیروت/الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج۸ص۱۹۲)

تبھی بنتی ہے جب انسان اس کے اوپر صبر کرے شکر اختیار کرے لیکن تکلیفوں پر صبر کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس لئے مانگنی نہیں چاہیے لیکن اگر تکلیف آجائے تو اس کو اس نیت کے ساتھ برداشت کیجئے......! کہ یہ بھی ایک تجارت ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں ثواب دیں گے اس لئے سُوْٓءُ الْعَذَابِ سے دنیا کا عذاب بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو منکرین کافرین کو پہنچتا ہے اور آخرت کا عذاب لیں تو بھی ٹھیک ہے آخرت میں ان کا خسارہ نمایاں ہوجائے گا یہ بات تو واضح ہی ہے وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ اور یہ آخرت میں انتہائی خسارہ پانے والوں میں سے ہیں۔

قرآنِ کریم کتابِ علم وحکمت ہے:۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ: اور بے شک تو البتہ دیا جاتا ہے قرآن حکیم علیم کی طرف سے۔یعنی یہ مانیں یا نہ مانیں آپ کو یہ قرآن دیا گیا جو مؤمنین کیلئے ہدایت اور بشریٰ ہے آپ کو یہ قرآن حکیم علیم کی طرف سے مل رہا ہے اس لئے یہ کتاب علم وحکمت سے پر ہے،لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں لوگ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں، بے شک تو دیا جاتا ہے قرآن حکیم علیم کی طرف سے۔آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ شروع ہوگیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی طرح سے حکیم علیم کی طرف سے کتاب ملی تھی اور ان کو رسول بنایا گیا فرعون کے مقابلے میں بھیجا گیا اور یہی صورتحال سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پیش آئی اس واقعہ میں آپ کیلئے تقویت قلب بھی ہے آپ کے دل کو قوت پہنچتی ہے اور واقعات کے ساتھ ان اصول کی تائید بھی ہوتی ہے بارہا آپ کی خدمت میں یہ بات وضاحت کے ساتھ عرض کردی گئی۔

موسیٰ علیہ السلام آگ کا پتہ کرنے گئے:۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا: قابل ذکر ہے وہ وقت جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا میں نے آگ کو محسوس کرلیا ہے سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عنقریب میں لاتا ہوں تمہارے پاس اس آگ سے کوئی خبر اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ یا لاتا ہوں تمہارے پاس کوئی سلگایا ہوا شعلہ۔شہاب یعنی شعلہ اور قبس کا معنی سلگایا ہوا لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ تاکہ تم سینکو اِصْطِلَاءٌ کا معنی ہے گرمی حاصل کرنا آگ سینکنا یہ واقعہ ہے اس وقت کا جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو مدین سے لے کر چلے تھے اور مصر کی طرف آرہے تھے راستہ میں رات ہوگئی جس وقت کوہِ طور کے پاس تھے اور سردی کا زمانہ تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ راستہ بھی بھول گئے، بڑی پریشانی

ہوئی طور کے اوپر اس طرح سے محسوس ہوا جیسے آگ جل رہی ہو، تو اپنے گھر والوں سے کہتے ہیں، گھر والوں سے بیوی مراد ہے اور ہمارا بھی محاورہ ہے جب ہم بیوی کا تذکرہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کیلئے یا ہمارے گھر والے یہ کہتے ہیں کیونکہ اصل کے اعتبار سے اہل بیت کا مصداق بیوی ہوتی ہے، یہاں بھی بیوی مراد ہے اور اٰتِیْکُمْ کے اندر بھی جمع کی ضمیر ہے اور تَصْطَلُوْنَ کے اندر بھی جمع کی ضمیر ہے محاورۃً واحد کو جمع کے ساتھ ملا کر تعبیر کر دیا کرتے ہیں رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ ① وہاں بھی دیکھو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ مراد ہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا تذکرہ آئے گا بائیسویں پارے کی ابتداء میں، وہاں بھی یہی آئے گا۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ② وہاں بھی عَنْكُمْ كُمْ کے ساتھ خطاب کیا گیا تو ہمارے ہاں بھی محاورے میں کوئی کلام ہوتی ہے تو واحد کو جمع کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تم یہیں ٹھہرو وہاں آگ جلتی نظر آ رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں دو باتوں میں سے ایک بات تو مل ہی جائے گی یا تو وہاں کوئی آدمی ہوگا تو میں اس سے راستہ پوچھ لوں گا۔ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ③ قرآنِ کریم میں جس طرح سے دوسرا لفظ آیا کہ شاید میں وہاں کوئی راہنمائی حاصل کرلوں آخر آگ جو جل رہی ہے تو وہاں کوئی جلانے والا ہوگا اس سے راہنمائی حاصل کرلوں گا کوئی راستہ پوچھ لوں گا یا یہ ہے کہ میں وہاں سے تمہارے لئے آگ کا شعلہ وہاں سے لے آؤں گا۔ اور یہاں آ کر جلالیں گے اور آگ سینکیں گے اور سردی کی تکلیف دور ہو جائے گی۔ اور دونوں مقصد بھی حاصل ہو سکتے ہیں اس لئے اَوْ یہاں مَنْعِ خُلُوّ کے لئے ہے کہ ایک بات تو ہو ہی جائے گی لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ تاکہ تم سینکو فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس آئے آواز دیئے گئے یعنی ان کو ایک آواز محسوس ہوئی برکت دیا گیا وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو آگ کی ارد گرد ہے مَن لفظوں میں مفرد ہے اور معناً جمع یعنی جو بھی آگ میں ہیں اور آگ کے ارد گرد ہیں، سب برکت دیئے گئے اس سے مراد فرشتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، حَوْلَهَا جو آگ کے ارد گرد ہیں اس سے بھی فرشتے مراد ہو سکتے ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں اور مَنْ فِي النَّارِ سے بھی فرشتے مراد ہیں جو وہاں ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے واقعہ کو ظاہر کرنے کیلئے اپنے فرشتوں کو واسطہ بناتا ہے تو وہاں ملائکہ کا وجود ہوگا جس کی بناء پر ان کو کہا جا رہا ہے کہ وہ بھی برکت والے ہیں جو اس

① پارہ نمبر ۱۲: سورۃ ھود: آیت نمبر ۷۳
② پارہ نمبر ۲۲: سورۃ احزاب: آیت نمبر ۳۳
③ پارہ نمبر ۱۶: سورۃ طٰہٰ: آیت نمبر ۱۰

کے اردگرد ہیں وہ جو اس کے اندر ہیں وہ بھی برکت والے ہیں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کیلئے، ویسے ہی فقرہ ہے جس طرح سے ہم میں کوئی مہمان آئے تو ہم خوش آمدید، خیر مقدم، اھلاً وسہلاً اس قسم کے الفاظ بولتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ آواز آئی جس سے موسیٰ علیہ السلام مانوس ہوئے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسرائیل یہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور ملائکہ اور اس قسم کی چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں پہلے سے تھیں، اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس سال رہ کے آرہے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام بھی پیغمبر تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے احساس ہوا ہوگا جس وقت یہ آواز آئی تو سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے کسی بات کا اظہار ہو رہا ہے برکت دیا گیا وہ شخص جو آگ میں ہے اور جو آگ کے اردگرد ہے۔

مشرکین کے عقیدہ کی تردید:۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: اور اللہ پاک ہے جو رب العالمین ہے اس میں کوئی کسی قسم کا عیب نہیں یہ تنزیہہ ساتھ ہی ذکر کردی تاکہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ آگ میں اللہ ہے، یا اللہ آگ کی شکل میں آ گیا ان سب باتوں سے اللہ پاک ہے جیسا کہ مشرکین عقیدے رکھتے ہیں کہ بتوں کے اندر اللہ ہی موجود ہوتا ہے اس قسم کا کوئی عقیدہ نہ بنایا جائے اللہ اس جہت سے بھی پاک ہے اور کسی چیز کے اندر غلو کرنے سے بھی پاک ہے کوئی نقص اور عیب کی بات اللہ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔

اب آواز آئی خطاب کرکے یٰمُوْسٰۤی اور دوسری آیات کے اندر آپ کے سامنے آیا تھا جس درخت کو آگ لگی ہوئی تھی ادھر سے آواز آئی درخت سے آواز آئی یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ① اے موسیٰ......! بات یہ ہے کہ بے شک میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔ اپنی طرف متوجہ کیا اب یہ درخت سے جو آواز آئی تھی یہ آواز اللہ تعالیٰ کی تھی جو سنی جا رہی تھی درخت سے، محسوس ہو رہی تھی درخت سے یہ درخت خود نہیں کہہ رہا اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ بلکہ درخت سے آواز آرہی ہے اور یہ آواز اللہ کی ہے بالکل بلاتشبیہ اگر آپ اس کو سمجھنا چاہیں تو ٹیلی فون کی مثال موبائل کی مثال کہ جس وقت آپ ٹیلی فون یا موبائل پکڑے بیٹھے ہوتے ہیں اور اس میں سے آواز آرہی ہوتی ہے

① پارہ نمبر۲۰: سورۃ قصص: آیت نمبر۳۰

تو کہتے ہیں کہ ہاں جی ابا جی کیا حال ہیں؟ ابا جی یہ بات یوں ہے تو آپ کا مخاطب نہ ہی وہ ٹیلی فون ہوتا ہے اور نہ ہی آپ اس موبائل کو ابا جی کہہ رہے ہوتے ہیں اس میں آواز دوسرے کی ہوتی ہے سنی اس میں سے جا رہی ہوتی ہے آپ کا خطاب جو ہوگا گفتگو جو ہوگی، وہ اس سے ہوگی جس کی آواز آ رہی ہے تو یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام کو آواز درخت کی جانب سے محسوس ہوئی اے موسیٰ......! بے شک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔

لاٹھی پاس رکھنا سنت انبیاء ہے:۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ: واقعات کی تفصیل پیچھے موجود ہے یہاں مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے پیچھے آیا تھا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ڈالی یہاں بالاختصار یوں ذکر کر دیا وَاَلْقِ عَصَاكَ تو اپنی لاٹھی ڈال دے معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔

اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ① نے ذکر کیا ہے کہ ہاتھ میں لاٹھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لاٹھی کا ذکر بھی احادیث میں آتا ہے کھونٹی ہوتی تھی آپ کے ہاتھ میں اوپر سے تھوڑی سی مڑی ہوئی اور نیچے سے چھوٹا سا نیزہ لگا ہوا جس کا مقصد ہوتا تھا اگر نماز پڑھنی ہوئی تو اس کو بطور سترہ کے گاڑ لیا اور بھی کئی ضرورتیں اس طرح کی سفر میں ہو جاتی ہیں ویسے بھی اگر ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو انسان کچھ ادنیٰ سا مسلح ہوتا ہے، چھوٹی موٹی تکلیف کا دفعیہ اس سے کر سکتا ہے آپ خالی ہاتھ ہوں اور کتی کا بچہ آپ کے سامنے آ جائے اور آپ کی طرف منہ کر کے بھونکنے لگ جائے تو آپ گھبرا سے جائیں گے، اگر آپ کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو خود ہی ڈر جائے گا اگر نہیں ڈرے گا تو پھر بھی آپ کے دل میں قوت ہوتی ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ڈنڈا ہے یہ قدرتی بات ہے اگر انسان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو انسان کے دل میں قوت ہوتی ہے تو مسلمان کو ادنیٰ سا مسلح رہنا چاہیے، جب بھی کسی طرف جائے تو ڈنڈا اس کے ہاتھ میں ہو، انبیاء کرام علیہم السلام جس طرح سے رہتے تھے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا یہاں ذکر ہے، اور سلیمان علیہ السلام کے عصا کا ذکر سورۃ سبا میں آئے گا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا کا ذکر یہ احادیث میں موجود ہے، ② اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ چلتے ہوئے سفر میں خاص طور پر لاٹھی ہاتھ میں ہوتی

①

② تفصیل کیلئے دیکھیں شمائل کبریٰ جلد اول ص ۱۴۰ از مفتی ارشاد الحق قاسمی صاحب

وَاَلْقِ عَصَاكَ اورتو اپنی لاٹھی ڈال دے فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ جس وقت دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اس لاٹھی کو کہ وہ حرکت کر رہی ہے كَاَنَّهَا جَآنٌّ گویا کہ وہ ایک سانپ ہے جَآنٌّ کہتے ہیں اصل کے اعتبار سے پتلے سانپ کو جو چھوٹا ہوتا ہے اور دوسری جگہ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ① ثعبان مبین کا ذکر آیا ہوا ہے تو بہت بڑا اژدہا بن گیا دونوں باتیں اکٹھی ہوگئیں یا تو پہلے وہ چھوٹا سا سانپ ہوگا جتنی سی لاٹھی ہوگی، اتنا سا نمایاں ہوگا اور دیکھتے ہی دیکھتے بڑا بن گیا اور ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ جثّے کے اعتبار سے بڑا تھا لیکن حرکت اس طرح سے کر رہا تھا جس طرح سے جان ہو یعنی چھوٹا سا سانپ ہو کیونکہ بڑا سانپ جو ہے وہ جلدی حرکت نہیں کرسکتا جس طرح کہ چھوٹا سانپ حرکت کرسکتا ہے تو جان اس کو کہا جا رہا ہے اس کی حرکت کے اعتبار سے اور جثّے کے اعتبار سے وہ ثعبان تھا یا ابتداء اس کی جان سے ہوئی اور انتہاء اس کی ثعبان پر ہوئی کہ پہلے نمایاں ہوا چھوٹا سا پھر آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے بہت بڑا ہوگیا كَاَنَّهَا جَآنٌّ گویا کہ وہ سانپ ہے۔

سانپ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہوگیا:۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا: جب موسیٰ علیہ السلام نے اس لاٹھی کو دیکھا لہلہاتی ہوئی گویا کہ وہ سانپ ہے تو بھاگے پیٹھ پھیرتے ہوئے یعنی جلدی میں ان کے اوپر خوف سا طاری ہوگیا کہ یہ کیا ہوا؟ وَّلَمْ یُعَقِّبْ اس کا معنی ہے لَمْ یَرْجِعْ عَلٰی عَقِبِهٖ اپنی ایڑیوں پہ نہ لوٹا یعنی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔اس طرح سے بھاگے کہ پیچھے نہ مڑے۔

اے موسیٰ......! خوف نہ کر:۔

یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی اے موسیٰ......! خوف نہ کر اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ خوف نہ کریں بے شک میرے سامنے مرسلون ڈرا نہیں کرتے یعنی مرسلون کو جب معجزہ دیا جائے تو یہ ان کی تقویت کا سامان ہے ایسی چیزوں سے ڈرنا نہیں چاہیے، نہیں ڈرا کرتے میرے سامنے مرسلون اِلَّا مَنْ ظَلَمَ مگر جو کوئی قصور کر بیٹھے جس نے کسی ظلم کا ارتکاب کیا اسے ڈرنا چاہیے لیکن اس کا بھی آگے ضابطہ بتا دیا کہ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جو کوئی قصور کر لے پھر اپنے اس قصور کو حُسن سے بدل دے اچھی بات سے بدل دے اس کی تلافی کرلے، پھر بدلے میں لے آئے وہ اچھائی کو بُرائی کے بعد، پس بے شک میں غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

① پارہ نمبر ۹: سورۃ اعراف: آیت نمبر ۱۰۷، پارہ نمبر ۱۹: سورۃ شعراء: آیت نمبر ۳۲

ہوں یہ بات اس لئے کہہ دی کہ کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا وہ قصور یاد نہ آ جائے جو قبطی کے معاملے میں پیش ہوا تھا اور پھر پریشان ہونے لگ گئے کہ میں تو اللہ کے سامنے قصور کیے بیٹھا ہوں تو کہیں اس پر گرفت نہ ہو جائے، تو ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ظلم کرنے والوں کو، زیادتی کرنے والوں کو، قصور کرنے والوں کو، ڈرنا چاہیے لیکن جو شخص زیادتی کرنے کے بعد اس ظلم کرنے کے بعد اچھائی کر لے یعنی توبہ کر لے اس کی تلافی کر لے تو میں غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ہوں اس کو بخش دیتا ہوں اور رحم کر دیتا ہوں اس لئے وہ پچھلی بات کو یاد کر کے ڈرنے کی ضرورت نہیں اس آیت کا یہ مفہوم ہو جائے گا یہ تو ایک معجزہ ہو گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ:۔

وَاَدۡخِلۡ یَدَكَ فِیۡ جَیۡبِكَ: اور داخل کر تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں جیب کہتے ہیں قمیض کے گریبان کو تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ نکلے گا سفید ہو کر مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ بغیر کسی بیماری کے یعنی بعض بیماریاں بھی ہیں جن سے چمڑا سفید ہو جاتا ہے جس کو برص کہتے ہیں یعنی یہ کوئی بیماری نہیں ہوگی بلکہ معجزے کے طور پر یہ چمکدار اور سفید ہوگا۔ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَقَوۡمِهٖ یہ دونوں نشانیاں نو نشانیوں میں داخل ہیں جن کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی اللہ کی طرف سے فرعون کی طرف تشکیل:۔

فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَقَوۡمِهٖ: ان دو نشانیوں کو ان نو نشانیوں میں داخل کر کے تو فرعون کی طرف جا اِذۡهَبۡ یا اُرۡسِلَ دونوں طرح سے ترجمہ ہو سکتا ہے جب موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا ان دو نشانیوں کو نو نشانیوں میں داخل کر کے فرعون کی طرف جاؤ اور اس کی قوم کی طرف جاؤ تو ان نو نشانیوں کا مکمل ذکر سورۃ اعراف میں آیا تھا۔ فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰیٰتُنَا جب ان فرعونیوں کے پاس ہماری نشانیاں آ گئیں مُبۡصِرَةً اس حال میں کہ وہ روشن تھیں واضح تھیں اصل میں ابصر کا معنی ہوتا ہے دیکھنا اور مبصر کہتے ہیں دیکھنے والے کو اور یہاں مبصران آیات کو کہا جا رہا ہے، کیونکہ وہ بصیرت حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں اس لئے انہیں کو مُبۡصِرَةً کہہ دیا گیا جو دانش مندی حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں جن کی وجہ سے آنکھیں کھل جانی چاہیے تھیں، دل روشن ہو جانا چاہیے تھا، ان نشانیوں کی حیثیت یہ تھی اس حال میں کہ وہ واضح نشانیاں تھیں روشن نشانیاں تھیں۔

فرعونیوں نے معجزات کو جادو کہہ کرانکار کر دیا:۔

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ: تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے ان فرعونیوں نے ان آیات کا انکار کر دیا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا کہ ان نشانیوں کا یقین کر لیا ان کے دلوں نے، دل ان کے اندر اندر سے مانتے تھے کہ یہ جادو نہیں ہے، خاص طور پر ان جادوگروں کی تائید کر دینے کے بعد کہ یہ جادو نہیں ہے، اور موسیٰ علیہ السلام پر ان کے ایمان لانے کے بعد تو یہ الزام ختم ہو جانا چاہیے تھا جب جادوگر جو کہ صاحب فن تھے اور بہت بڑے جادو کا علم رکھنے والے تھے جب انہوں نے بھی ظاہر کر دیا کہ یہ جادو نہیں بلکہ یہ معجزہ ہے جو اللہ کی قدرت کے ساتھ سامنے آیا ہے اس کے بعد تو یہ الزام ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ اس کا انکار ہی کرتے رہے از روئے ظلم کے اور سرکشی کے انہوں نے ان آیات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان آیات کا یقین کر لیا تھا۔

ایمان کیلئے تصدیق قلب کے ساتھ زبان سے اظہار کرنا بھی ضروری ہے:۔

یہیں سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کوئی شخص اگر دل میں یقین کر لے دل میں ایمان لے آئے، لیکن اوپر سے انکار کرے تو ایمان معتبر نہیں جب تک کہ اقرار باللسان نہ ہو دل سے کسی بات کو مان لینا کافی نہیں جب تک کہ زبان سے اقرار نہ کر لے اور جب دل سے کسی چیز کا یقین کر لیں اور اوپر سے انکار کرتے رہیں تو یہ کفر بلکہ بدتر قسم کا کفر ہے، یہ کفر جحود ہے جیسے جَحَدُوْا سے اس کا ذکر کیا تو یہ فرعونی کافر ہیں، حالانکہ ان کے دلوں کے اندر یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں اور یہ جو کچھ دکھا رہے ہیں یہ سب نشانیاں اللہ کی جانب سے ہیں اس کے باوجود وہ کافر ٹھہرے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ دل سے ماننے کے ساتھ ساتھ زبان سے اظہار کرنا ضروری ہے صرف دل میں یقین کر لینا کافی نہیں ہے، جیسے اگر کوئی شخص زبان سے اقرار کرے اور دل سے یقین نہ ہو تو یہ بھی نفاق ہے، جس میں زبان سے اقرار ہوتا ہے دل سے انکار ہوتا ہے اور یہاں دل میں یقین ہے زبان سے انکار ہے، یہ بھی کفر ہے اس کو کفر جحود کہتے ہیں۔ انکار کیا انہوں نے ان آیات کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کے دلوں نے ان آیات کا، ظُلْمًا وَّعُلُوًّا کا تعلق جَحَدُوْا کے ساتھ ہے وَاسْتَيْقَنَتْهَآ کے ساتھ نہیں ہے۔ انکار کیا انہوں نے ان آیات کا از روئے ظلم کے اور سرکشی کے، ان آیات کی حق تلفی کرتے ہوئے، اور تکبر کرتے ہوئے، انہوں نے ان آیات کا انکار کیا۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ پس تو دیکھ ان فسادیوں کا انجام کیا ہوا......! فَانْظُرْ کا خطاب ہر مخاطب کو ہے کہ دیکھو......! کہ ان فسادیوں کا انجام کیا ہوا۔ واقعہ ختم ہوا۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ فَضَّلَنَا عَلٰی

البتہ تحقیق دیا ہم نے داؤد کو اور سلیمان کو علم دونوں نے کہا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے فضیلت دی ہمیں

کَثِیۡرٍ مِّنۡ عِبَادِہِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ

اپنے مومن بندوں میں سے بہتوں پر ﴿۱۵﴾ اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے تو سلیمان علیہ السلام نے کہا!

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ وَاُوۡتِیۡنَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّ ہٰذَا

اے لوگو! ہم سکھا دیئے گئے پرندوں کی بولی اور ہمیں ہر چیز دی گئی، یہ اللہ تعالیٰ کا

لَہُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَیۡمٰنَ جُنُوۡدُہٗ مِنَ الۡجِنِّ

بہت کھلم کھلا فضل ہے ﴿۱۶﴾ جمع کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کے لشکر جنوں سے

وَالۡاِنۡسِ وَالطَّیۡرِ فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ ۙ

انسانوں سے پرندوں سے پس وہ روکے جاتے تھے ﴿۱۷﴾ حتی کہ وہ جب آئے چیونٹیوں کی وادی پر

قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یّٰۤاَیُّہَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ ۚ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ

تو ایک چیونٹی کہا اے چیونٹیو! داخل ہوجاؤ اپنے گھروں میں نہ روند ڈالے تم کو سلیمان

وَجُنُوۡدُہٗ ۙ وَہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنۡ قَوۡلِہَا وَقَالَ

اور اس کے لشکر والے، اور انہیں پتہ بھی نہیں ہوگا ﴿۱۸﴾ پس مسکرائے سلیمان ہنستے ہوئے اسکے قول کی وجہ سے اور کہا

رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ

اے میرے رب مجھے روکے رکھ اس بات پر کہ میں شکر ادا کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے والدین پر کیا ہے

وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ

اور اس بات پر کہ میں نیک عمل کروں جس کو تو پسند کرے، اور داخل کر تو مجھے اپنی مہربانی کیساتھ

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ٘ اَمْ كَانَ

اپنے نیک بندوں میں ﴿۱۹﴾ سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی سلیمان نے کہا کیا ہو گیا مجھے کہ میں نہیں دیکھتا ھُد ھُد کو، یا ہے ہی وہ

مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ

غائبین میں سے ﴿۲۰﴾ میں البتہ ضرور اس کو عذاب دوں گا سخت عذاب یا البتہ اسے ذبح کر ڈالوں گا، یا میرے پاس وہ

بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ

واضح دلیل لے کر آئے ﴿۲۱﴾ ھُد ھُد ٹھہرا تھوڑا سا پھر کہا کہ میں نے معلوم کیا ہے ایسی چیز کو جو آپ کو معلوم نہیں

بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ

اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں ﴿۲۲﴾ میں نے پایا ایک عورت کو جو کہ بادشاہی کرتی ہے

وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا

اور وہ دی گئی ہے ہر چیز اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے ﴿۲۳﴾ میں نے پایا اس عورت کو اور اس کی قوم کو

یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کو چھوڑ کر اور شیطان نے ان کے لئے مزین کر دیا

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ۙ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ

ان کے اعمال کو اور روک دیا ان کو سیدھے راستے سے پس وہ ہدایت نہیں پاتے ﴿۲۴﴾ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے

الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ

جو کہ نکالتا ہے ان چیزوں کو جو چھپی ہوتی ہیں آسمانوں میں اور زمینوں میں اور وہ جانتا ہے ان چیزوں کو جن کو تم چھپاتے ہو

وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ

اور جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿۲۵﴾ وہ اللہ ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے ﴿۲۶﴾ سلیمان نے کہا ہم عنقریب

اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ
دیکھیں گے کہ تو نے سچ بولا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ﴿۲۷﴾ میرا یہ خط لے جا اور پھر تو اس خط کو ڈال دے ان کی طرف
ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ
پھر ان سے ایک طرف کو ہٹ جا پھر تو دیکھ کہ وہ کیا جواب لوٹاتے ہیں ﴿۲۸﴾ ملکہ نے کہا کہ اے سردارو! بیشک میری طرف
اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾
ڈالا گیا ہے ایک باعزت خط ﴿۲۹﴾ بیشک یہ خط سلیمان کیطرف سے ہے، اور وہ یہ ہے شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا ہے ﴿۳۰﴾
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾
یہ کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی اختیار نہ کرو اور آ جاؤ میرے پاس فرمانبردار بن کے ﴿۳۱﴾

تفسیر

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا: انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ بنی اسرائیل میں جاری رہا، اسی سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام آئے تو اللہ نے ان کو نبوت بھی دی اور بادشاہی بھی دی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام آئے جن کو اللہ نے نبوت بھی دی اور بادشاہی بھی دی یہ بادشاہ نبی گزرے ہیں۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ البتہ تحقیق دیا ہم نے داؤد کو اور سلیمان کو علم، علم سے مراد وہی علم نبوت، علم سیاست، علم شریعت سب مراد ہیں۔

ماقبل سے ربط:۔

اور اب فرعون کا ذکر کرنے کے بعد ان دونوں کا ذکر آ گیا کہ فرعون کو تو صرف ایک مصر کی بادشاہت ملی تھی، وہ اسی بادشاہت میں اللہ کا ناشکرا ہو گیا متکبر ہو گیا یہ اللہ کی طرف سے جو اس کو یہ نعمت ملی تھی اس کی وجہ سے سرکش ہو گیا، لیکن جن لوگوں کا آخرت پر یقین ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اگر اس قسم کی سلطنتیں دے بھی دیں تو وہ الٹا شکر کا ذریعہ بنتی ہیں، وہ مزید اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف جاتے ہیں، اور اللہ کے سامنے شکر کرتے ہوئے جھکتے ہیں۔

نعمت بعض کیلئے کفر اور بعض کیلئے شکر کا باعث ہے:۔

ایک ہی چیز ہے ایک شخص کیلئے کفر کا باعث بنتی ہے اور ایک شخص کیلئے وہ شکر اور فضیلت حاصل کرنے کا سبب بنتی ہے۔تو ان کو بھی بادشاہت ملی،لیکن چونکہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے یہ ہر ہر بات پہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے،آپ کے سامنے غالباً سورۃ سبا میں یہ آیت آئے گی اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ① اے آل داؤد......!شکر کے طور پر تم نیک عمل کرو......!میرے بندوں میں سے شکر گزار لوگ بہت کم ہیں،تو شکر ادا کرنے کی چونکہ خصوصیت کے ساتھ تاکید آئی تھی حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے کو تو آپ ان کے واقعات جہاں بھی پڑھیں گے ان کی ہر ایک بات سے زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اللہ کا شکر نمایاں ہوگا تو یہاں بھی وہی بات ہے قَالَا دونوں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں لیکن یہی کلمہ شکر ہے یعنی اللہ کی تعریف کرنا یہی شکر ادا کرنا ہے،اس لئے اس کا ترجمہ یوں کر دیا جائے کہ اللہ کا شکر ہے تو بھی بات صحیح ہے،سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے فضیلت دی ہمیں اپنے مومن بندوں میں سے بہتوں پر۔کافروں کے مقابلے میں فضیلت تو ہر مومن کو ہے مومنین میں سے بہت سے بندوں پر اللہ نے ہمیں فضیلت دی ایسی نعمتیں ہیں دیں جو اس کے عام مومن بندوں کو بھی نہیں ملیں۔اللہ کا شکر ہے۔

داؤد علیہ السلام کی وراثت سلیمان علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئی:۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ:اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے یہاں وَرِثَ سے وراثت مالی مراد نہیں ہے، نیابت مراد ہے نبوت میں اور سلطنت میں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد تو بہت تھی اور بھی بیٹے تھے تو اگر یہاں وراثت مالی مراد ہوتی تو صرف ایک بیٹا ہی وارث نہیں ہوتا،سب وارث ہوا کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت اس طرح سے تقسیم نہیں ہوا کرتی جس طرح سے ہماری مالی وراثت تقسیم ہوتی ہے،**نَحْنُ معاشر الانبیاء لَا نورثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ** ② حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم انبیاء کا گروہ دوسرے کو وارث نہیں بنایا کرتے جو ہم چھوڑ

---

① پارہ نمبر ۲۲،سورۃ نمبر ۳۴،آیت نمبر ۱۳

② سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۹۸ پر الفاظ ہیں اِنَّا مَعْشَرُ الْاَنبیاءِ لا نورثُ مَا تر کنَا فهو صدقةٌ اسی طرح معجم اوسط طبرانی ج ۵ ص ۲۶، التمہید ج ۸ ص ۱۷۵ اور الاستذکار ج ۸ ص ۵۹۱ پر بھی یہی حدیث ہے اور بخاری ج ۱ ص ۴۳۵ اور مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۵۰ پر حدیث کا اتنا حصہ ہے لا نورثُ مَا تر کنَا صدقةٌ (عمران)

جائیں سب صدقہ ہوتا ہے اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ ① حدیث شریف میں جس طرح سے آتا ہے کہ انبیاء اکرام علیہم السلام درہم دینار کی وراثت چھوڑ کر نہیں جایا کرتے ان کی وراثت تو علم ہے جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بہت بڑا نصیبہ حاصل کر لیا تو یہاں بھی جو وراثت سلیمان علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئی، تو یہ علم اور نبوت کی وراثت ہے مالی وراثت مراد نہیں ہے اس لئے ترجمہ یوں کریں گے کہ سلیمان قائم مقام ہوئے داؤد علیہ السلام کے، جانشین ہوئے داؤد علیہ السلام کے۔

سلیمان علیہ السلام تمام ضروریات سے نوازے گئے:۔

قَالَ تو سلیمان علیہ السلام نے بھی یہی کہا یٰاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ منطق یہ مصدر میمی ہے نطق کے معنی میں ہے اے لوگو......! ہم سکھا دیئے گئے پرندوں کی بولی وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اور ہمیں ہر چیز دی گئی یعنی اس دور میں ضروریات زندگی کے اعتبار سے جتنی چیزیں چاہئیں تھیں وہ ہمیں دیدی گئیں یہاں کل استغراقی نہیں کہ دنیا کی ہر چیز مل گئی آپ کہیں کہ چیزوں میں تو ہوائی جہاز بھی ہے ٹینک بھی ہے توپ بھی ہے کیا یہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تھیں۔ تو یہ محاورے سے ناواقفیت کی علامت ہے، جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ یہاں کُلّ آ گیا تو یہ چونکہ استغراقیہ ہے کہ سب کچھ دیدیئے گئے۔ اس میں استغراق ہے لیکن عادی یعنی اس زمانے کے اعتبار سے اچھی زندگی گزارنے کیلئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی سب مل گئیں جیسے ہم بھی اپنی کلام میں بسا اوقات یوں کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ اب اس سب کچھ کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم گدھے کے بھی مالک ہیں، گھوڑے کے بھی مالک ہیں، بس کے بھی مالک ہیں، کار کے بھی مالک ہیں، جب ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے تو کوئی کہے کہ کیوں جھوٹ بولتے ہو، بیسیوں چیزیں ایسی ہیں جو آپ کے پاس ہیں ہی نہیں یہ مطلب نہیں ہوا کرتا بلکہ سب کچھ دے رکھا ہے کا مطلب ہے، جن کی ہمیں ضرورت ہے جس کے ساتھ ہماری زندگی آسانی سے گزر رہی ہے، یعنی کوئی ایسی چیز ہمارے ہاں مفقود نہیں کہ جس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم تکلیف میں مبتلا ہیں، جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے اللہ نے سب دیدیں، اسی طرح سے اس زمانے میں اپنی اچھی زندگی گزارنے کیلئے جن اشیاء کی ضرورت تھی اور سلطنت اور حکومت قائم رکھنے کیلئے جن چیزوں کی ضرورت تھی

① مسند ابن ابی شیبہ ج ا ص ۵۵ مطبوعہ الریاض/ سنن الدارمی ج ا ص ۳۶۱/ سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم/ سنن ابی داؤد باب الحث علی طلب العلم/ صحیح ابن حبان ج ا ص ۲۸۹، مشکوٰۃ ج ا ص ۱۶

وہ سب ہمیں دیدیں۔

داؤد علیہ السلام کی طرح سلیمان علیہ السلام بھی شاکر تھے:۔

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ: یہ اللہ تعالیٰ کا بہت کھلم کھلا فضل ہے تو دیکھو......! یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اللہ کی مہربانی ہے، یہ بھی کلمہ شکر ہے تو جیسے داؤد علیہ السلام ہر ہر بات پہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے سلیمان علیہ السلام بھی اسی طرح سے کرتے تھے پرندوں کی بولی سکھادی گئی، یہاں پرندوں کا ذکر کر دیا گیا ویسے تو جتنی مخلوق ہے کیڑے مکوڑے سب کی زبانیں حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھتے تھے کیونکہ پرندے وغیرہ آپس میں بولتے ہیں، اور اس طرح سے دوسری چیزیں چیونٹیاں یہ بھی ایک دوسرے سے بولتی ہیں، ہم اس کا شعور نہیں رکھتے، جیسے آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹیوں کے ساتھ گفتگو ذکر کی جارہی ہے کہ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بات کی، اور حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے، تو یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک معجزہ دیا تھا۔ یہ پرندے ہمیں تو لگتا ہے ویسے ہی بیٹھے چوں چوں کررہے ہیں، لیکن جب یہ اکٹھے بیٹھے ہوتے ہیں تو اس وقت یہ باتیں کرتے ہیں جب لڑ رہے ہوں تو ان کی آواز اور طرح کی ہوتی ہے اور جب یہ محبت کے انداز میں بیٹھے ہوں تو ان کا بولنا اور انداز کا ہوتا ہے، یہ کتے بلے ان کی بھی آوازیں مختلف ہوتی ہیں جب اپنے بچوں کے ساتھ پیار کرتے ہیں تو اور طرح سے انداز ہوتا ہے اور جب آپس میں لڑتے ہیں تو انداز اور ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنا کچھ افہام تفہیم کرتے ہیں، جن کو ہم نہیں سمجھتے، تو یہ جو پرندوں کی آوازیں ہیں ان میں بھی کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جن کو کشف دیدیا وہ سمجھ جاتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ چلے جارہے تھے ایک اونٹ آیا اور اس نے آکر آپ کے قدموں میں سر رکھدیا یعنی ظاہر اس طرح جس طرح کہ سجدہ کیا جاتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ اس کو بلاؤ تو اس کے مالک کو بلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اونٹ کو میرے پاس بیچ دو......! وہ کہنے لگا کہ یارسول اللہ ہم آپ کو مفت میں ہی دیدیں لیکن ہمارا گزارہ صرف اسی پہ ہے اور کوئی ہمارا ذریعہ معاش نہیں ہے، اسی کے ذریعے ہم کام کرتے ہیں محنت کرتے ہیں کماتے ہیں کھاتے ہیں مطلب یہ تھا کہ ہم اس کو بیچنا نہیں چاہتے اگر گنجائش ہوتی تو ہم آپ کو ویسے ہی دے دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو پھر دیکھو......! یہ اونٹ تمہاری شکایت کررہا ہے کہتا ہے کہ یہ مجھ سے کام بہت لیتے ہیں لیکن کھانے کو کم دیتے

ہیں خیال رکھا کرو ان کی برداشت سے زیادہ کام نہ لیا کرو اور وقت پر ان کو پانی و چارہ دیا کرو①۔ اب باقی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے کوئی بھی اونٹ کی بات نہیں سمجھا لیکن آپ ﷺ سمجھ گئے تو ان کی باتیں تو ہیں جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ سمجھ جاتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام کو بھی یہ معجزہ دیا گیا تھا کہ سب باتیں سمجھ جاتے تھے۔ ہمیں پرندوں کی بولی سمجھادی گئی اور ہم ہر چیز دیدیئے گئے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل مبین ہے۔

سلیمان علیہ السلام کی حکومتی وسعت:۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ : دیکھو......! اس میں جن کی صراحت آگئی معلوم ہوگیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جنوں پر بھی تھی پرندوں پر بھی تھی۔ جمع کیے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کے لشکر جنوں سے انسانوں سے پرندوں سے فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ پس وہ روکے جاتے تھے یعنی انتظام بحال کرنے کیلئے ان کو روکا جاتا تھا، تاکہ پچھلوں کو ساتھ ملالیا جائے کثرت کی طرف اشارہ ہے وزع روکنے کو کہتے ہیں پس وہ روکے جاتے تھے، یعنی اگلوں کو روکا جاتا تھا تاکہ پچھلوں کو ساتھ شامل کرلیا جائے تو ایسی نوبت کثرت کے وقت پیش آیا کرتی ہے، تو جن بھی ان کے لشکروں میں تھے انسان بھی تھے پرندے بھی تھے تو کسی مہم پہ جارہے ہوں گے، حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ حتی کہ وہ جب آئے چیونٹیوں کی وادی پر، چیونٹیوں کی وادی سے مراد کوئی ایسی وادی ہے جہاں چیونٹیاں بہت کثرت سے تھیں۔

چیونٹیوں کا مثالی نظم ونسق:۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰٓاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ : اب جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس وادی کے قریب پہنچا تو چیونٹی نے یہ چیونٹی ان کی سردار ہوگی منتظمہ ناظم ہوگی جیسے کہتے ہیں کہ چیونٹیوں میں باقاعدہ خاندان ہیں، ان کی زندگی بڑی منظم ہوتی ہے جب یہ ذخیرہ کرتی ہیں غلے کو اور کھینچ کے لاتی ہیں تو دیکھو......! کس طرح سے قطار باندھ کے چلتی ہیں اردگرد دوسری چیونٹیاں بطور نگرانی کے موجود ہوتی ہیں جو قطار سے باہر آنے والوں کو تنبیہ کرتی ہیں۔ پھر یہ جو غلہ کھینچ کے لے جاتی ہیں تو کہیں دیکھ لینا کہ چیونٹیوں نے غلہ اپنی جگہ میں اکٹھا کیا ہوا ہو، آپ وہاں سے نکالیں تو کوئی دانہ آپ کو صحیح و سالم نہیں ملے گا ہر دانہ جو ہے وہ ٹوٹا ہوا ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ ان کا

① ابوداؤد ج ۱ ص ۳۵۲/ مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۹/ المستدرک علی الحاکم ج ۲ ص ۱۰۹/ مسند ابی یعلی الموصلی ج ۱۲ ص ۱۵۷، لیکن مضمون تھوڑا سا مختلف ہے

ایک انتظام ہے کہ یہ دانے کو توڑ کے رکھتی ہیں تاکہ یہ اُگے نہیں اور پھر یہ ان کیلئے ناقابل استعمال نہ ہو جائے گرمیوں میں ذخیرہ کرلیتی ہیں جو کہ سردیوں میں کام آتا ہے، اور ہر دانے کو توڑ کر رکھتی ہیں، تو یہ سب اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل و فہم دی ہے ان کے حالات کتابوں کے اندر عجیب وغریب لکھے ہوئے ہیں۔

چیونٹی کی گفتگو سن کر سلیمان علیہ السلام نے تبسم کیا:۔

بہر حال چیونٹی نے دیکھا تو اعلان کر دیا کہ سلیمان بمع لاؤ لشکر آ رہے ہیں اگر چہ ان کا ارادہ تو نہیں ہوگا ہمیں روندنے کا لیکن اتنے لشکر میں کیا پتہ چلتا ہے، اس لئے تم سب میدان خالی کر دو اور اپنے بلوں میں گھس جاؤ......! تاکہ لاعلمی میں وہ تمہیں روند نہ دیں اس نے یہ اعلان کیا ایک چیونٹی نے کہا نملة یہ واحد آ گیا اور آگے نمل آ گیا جمع کے معنی میں جیسے تَمْرَةٌ وَ تَمْرٌ میں آپ فرق کرتے ہیں اے چیونٹیو داخل ہو جاؤ......! اپنے گھروں میں مَسٰكِنَكُمْ اپنے رہنے کی جگہ میں گھس جاؤ......! لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ نہ روند ڈالے تم کو سلیمان اور اس کے لشکر والے وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور انہیں پتہ بھی نہیں ہوگا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ میں یہ بات بتا دی گئی کہ قصداً تو وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ قصداً بلا وجہ ایک چیونٹی کو مارنا بھی بُری بات ہے آخر اس کی بھی جان ہے اور اس کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے، بلا وجہ تو اس کو نہیں مارنا چاہیے لیکن اگر لاشعوری طور پر پاؤں کے نیچے آ جائے اور روندی جائے تو پھر ایک علیحدہ بات ہے، اس میں انسان معذور ہے جیسا کہ گلستان میں آپ نے شعر پڑھا ہوگا حضرت شیخ فرماتے ہیں:

زیر پایت گر بدانی حالِ مور   ہمچو حالِ تست زیر پائے پیل ①

کہ اگر تو یہ سمجھنا چاہے کہ چیونٹی کا تیرے پاؤں کے نیچے کیا حال ہوتا ہے تو ویسے ہی ہوتا ہے جیسے تیرا حال ہاتھی کے پاؤں نیچے ہوتا ہے اس لئے جان بوجھ کر کسی جاندار کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے ہاں البتہ لاشعوری میں ایسا ہو جائے تو انسان گنہگار نہیں ہے تو چیونٹی نے بھی اسی طرح کہا کہ اللہ کا نیک بندہ ہے سلیمان جان بوجھ کر تو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لیکن ان کو پتہ نہیں چلے گا اور تم پاؤں کے نیچے آ جاؤ گی اس لئے میدان خود ہی خالی کر دو......! یہ چیونٹی نے اعلان کیا سلیمان علیہ السلام نے سن لیا اور اس کی بات سمجھ گئے سمجھنے کے بعد مسکرائے فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا پس مسکرائے سلیمان ہنستے ہوئے یعنی یہ مسکرانا ہنسنے کے قریب قریب تھا یا ابتداء مسکرانے سے ہوئی اور انتہاء

① گلستان ص ۴۹ حکایت نمبر ۲۳ باب نمبر ۱

ضحک پر ہوئی۔ تبسم اور ضحک میں فرق تو آپ سمجھتے ہوں گے تبسم صرف اتنا ہے کہ یہ ہونٹ پھیل جائیں اور یہ دانت ننگے ہو جائیں اور ضحک وہ ہوتا ہے جس میں تبسم کے ساتھ تھوڑی سی آواز بھی پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ قہقہہ ہوتا ہے کہ جس میں انسان ڈھول کی طرح کھڑکتا ہے، قہقہہ یہ آواز اسی سے ماخوذ ہے تو یہ تبسم سے ابتداء ہوئی اور انتہاء ضحک پر ہوئی۔ مسکرائے ہنستے ہوئے اس کے قول کی وجہ سے وَقَالَ اور فرمایا دیکھو......! یہاں بھی شکر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے ہم پر کہ ہم نے چیونٹی کی بات بھی سمجھ لی اور ہم چاہے جتنا کان لگالیں ہمیں چیونٹی کی بات تو کجا آواز بھی سنائی نہیں دیتی تو وادی میں داخل ہونے سے پہلے اس چیونٹی نے دیکھ لیا سلیمان اور اس کے لشکر کو وہیں بیٹھے اس نے اعلان کیا اور سلیمان علیہ السلام نے سن لیا۔

سلیمان علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حضور اظہارِ تشکر:۔

کہا کہ اے میرے رب......! اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ، اَوۡزِعۡنِیۡ وزع کا معنی پیچھے کیا تھا رکنا تو اَوۡزِعۡنِیۡ کا معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ......! مجھے روکے رکھ اس بات پر کہ میں تیرا شکر ادا کروں حاصل ترجمہ اس کا یہ ہوگا مجھے اس بات پر دوام عطا فرما، مجھے اس بات پر جما دے مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں اس لئے اس کا ترجمہ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ اے اللہ......! مجھے مداومت عطا کر اس بات پر اور مجھے توفیق دے اس بات کی کہ میں شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا ہے اور میرے والدین پر کیا ہے یا اللہ......! مجھے توفیق دے اس بات کی کہ میں نیک عمل کروں جس کو تو پسند کرے۔ پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تیرے ہاں قبول ہو بسا اوقات ایک عمل کی ظاہری صورت اچھی ہوتی ہے لیکن کسی وجہ سے وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا تو نیکی اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی دے جو اس کے ہاں قبول بھی ہو جائے کہ میں عمل کروں نیک جس کو تو پسند کرے۔ وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ اور داخل کر تو مجھے اپنی مہربانی کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں۔

سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا تفقد کیا:۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیۡرَ: تَفَقَّدَ باب تفعل تَفَقَّدَ اس کا معنی ہے خبر گیری کرنا یعنی کوئی چیز موجود ہے یا نہیں ہے جس کو حاضری لینا کہتے ہیں تَفَقَّدَ کا معنی ہوتا ہے کسی کے حالات کی جستجو کرنا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا تفقد کیا یعنی ان کے احوال کی خبر گیری کی دیکھنا چاہا کہ یہ کس حال میں ہیں موجود ہیں یا موجود نہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ انتظامی

طور پر ضرورت کے مطابق پرندوں کو ساتھ قصداً لیا ہوا تھا تو جس طرح سے لشکر کی حاضری لی جاتی ہے اس طرح سے پرندوں کی حاضری لی ان کے احوال کا تجسس کیا۔ حاضری لی پرندوں کی ،خبر لی پرندوں کی جس طرح سے چاہیں آپ اس کو ادا کر سکتے ہیں۔ تفقد احوال کا معنی ہوتا ہے کسی کے احوال کی خبر گیری کرنا نگہبانی کرنا نگہداشت کرنا۔ فَقَدَ یَفْقِدُ ہوتا ہے کسی چیز کو گم کرنا اور تفقد ہوتا ہے گم شدہ چیز کو تلاش کرنا اس طرح تفقد کا ماٰ خذ وہی ہے جو مَاذَا تَفْقِدُوْنَ ① کے اندر گزرا تھا حاضری لی پرندوں کی یا پرندوں کی خبر لی۔

ہدہد کی غیر حاضری پر تشویش:۔

فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ہو گیا مجھے کہ میں نہیں دیکھتا ھد ھد کو اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ یا ہے ہی وہ غائبین میں سے یعنی ان پرندوں میں سے جو یہاں موجود نہیں یعنی پرندوں کی جب حاضری لی گئی تو ھد ھد بھی اس لشکر میں تھا وہ نظر نہیں آیا وہ ھد ھد جس کو کہتے ہیں ترکھان پکھی یا ہمارے ہاں کہتے ہیں چکیرہ جس کے اوپر کلغی بنی ہوتی ہے اور اس کی چونچ بھی تیز ہوتی ہے اور یہ زمین میں چونچ کو دبا کے اس میں سے کیڑا نکال کر کھاتا ہے مٹی میں سے ہی اس کو اپنی خوراک نظر آ جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی بصیرت دی ہے کہ یہ دیکھ لیتا ہے اس جگہ زمین میں پانی قریب ہے اور اس جگہ دور ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر میں اس کو اس لئے رکھتے تھے جہاں کہیں ٹھہرتے اور وہاں پانی نکالنا ہوتا تو یہ نشاندہی کرتا کہ یہاں سے کھودو......! پانی جلدی نکلے گا تو کوئی ایسی ضرورت پیش آئی ہوگی کہ پوچھا ھد ھد کہاں ہے؟ اور وہ ھد ھد صاحب وہاں اس وقت موجود نہیں تھے کہیں غائب تھے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ مجھے نظر نہیں آ رہا یا واقعی یہاں موجود نہیں ہے یہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کلام کا حاصل جیسے ایک چیز موجود تو ہوتی ہے لیکن پس پردہ یا ادھر ادھر ہو جاتی ہے یا وہ یہاں موجود ہی نہیں لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا جب معلوم ہوا کہ وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے تو پھر جس طرح سے ایک شاہانہ تنبیہ ہوتی ہے میں البتہ اس کو ضرور عذاب دوں گا سخت عذاب اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ یا البتہ اسے ذبح کر ڈالوں گا اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ یا میرے پاس وہ واضح دلیل لے کر آئے اپنی غیر حاضری کی کہ وہ غیر حاضر کیوں تھا یعنی یا تو وہ عذر کرے کہ وہ غیر حاضر کیوں تھا اگر تو اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کر دی پھر تو سزا نہیں دوں گا اور اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان نہ کی یا تو اس کو سخت ماروں گا یا پھر اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔

---

① پارہ نمبر ۱۳: سورۃ یوسف: آیت نمبر ۷۱

جانوروں کی سزا کے متعلق احکامات:۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ معلوم ہو گیا کہ جانوروں کو بھی ان کے مفوضہ عمل پر کوتاہی کی بناء پر تنبیہ کی جا سکتی ہے، جیسے گدھے پہ اینٹیں لاد کر آپ اس کو چلتا کرتے ہیں اگر وہ گڑبڑ کرے تو اس کے ڈنڈا لگایا جا سکتا ہے یا بیلوں کو جس طرح سے کاشتکار مارتے ہیں دوسرے جانوروں کو کسی کمی کوتاہی کی بناء پر سزا دینی جائز ہے اور بلاوجہ ان کو سزا دینا جائز نہیں اور اگر کوئی جانور موذی ہو تو موذی جانور کو ہلاک بھی کیا جا سکتا ہے جس طرح سے کہ چیونٹیاں بہت جمع ہو گئیں اور وہ کسی طرح سے بھی آپ کو چین نہیں لینے دیتیں، آپ کی کھانے کی چیزیں خراب کر دیتی ہیں، مکھیاں زیادہ ہو جائیں تو ان کو دوائی ڈال کر ختم کیا جا سکتا ہے، ان کی ایذاء کے دفع کرنے کیلئے ان کو مارا جا سکتا ہے حدیث شریف کی شروح میں بھی ہے کہ جہاں پر بھڑ بہت زیادہ جمع ہو جائیں وہ اگر کسی اور طریقے سے نہ جائیں تو ان کو دھواں دے کے یا آگ جلا کر ان کو بھگا دیا جائے ایذاء دینے والی چیز کیلئے اس قسم کا برتاؤ درست ہے۔

ہدہد کا ملکہ سبا کے متعلق حالات کی خبر دینا:۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ: غیر بعید سے بعید من الزمان یہاں مراد ہے مکث کی ضمیر ھد ھد کی طرف لوٹ گئی۔ ھد ھد ٹھہرا تھوڑا سا یعنی زیادہ دیر نہیں، پھر کہا کہ میں نے معلوم کیا ہے ایسی چیز کو میں نے احاطہ کیا ہے ایسی چیز کا جس کا تو نے احاطہ نہیں کیا یعنی میں ایک ایسی چیز معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں مطلب اس کا یہ تھا کہ آپ چونکہ جہاد پر جا رہے ہیں تو میں آپ کے لئے ہی حالات جاننے کیلئے گیا تھا۔ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں سبا اصل کے اعتبار سے ایک آدمی کا نام تھا بعد میں اس کی اولاد ایک شہر میں آباد ہوئی، تو اس شہر کو بھی سبا کہتے ہیں، یمن کے علاقے میں یہ ایک شہر تھا وہاں سے ھد ھد ان کے حالات دیکھ کے آیا۔ خبر لے کے آیا ہوں میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر وہ کیا یقینی خبر ہے إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ میں نے پایا ایک عورت کو جو کہ بادشاہی کرتی ہے ان پہ حکومت کرتی ہے وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ اور وہ دی گئی ہے ہر چیز یہ لفظ ویسے ہی ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ ہمیں ہر چیز دیدی گئی یعنی دنیا جہان کی راحت کی چیز جو اس وقت ہے وہ سب اس عورت کے پاس موجود ہے اور وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ اس کے پاس ایک بہت بڑا عرش ہے یعنی تخت اس کا بہت بڑا وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ میں نے پایا

اس عورت کو اور اس کی قوم کو کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کو چھوڑ کے۔سورج پرستی ان کا دین ہے وَزَیَّنَ لَہُمُ الشَّیْطٰنُ اور شیطان نے ان کیلئے مزین کر دیا ان کے اعمال کو پھر روک دیا شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے فَہُمْ لَا یَہْتَدُوْنَ پس وہ ہدایت نہیں پاتے اس سے معلوم ہو گیا کہ ھُدھُد حضرت سلیمان علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر توحید وغیرہ کو سمجھے ہوئے تھا اس لئے ان کی سورج پرستی کو بھی سمجھ گیا، کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کیلئے ان کی کارروائیوں کو مزین کر رکھا ہے، اور وہ سیدھے راستے پر نہیں چلتے، شیطان نے ان کو روک رکھا ہے اسی کی آگے یہ وضاحت ہے کہ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ ، اَلَّا یَسْجُدُوْا اَنْ اور لا علیحدہ علیحدہ ہیں اس کا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے دَأْبُہُمْ اَلَّا یَسْجُدُوْا ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے بیان القرآن میں یہی ترکیب ذکر کی گئی ہے۔اور اس اَن کو اگر تفصیل کیلئے بنالیا جائے تو فَصَدَّہُمْ عَنِ السَّبِیْلِ کی بھی تفسیر بن سکتی ہے شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے روک رکھا ہے کہ وہ سجدہ نہیں کرتے اللہ کو۔اور لَا یَہْتَدُوْنَ کے ساتھ بھی اس کا تعلق لگایا جا سکتا ہے فَہُمْ لَا یَہْتَدُوْنَ پھر اَلَّا یَسْجُدُوْا کے اندر لا کو زائدہ قرار دیا جائے گا فَہُمْ لَا یَہْتَدُوْنَ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ وہ راستہ نہیں پاتے اس بات کی طرف کہ اللہ کو سجدہ کریں جو کہ نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز کو اَلْخَبْءَ یہ مصدر ہے مَخْبُوْءٌ کے معنی میں۔جو چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے اس اللہ کو سجدہ کرنے کی طرف یہ لوگ راستہ نہیں پاتے ان کو یہ ہدایت نہیں یہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور جو چھپی ہوئی حقیقتوں کو نمایاں کرتا ہے اللہ اس کو سجدہ کرنے کی طرف یہ لوگ راہ نہیں پاتے یعنی مشرک ہیں اللہ کو نہیں پوجتے سورج کو پوجتے ہیں یہ تینوں طرح سے ترجمہ ہو گیا۔

جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو چھپی ہوئی ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں وَیَعْلَمُ اور وہ جانتا ہے ان چیزوں کو مَا تُخْفُوْنَ جن کو تم چھپاتے ہو وَمَا تُعْلِنُوْنَ اور جو تم ظاہر کرتے ہو اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وہ اللہ ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔

ھُدھُد نے اپنی غیر حاضری کی وجہ ذکر کی:۔

ھُدھُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنی غیر حاضری کی وجہ جو تھی وہ اچھی تفصیل کے ساتھ پیش کر دی حاصل اس کا یہی ہے کہ میں اگر چہ غیر حاضر تھا لیکن اپنے مقصد سے غافل نہیں تھا چونکہ سفر جہاد کا ہے تو میں کافر قوموں کے حالات معلوم کرنے کیلئے یہاں سے غیر حاضر ہوا تھا حتی کہ یمن میں ملکہ سبا کا حال دیکھ کے آیا ہوں جس

کے ساز و سامان کی تعریف کی تھی کہ دنیا کی ہر عیش و عشرت کا سامان اسے حاصل ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کا تخت ذکر کیا کہ اس کا تخت بہت بڑا ہے کہتے ہیں کہ وہ بہت قیمتی اور بہت عجیب و غریب تھا پھر آ گے ان کا مسلک ذکر کیا کفر اور شرک کا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں سورج کے پجاری ہیں شیطان ان کی راہ روکے ہوئے ہے اور ان کے اس مسلک کا تعارف اس لئے کرایا تا کہ سلیمان علیہ السلام کو ان کے خلاف جہاد کی ترغیب ہو اور آ گے پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی وہ لوگ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جس کی یہ شان ہے اور اصل عرش عظیم کا مالک وہی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے بھی اس نے رب العرش العظیم کا ذکر کیا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس قوم کے تفصیلی حالات معلوم نہیں تھے اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے آ گے یہ کہا سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ہم عنقریب دیکھیں گے کہ تو نے سچ بولا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ہم ابھی تحقیق کر لیتے ہیں یہ صریح دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا کے حالات اتنے معلوم نہیں تھے جتنے کہ ھُد ھُد نے آ کر بتائے تھے تو یہ دلیل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے نہیں ہیں ان کو علم غیب نہیں ہوتا اور وہ کل اشیاء کا علم نہیں رکھتے اب اسی دنیا میں اسی زندگی میں جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت ہے ان کے مقابلے میں دوسری حکومت ہے اس کے تفصیلی حالات حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہی نہیں ہیں۔

ملکہ سبا کے نام سلیمان علیہ السلام کا خط بذریعہ ھُد ھُد:۔

اب تحقیق کرنے کی صورت آ گئی ہے اس کو اختیار کیا اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۔ بِكِتٰبِ سے خط مراد ہے میرا یہ خط لے جا ذْهَبْ جا نا میرا یہ خط لے جا اور پھر تو اس خط کو ڈال دے ان کی طرف یعنی ملکہ سبا اور اس کے عوام، ارکان سلطنت ان کی طرف یہ خط ڈال دے پھر ان سے ایک طرف تو ہٹ جا پھر تو دیکھ کہ وہ کیا جواب لوٹاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت پرندوں سے نامہ بَری کا کام لیا جاتا تھا، کبوتروں سے تو نامہ بری کا کام بہت پُرانا ہے اور لوگ لیتے ہیں، ھُد ھُد کے ذریعے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط بھیجا جس کی صورت یہ ہوگی کہ اس کو چونچ میں پکڑ کر جہاں ان کا دربار لگا ہوا ہوگا وہاں جا کر اس کو ڈال دینا اور پھر جس طرح مجلس کے آداب ہوتے ہیں کہ کھڑے نہ رہنا، ایک طرف کو ہٹ جانا پھر دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ھُد ھُد جہاں سلیمان علیہ السلام کی بات کو سمجھتا تھا وہاں وہ ان لوگوں کی باتوں کو بھی سمجھتا تھا اس لئے تو کہا

کہ دیکھو کہ وہ کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں اور پھر واپس آ کے اس کی رپورٹ دینا تو ھُد ھُد حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق خط لے گیا اور جہاں ان کا دربار لگا ہوا تھا وہاں جا کر اس نے یہ خط ڈال دیا، ان لوگوں نے اس بات پہ تعجب نہیں کیا کہ یہ خط آ کیسے گیا......! جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ پرندوں کے ذریعے خطوط کا بھیجنا اس وقت مروج تھا اور اس کو کوئی تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا پُرانے زمانے میں اس قسم کا کام پرندوں سے لیا جاتا تھا، اس پر تو انہیں کوئی تعجب نہیں ہوا۔

ملکہ سبا کی درباریوں سے مشاورت اور مضمون خط:۔

البتہ جس وقت خط کھولا مضمون پڑھا تو مضمون سے وہ مرعوب ہو گئے جس کا ذکر ملکہ سبا آگے اپنے ارکان سے کرتی ہے قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا ملأ کا لفظ بہت دفعہ آپ کے سامنے گزرا ہے کہ ملأ اراکین سلطنت کو کہتے ہیں بڑے درباریوں کو کہتے ہیں جس طرح سے آج کل ارکان پارلیمنٹ ہوتے ہیں تو ملکہ نے کہا کہ اے سردارو......! اے درباریو......! اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ بے شک میری طرف ڈالا گیا ہے ایک باعزت خط یعنی مکرم اور محترم خط ہے جو میری طرف ڈالا گیا ہے اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بے شک یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور بے شک یہ خط اس مضمون پر مشتمل ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا ہے اور مقصد لکھنے کا یہ ہے کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی اختیار نہ کرو اور آ جاؤ میرے پاس فرمانبردار بن کے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا مضمون ہے۔

خط لکھنے کا اسلامی طریقہ:۔

خط لکھنے کا بھی اسلامی طریقہ ہے اور سرورِ کائنات ﷺ کے خطوط جو احادیث میں منقول ہیں ان میں یہ بات خاص طور پر ذکر کی گئی ہے کہ سب سے پہلے لکھنے والا اپنا نام لکھا کرے حضور ﷺ نے کفار کی طرف، بادشاہوں کی طرف جو خطوط بھیجے تو وہاں بھی یہی ہے کہ مِنْ محمدٍ رسولِ اللّٰهِ الٰی هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ ① اسی انداز کے ساتھ خط لکھا کرتے کہ پہلے اپنا ذکر کرتے اور بعد میں اس کا ذکر کرتے جس کی طرف خط لکھا کرتے عین سنت کے مطابق خط لکھنے کا طریقہ یہی ہے، انسان شروع میں اپنا نام ذکر کرے تا کہ خط دیکھتے ہی مرسل الیہ کو پتہ چل جائے کہ خط بھیجنے والا کون ہے......! تلاش نہ کرنا پڑے کہ خط کس کی طرف سے آیا ہے اور بسم اللہ کے بارے میں

① بخاری شریف ج ۲ ص ۶۵۴

حضور ﷺ کے خطوط میں تو یہی ہے کہ بسم اللہ پہلے لکھتے تھے اور بعد میں من محمد رسول الله الى فلاں بعد میں یہ عبارت لکھتے تھے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جو خط نقل کیا جا رہا ہے تو اس میں بلقیس کی نقل کے مطابق اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ پہلے ہے اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بعد میں ہے لیکن یہ نقل ہے اس ملکہ کی جس کا نام روایات کے اندر بلقیس آیا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لکھا یوں ہو کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ سُلَيْمٰنَ اِلٰى مَلِكَةِ سَبَاْ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بھی ایسے ہی ہوگا لیکن وہ اپنے اراکین کو بتانا چاہتی تھی تو اس لئے اس نے کاتب کا نام پہلے ذکر کیا کہ خط سلیمان کی طرف سے آیا ہے اور اس میں مضمون یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا نام تو بسم اللہ کے بعد ہی لکھا ہوگا۔ لیکن وہ بتاتے وقت ذکر اس کو پہلے کرتی ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ مِنْ سُلَيْمٰنَ پہلے ہو اوپر عنوان دیدیا کہ سلیمان کی طرف سے ملکہ سبا کی طرف بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں تو کاتب اپنا نام پہلے لکھے بسم اللہ بعد میں لکھے لیکن عین سنت کے مطابق صراحتاً بات یہی ہے کہ بسم اللہ پہلے ہو اور باقی جو بھی تحریر ہو وہ بعد میں آئے تو اس سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ یہ بسم اللہ کتنی پرانی ہے یا تو یہی الفاظ سلیمان علیہ السلام کے تھے کیونکہ ملکہ جو ہے وہ تو ہے عربی لہٰذا ان کی زبان عربی تھی اور سلیمان چونکہ شام و فلسطین کے رہنے والے تھے ان کی زبان عربی نہیں تھی تو اس کو خط اس زبان میں لکھوایا ہو جو وہ سمجھتی تھی پھر تو خط کے یہی الفاظ ہوں گے، یا یہ ان کے خط کا ترجمہ ہے دونوں باتیں ہوسکتی ہیں کیونکہ ایک دوسرے کی طرف خط جو لکھا جاتا ہے تو ایسی زبان میں ہی لکھا جاتا ہے جس کو دوسرا سمجھے چاہے لکھنے والے کی اپنی زبان وہ نہ ہو اور حضرت سلیمان عربی جانتے ہوں گے کیونکہ جب وہ پرندوں تک کی بولی جانتے تھے تو انسانوں کی زبان کیسے نہیں جانتے ہوں گے؟ تو اس لئے خط عربی میں لکھا کہ ملکہ اسی زبان کو جانتی ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ خط اس زبان میں لکھا جو ان کے علاقے کی اپنی مروج زبان تھی یعنی سریانی زبان جو کہ اصل میں تورات کی زبان ہے اور بعد میں ملکہ نے اس کا ترجمہ کروایا ہو تو ترجمان کے ذریعے سے عبارت یہ بن گئی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ دونوں احتمال ہیں۔

کافر کو خط لکھتے وقت بسم اللہ لکھی جاسکتی ہے؟:۔

اور اس خط سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی شخص کافر کی طرف خط لکھتا ہے تو اس میں بھی بسم اللہ لکھی

جا سکتی ہے اور بسم اللہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے تو خط کے اندر کوئی آیت لکھ دینا اور مکتوب الیہ کافر ہو تو کافر کے ہاتھ میں وہ کاغذ جائے گا جس میں قرآن کریم کی آیت لکھی ہوگی اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے حضور ﷺ نے بھی بعض کافر بادشاہوں کی طرف جو خطوط لکھے تھے① تو ان میں وہ آیت بھی تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ یہ آیت سورۃ آل عمران میں ہے یہ حضور ﷺ کے خطوط میں لکھی جاتی تھی جس وقت آپ عیسائی بادشاہوں کو خط لکھتے تھے، تو وہ بے وضو ہوں گے بغیر طہارت کے ہوں گے، کافر ہیں تو ان کے ہاتھ میں اس قسم کا خط دینا یا اس قسم کا کاغذ دینا جس میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی ہو اس کی گنجائش ہے۔۔۔! لیکن اب عام طور پر چونکہ خطوط وغیرہ کی بے ادبی ہوتی ہے لوگ پڑھتے ہیں پڑھ کر پھینک دیتے ہیں اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر جہاں اس کاغذ کے گر جانے یا پاؤں کے نیچے آ جانے یا اس کی بے ادبی کا اندیشہ ہو تو قرآن کریم کی آیات نہ لکھی جائیں تو بہتر ہے۔۔۔! بسم اللہ بھی زبانی پڑھ لی جائے کاغذ کے اوپر نہ لکھی جائے تا کہ کاغذ کے گرنے کی صورت میں بے ادبی نہ ہو۔۔۔! ویسے اگر آپ لکھیں لکھ کر بھیجیں تو یہ ذمہ داری دوسرے کی ہے کہ اس کو سنبھالے آپ کے لئے لکھنا جائز ہے یہ خط کا ایک نمونہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خط لکھتے تھے، کتنا مختصر اور کتنا جامع، حضور ﷺ کے خطوط جو حدیث شریف میں ہیں وہ بھی جامع ہیں اس میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں بس مقصد کی بات ہے جیسے بخاری شریف میں آتا ہے کہ ہرقل کو خط لکھا اتنا ہی مضمون ہے اس کا مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاِنْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم اليريسيين وَ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللّٰه فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون② مختصر سی بات ہے کہ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کر لے اگر اسلام قبول کرے گا تو بچ جائے گا سلامتی اسی میں ہے ورنہ تیری رعایا کی گمراہی کا گناہ بھی تیرے سر پر ہے اور آگے پھر وہ توحید کا ذکر کر دیا کہ آؤ توحید کے مسلک پر اتفاق کر لیں ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں اور اگر تم نہیں مانتے تو ہماری طرف سے بھی بات سن لو ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں سرکشی کرنے کی ضرورت نہیں سیدھے سیدھے فرمانبردار

---

① [illegible]
② صحیح البخاری ج ١ ص ٥ عن ابن عباسؓ

بن کے آجاؤ۔مختصر تفسیر

کافر کو خط لکھنے کا طریقہ:-

اور جب کافر کو سلام لکھا جاتا ہے تو ایسے اَلسَّلَامُ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی جو ہدایت کا متبع ہے اس پر سلام حضور ﷺ کافروں کو خط لکھتے تھے تو اسی طرح لکھا کرتے تھے۔

مشورہ کی اہمیت:-

یہ مضمون جس وقت پڑھ کے سنایا تو ملکہ اپنے اراکین سے مشورہ کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت کہ بادشاہ وقت اپنے اراکین سے مشورہ کر کے کوئی معاملہ طے کرے جس کو شوریٰ کہتے ہیں یہ طریقہ بھی پرانا ہے اور آپ کے سامنے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کا ذکر آیا تھا اس نے بھی اپنے ملاء سے مشورہ کیا اپنے اراکین سے کہ اب میں ان کو کیا کروں ...! کہ یہ شخص جو اس طرح سے باتیں کرتا ہے تو انہوں نے کہا تھا کہ اس کو ڈھیل دیجئے اس کو مہلت دیجئے جادوگر اکٹھے کر لے تو بادشاہ اپنے اردگرد اس قسم کے لوگوں کو جمع رکھتے ہیں جن سے مشکل معاملات میں مشورہ لیا جاتا ہے اور اسلام میں بھی یہی بات ہے کہ مشورہ لے کر ہی کام کیا جائے حضور ﷺ کو بھی قرآن کریم میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ① معاملات میں ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کریں...

① پارہ نمبر۴ سورۃ نمبر۳ آیت نمبر۱۵۹ ص ۶۵

قَالَتْ يَآ أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾

کہنے لگی کہ اے سردارو! بتاؤ مجھے میرے اس معاملے میں، نہیں ہوں میں قطعی طور پر طے کرنیوالی کسی امر کو جب تک کہ تم موجود نہ ہو ﴿٣٢﴾

قَالُوا نَحْنُ أُولُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾

اراکین سلطنت کہتے ہیں کہ ہم قوت والے ہیں اور سخت لڑائی والے ہیں اور معاملہ تیری طرف سپرد ہے تو غور کر تو کیا حکم دیتی ہے ﴿٣٣﴾

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ

کہنے لگی بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی علاقہ کو فتح کرتے ہیں تو ان شہروں کو اجاڑ دیتے اور جو وہاں کا معزز طبقہ ہوتا ہے ان کو وہ ذلیل کرتے ہیں اور ایسے ہی

يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ

یہ کریں گے ﴿٣٤﴾ اور میں بھیجنے والی ہوں انکی طرف ایک ہدیہ پھر میں دیکھنے والی ہوں کہ بھیجے ہوئے لوگ کس چیز کو لے کر

الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ

لوٹتے ہیں ﴿٣٥﴾ جس وقت اس کا بھیجا ہوا سلیمان کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم مجھے مدد دیتے ہو مال کے ساتھ؟ جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے

خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ

بہتر ہے اس چیز سے جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے، بلکہ تم ہی ان ہدیوں کیساتھ خوش ہوتے ہو ﴿٣٦﴾ لوٹ جا ان کیطرف

فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ

البتہ ہم ضرور لے کر آئیں گے ان کے پاس ایسے لشکر کہ وہ ان لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور البتہ ہم ضرور نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کرکے اس حال میں

صَاغِرُونَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يَآ أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي

وہ رسوا ہونگے ﴿٣٧﴾ سلیمان نے کہا اے درباریو! تم میں سے کون لے آئیگا میرے پاس اسکا تخت قبل اسکے کہ وہ آجائیں میرے پاس

مُسْلِمِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن

فرمانبردار ہوکر ﴿٣٨﴾ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا میں لے آؤں گا آپکے پاس اس تخت کو قبل اس کے آپ اس جگہ سے اٹھیں

مَّقَامِكَ ۚ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ

اور میں اس کے اوپر قوت رکھنے والا بھی ہوں اور امانت دار بھی ہوں ﴿۳۹﴾ کہا اس شخص نے جسکے پاس کتاب کا علم تھا، میں لے آؤں گا

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ

اس کو قبل اسکے کہ تیری نگاہ لوٹے تیری طرف، جب دیکھا اس کو سلیمان نے اپنے سامنے قرار پکڑے ہوئے

قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ

تو فوراً کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرے گا،

فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ نَكِّرُوا

تو وہ شکر کریگا اپنے نفع کیلئے اور جو کوئی ناشکری کریگا بیشک میرا رب تو بے نیاز ہے کرم والا ہے ﴿۴۰﴾ سلیمان نے کہا اس کو اجنبی بنادو،

لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾

تاکہ ہم دیکھیں یہ سیدھا راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو سیدھا راہ نہیں پاتے ﴿۴۱﴾

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ

جب وہ آگئی اس سے پوچھا گیا کیا تیرا عرش ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ یہی ہے اور ہم علم دیئے گئے اس واقعہ کے

مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ

پیش آنے سے پہلے ہی اور ہم فرمانبردار ہیں ﴿۴۲﴾ اور روکا اس عورت کو اس چیز نے جسکو وہ پوجتی تھی اللہ کے علاوہ

إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ

بیشک وہ کافر لوگوں میں سے تھی ﴿۴۳﴾ کہا گیا اس کو کہ تو داخل ہوجا محل میں، جس وقت اس نے اس محل کو دیکھا

لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ

تو اس نے اسکو گہرا پانی سمجھا تو اس نے اپنی پنڈلیاں کھولیں، سلیمان نے کہا یہ تو محل ہے جسکو جڑا گیا شیشوں سے، کہنے لگی

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

کہ اے میرے رب! بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں فرمانبردار ہو گئی سلیمان کے ساتھ اللہ کیلئے جو رب العالمین ہے ﴿۴۴﴾

تفسیر

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ کہنے لگی کہ اے سردارو......! اے درباریو! بتلاؤ مجھے۔ استفتاء کا معنی پوچھنا اور افتاء کا معنی بتانا اور فتویٰ اس حکم کو کہتے ہیں جو بتایا جاتا ہے اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ بتاؤ مجھے میرے اس معاملے میں نہیں ہوں میں قطعی طور پر طے کرنے والی کسی امر کو جب تک کہ تم موجود نہ ہوں یعنی میں ہمیشہ ہی تم سے مشورہ لیتی ہوں۔ میری عادت یہی ہے یہ ان کی عزت افزائی کی جارہی ہے حوصلہ افزائی کی جارہی ہے تاکہ یہ حوصلے کے ساتھ اس کو اپنا معاملہ سمجھ کے اپنی ذمہ داری سمجھ کے جواب دیں۔ نہیں ہوں میں قطع کرنے والی کسی امر کو لفظی معنی یہی ہیں حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ حتی کے بعد مضارع کا ترجمہ نفی کے ساتھ ہمیشہ کرتا ہوں۔ جب تک کہ تم موجود نہ ہو یا یوں ترجمہ کر لیں تمہارے میرے پاس حاضر ہونے تک میں کوئی معاملہ قطعی طور پر طے نہیں کرتی۔

اراکین سلطنت سبا کا مشورہ:۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ : یہ ان اراکین سلطنت کا مشورہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قوت والے ہیں اور سخت لڑائی والے ہیں اور معاملہ تیری طرف سپرد ہے تو غور کر تو کیا حکم دیتی ہے......!

حاصل اس مشورے کا کیا ہوا؟ ان لفظوں میں انہوں نے یہ ذکر کیا کہ حضور ہم تو آپ کے حکم کے بندے ہیں باقی جہاں تک سامان جنگ کا تعلق ہے وہ بھی ہمارے پاس بہت ہے اور ہم بہت لڑاکے بھی ہیں، بہادر بھی، بزدل تو ہم ہیں نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جناب کی مرضی اگر لڑنے کی ہو تو ہم تیار ہیں اور جنگ کی ہماری پوری تیاری ہے۔ ہمیں اس میں کوئی کسی قسم کا اشکال نہیں ہے باقی آپ کی مرضی جس طرح آپ چاہیں کریں۔ ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم لڑنے مرنے کیلئے تیار ہیں، انہوں نے جو یہ دھمکی دی ہے کہ سیدھے سیدھے آجاؤ...... ! سرکشی اختیار نہ

کہو میں! تو یہ ایک قسم کا چیلنج ہے یہ تو ایک اعلان جنگ ہے کہ میرے تابع ہو کے آجاؤ۔ اسر اٹھانے کی کوشش نہ کرنا فرمانبردار ہو کے آجاؤ۔ یہ تو ہمیں دبانے کی کوشش کی گئی ہے تو اس لئے اگر اس میں لڑنے کی ضرورت ہے تو ہم لڑائی کیلئے تیار ہیں۔

لڑنے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:-

قوت سے سامانِ جنگ کی طرف اشارہ ہو جائے گا اور بأس شدید سے اپنی بہادری کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ لڑنے کیلئے دونوں باتوں کی ضرورت ہوتی ہے سامان نہ ہو تو بھی انسان لڑ نہیں سکتا۔ سامان تو ہے لیکن فوج کے حوصلے پست ہیں وہ فوج بھی لڑا نہیں کرتی تو جس فوج میں دونوں صفتیں پائی جائیں کہ سامان جنگ بھی ہے اور لڑنے کا حوصلہ بھی ہے وہاں پھر لڑائی جو ہے وہ آسان ہو جاتی ہے انہوں نے دونوں باتیں کہیں کہ سامان بھی ہمارے پاس کافی ہے اور حوصلے بھی ہمارے بلند ہیں ہم تو لڑنے مرنے کیلئے تیار ہیں باقی تو جیسا چاہے ویسے کرے اپنی طرف سے انہوں نے جانثاری کا ثبوت دیدیا۔

ملکہ سبا کی فراست:-

لیکن وہ کہنے لگی کہ لڑنا یہ مناسب نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھدار عورت تھی آخر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی منصب دیتا ہے تو اس کے مطابق عقل و فہم بھی ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ افواہیں کچھ ادھر ادھر کی باتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت کے متعلق سنی بیٹھی ہو لیکن پورے حالات کی تحقیق اس کو بھی نہیں تھی۔ اس خط کو پڑھ کر اس کے اوپر رعب طاری ہوا وہ سمجھی کہ یہ کوئی عام بادشاہوں کی طرح نہیں ہے پہلے ہمیں جانچنا چاہیے کہ ان کا مزاج کیا ہے جب تک ہمیں ان کی قوت کا اندازہ نہیں اور ان کے مقصد کا علم نہیں اس وقت تک میدان میں نہ کودنا بہتر ہے، ہو سکتا ہے وہ ہم سے زیادہ قوت والا ہو۔ اور ہمارے اوپر غلبہ پالے اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب وہ کسی علاقے کو فتح کیا کرتے ہیں تو ان شہروں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ اور جو وہاں کا معزز طبقہ ہوتا ہے صاحب حکومت ہوتے ہیں ان کو وہ ذلیل کرتے ہیں، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خواہ مخواہ لڑائی میں چلے جائیں اور وہ ہم پر غلبہ پالیں اور وہ ہم سب کو ذلیل کرے۔

اس لئے ان کی قوت و طاقت اور مقصد کو جانے بغیر جنگ میں نہیں اترنا چاہیے۔ ہاں البتہ میں کچھ ہدیے

بھیجتی ہوں اور کچھ آدمی بھیجتی ہوں تو میں دیکھوں گی کہ وہ کیا جواب لاتے ہیں......! اور وہاں کے حالات بھی معلوم ہو جائیں گے اگر تو وہ ہمارے ہدیے لے کر خوش ہو گئے تو معلوم ہوگا کہ دنیادار بادشاہ ہے تو اس کو مال و دولت دے کر ہم خوش کر دیں گے۔ آپس میں مصالحت کر لیں گے لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور جو جائیں گے وہ جا کر حالات بھی دیکھ لیں گے۔ اور آ کر بتا دیں گے کہ اس میں قوت و طاقت کتنی ہے......! اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ اس شخص کا رجحان کیا ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تحائف ٹھکرا دیئے:۔

چنانچہ اس نے ایک وفد بھیجا اس میں بہت سے قیمتی تحفے اور ہدیے بھیجے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہلے اطلاع ہو گئی، انہوں نے بھی آگے اسی قسم کی شان و شوکت کا اظہار کیا۔ تو جب یہ وفد حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے گیا اور ہدیے پیش کئے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ ہدیے ٹھکرا دیئے، فرمانے لگے مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بہتر ہے، مطلب یہ ہے کہ میں تو اللہ کا حکم پھیلانا چاہتا ہوں۔ کفر کو مٹانا اور جھکانا چاہتا ہوں۔ یہ مال لے کر میں خوش نہیں ہوتا اس قسم کی چیزوں پر تمہیں ہی فخر ہوگا۔ جاؤ لے جاؤ اپنے ہدیے اور انہیں کہو کہ یا تو انسان بن کے سیدھے متبع ہو کر آ جائیں ورنہ پھر میں ایسا لشکر بھیجوں گا جس سے مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں وہ تو بیٹھے اپنی جگہ بڑھیں مارتے ہیں کہ ہم اُولُوْا قُوَّۃٍ ہیں وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ہیں جس وقت میرا لشکر آئے گا سب کے سب نکل جائیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو دھمکا کے ان کے ہدیے واپس کر دیئے۔

ملکہ سبا کی نیاز مندی:۔

جس سے ملکہ سمجھ گئی کہ یہ عام بادشاہوں کی طرح نہیں ہے، اس لئے اس کے ساتھ مقابلہ کرنا مناسب نہیں تو اس نے اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے نیاز مندی کا اظہار کرنے کیلئے پروگرام بنایا۔ کہ میں خود اس کے دربار میں جاؤں اور جا کر اطاعت قبول کر لوں تو وہاں سے وہ اپنے ارا کین کو ساتھ لے کر چلی، مقصد تھا کہ لڑے بغیر ہی ہم جا کر جس طرح سے ایک حکومت دوسرے کی تابع ہو جاتی ہے۔ حکومت تو ان کی اپنی رہتی ہے لیکن جا کر اطاعت قبول کر لے۔ کہ ہم تمہارے مقابل نہیں ہیں، ہم تمہارے تابع ہیں جو بھی اس حکومت کے قانون کے مطابق جزیہ وغیرہ ہوگا متعین کر لیا جائے گا اس طرح سے اطاعت کا اظہار کرنے کیلئے اس نے رخت سفر باندھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ:۔

جب اس نے سفر شروع کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں اور جنات کے ذریعے پہلے اطلاع ہوگئی کہ وہ آرہے ہیں اوران کی جو اکڑ پھکو تھی وہ ساری کی ساری نکل گئی اور وہ فرمانبرداری کا اظہار کرنے کیلئے آرہے ہیں، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کہا ادھر آ کے وہ دنیاوی شان وشوکت دیکھیں گے......! ہم ان کے سامنے کوئی معجزہ ظاہر کریں جس سے ان کو ہدایت حقیقی نصیب ہو جائے۔ معجزہ دیکھ کے وہ اور متاثر ہوں گے تو اپنے پاس بیٹھنے والوں کو کہا کہ اس کا جو بہت بڑا عرش ہے جس کو اس نے بہت محفوظ رکھا ہوا ہے بڑے پہروں میں ہے کوئی شخص ہے جو اس کو وہاں سے اٹھا کے لے آئے، چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جنات اور ہر قسم کی مخلوق تھی، ایک جن عفریت، جنوں میں سے بہت طاقتور جن جو بہت سرکش قسم کے ہوتے ہیں، وہ کہنے لگا جی میں اس کو اٹھا کے لاتا ہوں، آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے پہلے میں عرش کو لے آؤں گا، تخت کو اٹھا لاؤں گا۔ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ اس کا معنی آپ کے اٹھنے سے پہلے جب آپ کی مجلس برخاست ہوگی، جیسا کہ عام رواج ہے کہ ہم گیارہ بجے اٹھتے ہیں بارہ بجے اٹھتے ہیں، جو وقت متعین ہے اٹھنے کا۔ اس وقت سے پہلے پہلے میں تخت کو لے آؤں گا اور مجھے قوت بھی حاصل ہے اور میں امانت دار بھی ہوں اس تخت کا کوئی نقصان نہیں کروں گا، یہ اس عفریت مّن الجن نے پیش کش کی لیکن ایک اور شخص جس کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اس کو اللہ کی کتاب کا علم حاصل تھا اس سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام یا حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی صحابی ہے جیسا کہ بعض روایات میں لکھا گیا ہے کہ آصف بن برخیا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحابی ہے اس نے یہ پیش کش کی کہ مجلس کے اٹھنے میں تو بہت وقت باقی ہے مجھے اجازت دو تو میں آنکھ جھپکنے سے پہلے اس تخت کو لاتا ہوں تو اگر اس سے سلیمان علیہ السلام مراد ہیں پھر تو یہ معجزہ ہوگا حضرت سلیمان علیہ السلام کا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معجزہ ظاہر ہوگا۔ جس سے جنوں کو بھی شکست ہو جائے گی کہ وہ زیادہ سے زیادہ لا سکتے ہیں تو منٹوں میں لا سکتے ہیں۔ اور معجزے کے ساتھ وہ ایک آن میں آجائے گا اور اگر یہ آصف بن برخیا ہیں تو پھر یہ کرامت ہے، اور کرامت جو ہوتی ہے یہ بھی نبی کا معجزہ ہی ہوتا ہے، ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہے کیونکہ ولی کو یہ عزت شان اور کرامت ملی اس نبی کی اطاعت کرنے کی بناء پر تو اصل کے اعتبار سے یہ کمال بھی اسی نبی کی طرف منسوب ہوتا ہے، جس کی اطاعت کرنے سے اس ولی کو یہ نعمت حاصل ہوئی، تو جو لانا تھا

بطور کرامت کے تھا۔

تعویذ، جادو کی تاریخ اور اس کی حیثیت:۔

اور ایسا بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ آپ کے سامنے سورۃ بقرہ کے اندر آیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادو کی کثرت تھی لوگ جادو جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے اتارے تھے بابل میں ہاروت اور ماروت جو لوگوں کو سکھاتے تھے، کیا سکھاتے تھے وہاں تفصیل آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ بعض مفسرین نے کہا کہ لوگوں کو جادو کے اصول بتاتے تھے کہ دیکھو.....! یہ جادو کیا کرو اور یہ جادو نہ کیا کرو اس لئے لوگوں کو پہلے ہی کہہ دیتے تھے کہ دیکھو کہیں اس کفر میں مبتلا نہ ہو جانا۔ اور حضرت شیخ انور کشمیری رحمہ اللہ کے حوالے سے غالباً وہاں بات ذکر کی تھی کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہاروت ماروت اللہ نے جو دو فرشتے اتارے تھے یہ جادو سکھانے کیلئے نہیں ① بلکہ جادو کے اندر تو کفریہ کلمات استعمال ہوتے تھے، شرکیہ کلمات استعمال ہوتے تھے ارواح خبیثہ کے ساتھ تعلق پیدا کر کے جادوگر کرشمے دکھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے اتارے ہاروت اور ماروت یہ اُن کو صحیح تعویذ گنڈا سکھاتے تھے کہ اللہ کے نام کو یوں پڑھا جائے تو یہ اثرات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کلام کے فلاں ٹکڑے کو پڑھا جائے تو یہ اثرات ظاہر ہوتے۔ جس طرح سے انبیاء علیہم السلام بھی دم کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے ان کے ہاں بھی یہ سلسلہ تھا کہ یہ پڑھ کے دم کر دیا جائز الفاظ کے ساتھ تو جادو کے مقابلے میں جائز الفاظ کے ساتھ تعویذ گنڈا سکھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیجے تھے کہ وہ استعمال نہ کرو اگر تم نے کرنا ہی ہے تو یہ استعمال کرو.....! لیکن اس میں بھی یہ تاکید کر دی کہ ان الفاظ کو یا ان آیات کو، اللہ کے کلام کو غلط مقاصد کے تحت استعمال نہ کرنا ورنہ تم برباد ہو جاؤ گے.....! کیونکہ یہی آیات جس طرح سے ہمارے تعویذ گنڈا کرنے والے استعمال کرتے ہیں صحیح مقصد کیلئے بھی استعمال کی جا سکتی ہیں، مثال کے طور پر آیات حُب ہیں اگر خاوند بیوی کے درمیان محبت کرنے کیلئے کی جائیں تو جائز مقصد ہے اور یوں بھی ان کا اثر ظاہر ہوتا ہے اولاد نافرمان ہے، اور والدین کی فرمانبردار نہیں ہے تو اولاد کو والدین کے تابع کر دیا جائے ان آیات کے ذریعے سے تو یہ بھی صحیح مقصد ہے۔

اور اگر یہی آیات حُب عشق بازی کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیں ناجائز تعلقات حاصل کرنے کیلئے تو یہی کفر کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اس لئے انہیں کہا تھا کہ ہم تمہیں سکھاتے تو ہیں اللہ کے نام کی تاثیرات کہ یہ نام یوں

---

① فیض الباری ج ۴ ص ۹۵، باب الجمعہ کے تحت

پڑھو تو یہ اثر ظاہر ہو گا، یہ نام یہاں پڑھو تو یہ اثر ظاہر ہو گا، لیکن یاد رکھو...! اگر ہم سے سیکھ کے کافر نہ ہو جانا کہ تم وہی جادو والے فوائد اس سے حاصل کرنا شروع کر دو...! تو ہو سکتا ہے کہ آصف بن برخیا اسی قسم کی عملیات کا علم جانتا ہو، اسم اعظم جانتا ہو کہ اللہ کا نام فلاں طریقے سے لیا جائے تو اس کے یہ آثار ظاہر ہوتے ہیں فلاں آیت کو پڑھا جائے تو اس کے یہ آثار ظاہر ہوتے ہیں، تو اس قسم کا کوئی وظیفہ پڑھ کے جیسا کہ کسی انسان کو اٹھوالیا جائے اور وہ غیبی طاقت کے ساتھ اس نام کی برکت سے اٹھ کر آجائے اسی طرح سے یہ عمل کوئی ایسا تھا کہ جس کے پڑھنے کے ساتھ تخت جو تھا وہ سامنے آ گیا، تو علمٌ من الکتٰب سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے، یہ عملیات جادو کے مقابلے میں جائز طریقے سے سکھائے گئے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی امت کو فرشتوں کی وساطت سے، تاکہ یہ اس قسم کے فوائد جائز طریقے سے حاصل کریں، لیکن ناجائز مقصد کیلئے ان کو استعمال نہ کریں اس مسئلے کی تفصیل آپ کے سامنے ان آیات میں ذکر کی گئی تھی، جن میں جادو کا ذکر آیا تھا سورۃ بقرہ کے اندر مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

آلِ داؤد کی خاصیت:۔

بہر حال وہ تخت جو تھا وہ فوراً ایک آن میں پہنچ گیا چاہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزے سے چاہے آپ کے کسی صحابی کی کرامت سے یا اس تصرف سے جو عملیات کے ذریعے سے ہوتا ہے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب وہ تخت اپنے سامنے پڑا ہوا دیکھا تو پھر وہی اللہ کا شکر کیا جیسا کہ ان کی عادت بار بار آپ کے سامنے ذکر کی جا رہی ہے، جب بھی کوئی نعمت آتی ہے تو اللہ کے شکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، فخر نہیں کرتے تھے۔ یہ آلِ داؤد کی خاصیت تھی کہ ہر معاملے میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ملکہ سبا کی عقل کا امتحان:۔

اب ادھر وہ بھی پہنچنے والے ہو گئے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ وہ یہ معجزہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا تخت اتنی حفاظتوں کے باوجود یہاں پہنچ گیا۔ اور اس کی عقل کا امتحان لینے کیلئے فرمایا کہ کچھ تغیر کر دو...! تغیر کا مطلب یہ ہے کہ یہ موتی یہاں سے اُکھیڑو یہاں لگا دو فلاں جگہ کو یوں کر دو...! تھوڑا بہت تغیر کر دو تاکہ ہم دیکھیں...! کہ وہ سمجھدار ہے یا نہیں، وہ یہ بات سمجھتی ہے کہ نہیں...! کہ یہ تخت میرا ہے، جس سے اس کی عقل کا

اندازہ ہوجائے گا تا کہ پھر معاملہ اس کی عقل کے مطابق کیا جائے اس مقصد کیلئے فرمایا لَهَاعَرْشَهَا اس کو کچھ بدل دو چنانچہ اس میں بھی تبدیلی کر دی گئی اتنے میں ملکہ سبا اپنے اراکین کے ساتھ پہنچ گئی جب وہ پہنچی تو اس نے باقی شان و شوکت بھی دیکھی اور اپنا وہ تخت پڑا ہوا بھی دیکھا تو اس سے پوچھا گیا کہ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ تو وہ سمجھدار تھی اس نے جواب دیا كَاَنَّهٗ هُوَ یعنی بعینہٖ تو یہ وہ معلوم نہیں ہوتا گویا کہ وہی ہے یعنی کچھ تو ضرور معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب بالکل موقع کے مطابق تھا، جس سے معلوم ہوگیا کہ وہ سمجھدار تھی، اور کہنے لگی کہ اب اس قسم کے تصرفات ہمارے سامنے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے......! ہم تو آپ کے پاس آنے سے پہلے ہی سب کچھ سمجھ چکے تھے۔ ہمیں اللہ نے ہدایت دیدی ہے تو آگے پھر انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اسلام کا اظہار کیا پھر مسلمان ہوگئیں اور فرمانبردار ہوگئیں۔

ملکہ سبا کی ذہنی شکست:۔

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو اور شان و شوکت دکھلانے کیلئے لائے تا کہ ان کو اپنے مال و دولت پر ناز نہ ہو۔ ایک کام کیا کہ ان کے آنے سے پہلے ایک محل بنوایا شیش محل اور اس کا فرش جو تھا وہ شیشے کا لگوایا، اور اس فرش کے نیچے پانی بھروایا جس طرح روایات میں آتا ہے کہ اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں اور شیشہ اتنا شفاف تھا کہ جس وقت انسان اندر آئے تو اس کو پانی نظر آتا تھا شیشے کا پتہ نہیں چلتا تھا تو جب وہ آئے تو جیسے مہمان خانے میں معزز مہمانوں کو اتارا جاتا ہے، تو انہیں کہا گیا کہ اس محل میں چلو......! جب وہ ملکہ ادھر جانے لگی تو وہ سمجھی کہ شاید راستے میں پانی ہے تو اس نے اپنے کپڑے اوپر کو سمیٹے، جیسے پانی میں داخل ہونے کیلئے کوئی سمیٹا کرتا ہے تو فوراً اس کو اطلاع دی گئی کہ نہیں یہ پانی نہیں یہ تو شیشہ ہے، جس کو آپ نے پانی سمجھ لیا اب اس قسم کے معاملات کے بعد آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کتنی ذہنی شکست کھا گئی سلیمان علیہ السلام کے سامنے کہ میں کس چیز پہ ناز کرتی ہوں، ان کے ہاں تو اس قسم کا ساز و سامان ہے جس کا نام جاننے سے بھی میں قاصر ہوں۔ بہر حال وہ یوں تابع ہوگئی اور آگے اس نے فرمانبرداری کا اظہار کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کا مقصود:۔

پھر آگے روایات میں آتا ہے کہ اس ملکہ کو واپس کر دیا گیا۔ اور یہ اسی طرح سے جا کے اپنے قوم کے لوگوں

کی بادشاہ بنی لیکن مطیع حضرت سلیمان علیہ السلام کی رہی۔ اور یہ بھی اسرائیلی روایات کے اندر ذکر کیا گیا جن کی سند بھی ایسی قوی نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے ساتھ نکاح کرلیا تھا اس کے مسلمان ہونے کے بعد بہر حال یہ اسرائیلی روایات ہیں، صحیح روایات کے اندر اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ واقعہ یہاں پر ختم ہوا اور اس میں ذکر یہی کرنا مقصود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے کیسی شان وشوکت دی تھی لیکن اس کے باوجود وہ شکر گزار تھے، وہ فرعون کی طرح نہیں تھے کہ وہ صرف مصر کی عارضی سی حکومت لے کر نافرمان اور سرکش ہوگیا تھا جس کا ذکر آپ کے سامنے پچھلے رکوع میں آیا ہے۔

عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت:۔

باقی رہی عورت کی بادشاہت پہلے وہ بادشاہ تھی تو یہ مشرکوں کا فعل ہے۔ اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو برقرار رکھا ہے، تو یہ شریعت اسرائیلی ہے، ہماری شریعت کا مسئلہ یہی ہے کہ اس قسم کے عہدے کے اوپر عورت کو متعین نہیں کیا جاسکتا، عورت کو بادشاہ بنانا یا اسی طرح سے صدر مملکت بنانا ٹھیک نہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب یہ خسرو پرویز ایران کا بادشاہ مرا ہے، تو ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا تھا جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمرَھُمْ امراءۃً ① وہ قوم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتی جو اپنا معاملہ عورت کے سپرد کردے، اس لئے ہماری شریعت میں خلافت کبریٰ پر عورت کو متعین نہیں کیا جاسکتا، چھوٹے چھوٹے عہدوں پر عورت آسکتی ہے، امامت کبریٰ کہ قوم ساری اس کے تابع ہوجائے اس کو حاکم اعلیٰ بنالیا جائے، ایسا عہدہ عورت کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرات نے جس وقت یہ فاطمہ جناح اٹھی تھی ایوب کے مقابلہ میں، تو ہمارے حضرات نے فاطمہ جناح کی تائید نہیں کی تھی، اس وقت یہی نقطہ زیر بحث تھا کہ حکومت کی سربراہی کیلئے عورت کو متعین کرنا یہ شرعی نقطہ نظر سے ٹھیک نہیں ہے یہ ہے واقعہ۔

مفتوحہ علاقوں کے لئے فتح یاب بادشاہوں کے دستور:۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً: وہ کہنے لگی کہ بادشاہ جس وقت داخل ہوا کرتے ہیں کسی بستی میں یعنی غالبانہ فاتحانہ جنگ کے نتیجے میں۔ یہ تو آج بھی دستور ہے جب ایک قوم لڑ کر دوسری کے اوپر فتح پاتی ہے تو پھر ان

① صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۳۷ / ترمذی ج ۴ ص ۹۷ مطبوعہ بیروت / السنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۴۰۲ / المستدرک علی الصحیحین للحاکم ج ۳ ص ۱۲۸

کے علاقوں کو برباد کرتی ہے جب بادشاہ داخل ہوتے ہیں کسی شہر میں اَفْسَدُوْهَا تو اس بستی کو فاسد کر دیتے ہیں وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً اور کر دیتے ہیں اس بستی کے رہنے والوں میں سے عزت والوں کو ذلیل یہ تو قاعدہ ہوتا ہے کہ جو برسر حکومت ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ سختی انہیں پہ ہوا کرتی ہے اس بستی کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا جاتا ہے وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ اور ایسے ہی یہ کریں گے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت انگیز واقعہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک شخص شاہ صاحب کے پاس آیا ہے کہنے لگا شاہ صاحب میں نے خواب دیکھا ہے، حضرت شاہ صاحب بہت بڑے معبّر تھے تعبیر الرؤیا میں بہت ان کو ملکہ تھا کہتا ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے ہیں، تو شاہ صاحب نے خواب سنتے ہی کہا کہ جلدی جلدی جاؤ۔۔۔! اپنے اس مکان کو خالی کر دو۔۔۔! اپنا سارا سامان نکال لو، وہ گیا بھاگا ہوا گھر سے سارا سامان نکالا، نکالتے ہی مکان گر گیا، تو شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ یہ بات کیسے سمجھ گئے؟ وہ کہنے لگے جب اس نے میرے سامنے خواب بیان کیا تھا تو فوراً میرے دل پہ یہ آیت وارد ہوئی اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا یہ آیت دل میں آئی تو معلوم ہوا کہ یہ اس مکان کے فاسد ہونے کی طرف اشارہ ہے۔① تو خواب کی تعبیر یہیں سے اخذ کی کہ حضور ﷺ کو جو بادشاہوں کی طرح آتے ہوئے اس نے دیکھا تو میرے دل میں فوراً یہ بات آئی اور وہی بات نکلی جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اس بستی والوں میں سے عزیز لوگوں کو وہ ذلیل کر دیتے ہیں یعنی جو بڑے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں تو آنے والی حکومت پھر ان کو ہی سب سے زیادہ دباتی ہے تاکہ یہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔

مال و دولت پر اترانے والے اللہ کو پسند نہیں:

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک ہدیہ فَنٰظِرَةٌ پھر میں دیکھنے والی ہوں بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ کہ بھیجے ہوئے لوگ کس چیز کو لے کر لوٹتے ہیں یعنی یہ لوگ وہاں سے کیا حالات لاتے ہیں کیا جواب لاتے ہیں جس سے اس بادشاہ کے مزاج کا پتہ بھی چل جائے گا کہ سلیمان علیہ السلام کس مزاج کے ہیں۔۔۔! دنیادار ہیں کیا ہیں؟ اور وہاں کی شان و شوکت اور ان کے حالات کا بھی پتہ چل جائے گا فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ جس وقت

① دیکھئے ارواح ثلاثہ ص ۳۳ حکایت نمبر ۳۳

اس کا بھیجا ہوا سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا قال تو آپ نے فرمایا کیا تم مجھے مدد دیتے ہو مال کے ساتھ، جو کچھ مجھے اللہ نے دے رکھا ہے بہتر ہے اس چیز سے جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے مِمَّآ اٰتٰىكُمْ جو تمہارے پاس ہے اس کے مقابلے میں جو اللہ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں، بہتر ہے اس چیز سے جو اللہ نے تمہیں دیا، ہم تمہارے ان ہدیوں کے ساتھ خوش نہیں ہوتے بلکہ تم ہی ان ہدیوں کے ساتھ خوش ہوتے ہو، یہاں فرح سے فرح بطر مراد ہے، ایک فرح ہوتی ہے شکر کے طور پر خوش ہونا اللہ کا فضل سمجھ کے اور ایک فرح ہوتی ہے اترانا اور اکڑنا جیسے کہ سورۃ قصص میں قارون کے قصے میں آئے گا لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ① اس مال و دولت کے اوپر اکڑو نہ، اترا نہ اس اترانے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے، تو یہ اپنے ہدیے پر تم ہی فخر کرتے ہو تم ہی اتراتے ہو، تم اس کو بہت اچھا سمجھتے ہو، بڑا قیمتی سمجھتے ہو، ہمیں تو اس کی کوئی ضرورت نہیں یوں کر کے اس کو ٹھکرا دیا۔

اذلۃ اور صاغرون کی وضاحت:

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ یہ جو ان کے وفد کا لیڈر تھا اس کو خطاب ہے، لوٹ جا ان کی طرف فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ البتہ ہم ضرور لے کر آئیں گے ان کے پاس ایسے لشکر کہ وہ ان لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، سامنا نہیں کر سکیں گے وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً اور البتہ ہم ضرور نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اَذِلَّةً ذلیل کی جمع ہے۔ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ اس حال میں کہ وہ صاغر ہوں گے صاغر بھی ذلیل کو کہتے ہیں، یہاں یہ دو لفظ آ گئے جیسے ہم بھی دو لفظ بول دیا کرتے ہیں کہ ہم ذلیل و رسوا کر کے نکال دیں گے، تو یہاں بھی اسی طرح ہے، صغار ذلت کو کہتے ہیں فرق یہاں یوں ہو جائے گا، کہ ایک تو ان کی حکومت ختم ہو جائے گی ہمارے تابع ہو جائیں گے یہ تو ان کا ذلیل ہونا ہے اور آگے رسوا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اپنے دلوں میں بھی کوئی حوصلہ نہیں رہے گا اپنی نظروں میں بھی وہ ذلیل ہو جائیں گے۔

شکست دو طرح کی ہوتی ہے:

دیکھو! یہاں بھی دو درجے ہوا کرتے ہیں ایک شخص دوسرے کو دبا لیتا ہے لیکن دبنے والا کا حوصلہ ختم نہیں ہوا، اس میں یہ توقع ہوتی ہے کہ پھر سر اٹھائے گا دوبارہ مقابلہ کرے گا، ایک ہے کہ ایسے طور پر شکست دی کہ دوسرے کا حوصلہ ہی ختم ہو گیا، اب اس میں سکت ہی نہیں کہ وہ اٹھ کر آنکھ لڑا سکے۔ تو یہ دو لفظ بولنے کا مطلب یہ ہے

① پارہ نمبر ۲۰ سورۃ قصص: آیت نمبر ۷۶

کہ اس کے مقابلے میں آ کے وہ اتنے وس جائیں گے، کہ وہ ہم سے دوبارہ آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکیں، ہم ان کو وہاں سے نکال دیں گے، اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں گے اور انتہاء درجے کے رسوا ہوں گے۔ ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا اپنی نظروں میں بھی وہ رسوا ہو جائیں گے، ان میں کوئی قسم کا حوصلہ باقی نہ رہے گا۔ یہ دو درجے نکل آئے ترجمہ آپ یوں کریں نکال دیں گے ہم انہیں اس شہر سے اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں گے اور رسوا ہوں گے خوار ہوں گے۔

عظیم فضلِ خداوندی:۔

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ: درمیان میں اس واقعہ کو حذف کر دیا گیا پھر وہ وفد واپس گیا، اس نے جا کے حالات سنائے حالات سننے کے بعد پھر ملکہ نے ارادہ کر لیا کہ میں جا کے اطاعت کا اظہار کر آؤں۔ اس کی ماتحت ہو جاؤں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا، کہ اے درباریو......! تم میں سے کون لے آ گا میرے پاس اس کا عرش قبل اس کے کہ وہ آ جائیں میرے پاس فرمانبردار ہو کے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فرمانبردار تو وہ ہو کے آ ہی رہے ہیں۔ تو ان کے آنے سے پہلے پہلے اس کا عرش کون لے آئے گا۔ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ میں لے آؤں گا آپ کے پاس اس عرش کو قبل اس کے آپ اپنی اس جگہ سے اٹھیں۔ یعنی دربار کے برخاست ہونے سے پہلے پہلے میں تخت کو لے آؤں گا وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ اور میں اس تخت کے اوپر قوت رکھنے والا بھی ہوں چاہے وہ بہت بڑا ہے لیکن میں قوت رکھتا ہوں میں اس کو اٹھا لاؤں گا اور امانت دار ہوں اس میں کوئی خیانت نہیں کروں گا۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا جس کی تفصیل میں نے کر دی کہ خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں یا ان کا کوئی صحابی مراد ہے یا عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب سے تورات مراد ہے۔ اس وقت انبیاء کرام علیہم السلام میں تورات ہی معمول تھی علم سے مراد ہے علم عملیات۔ یا تصرفات کا علم یا فلاں لفظ میں یہ تاثیر ہے، فلاں میں یہ تاثیر ہے، یوں پڑھا جائے تو یہ ہوتا ہے، تو یہ بھی اس سے مراد ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمان تھا کتاب کا علم اس کو حاصل تھا۔ کہنے لگا کہ میں لاتا ہوں اس تخت کو تیرے پاس اگر یہ سلیمان مراد ہوں تو اٰتِیْكَ بِهٖ میں خطاب اسی جن کو ہو جائے گا کہ تو اتنی دیر کہتا ہے میں تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے لا دیتا ہوں، یا وہ درباری ہے تو اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ میں پھر یہ خطاب سلیمان علیہ السلام کو ہے

میں لے آؤں گا اس کو قبل اس کے کہ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ تیری نگاہ لوٹے تیری طرف۔ ارتداد طرف سے آنکھ جھپکنا مراد ہوتا ہے ہماری بینائی پھیلی ہوئی ہے جب ہم آنکھ جھپکتے ہیں تو گویا کہ وہ ہماری نظر ہماری طرف لوٹ آتی ہے یہ حاصل ترجمہ ہے کہ آنکھ جھپکنے سے قبل میں اس کو تیرے پاس لے آؤں گا۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا چنانچہ وہ عرش پہنچ گیا۔ جب دیکھا اس کو سلیمان علیہ السلام نے اپنے سامنے قرار پکڑے ہوئے قَالَ تو فوراً کہا کہ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ یہ میرے رب کے فضل سے ہے جیسے ذوالقرنین نے جب دیوار کو مکمل دیکھا تھا، جو کہ بڑی عظیم الشان دیوار بن گئی تھی، تو کہا تھا هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ① یہ میرے رب کی رحمت سے ہے، تو یہ شکر گزار لوگوں کا کام ہوتا ہے، کہ جب ان کا کام ہو جائے تو وہ اس کے بعد شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ اللہ کی رحمت سے ہو گیا اللہ کے فضل سے ہو گیا۔

شکر اور ناشکری کا انجام:۔

یہ بھی میرے رب کا فضل ہے، تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو کوئی شکر کرے فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ تو وہ شکر کرے گا اپنے نفع کیلئے۔ وَمَنْ كَفَرَ اور جو کوئی ناشکری کرے گا فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ میرا رب تو بے نیاز ہے كَرِیْمٌ کرم والا ہے بے نیاز ہے کرم ہے، اس کو کیا ضرورت ہے کسی کی؟ اس لئے ناشکری کرنے والے کا نقصان ہوگا قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اس کو اجنبی بنادو......! اُوپرا بنادو......! ملکہ کے عرش کو اس کیلئے، تا کہ ہم دیکھیں......! یہ سیدھا راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو سیدھا راہ نہیں پاتے۔ یعنی وہ اس کے پہچاننے کا سیدھا راہ پائے گی یا نہیں پائے گی اس سے اس کی عقل کا اندازہ ہو جائے گا فَلَمَّا جَآءَتْ جب وہ آ گئی قِیْلَ اس سے پوچھا گیا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ کیا تیرا عرش ایسا ہی ہے؟ قَالَتْ تو اس نے کہا كَاَنَّهٗ هُوَ میں ظاہر کر دیا، کہ ہے وہی لیکن اس حالت پر نہیں وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ اور ہم علم دیئے گئے یعنی آپ کی شان و شوکت کا اور اس بات کا علم دے دیئے گئے۔ کہ آپ اللہ کے مقبول بندے ہیں آپ ان دنیادار بادشاہوں میں سے نہیں ہیں۔ ہم علم دے دیئے گئے اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے ہی اور ہم فرمانبردار ہیں۔

ملکہ سبا کو پہلے کس چیز نے شرک پر روکے رکھا؟:۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ: اور روکا اس عورت کو اس چیز نے جس کو وہ پوجتی تھی اللہ کے علاوہ بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔ کیا مطلب......! کہ سمجھدار ہونے کے باوجود اس وقت

① پارہ نمبر۱۶: سورۃ کہف: آیت نمبر۹۸

تک جو وہ ہدایت سے رکی رہی تو اصل بات یہ تھی کہ اس کو شرک کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ خاندانی طور پر وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔ اور جس ماحول میں لوگ آنکھیں کھولا کرتے ہیں تو کم ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ماحول کے خلاف سوچتے ہیں جیسا ماحول ہوتا ہے، اس کے مطابق ہی وہ ہو جایا کرتے ہیں، جن چیزوں کو وہ اللہ کے علاوہ پوجتی تھی اس نے اس عورت کو روکے رکھا۔ اس وقت تک اللہ کی عبادت کرنے سے۔ اور وہ کافر لوگوں میں سے تھی یعنی ماحول کا اثر تھا ورنہ وہ سمجھدار تھی جب اس کے سامنے حقیقت آئی تو وہ سمجھ گئی یہ تو میں نے ترجمہ کیا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ تو صَدَّ کا فاعل بنا کے جن چیزوں کو وہ پوجتی تھی اللہ کے علاوہ اس نے اس عورت کو روکے رکھا صحیح طریقہ اختیار کرنے سے۔ توحید اختیار کرنے سے بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔ اور کافر لوگوں میں سے ہونے کی وجہ سے وہ اس ماحول کے خلاف سوچ ہی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ یکدم ماحول سے کٹ جانا یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ تو مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ صَدَّ کا فاعل ہے اور ایسا بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ صَدَّ کی ضمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف لوٹا لیجیے......! سلیمان علیہ السلام نے روک دیا ان چیزوں سے جن کی وہ پوجا کرتی تھی۔ اللہ کے علاوہ بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔

محل سلیمانی:۔

قِيْلَ لَهَا: کہا گیا اس کو کہ تو داخل ہو جا محل میں۔ یعنی جس طرح سے مہمان خانے میں کسی کو اتارا جاتا ہے مہمان کو تو یہ محل حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا فَلَمَّا رَاَتْهُ جس وقت اس نے اس محل کو دیکھا حَسِبَتْهُ لُجَّةً پانی کے جمع ہونے کی جگہ گہرے پانی کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ پیچھے آپ کے سامنے آیا تھا سورۃ نور میں۔ وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا تو اس نے اپنی پنڈلیاں کھولیں۔ یعنی جس وقت پانی میں داخل ہوتے وقت انسان اپنے کپڑے اوپر کو اٹھاتا ہے تو اس نے وہ کپڑا اتنا اٹھایا کہ اس کی پنڈلیاں ننگی ہو گئیں۔ قَالَ تو سلیمان علیہ السلام نے کہا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ یہ تو محل ہے جس کو جڑا گیا ہے، اس کو شیشوں سے قواریر قارورہ کی جمع ہے قارورہ شیشے کو کہتے ہیں یہ قواریر کا لفظ سورۃ الدھر میں آئے گا قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ ①

ملکہ بلقیس کا قبول ایمان:۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ: اس وقت یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ظاہری شان و شوکت آپ کا معجزہ آپ

① پارہ نمبر ۲۹، سورۃ نمبر ۷۶، آیت نمبر ۱۶

کی علم وحکمت کو دیکھنے کے بعد۔ اب اس نے ایمان کا اظہار کیا۔ کہنے لگی کہ اے میرے رب......! بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میں فرمانبردار ہوگئی، سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مل کر۔ میں مسلمان ہوگئی سلیمان کے ساتھ اللہ کیلئے جو رب العالمین ہے یہ اس کے اسلام ظاہر کرنے کا کلمہ ہے کہ میں معیت اختیار کرتی ہوں ان کی۔ ان کے مسلک میں، اور مذہب میں، آگے پھر بلقیس کا کیا ہوا؟ تو اسرائیلی روایات میں ہے کہ واپس اس کو یمن میں بھیج دیا اس کی بادشاہت وہاں اسی طرح قائم رہی۔ یا وہ علاقہ براہِ راست سلیمان علیہ السلام نے اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ اور بلقیس سے نکاح کرلیا۔ اسلامی صحیح روایات میں اس کا کوئی تصور نہیں۔

ملکہ بلقیس کے تخت کا کیا بنا:۔

اور ایسے ہی اس تخت کا کیا بنا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو واپس دے دیا یا اپنے پاس رکھا اس کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، یوں تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے کافر ہونے کے زمانے میں سلیمان علیہ السلام نے جو اٹھوایا تھا چونکہ یہ مالِ غنیمت میں شامل ہوگیا، مالِ غنیمت کے بارے میں مسلکہ سابقون میں یہی رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہاد میں بھی اگر کسی مال کو حاصل کریں تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صحیح احادیث میں موجود ہے کہ مالِ غنیمت کو اکٹھا کرلیا جاتا تھا آسمان سے آگ آتی تھی اور اس کو جلا جاتی تھی، اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت تھی مالِ غنیمت کا حلال ہونا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے جو یہ تخت اٹھایا تھا اس کے ساتھ مالِ غنیمت والا معاملہ نہیں ہوسکتا اوّل تو یہ جہاد میں حاصل نہیں ہوا صرف اپنا معجزہ دکھانے کیلئے اٹھوایا تھا اگر چہ کافر کا مال تھا اور اس کو اٹھالینا مباح تھا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے اس کو استعمال نہیں کرسکتے تھے البتہ یہ صورت ہوگئی ہو کہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بطور ہدیہ کے ہی دیدیا ہو، ایسا ممکن ہے یا اس معجزے کو دیکھنے کے بعد بلقیس مسلمان ہوگئی، تو سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو وہ تخت واپس کردیا ہو یہ بھی عین ممکن ہے، بہر حال صحیح روایات میں یا تفصیلی روایات میں اس تخت کے متعلق کوئی وضاحت نہیں مالِ غنیمت اس کو قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ مالِ غنیمت کی حلت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ

البتہ تحقیق ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، یہ پیغام دے کر عبادت کرو تم اللہ کی، پس اچانک

فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

دو گروہ ہو گئے آپس میں جھگڑتے ہوئے ﴿۴۵﴾ کہا اے میری قوم تم کیوں جلدی طلب کرتے ہو عذاب کو حسنہ سے پہلے

الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ

کیوں نہیں تم اللہ سے معافی مانگتے تاکہ تم رحم کئے جاؤ، ﴿۴۶﴾ ان لوگوں نے کہا کہ ہم بدشگونی لیتے ہیں

وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

تیرے ساتھ اور تیرے ساتھیوں کے ساتھ، صالح نے کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے بلکہ تم آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو ﴿۴۷﴾

وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

شہر میں ۹ اشخاص تھے، جو فساد مچاتے تھے زمین میں، اور اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿۴۸﴾

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا

یہ لوگ کہنے لگے کہ آپس میں مل کر قسم کھاؤ کہ البتہ ضرور ہم شب خون ماریں گے صالح پر اور اس کے اہل پر پھر البتہ ضرور ہم کہہ دیں گے اس کے ولی قصاص کو،

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ

ہم اسکے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت موجود نہیں تھے اور بیشک ہم البتہ سچ کہہ رہے ہیں ﴿۴۹﴾ اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ

اور انکو پتہ ہی نہیں تھا ﴿۵۰﴾ پس اے مخاطب! تو دیکھ انکے مکر کا کیا انجام ہوا، بیشک ہم نے انکو نیست و نابود کر دیا اور انکی

اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

سب قوم کو بھی ﴿۵۱﴾ ان کے گھر خالی پڑے ہیں بسبب انکے ظلم کرنے کے، بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ
جو جاننا چاہتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے ﴿۵۳﴾ اور بھیجا ہم نے لوطؑ کو قابل ذکر ہے
لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
وہ وقت جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا، حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ یہ بے حیائی کا کام ہے ﴿۵۴﴾ کیا بیشک تم البتہ آتے ہو مردوں کے پاس
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ
از روئے شہوت کے، عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم جاہل قوم ہو ﴿۵۵﴾ نہیں تھا اسکی قوم کا جواب
قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
مگر انہوں نے کہا کہ نکال دو لوط کو اور اسکے متعلقین کو اپنی بستی سے یہ لوگ بڑے صاف
يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾
ستھرے ہیں ﴿۵۶﴾ ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اسکی بیوی کے ہم نے مقدر کیا اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ﴿۵۷﴾
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع
اور ہم نے انکے اوپر ایک خاص قسم کی بارش برسائی، پس ڈرائے ہوؤں کی بارش بہت بُری تھی ﴿۵۸﴾

تفسیر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا: البتہ تحقیق ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا یہ پیغام دے کر کہ عبادت کرو تم اللہ کی پس اچانک وہ دو گروہ ہو گئے يَخْتَصِمُوْنَ آپس میں جھگڑتے تھے۔

ماقبل سے ربط:۔

پہلے آپ کے سامنے فرعون اور اس کی قوم کا قصہ ذکر کیا گیا، جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا، اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام جن کی شکر گزاری کے واقعات آئے، اور پچھلے رکوع میں ملکہ سبا کی

سلامت روی کا ذکر آیا، اب پارے کے اختتام پر دو واقعات ذکر کئے جارہے ہیں، ایک قومِ ثمود کا اور ایک قومِ لوط کا۔ واقعات کی تفصیل بار بار ہو چکی ہے۔

ثمود کے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے:۔

یہاں دو باتیں نقل کی جارہی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ یہ ثمود کا قبیلہ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو جو انہیں میں سے تھے اللہ نے پیغمبر بنا کے بھیجا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا تو وہ قبیلہ دو حصوں میں بٹ گیا، دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والا، اور دوسرا گروہ جو تھا وہ اپنی اسی جاہلیت کی باتوں پر اڑنے والا تھا، یہ علیحدہ بات ہے کہ صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے کمزور لوگ تھے جن کو قرآن نے مستضعفین کے ساتھ ذکر کیا۔ اور مخالفت کرنے والے یہ اپنے وقت کے بڑے لوگ تھے۔ بہر حال ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ دو گروہ بن گئے جن کا آپس میں جھگڑا ہوتا تھا، جیسے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک مجلس میں جب بیٹھتے ہیں۔ تو آپس میں بحث و مباحثہ ہو جایا کرتا ہے، تو قومی سطح پر بحث چلی گئی۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی عادت کے مطابق ان کو عذاب سے ڈرایا کہ کفر و شرک اختیار نہ کرو......! تو وہ لوگ آگے سے کہتے تھے کہ جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہو وہ عذاب ہمارے پاس لے آؤ......! یہ الفاظ قرآنِ کریم میں گزرے ہیں سورۃ اعراف کے اندر اس کی زیادہ تفصیل آئی تھی وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ① جیسا کہ مشرک اور کافر قومیں اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو کہا کرتی تھیں تو جب انہوں نے اپنے منہ سے عذاب مانگا تو حضرت صالح علیہ السلام نے پھر انہیں سمجھایا۔ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ سیہ بُری حالت کو کہتے ہیں یہاں سے عذاب مراد ہے اور حسنہ اچھی حالت کو کہتے ہیں اے میری قوم......! تم کیوں جلدی طلب کرتے ہو یعنی تمہیں چاہیے کہ توبہ و استغفار کر کے اچھی حالت اختیار کرو......! ایمان لاؤ......! نیکی اختیار کرتے نہیں ہو، اور اللہ تعالیٰ سے عذاب مانگتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں۔ کیونکہ جلدی طلب کرتے ہو عذاب کو حسنہ سے پہلے۔ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کیوں نہیں تم اللہ سے معافی مانگتے تا کہ تم رحم کئے جاؤ، یہ اس حسنہ کی تفصیل ہے یعنی تمہیں حسنہ کی زندگی اختیار کرنی چاہیے کہ اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرو تا کہ اللہ کی رحمت تم پر نازل ہو۔ تم عذاب کیوں مانگتے ہو، بُری حالت اپنے لئے کیوں مانگتے ہو......!

---

① پارہ نمبر ۸: سورۃ اعراف: آیت نمبر ۷۷

ثمود پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے مصیبتیں:۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ : اطَّيَّرْنَا یہ اصل میں تھا تَطَيَّرْنَا بعد میں تا کو ط کر کے ط کو ط میں ادغام کر دیا اطَّيَّرْنَا بن گیا جیسے تَطَهَّرَ اسے اِطَّهَّرَ بن جاتا ہے اصل میں یہ باب تفعل ہے اور مادہ اس کا طَيْرَ ہے طَيْر پرندہ اور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ پرندوں کو اڑا کر شگون لیا کرتے تھے۔بعضے پرندے دائیں طرف اڑ جاتے تو سمجھتے کہ اچھی بات ہے۔اور بائیں طرف کو اڑ جاتے تو سمجھتے کہ بُرا حال سامنے آئے گا۔جسے کہتے ہیں فال لینا شگون لینا۔پرندوں کے ذریعے سے وہ شگون لیتے تھے۔اور تطیر کا لفظ بھی فال لینے کے معنی میں ہے شگون لینے کے معنی میں۔لیکن ایک تفائل کا لفظ آتا ہے،اور ایک تطیر کا تو تطیر عموماً بدشگونی کیلئے بولا جاتا ہے اور تفائل اچھے شگون کیلئے بولا جاتا ہے،اس لئے یہاں ترجمہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں ہم تم سے بدشگونی لیتے ہیں۔یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے،ان پر مختلف مصیبتیں آفتیں آئیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ چھوٹی چھوٹی مصیبتیں اتار کر تکلیفوں کے ساتھ مشرک قوموں کو جھنجھوڑا کرتے ہیں تاکہ وہ کچھ نرم ہو جائیں۔اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں پھر قحط پڑا بارش بند ہوئی۔یا قوم میں پہلے کفر وشرک کے وقت اتفاق تھا۔

بگڑی ہوئی قوم کی حالت:۔

حضرت صالح علیہ السلام کے آنے کے بعد آپس میں کچھ اختلاف ہوا۔تو ان باتوں سے وہ سمجھنے کی بجائے کہ حق کو قبول کریں۔اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں،تاکہ وقت پہ بارش ہو،نباتات اچھی ہوں،اور حالات اچھے ہو جائیں،اس طرح سے سمجھنے سوچنے کی بجائے وہ یہ کہنے لگ گئے کہ جب سے صالح علیہ السلام آئے ہیں،اور انہوں نے ایسی باتیں کرنی شروع کر دیں ہیں،تو ہم پر ان کی نحوست پڑی ہے،کہ قوم میں فساد ہو گیا۔آپس میں اختلاف ہو گیا۔بارش نہیں ہوتی،بے برکتی ہو گئی،اس قسم کے حالات کو وہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سر پہ تھوپتے تھے،یعنی سمجھنے کی بجائے وہ ان سے بدشگونی لینے لگ گئے کہتے ہیں کہ تم منحوس ہو بے برکت ہو......!ساری کی ساری قوم کا حال جو تھا وہ بگڑ گیا پہلے لوگ اچھے تھے یہاں تطیر کا یہ مفہوم ہے اور یہ کسی کی بدبختی کی انتہاء ہوا کرتی ہے،کہ سمجھنے کی بجائے سوچنے کی بجائے دوسروں کو الزام دینے لگ جائیں،کہنے لگے کہ ہم بدشگونی لیتے ہیں تیرے

ساتھ اور تیرے ساتھیوں کے ساتھ یعنی ہم منحوس سمجھتے ہیں تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو۔ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری قسمت اللہ کے پاس ہے۔ یعنی جو تمہارا عمل ہے وہ اللہ کے علم میں ہے، یہاں طائر کا یہ مفہوم ہے یعنی نحوست کا سبب یا تمہارا حصہ، یا تمہاری قسمت، اللہ کے علم میں ہے، یہ جو حالات تمہارے اوپر سختی کے آرہے ہیں اس کا سبب تمہارا عمل ہے یا جو سبب بھی تمہاری نحوست اور بے برکتی کا ہے وہ اللہ کے پاس ہے بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ہماری وجہ سے یہ نحوست نہیں آئی بلکہ تم آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں فتنے میں ڈال دیا گیا ہے، اور تمہیں چاہیے کہ اس آزمائش سے فائدہ اٹھاؤ اپنی سرکشی کو چھوڑ و تکبر کو چھوڑ و اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ یہ اس جھگڑے کا ایک قسم کا نمونہ ہے جس قسم کی بحثیں ان کے اندر چلی ہوئیں تھیں کہ نیکوں پر، حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں پر، وہ اس قسم کی آوازیں کستے تھے، اور ان کی طرف سے تنقید کی جاتی تھی۔ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ رھط بھی قوم اور قبیلے کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ ھود میں حضرت شعیب علیہ السلام کے معاملے میں آیا تھا کہ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ① اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا یعنی تیرے قبیلے کی ہمیں رعایت نہ ہوتی تو ہم تجھے رجم کر دیتے۔ تو یہاں بھی رھط قبیلے کے معنی میں ہے اور معناً یہ جمع ہے اس لئے تسعۃ کی یہ تمیز آ گیا ورنہ تو آپ جانتے ہیں کہ تین سے لے کر نو تک عدد کی تمیز جو ہے وہ جمع مجرور ہوا کرتی ہے، ثَلٰثَةُ رِجَالٍ خَمْسَةُ رِجَالٍ اس کا چونکہ جمع والا معنی ہے اس لئے اس کو تسعۃ کی تمیز بنا دیا گیا۔ اور مراد یہاں یہ ہوگئی کہ شہر میں نو قبیلے تھے، عام طور پر مفسرین نے اس کا ترجمہ کیا ہے ۹ اشخاص تھے نو شخص اور یہ نو شخص نو قبیلوں کے سردار تھے نو خاندانوں کے سربراہ تھے يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ علاقے میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ یعنی انتہائی درجے کے مفسد سردار تھے ان کے ساتھ نو جماعتیں تھیں اس لئے ان کو رھط کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا۔

مفسدین فی الارض کی مشاورت:۔

انہوں نے آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا مشورے کا حاصل یہ تھا کہ یہ روز کی کشاکشی اس کو ختم کر دیا جائے، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جو اللہ تعالیٰ نے بطور علامت کے ظاہر کی تھی، لوگ اس سے تنگ تھے، جیسے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ پانی کی ایک دن کی باری اس کی ہوتی تھی، اور ان کے جانور پانی پینے نہیں جاتے تھے، یہ

① پارہ نمبر ۱۲: سورۃ ھود: آیت نمبر ۹۱

چیز وہ لوگ برداشت نہیں کر رہے تھے اب مشورے سے ان میں سے ایک زیادہ بد بخت زیادہ شقی وہ اٹھا جو سب سے زیادہ بڑا سمجھا جاتا تھا قوت کے اعتبار سے اس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اب کشاکشی انتہاء کو پہنچ گئی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے چونکہ سنا دیا گیا تھا کہ تین دن کے اندر اندر عذاب آئے گا ادھر یہ لوگ بھی اشتعال میں تھے کہ تین دن کے بعد عذاب تو آئے گا ہی، لہٰذا جو آئے اس کو ختم کر دو......! اونٹنی کو ہلاک کرنے کے بعد وہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے پہ آمادہ ہو گئے۔ لیکن قبائلی زندگی میں کسی قبیلے میں جنگ چھڑ جاتی مدت دراز تک آپس میں کشاکشی رہا کرتی قبیلے والے اس بات کو اپنے لئے بڑی بے عزتی کی بات سمجھا کرتے، کہ ہمارے ساتھی کو کوئی دوسرا ہلاک کر دے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں جب درس توحید شروع کیا تھا، ابھی تک بنو ہاشم آپ سے متفق نہیں تھے۔ اور آپس میں اختلاف تھا وہ آپ کے ہم عقیدہ نہیں تھے لیکن اس کے باوجود بھی مشرکین مکہ کو آپ پر ہاتھ اٹھانے کی اس لئے جرأت نہیں ہوتی تھی، کہ اگر ہم نے اس کو قتل کر دیا تو بنو ہاشم قصاص کا مطالبہ کریں گے۔ اور پھر شہر کے اندر پھر وہی خانہ جنگی ہو جائے گی، قبائلی جنگ کا پھر آغاز ہو جائے گا۔ اس لئے وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے سے بچتے تھے۔ اور آخر کار جو مشورہ ہوا تھا وہ یہی تھا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شامل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا جائے، کیونکہ پھر بنی ہاشم سارے قبائل کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں رکھیں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ یہ دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ تو سارے اکٹھے ہو کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے، جس موقع پر اللہ نے آپ کو صحیح سلامت نکالا اور ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ یہ سیرت کی کتابوں میں واقعہ آپ پڑھتے رہتے ہیں اور سنتے رہتے ہیں۔ تو اس طرح ان نو نے بھی مل کر مشورہ کیا کہ علی الاعلان تو صالح پر ہاتھ اٹھانا مشکل ہے کیونکہ جو اس کا خاندان ہے وہ قبائلی تعصب کی بناء پر اس کا ساتھ دے گا۔ پھر اس سے ہم اور زیادہ خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے تو طریقہ یہ اختیار کرو کہ رات کے وقت خفیہ طور پر حملہ کریں ان پر بھی اور ان کے سب گھر والوں کو قتل کر آئیں۔ بعد میں جو ان کا ولی قصاص ہو گا، ولی قصاص سے ان کا خاندان مراد ہے یعنی ان کے خاندان والے قصاص کا مطالبہ کریں گے کہ ہمارے مقتولین کا بدلہ دیا جائے تو ہم سارے کے سارے قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں کس نے قتل کیا ہے......! رات کے اندھیرے میں کوئی قتل کر گیا ہو گا......! ہم اس طرح سے انکار کر دیں گے، جب آپس میں اتفاق ہو گا تو ثبوت ان کے پاس کوئی ہو گا نہیں تو پھر وہ

کسی ایک پر الزام بیانی کر کے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی جماعت کو قتل کرنے کی سازش:۔

ان نو مشیروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رات کے وقت شب و خون مارو......! اور صالح علیہ السلام اور ان کی ساری جماعت کو ختم کر دو......! ادھر یہ تدبیر کر رہے تھے اُدھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی تدبیر کی حضرت صالح علیہ السلام کو بچانے کی، بالکل ایسے ہی جملے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سفر ہجرت کے متعلق بیان فرمائے۔ ① کہ وہ بھی مکر و فریب میں مبتلا تھے تدبیر کر رہے تھے۔ اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے ان کی تدبیر ناکام رہ گئی۔ اور اللہ کی تدبیر کامیاب ہوگئی کہ اللہ اپنے رسول کو بچاتا ہے اور ان کے ماننے والوں کو بچاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف جب یہودیوں نے سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی اسی طرح کے الفاظ ذکر کیے انہوں نے بھی خفیہ تدبیریں کیں وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ② اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے تو یہاں انہوں نے خفیہ تدبیریں حضرت صالح علیہ السلام کے خلاف کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی ان کو ہلاک کرنے، اور صالح علیہ السلام کو بچانے کی آخر کامیاب تدبیر اللہ کی ہی رہی۔ وہ مشورے کرتے رہ گئے اور اللہ کی طرف سے عذاب آ گیا یہ نو بھی اور باقی ساری کی ساری قوم اللہ کے عذاب سے تباہ ہوگئی۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اس کے ماننے والے جو تھے وہ نجات پا گئے۔

یہی قصہ آگے ذکر کیا گیا قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ یہ تو آپس میں کہنے لگے کہ آپس میں مل کر اللہ کی قسمیں کھاؤ......! تَقَاسَمُوْا امر کا صیغہ ہے لَنُبَيِّتَنَّهٗ بَيَّتَ رات کے وقت حملہ کرنا جس کو شب خون مارنا کہتے ہیں۔ البتہ ضرور ہم شب خون ماریں گے صالح پر اور اس کے اہل پر ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ پھر البتہ ضرور ہم کہہ دیں گے اس کے ولی قصاص کو جو اس کا متولی ہوگا۔ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ ہم اس کے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت موجود نہیں تھے۔ ہم نے ان کے ہلاک ہونے کو نہیں دیکھا۔ مہلک یہ مصدر میمی ہے صالح علیہ السلام کے اہل کی ہلاکت کے وقت ہم موجود نہیں تھے۔ یعنی جس وقت پوچھ گوچھ شروع ہوگی تفتیش شروع ہوگی تو جس طرح سے باقی لوگ کہیں گے کہ ہمیں کوئی پتہ نہیں، ہم بھی کہہ دیں گے کہ ہمیں کوئی پتہ نہیں، کب یہ واقعہ پیش آیا......! کس نے یہ حرکت کی......! ہمیں کوئی پتہ

① پارہ نمبر ۹، سورۃ انفال: آیت نمبر ۳۰
② پارہ نمبر ۳: سورۃ آل عمران: آیت نمبر ۵۴

نہیں ہم سب آپس میں قسمیں کھا جائیں گے۔ یعنی تم یہ قسمیں کھاؤ کہ تم نے یوں کرنا ہے رات کو حملہ کرنا ہے انہیں قتل کرنا ہے ماننا بالکل نہیں اس بات کے اوپر وہ قسمیں کھا کر وہ آپس میں معاہدہ کر رہے تھے۔ کہ ہم کہیں گے ہم اس کے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت موجود نہیں تھے۔ ہم نے نہیں دیکھا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم البتہ سچ کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم نے نہیں دیکھا وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا۔

لفظ مکر کی خوبصورت توضیح:۔

مکر کہتے ہیں تدبیر کو، فی حد ذاتہ یہ اچھی بھی ہو سکتی ہے بُری بھی ہو سکتی ہے کسی اچھے مقصد کیلئے کی جائے گی اچھی ہوگی، کسی بُرے مقصد کیلئے کی جائے گی، بُری ہوگی، ان کا مقصد چونکہ اہل حق کو فنا کرنا تھا، اس لئے بذاتِ خود لفظ مکر میں کوئی بُرائی نہیں ہے اس لئے اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں مکر عموماً بُرے عنوان کے طور پر بولا جاتا ہے، جو ایک بات خلافِ حقیقت ہوتی ہے اس کے لئے بولتے ہیں۔ عربی میں اس کا معنی ہوتا ہے خفیہ تدبیر کرنا، اس کی اچھائی بُرائی اس غرض وغایت کے تابع ہے۔ جس غرض وغایت کیلئے وہ کی گئی ہے اگر اچھے مقصد کیلئے کی گئی ہے تو مکر اچھا ہے، اگر بُرے مقصد کیلئے کی گئی ہے تو یہ مکر بُرا ہے۔

مفسدین کی ہلاکت:۔

انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور ان کو پتہ ہی نہیں تھا یعنی موت ان کے سر پر کھیل رہی تھی۔ ہم ان کی تباہی کا بندوبست کر رہے تھے۔ اور انہیں معلوم ہی نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ایک ایسی سازش کر رہے ہیں کہ ہم ان کو فنا کر دیں گے اور خود اسی طرح دندناتے پھرتے رہیں گے جیسے پہلے ہیں۔ اور جب ہم اقرار ہی نہیں کریں گے قسمیں کھا جائیں گے تو ایسی صورت میں ہمیں کوئی پکڑ بھی نہیں سکے گا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ پس اے مخاطب......! تو دیکھ ان کے مکر کا کیا انجام ہوا۔ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ دَمَّرَ تَدْمِيْرًا یہ لفظ سورۃ فرقان ① میں بھی آیا ہے۔ نیست و نابود کر دینا کسی چیز کو ایسے طور پر توڑ پھوڑ دینا کہ بعد میں اس کا جوڑنا اصلاح کرنا ممکن نہ ہو۔ بے شک ہم نے ان کو نیست و نابود کر دیا اور ان کی قوم کو بھی سب کو۔ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ہمارے اس بیان پر دلیل ان کے خالی گرے پڑے گھر ہیں جا کے دیکھ لو......! تلک اسم اشارہ ہے۔

---

① آیت نمبر ۳۶

مشرکین کیلئے تباہ شدہ بستیاں سامان عبرت ہیں:۔

مشرکین مکہ چونکہ شام کی طرف جاتے تھے راستے میں یہ بستیاں آتی تھیں جیسا کہ سورۃ الشعراء میں تفصیل آپ کی خدمت میں عرض کی تھی، وہاں ان کے مکانات تھے، اب تک نشان باقی ہیں، آثارِ قدیمہ کے طور پر وہیں میں نے عرض کیا تھا کہ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں ان مکانات کے فوٹو دیئے ہیں۔ یہ غالباً ۱۹۵۳ء میں یا اس سے تھوڑا سا بعد جب یہ تفسیر لکھ رہے تھے یہ اس وقت گئے تھے جا کر فوٹو لے آئے تھے۔اور سورۃ الشعراء کے اندر ان کی تفسیر میں یہ فوٹو لگے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان کے مکانات کا یہ حال ہے کہ ان کے نقش ونگار کے کچھ حصے باقی ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کے زمانہ میں تو بہت ہی نمایاں ہوں گے۔اور یہ مشرکین وہاں سے گزرتے تھے۔اور انہیں معلوم تھا کہ یہاں قومیں آباد تھیں۔اور نیست ونابود ہوئی ہیں تو تلک سے اشارہ ہے کہ یہی گھر خالی پڑے ہوئے ہیں جا کر دیکھ لو، مکان کوئی گرے پڑے کوئی خالی پڑے ہیں۔ بِمَا ظَلَمُوْا بسبب ان کے ظلم کرنے کے۔ظلم سے مراد یہاں شرک اور اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے چونکہ ظالمانہ زندگی اپنائی اس کے نتیجے میں یہ حال ہوا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ، یَعْلَمُوْنَ یہ علم سے لیا گیا ہے کبھی فعل کو ارادہ فعل کیلئے استعمال کرتے ہیں تو یہاں بھی ارادہ فعل والا معنی ہے۔ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو جاننا چاہتے ہیں تو ان کیلئے جاننے کی دلیل اسی بات میں موجود ہے جس سے ان کو پتہ چل جائے گا کہ شرک کا انجام بُرا ہوتا ہے وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ اور وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے۔اللہ سے ڈرتے تھے پرہیزگاری اختیار کرتے تھے کفر وشرک سے بچتے تھے۔ ہماری نافرمانی نہیں کرتے تھے ہم نے ان کو نجات دی۔

عذاب موعود اور غیر موعود میں فرق:۔

اب اس واقعہ کو کوئی اتفاقی واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا جو اتفاقی واقعہ ہوتا ہے جو کسی گناہ کی سزا کے طور پر نہ آیا ہو۔اور اللہ تعالیٰ کے موعود عذاب کی صورت میں نہ آیا ہو۔اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کرتا ہے کہ جہاں زلزلہ آجائے وہاں مکانات گرتے ہیں اچھوں کے بھی گرتے ہیں بُروں کے بھی گرتے ہیں مکانوں کے اندر دب کے اچھے بھی مرتے ہیں اور بُرے بھی مرتے ہیں جو اچھے ہوں گے ان کیلئے آخرت میں جا کے وہی عذاب وہی مصیبت ثواب کا ذریعہ بن جائے گی۔اور جو بُرے ہوں گے ان کیلئے تو یہ سزا کی صورت ہے، آپ کے سامنے جب سیلاب آتا ہے تو اچھے

لوگوں کی بھی فصلیں اجڑتی ہیں بُرے لوگوں کی بھی اجڑتی ہیں۔ اچھے لوگوں کے مکانات بھی گرتے ہیں بُرے لوگوں کے بھی مکانات گرتے ہیں۔ آندھی آتی ہے باغ اجڑتے ہیں تو اچھوں کے بھی اجڑتے ہیں بُروں کے بھی اجڑتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی جگہ آگ لگ جائے تو جس طرح اچھے لوگوں کے نقصانات ہوتے ہیں بُرے لوگوں کے بھی نقصان ہوتے ہیں۔ یہ واقعات جو ہیں ان کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اتفاقی صورت ہے، اس کا نتیجہ آخر میں جا کر معلوم ہوگا کہ مومن کے حق میں کیا اور کافر کے حق میں کیا ہے؟ لیکن یہاں تو نبی کے بیان کے مطابق یہ اللہ کی طرف سے موعود عذاب ہے اللہ تعالیٰ کے وعدے کے تحت آیا ہے اس سے بالکل نمایاں فرق ہو جاتا تھا کہ اسی قوم میں بسنے والے اسی آبادی میں رہنے والے نیک لوگ بچ گئے ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا، اور جو کافر و مشرک تھے وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔ تو کتنی واضح دلیل ہے کہ یہ واقعہ کفر و شرک کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ جو کفر و شرک میں مبتلا نہیں تھے وہ اس عذاب میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اتنے شدید زلزلے میں اور اتنے شدید طوفان میں یہ بچ گئے باقی مر گئے۔ تو کافر و مومن کی عملاً تفریق ہو گئی، یہ عملاً تفریق ہو جانا یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ یہ کوئی عام عذاب نہیں، جیسے زلزلے آ جایا کرتے ہیں، سیلاب آ جایا کرتے ہیں، بلکہ یہ وہی عذاب موعود ہے جو کفر و شرک کی سزا کے طور پر آیا۔ اس لئے جو لوگ کافر و مشرک تھے وہ لوگ سارے کے سارے اس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اس لئے اس کو اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اتفاقی حادثہ ہوتا تو کافر و مشرک کا فرق نہ ہوتا۔ وہ سارے کے سارے اس کی لپیٹ میں آ جایا کرتے ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ آخرت میں جا کر فرق ہوگا۔

بے حیائی اور بے غیرتی کا کام:۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ: لوطاً یہ ارسلنا کا مفعول ہے یہ واقعہ بھی بہت دفعہ گزر چکا ہے، اور بھیجا ہم نے لوط علیہ السلام کو۔ قابل ذکر ہے وہ وقت جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ فاحشہ کا مصداق جس کو لوگ آج کل لواطت کہتے ہیں، مردوں کے ساتھ شہوت زنی، اگلے لفظوں میں اس کی تفصیل ذکر کر دی گئی۔ کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا بے غیرتی کا۔ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کا یہ معنی بھی ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ یہ بے حیائی کا کام ہے بے غیرتی کا کام ہے جس کا تم ارتکاب کر رہے ہو۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس فعل کی بُرائی یہ کوئی دلیل سے سمجھانے کی بات نہیں ہے یہ تو آنکھوں سے نظر آ رہی ہے۔ کہ یہ بُرا فعل ہے اتنی کھلی حقیقت جیسے

آنکھوں سے نظر آ رہی ہے یعنی دیکھتے بھالتے ہوئے تم اس فاحشہ کا ارتکاب کرتے ہو۔ اس میں ان کی مذمت زیادہ ہے اندھیرے میں انسان کا پاؤں کسی نجاست پر پڑ جائے۔ یا ایک انسان اندھا ہو، اندھے ہونے کی صورت میں اس کا پاؤں کسی نجاست پر پڑ جائے۔ اندھا اتنا قابل ملامت نہیں ہوتا لیکن ایک روشنی ہے آنکھوں میں، اور پھر آنکھوں سے دیکھتا ہوا پھر کوئی اس نجاست میں ہاتھ مارے یا اس کو کھاتا ہے۔ اب اس سے زیادہ اور اس کی بُرائی کیا ہوگی......! تو وہاں وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ یہ فعل کوئی ایسا نہیں کہ جس کی بُرائی کوئی مخفی ہے۔ اس کو دلائل کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت نہیں یہ تو آنکھوں سے نظر آ رہی ہے کہ فاحشہ ہے فطرت کے خلاف ہے۔ قطع نسل کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سرشت کسی حیوان میں بھی نہیں رکھی۔ کھلی ہوئی بات ہے پھر تم اس کا ارتکاب کرتے ہو؟ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ میں گویا اس فعل کی قباحت اور شناعت کو انتہائی درجے تک پہنچا دیا گیا۔ اور اگر اِبْصَار سے ابصار قلب مراد لے لیا جائے جیسے مُبْصِر کا معنی سمجھدار تو پھر وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم سمجھدار ہو۔ باقی سب چیزوں میں سمجھدار ہو، کاروبار کرتے ہو۔ باقی سب چیزوں میں تم عقلمند معلوم ہوتے ہو، لیکن یہاں ارتکاب فاحشہ کے اندر آ کے تمہاری عقلیں کہاں چلیں گئیں؟ تم اتنے بے عقل ہوگئے ہو؟......! یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ میں اِبصار بالقلب اور اِبصار بالبصر دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں اس لئے سمجھداری کے ساتھ بھی ترجمہ کر سکتے ہیں جیسا کہ بیان القرآن میں کیا ہے حالانکہ تم سمجھدار ہو اور آنکھوں سے دیکھنے کے ساتھ بھی معنی کر سکتے ہیں۔ جس طرح سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور تم دیکھتے ہو اور سمجھداری کے ساتھ ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

فعلِ جاہلانہ:۔

اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً: یہ اسی فاحشہ کی تفصیل ہے کیا بے شک تم البتہ آتے ہو مردوں کے پاس از روئے شہوت کے، مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں کو چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے ایک جائز طریقہ بتایا ہے فطری چیز کا قضائے شہوت کیلئے بلکہ صرف قضائے شہوت کیلئے ہی نہیں اس میں حکمت بھی ہے کہ اس سے آگے نسل چلتی ہے اولاد پیدا ہوتی ہے تو تم اس فطری طریقے کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ اختیار کرتے ہو کہ تم مردوں کے پاس آتے ہو از روئے شہوت کے بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ بَلْ یہ اِضراب کے لئے ہوتا ہے یعنی تمہارے پاس اس کی کوئی معقول وجہ نہیں تم

اپنے اس فعل کی کوئی توجیہ نہیں کر سکتے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ بلکہ سراسر یہ تمہارا جاہلانہ فعل ہے یہاں لفظ جہل آیا ہے اور یہ بھی آپ کی خدمت میں کئی دفعہ عرض کیا جاچکا ہے کہ لفظ جہل دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک علم کے مقابلے میں ایک حلم کے مقابلے میں۔ علم جاننا جہل نہ جاننا جاہل اس کو کہتے ہیں جو جانتا نہیں۔ اور حلم کا معنی ہوتا ہے بردباری، برداشت، جذبات میں نہ آنا۔ اور جہل کا معنی ہوتا ہے جذبات سے مغلوب ہونا۔ تو یہاں جو تَجْهَلُوْنَ ہے یہ جذبات سے مغلوب ہونے کے معنی میں ہے کہ تم جذبات سے مغلوب ہوئے جارہے ہو ورنہ تمہارے اس فعل کی کوئی توجیہ نہیں بلکہ تم جذبات سے مغلوب ہوگئے ہو ورنہ تم کوئی جاہل نہیں کہ تمہیں اس فعل کی قباحت کا علم نہ ہو نہیں سب کچھ سمجھتے ہو جیسے وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کے معنی میں آیا تھا کہ تمہیں آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔

نسل کشی کے لئے انتہائی مہلک فعل:۔

یہ بھی سمجھتے ہو کہ خلافِ فطرت ہے اور یہ بھی سمجھتے ہو کہ یہ مستقبل کے لئے اور نسل کے لئے انتہائی تباہ کن اور مُہلک ہے لیکن اس کے باوجود کرتے چلے جارہے ہو سوائے جہالت کے اور جذبات سے مغلوبیت کے اور کوئی وجہ نہیں ہے یہ بَلْ کے لفظ سے سارا مضمون نکل آیا ہے تمہارے پاس تمہارے اس فعل کی کوئی اصلی دلیل کوئی نقلی دلیل کوئی حکمت کوئی مصلحت نہیں ہے کوئی عذر نہیں ہے تمہارے پاس بلکہ تم لوگ وہ ہو جو جذبات سے مغلوب ہو عقل سے سوچتے نہیں ہو بس ایک جذبات کی مغلوبیت کے طور پر یہ حرکتیں کر رہے ہو تو فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ بات تو وہی ہے کہ دلیل تو ان کے پاس کوئی تھی نہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کو کوئی جواب دیتے جذبات سے اتنے مغلوب تھے کہ بات مان نہیں سکتے تھے اس حرکت کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

دلیل کا جب جواب نہ رہے تو پھر باطل قوت کا استعمال کرتا ہے:۔

پھر اگلا وہی جاہلوں والا طریقہ جب دلیل سے مقابلہ نہ ہو تو پھر قوت پھر مُکّہ نکال لیتے ہیں پھر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ یہ کیا ہر وقت ہمیں روکتے ٹوکتے رہتے ہیں۔ جب ان کی نظر میں ہم غنڈے ہیں ہم بدمعاش ہیں ہم لچے ہیں تو ان کو ہماری بستی میں رہنے کا کیا حق ہے......! انہیں نکال باہر کرو ہر وقت کا یہ بحث و مباحثہ ختم ہو جائے، یعنی اپنے عمل کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ نہیں۔ الٹا ان کے اوپر غصہ ہے کہ ان کو

باہر نکالو......! یہ اپنے آپ کو بہت پاک صاف سمجھتے ہیں تو کسی پاک صاف جگہ پر جا کر رہیں ہم لفنگوں کے ساتھ ان کا کیا تعلق......! یہ طعن و تشنیع والی بات ہے جب ایک فاحشہ اور بے حیائی عام ہو جائے اور لوگ اس میں عام طور پر ملوث ہو جاتے ہیں تو پھر منع کرنے والوں پر ان کو غصہ آیا کرتا ہے، کہ یہ ہمیں کیوں منع کرتے ہیں؟ اور یہ اس قوم کے انتہاء کو پہنچ جانے کی علامت ہوتی ہے اور ایک ہے کہ کم از کم بُرائی کو بُرائی سمجھیں......! منع کرنے والوں کو کہیں کہ بات تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہم میں کمزوری ہے دعا کرو......! ہم بھی کوشش کرتے ہیں کہ ہماری کمزوری دور ہو جائے تو اس وقت تک اصلاح کی توقع ہوتی ہے اور جب کہنے والے ہی کی جان کے لاگو ہو جائیں لوگ، تو پھر اس وقت اصلاح کی توقع نہیں رہتی۔

نہیں تھا اس کی قوم کا جواب مگر انہوں نے کہا کہ نکال دو لوط کو......! اور اس کے متعلقین کو اس میں اہل و عیال سب آجاتے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوۡنَ یہ بطور تمسخر کے ہے۔ یہ لوگ بڑے صاف ستھرے ہیں جب یہ صاف ستھرے ہیں تم ہم گندوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ان کو باہر نکال دو......! تا کہ یہ جا کر کسی ایسی بستی میں بسیں جہاں پر سارے ہی اچھے لوگ ہوں ہم سے ان کا کیا تعلق؟

لوط علیہ السلام کو نجات اور بدکار قوم کو عذاب:۔

فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗۤ ہم نے نجات دی لوط علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو اِلَّا امۡرَاَتَهٗ سوائے اس کی بیوی کے قَدَّرۡنٰهَا ہم نے مقدر کیا اس کو مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ وہ چونکہ کافرہ تھی اور اس کی ہمدردیاں جو تھیں وہ اپنی قوم کے ساتھ تھیں اس لئے وہ بھی اس عذاب میں برباد ہوئی۔ سورۃ التحریم میں اس کا ذکر صراحتاً آئے گا۔ وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ مَّطَرًا اور ہم نے ان کے اوپر ایک خاص قسم کی بارش برسائی فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ پس ڈرائے ہوؤں کی بارش بہت بُری بارش تھی جو ہم نے ان کے اوپر برسائی تھی اور وہ بارش کیا تھی؟ آپ کے سامنے ذکر ہوا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ان کے اوپر پتھر برسے اور زلزلہ آیا ان کی بستیاں اکھیڑی گئیں نچلا حصہ اوپر کر دیا گیا اور اوپر والا حصہ نیچے کر دیا گیا اس طرح سے دردناک عذاب سے وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں سلام اللہ کے ان بندوں پر جن کو اللہ نے چن لیا، اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جنکو یہ شریک ٹھہراتے ہیں ﴿۵۹﴾

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

کیا تمہارے معبود بہتر ہیں یا وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی،

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ

پھر اُگایا ہم نے اس پانی کے ذریعے سے پُر رونق باغات کو، تمہارے لئے ممکن ہی نہیں تھا کہ تم باغات کے درختوں کو اُگا لیتے،

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ

کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ اعراض کرتے ہیں ﴿۶۰﴾ کیا تمہارے شرکاء بہتر ہیں یا وہ جس نے بنایا زمین کو

قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

ٹھہرنے کی جگہ، اور بنادیں اللہ نے اس زمین کے درمیان میں نہریں اور اس زمین کیلئے بوجھل پہاڑ بنائیے، اور بنائی اس نے دو سمندروں

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

کے درمیان میں رکاوٹ، کیا کوئی اور معبود ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ اکثر ایسے ہیں جو جاننے کا ارادہ ہی نہیں کرتے ﴿۶۱﴾

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ

کیا تمہارے شرکاء بہتر ہیں یا وہ جو جواب دیتا ہے مضطر کو، جبکہ مضطر اسکو پکارے اور دور ہٹاتا ہے وہ سختی کو، اور بناتا ہے تمہیں

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

زمین میں نائب، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہیں، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۶۲﴾

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ

کیا تمہارے شرکاء بہتر ہیں یا وہ جو تمہیں راستہ دکھاتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں، اور جو بھیجتا ہے ہوائیں اس حال میں

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

کہ بشارت دینے والی ہیں اسکی رحمت سے پہلے، کیا اللہ کے ساتھ معبود ہیں؟ اللہ بلند و برتر ہے ان چیزوں سے جو کہ یہ

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ

شریک ٹھہراتے ہیں ﴿۶۳﴾ تمہارے معبود بہتر ہیں یا وہ جو ابتداء پیدا کرتا ہے، پھر وہی اس خلق کو لوٹائے گا، اور جو تمہیں رزق دیتا ہے

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

آسمان سے اور زمین سے، کیا اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے لاؤ تم دلیل

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اگر تم سچے ہو ﴿۶۴﴾ آپ کہہ دیجئے! نہیں جانتا غیب کو جو کوئی آسمانوں میں ہے، جو کوئی زمین میں ہے،

الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ

مگر اللہ، اور ان کو پتہ ہی نہیں کہ کب اٹھائیں جائیں ﴿۶۵﴾ بلکہ انکا علم خلط ملط ہوگیا

عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

آخرت کے بارے میں، بلکہ یہ اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے ہیں ﴿۶۶﴾

تفسیر

ظالموں کو برباد کرنا یہ بھی اللہ کا شکر ہے:۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کا شکر ہے الحمد للہ کا لفظی معنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کی تعریف کرنا یہی اللہ کی شکر گزاری ہے اس لئے اَلْحَمْدُ رَاْسُ الشُّكْرِ ① اصل شکر اللہ کی تعریف کرنا ہی ہے الحمد للہ کا ترجمہ اگر کر دیا جائے کہ اللہ کا شکر ہے تو یہ بات محاورے کے مطابق ہے وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى سلام اللہ کے ان بندوں پر جن کو اللہ نے چن لیا۔ اس آیت کا تعلق اگر ماقبل سے لگایا جائے تو پھر اس کا

① مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۲۰۱ مکتبہ امدادیہ، باب ثواب التسبیح الخ

مفہوم یہ ہوگا کہ ظالموں کو اللہ نے تباہ کیا اور رسولوں کو اور ان کے ماننے والوں کو نجات دی۔

پیچھے واقعات میں یہ بات ظاہر ہوئی اس پہ اللہ کا شکر ہے کیونکہ ظالموں کو برباد کرنا یہ بھی اللہ کا احسان ہے باقی ماندہ قوم کے لئے جیسے قرآن میں دوسری جگہ پر ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ① اور آگے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وہاں بھی یہ الفاظ آتے ہیں کہ ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اللہ کا شکر ہے جو رب العالمین ہے تو ظالموں کو برباد کر دینا یہ باقی جہان پر اللہ کا احسان اور رحمت ہے جس پر باقی لوگوں کو الحمد للہ کہنا چاہیے اور آگے یہ بات ذکر کر دی گئی کہ اللہ کے جو بندے چنے ہوئے ہیں سلامتی انہیں پر ہی ہے۔ چنے ہوئے کا مصداق انبیاء علیہم السلام بھی ہیں اور اسی طرح سے جن کو اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق دیتا ہے تو یہ مومن بندے بھی باقی مخلوق میں سے چنے ہوئے ہوتے ہیں۔

مؤمنین کے تین درجات:۔

سورۃ فاطر میں غالباً یہ آیت آئے گی ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ② پھر ہم نے کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا آگے پھر ان کی تین قسمیں آئیں گی اسی آیت میں کہ ان میں سے بعض سابق بالخیرات ہیں بعض معتدل ہیں بعض ظالم النفس ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ آگے مؤمنین کے بھی تین درجے ہوں گے ایک اعلیٰ قسم کے مؤمن ایک متوسط قسم کے مؤمن اور ایک گنہگار قسم کے مؤمن۔ بہر حال مؤمنین بھی اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہوتے ہیں تو سلامتی انہیں لوگوں کیلئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے چنا انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین۔ پچھلے واقعات کے بعد گویا کہ یہ تأثر ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا کہ ظالموں کی بربادی اور اچھے لوگوں کی نجات اس پہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے ماقبل کے ساتھ اس کو متعلق کرنے سے اس کا مفہوم یہ ہو جائے گا۔

اور اگر اس کو مابعد کے ساتھ لگایا جائے تو پھر آگے وعظ آ رہا ہے توحید کے متعلق تو یہ الفاظ بطور خطبے کے ہیں جس طرح کوئی اہم مضمون بیان کرنا ہو تو اس سے پہلے خطبہ پڑھا جاتا ہے تو اس طرح سے یہ الفاظ بطور خطبے کے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

---

① پارہ نمبر ۷، سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۴۵، ص ۱۲۱

② پارہ نمبر ۲۲، سورۃ نمبر ۳۵، آیت نمبر ۳۲، ص ۳۹۵

بیانِ توحید:۔

آ گے توحید کا وعظ شروع ہو گیا کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جتنے کمالات ہیں وہ سب اللہ کیلئے ثابت ہیں وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے انبیاء علیہم السلام ان کے اوپر سلام ہو آٰللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ یہاں سے توحید کا تذکرہ شروع ہوا آٰللّٰہُ ہمزہ استفہام ہے کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں یہ استفہام ہے۔ جواب متعین ہے جس کی طرف اشارہ آ گے دلائل میں کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے مقابلے میں اَمَّا یُشْرِکُوْنَ کوئی چیز نہیں ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَھْجَۃٍ: یہاں اسی طرح مضمون کی تتمیم کے لئے محذوف نکالتے چلے جائیں گے۔ کیا تمہارے معبود بہتر ہیں یا وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَھْجَۃٍ: حدآئق حدیقہ کی جمع ہے حدیقہ باغ کو کہتے ہیں اور بَھْجَۃٍ رونق کو کہتے ہیں یعنی رونق والے باغ اور فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ متکلم ہو گیا۔ پہلے غائب کے صیغے کے ساتھ آ رہا تھا اب متکلم کے صیغے کے ساتھ آ گیا۔ یہ التفات ہے پھر اگایا ہم نے اس پانی کے ذریعے سے پر رونق باغات کو مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَھَا تمہارے لئے ممکن ہی نہیں تھا کہ تم ان باغات کے درختوں کو اگا لیتے۔ تم سے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا تمہاری قدرت میں یہ بات ہے ہی نہیں۔ ءَاِلٰـہٌ مَّعَ اللّٰہِ تو یہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا آسمان کی طرف سے پانی کا اتارنا اور اس کے ذریعے سے پر رونق نباتات کا اُگانا جس میں تم قدم قدم پر اپنا عجز محسوس کرتے ہو۔ اس میں ذرا غور کر کے بتاؤ کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور شرکاء ہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہیں یعنی نہیں ہیں یہ ساری کی ساری چیزیں اس بات پر دلالت کرنے والی ہیں کہ وہ پیدا کرنے والا اپنے صفات کمال میں یکتا ہے کوئی دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں اس قدرت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ءَاِلٰـہٌ مَّعَ اللّٰہِ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے بَلْ ھُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ بل کا مطلب یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ ان باتوں میں غور ہی نہیں کرتے اللہ کی وحدانیت کو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ عَدَلَ یَعْدِلُ عَدْلٌ سے ہو تو برابر ٹھہرانے کے معنی میں ہوتا ہے۔ جس طرح سے آپ عدل برابری کو کہتے ہیں حقوق میں برابری کرو۔ ان کے درمیان عدل کر دو اور اگر عُدُول سے لیا جائے تو یہ اعراض کرنے کے معنی میں ہوتا ہے یہاں دونوں طرح سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

بلکہ یہ لوگ اعراض کرتے ہیں منہ موڑتے ہیں اب یہ اعراض کے معنی میں آ گیا۔ بلکہ یہ لوگ ہیں جو دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں اس طرح بھی ترجمہ کیا گیا۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا کیا تمہارے شرکاء بہتر ہیں یا وہ جس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ قرار یہ مقر کے معنی میں ہے۔اس کا معنی ہے ٹھہرنا ایک ایک چیز میں اللہ کی قدرت ہے کہ زمین ایسی سخت نہیں بنائی کہ ٹھہر نہ سکیں نہ یہ اتنی نرم ہے کہ اس کے اندر آپ دھنستے چلے جائیں۔ اور آپ کی ساری کی ساری ضروریات اللہ تعالیٰ نے اس زمین سے پوری فرمادیں۔

دلائل توحید:۔

ایک ایک چیز کی اگر تفصیل کی جائے تو یہ اللہ کی قدرت کی بہت ساری نشانیوں پر مشتمل ہے۔ وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا اور بنادیں اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے درمیان میں نہریں انھار نہر کی جمع ہے آپ کی نہر چھوٹی ہوتی ہے اور عربی میں نہر بڑے دریاؤں کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں جبل فرات اور نیل وغیرہ کو انھار کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ بنائی اس زمین کے درمیان میں نہریں وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ اور اس زمین کے لئے بوجھل پہاڑ بنادیئے رَوَاسِیَ رَاسِیَةٌ کی جمع ثَوَابِتْ کے معنی میں جمے رہنے والے پہاڑ بنادیئے اس زمین کیلئے بوجھل پہاڑ جبالاً رَوَاسِیَ رَوَاسِیَ یہ صفت کا صیغہ ہے اور اس کا موصوف جبال ہے۔ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا اور بنائی اس نے دو سمندروں کے درمیان میں رکاوٹ یہ وہی ہے بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ① کہ ایک طرف کھاری سمندر بنادیا اور دوسری طرف میٹھے دریا بنادیئے اور درمیان میں اللہ تعالیٰ نے رکاوٹ پیدا کردی کہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے انسان کی ضرورتیں دونوں طرف سے پوری ہوتی ہیں بعض ضرورتیں نمکین سمندر سے پوری ہوتی ہیں اور بعض میٹھے دریاؤں سے پوری ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں علیحدہ علیحدہ بہادیئے۔ سورۃ فرقان کے اندر اس کی تفصیل ذکر کی تھی کہ یہ دونوں دریا ہیں میٹھے اور کڑوے یا سمندر میں اسی طرح لہریں ہیں میٹھی اور کڑوی جس طرح زمین کے نیچے جو پانی ہے تو کہیں لہر میٹھی ہے کہیں پانی کھارا ہے یہ اکٹھی لہریں ہیں لیکن ایک دوسرے میں خلط نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض علاقوں کا پانی کڑوا ہوتا ہے اور بعض کا میٹھا ہوتا ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا معبود ہیں اور اللہ کے ساتھ یا نہیں؟ ان کو پیدا کرنے والا بنانے والا اللہ ہے اور اللہ کی وحدانیت پر بھی یہ چیزیں دال ہیں

① پارہ نمبر ۲۷، سورۃ نمبر ۵۵، آیت نمبر ۲۰

اللہ کے ساتھ دوسرے کوئی معبود نہیں۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کو یہاں اب ارادہ فعل کے معنی میں لے لیجئے......! بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو جاننے کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔ اس لئے ان دلائل میں غور ہی نہیں کرتے ان کا ارادہ ہی نہیں ہے علم حاصل کرنے کا۔

کائنات کی ہر چیز میں اللہ کی قدرت، وحدانیت اور احسان نمایاں ہے:۔

ورنہ اگر غور کریں تو ان کو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اللہ تعالیٰ کا احسان اور اللہ تعالیٰ کا وجود یہ ساری چیزیں سمجھ میں آ سکتی ہیں اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ مضمون ویسا ہی آ گیا کیا تمہارے شرکاء بہتر ہیں یا وہ جو جواب دیتا ہے مضطر کو جبکہ مضطر اس کو پکارے۔ مضطر کہتے ہیں مجبور آدمی کو جس کی ہر طرف سے آس ٹوٹ گئی اور اس کو کوئی دروازہ نظر نہیں آتا جہاں سے اس کی مشکل حل ہو پھر وہ عاجز ہو کر مجبور ہو کے اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے یہ آگے جواب دینے کی صورتیں مختلف ہیں کہ مانگی ہوئی چیز دیدے یا اس جیسی کوئی اور تکلیف ہٹادے یا آخرت میں ثواب کا ذخیرہ کرلے بہر حال پکارا ہوا ضائع نہیں جاتا اور پھر یہ قضیہ مشیت کے ساتھ مقید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے جب چاہتا ہے یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ اجابت دعا صرف اسی کی شان ہے باقی کوئی دوسرا نہیں جیسے دوسری آیات میں تفصیل کی گئی۔ یا وہ بہتر ہے جو جواب دیتا ہے مضطر کو بے کس کو لاچار کو جب اس کو وہ پکارتا ہے تو وہ دور ہٹاتا ہے۔ اِذَا شَآءَ لِمَنْ شَآءَ مشیت کے لحاظ سے اس کو مقید کریں گے دوسری آیات کے قرینے سے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ یہ کام صرف وہی کر سکتا ہے جس کو علم اور پوری پوری قدرت حاصل ہے اور علم کامل اور قدرت کاملہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو ہے نہیں لہٰذا کوئی دعا قبول نہیں کرتا سوائے اس کے۔ قبول جب بھی کرتا ہے وہی کرتا ہے دور ہٹاتا ہے وہ سختی کو وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ اور بناتا ہے تمہیں زمین میں نائب خلفآء خلیفہ کی جمع ہے ایک کے چلے جانے کے بعد دوسرا جو نائب بنا کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ شخصی تصرفات بھی اسی کے ہیں قومی سطح پر بھی تصرفات اسی کے ہیں ایک قوم مٹتی ہے دوسری قوم آ کے آباد ہو جاتی ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہیں؟ نہیں قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات......اور پھر شرک؟:۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: اسی طرح آ گیا کیا تمہارے شرکاء بہتر ہیں یا وہ جو تمہیں رستہ

دکھاتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ظُلُمٰتِ ظُلْمَۃٌ کی جمع خشکی کی تاریکیوں میں اور سمندروں کی تاریکیوں میں؟ یعنی رات ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ رستہ دکھاتا ہے ستاروں کے ذریعے سے، علامات کے ذریعے سے جیسے سورۃ نحل میں آیا تھا وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ① ایسے ایسے نشان اللہ تعالیٰ نے قائم کردیئے جن کے ذریعے سے تم رستہ معلوم کرتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہو ورنہ جب سمندر میں اندھیرا چھا جائے یا باہر بیابان میں اندھیرا چھا جائے تو وہاں کیا چیز نظر آسکتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں کہ اس نے علامات قائم کردیں ستاروں کی روشنی دیدی جس کے ساتھ آپ رستہ معلوم کر لیتے ہیں۔

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ: رحمت سے بارش مراد ہے اور بُشْرًا یہ بشیر کی جمع ہے بشارت دینے والی ہیں اس کی رحمت سے پہلے ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ کے ساتھ معبود ہیں تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ بلند و برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں کوئی نسبت ہی نہیں ہے تَعٰلٰی علو والا ہے اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ تمہارے معبود بہتر ہیں یا وہ جو ابتداءً پیدا کرتا ہے يَبْدَؤُا الْخَلْقَ خلق کی ابتداء کرتا ہے پیدا کرنے کی ابتداء کرتا ہے ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر وہی اس خلق کا اعادہ کرے گا پہلی بار پیدا کرنا بھی اسی کا کام دوبارہ پیدا کرنا بھی اسی کا کام يُعِيْدُهٗ کی ضمیر خلق کی طرف لوٹ گئی پھر وہ خلق کا اعادہ کرے گا۔

آسمان سے رزق کی مختلف صورتیں:۔

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے یعنی پیدا کرنے کے بعد یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ تمہاری ضروریات پوری نہ کی ہوں۔ رزق کے لفظ میں تمام ضروریات آجاتی ہیں روٹی کپڑا مکان ہر چیز پہ یہ لفظ حاوی ہے پھر تمہیں رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے یعنی تمہارے رزق کے کچھ اسباب آسمان سے پیدا کر دیتا ہے اور کچھ زمین سے پیدا کرتا ہے زمین سے نباتات اگتی ہیں آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے سورج سے گرمی و روشنی آتی ہے ستاروں کی روشنی پہنچتی ہے چاند کی روشنی پہنچتی ہے جس طرح سے جدید تحقیقات کے مطابق اس فصل کے پکنے میں ان سب چیزوں کا اثر ہے ہواؤں کا چلنا ستاروں کی روشنی کا پہنچنا چاند کی روشنی کا پہنچنا یہ پھولوں میں رنگت پھلوں میں مٹھاس یہ چاند کے ذریعے سے اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا فرماتے ہیں ظاہری طور پر اس کو ذریعہ بنا دیا اسی طرح سے بعض نباتات کا تعلق بعض ستاروں کے ساتھ ہے کہ طلوع

① پارہ ۱۴: سورۃ نحل: آیت نمبر ۱۶

ہونے کے زمانے میں وہ اگتی ہے تو یہ آسمان کی طرف سے تمہارے لئے رزق کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اس طرح سے مختلف قسم کی ہواؤں کا چلنا بادلوں کا جمع ہونا پانی کا برسنا یہ سب چیزیں دیکھو تو سہی کائنات کتنی متحرک ہے آپ لوگوں کو روزی مہیا کرنے کیلئے سب خادموں کی طرح لگے ہوئے ہیں ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟

دلیل مشرک کے ذمہ ہے نہ کہ موحد کے:۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ برھان دلیل قطعی کو کہتے ہیں یعنی یہ تو ثابت ہے تم بھی مانتے ہو ہم بھی مانتے ہیں کہ اللہ کا وجود تو ہے جو دونوں کے نزدیک مسلّم ہے اس پر تو دلیل کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ مشرک ہم سے کہیں کہ تم ثبوت دو کہ اللہ ہے چونکہ اللہ کو تو وہ بھی مانتے ہیں یہاں گفتگو جو ہو رہی ہے وہ مشرکین مکہ سے ہے۔اب اللہ کے ساتھ جو اور ٹھہرائے وہ ہے مُثْبِتْ اور برھان مثبت کے ذمے ہوتی ہے جو زیادتی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ دلیل مشرک کے ذمے ہے موحد کے ذمے نہیں۔ مشرک دلیل دے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ان کاموں میں شریک ہے؟ ہم اس دلیل کے اوپر گفتگو کریں گے کہ اس کی دلیل صحیح ہے یا غلط جس کے بارے میں قرآنِ کریم بار بار صراحت کرتا ہے کہ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی نقلی دلیل سے بھی خالی ہیں اور عقلی دلیل سے بھی خالی ہیں تو دعویٰ بلا دلیل کون سنتا ہے باقی اللہ تعالیٰ کے وجود پر یہ سب چیزیں دال ہیں۔لیکن ہمیں ضرورت نہیں۔مشرکین بھی اس بات کو مانتے ہیں اللہ کے وجود میں مشرکین مکہ نے کوئی اختلاف نہیں کیا اور کسی بھی مشرک قوم نے اختلاف نہیں کیا۔

کافر اور مشرک کسے کہتے ہیں؟:۔

مشرک کہتے ہی اسی کو ہیں جو اللہ کو بھی مانے مگر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرائے اور ایسے کافر بد دماغ سرے سے ہی اللہ کے وجود کے قائل نہ ہوں جو گذشتہ صدیوں میں بہت کم کالمعدوم والی بات ہے کہ کروڑوں میں سے کبھی کوئی انسان اس قسم کا آ گیا جس کا دماغ بھیجے سے خالی ہو جو کہے کہ اللہ کا وجود ہی نہیں جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ خود ہو رہا ہے اور یہ جو انکار خدا والا معاملہ ہے یہ ۱۴ ویں صدی کی پیداوار ہے جس طرح سے روسی تہذیب نے اس بات کو اٹھایا۔روس خدا اور رسول کا منکر ہے کہ اللہ کے وجود کا ہی قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ خود ہی ہوتا چلا جا رہا ہے ورنہ جتنے آسمانی مذاہب ہیں وہ اللہ کو مانتے ہیں اور وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں

اور جتنی مشرک قومیں گزری ہیں وہ اللہ کو مانتی تھیں لیکن اس کے ساتھ اضافہ کرتی تھیں ان سے یہ گفتگو ہو رہی ہے کہ تمہارے پاس اس اضافے کی کیا دلیل ہے باقی جتنی بات ہم کہتے ہیں وہ تو تمہارے ہاں بھی مسلم ہے جس طرح سے کسی عیسائی کے ساتھ اگر گفتگو ہو تو عیسائی کا دعویٰ ہے کہ خدا تین ہیں اور مسلمان کا دعویٰ ہے کہ خدا ایک ہے اب وہ ایک کے متعلق دلیل مانگے کہ تیرے پاس کیا دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے تو یہ علم مناظرہ کے اصول سے بات غلط ہے ایک پہ دلیل نہیں مانگی جاسکتی کہ اللہ ایک ہے کیونکہ جتنا ہم مانتے ہیں اتنا تو وہ بھی مانتا ہے تو پھر دلیل کس بات کی؟ دیکھیں میں کہتا ہوں کہ آپ کی جیب میں روپیہ ایک ہے اور آپ کہتے ہیں نہیں تین ہیں تو آپ اس کی دلیل مجھ سے نہیں مانگ سکتے کہ میری جیب میں ایک روپیہ ہے اس کی دلیل دو کیونکہ جب تو نے تین کا قول کر دیا ایک تو ہے ہی۔ اب آگے آپ اس کے اوپر دو کا اضافہ کرتے ہیں تو اس اضافے کی دلیل چاہیے کہ دو اور ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس لئے دلیل ہمیشہ مثبت کے ذمے ہوتی ہے منکر کے ذمے نہیں ہوتی ہم تو اضافے کے منکر ہیں اور وہ مثبت ہیں اور قرآن بار بار کہتا ہے کہ انہیں کہو کہ دلیل لے آؤ نہ ان کے پاس کوئی علمی دلیل ہے نہ نقلی نہ عقلی کچھ بھی نہیں ہے اور یہاں بھی یہی بات ہے کہ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کے ساتھ اس کا تعلق ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہیں ہم کہتے ہیں نہیں تم کہتے ہو ہاں ہیں اگر تمہاری یہ بات صحیح ہے تو برھان لے آؤ تو دلیل پیش کرو دلیل سے معاملہ خالی ہے۔ نہ عقل سے اس بات کا اثبات کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ان صفات میں شریک ہے اور نہ کوئی نقل ہی پیش کی جاسکتی ہے کہ صحیح طور پر کوئی دلیل چلی آ رہی ہو یا اللہ تعالیٰ نے اتاری ہو۔ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ① بار بار اللہ تعالیٰ اعلان کر رہے ہیں کہ اللہ نے تو کوئی اس معاملے میں دلیل اتاری ہی نہیں اللہ کی کتابیں بھی اس دلیل سے خالی ہیں اس لئے برھان کا مطالبہ ان ہی سے کیا جارہا ہے کہ لے آؤ تم برھان اگر تم سچے ہو۔

علم اور قدرت دونوں صرف اللہ کے لئے ہیں:۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ جس طرح سے پیچھے قدرت کی نفی آ گئی اللہ کے علاوہ کسی کو قدرت نہیں ان سب کاموں کی جو پچھلے ذکر ہوئے آگے علم کی نفی کی جارہی ہے اس کے علاوہ علم بھی کسی کو نہیں علم اور قدرت یہ دونوں صفات امہات صفات میں شامل ہیں کہ پہلے علم

① پارہ نمبر ۲۷، سورۃ نمبر ۵۳، آیت نمبر ۲۳

حاصل ہوا کرتا ہے پھر قدرت حاصل ہوا کرتی ہے پھر جا کے انسان کام کرسکتا ہے اور اگر علم کسی چیز کا نہیں پھر بھی کچھ نہیں کرسکتا اگر علم ہے قدرت نہیں پھر بھی کچھ نہیں کرسکتا تو علم اور قدرت دونوں چیزیں اللہ کیلئے ہیں کسی اور کیلئے نہیں۔

غیب سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا:۔

آپ کہہ دیجئے ......! نہیں جانتا غیب کو اَلْغَیْبَ لَایَعْلَمُ کا مفعول ہے۔ نہیں جانتا غیب کو جو کوئی آسمانوں میں ہے جو کوئی زمین میں ہے چاہے آسمانوں میں رہنے والے ہوں فرشتے یا زمین میں بسنے والے ہوں انسان جن اور باقی مخلوق کے متعلق تو کیا کہنا ان میں سے غیب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے غَابَ یَغِیْبُ چھپنا غیب کا لفظ بول کے مراد ہوا کرتی ہے پوشیدہ چیز۔ پوشیدہ چیز سے ایسی چیز مراد ہے جس کے اوپر ظاہر میں کوئی دلیل قائم نہیں بغیر کسی کی دلیل کے بغیر کسی کے بتانے کے جان لینا کسی چیز کو یہ اللہ کا کام ہے کسی دوسرے کا کام نہیں ہے۔

استدلال اور قرائن سے حاصل شدہ علم' غیب نہیں کہلاتا:۔

ہاں البتہ اللہ کسی کو جتنا بتانا چاہے بتا دیتا ہے جس کے اوپر دلیل قائم کر دے وہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قرینے قائم ہیں کہ ہوا کا رخ دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ بادل آئیں گے اللہ تعالیٰ نے قرائن قائم کر دیئے زمین و آسمان کی حرکات کے کہ پہلے معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں وقت سورج گرہن لگے گا فلاں وقت میں چاند کو گہن لگے گا یہ دلائل سے اخذ کی ہوئی بات ہے یا قواعد اس قسم کے کہ طبیبوں نے قواعد تجربے کے ساتھ بنا لیے اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی کہ نبض کو دیکھ کے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کے اندر کون سی بیماری ہے کون سی تکلیف ہے یا یہ کہ چہرے کی رنگت کو دیکھ کر استدلال کر لیا کہ اس کو کیا ہے یہ جو استدلال کے ساتھ علم حاصل کیا یا قرائن کے ساتھ تو اسے علم غیب نہیں کہتے غیب کا جاننا وہ ہوتا ہے کہ ایک چھپی ہوئی چیز ہے وہ بغیر کسی کے بتائے بغیر کسی دلیل اور قرینے کے اس کو سمجھا جائے اس کو جان لیا جائے یہ صرف اللہ کی شان ہے کسی دوسرے کی نہیں ہاں البتہ اللہ اطلاع دیتا ہے اور جتنا اللہ کسی کو بتا دے اتنا پتہ چل جاتا ہے۔

غیب کے اصول صرف اللہ کے پاس ہیں:۔

اب خیال فرمائیے......! کہ یہ مبصرات ہیں بعض چیزیں دیکھنے کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دیکھنے کا ذریعہ بنا دیا۔ ہماری آنکھ بنا دی آنکھ پیدا کر دی یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو ہمیں مل گیا ہے اور ایک اس عطیے کو ہم استعمال

کرتے ہیں جب چاہیں ہم یوں کر کے آنکھ کھولتے ہیں حدود اور قیود کے اندر بس اس دیوار تک دیکھ سکتے ہیں اس دیوار کے پار نہیں دیکھ سکتے کھلے میدان میں بھی کھڑے ہوں تو ایک میل تک سو میل تک دیکھ سکتے ہیں اس سے آگے نہیں دیکھ سکتے کچھ چیزیں خاص فاصلے پر ہوں تو دیکھ سکتے ہیں آنکھ کے قریب آ جائیں تو نہیں دیکھ سکتے دور چلی جائیں تو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ناقص صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیکھنے کیلئے دی ہے جس کی بناء پر ہم بینا ہو گئے ہم دیکھنے والے کہلاتے ہیں ہم بصیر کہلاتے ہیں یہ صفت ناقص اللہ نے ہمیں دی اور اس کا منبع ہماری آنکھ کو بنا دیا تو ہم جب چاہیں آنکھ کھولتے ہیں اور ہمیں ناقص سی بصارت حاصل ہے اس کے ذریعے ہم مبصرات معلوم کر لیتے ہیں اور یہی صفت ہمارے کام کی ہے تو یہ اللہ کا عطیہ ہے غیب کو جاننے کیلئے اللہ تعالیٰ کسی کو ایسا اصول دیدے۔ اس کی بھی نفی ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ① غیب کے اصول اللہ کے پاس ہیں ہاں البتہ اطلاع اللہ دیتا ہے اصول کسی کو نہیں دیا۔

اصول کا مفہوم و مطلب:۔

اصول کا مطلب ہے کسی کو ایسی صفت دیدی کہ وہ جب چاہے اس کو استعمال کر کے غیب کو معلوم کر لے ایسی صفت بھی کسی کو نہیں دی اطلاع کا ثبوت قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے غیب پر مطلع کرتا ہے مطلع کرنے کو آپ اس طرح سمجھ لیں کہ جیسے غیب کے اوپر اطلاع پانے کا ایک ذریعہ خواب بھی ہے غیب کے اوپر اطلاع پانے کا ایک ذریعہ وحی بھی ہے اور اسی طرح چھپی ہوئی چیز پر اطلاع پانے کا ایک ذریعہ کشف بھی ہے لیکن یہ ساری کی ساری چیزیں ایسی ہیں کسی انسان کے بس میں نہیں کہ جب چاہے خواب دیکھ لے جب چاہے وحی اتار لے اور جب چاہے اس کو کشف ہو جائے اللہ تعالیٰ وقتی طور پر ایک جزئی واقعہ کی اطلاع وحی کے ذریعے سے بھی دیتا ہے کشف کے ذریعے سے بھی معلوم ہو جاتی ہے خواب کے ذریعے سے بھی اطلاع ہو جاتی ہے لیکن یہ انسان کے اختیار میں نہیں آپ کو بھی خواب آ سکتا ہے کہ آج سے دس سال بعد میں پیش آنے والا واقعہ آپ کو خواب میں دکھلا دیا جائے یا سو سال پہلے گزرا ہوا واقعہ جو آپ کے لئے ایک غیب چیز ہے وہ آپ کو دکھا دیا جائے تو خواب میں ایسا ممکن ہے۔

---

① پارہ نمبر ۷: سورۃ انعام: آیت نمبر ۵۹

وحی کا اترنا انبیاء کے اختیار میں نہیں:۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے اطلاع دیتا ہے وحی کا اترنا انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں خوابوں کے ذریعے سے اطلاع دیتا ہے لیکن خواب کا آنا کسی کے اختیار میں نہیں اسی طرح کشف ہوتا کشف بھی ایسی چیز ہے کہ دل کے سامنے سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور چھپنے والی چیز معلوم ہو جاتی ہے تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ جب چاہے دے دیتے ہیں جب چاہتے ہیں نہیں دیتے یہ جو جزوی واقعات معلوم ہوتے ہیں چاہے یہ کروڑوں کی تعداد تک پہنچ جائیں اس کو اطلاع علی الغیب تو کہہ سکتے ہیں لیکن ان چیزوں کی بناء پر کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا یعنی ایسی استعداد اللہ تعالیٰ نے کسی کے قلب میں پیدا نہیں فرمائی کہ وہ جب چاہے جو چاہے جہاں سے چاہے جان لے یہ صفت اللہ کا خاصہ ہے اس لئے عطیے کے طور پر بھی یہ صفت کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس کے سامنے اصل آ گیا ہو، اصول آ گیا ہو کہ ہو جب چاہے اس اصول کے ذریعے غیب کے بارے میں معلوم کر لے اس قسم کی صفت کسی انسان میں اللہ نے قائم نہیں فرمائی اطلاع کے ذریعے سے چاہے لاکھوں کروڑوں غیب بتا دیں جزئیات کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے بعد سب سے زیادہ ہے کائنات میں، لیکن جہاں تک اصول کا تعلق ہے اصول اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیئے اور ان جزئیات کے جاننے کی وجہ سے کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا۔

غیب کی نسبت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف گوارا نہیں کیا:۔

مشکوٰۃ شریف میں کتاب النکاح کے اندر روایت ہے ویسے بخاری میں بھی ہے کہ شادی کے ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے گھر تشریف لے گئے وہاں بچیاں جو تھیں وہ کچھ شعر پڑھ رہی تھیں عرب کے اندر چھوٹے بچے اور بڑے سب شاعر ہوتے تھے اور ان کو شعر پڑھنے کا بڑا ملکہ ہوتا تھا اور ان کے آباء جو جنگ بدر کے اندر شہید ہوئے تھے ان کے متعلق وہ مرثیہ کہہ رہی تھیں ان کی کوئی اچھی تعریفیں اچھی صفتیں بیان کر رہی تھیں۔ تو پڑھتے پڑھتے ان میں سے ایک بچی نے یہ کہہ دیا **فِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ** کہ ہمارے اندر ایک ایسا نبی موجود ہے جو آنے والے حالات کو جانتا ہے اتنی اس نے بات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس سے کہا **دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ** ① یہ بات چھوڑ دے وہی باتیں کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھی یعنی جو کچھ کہنا ہے اپنے آباء کے

① مشکوٰۃ ص ۲۷۱/ صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۷۳/ شرح السنۃ للبغوی ج ۹ ص ۴۷

متعلق کہو لیکن یہ نہ کہو اس بات کو چھوڑ دو حضور ﷺ نے اس نسبت کو اپنی طرف گوارہ ہی نہیں کیا تو یہاں یہ صاف طور پر آ گیا کہ آپ کہہ دیجئے غیب کوئی نہیں جانتا جو کچھ آسمانوں میں نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی زمین میں بسنے والے کوئی نبی ولی پیغمبر سب آ گئے اور مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے اندر جنات بھی آ گئے اور باقی مخلوق کے متعلق تو کسی نے کیا ہی کہنا ہے غیب کا جاننا صرف اللہ کا کام ہے۔

معبود کون ہوتا ہے؟:۔

اسی پر ہی حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں شروع پارے سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ اور رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات میں منفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی منفرد ہونا چاہیے یعنی معبود وہ ہوگا جو قدرت تامہ کے ساتھ علم محیط بھی رکھتا ہو اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود ماننے کیلئے برحق اکیلی اس کی ذات ہوئی کل موجودات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی غیب کا علم کسی ایک شخص کو بذات خود بدون عطاء الٰہی کے ہوسکتا ہے اور مفاتیح غیب یعنی غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو نہ دی ہیں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا یا غیب کی خبر دیدی۔

عالم الغیب اور یعلم الغیب کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی پر نہیں ہوسکتا:۔

لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت میں کسی شخص پر عالم الغیب یا فلاں یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا گیا بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم غیب بذات باری کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اس لئے علماء محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندے پر اطلاق کئے جائیں گو لغتاً صحیح ہوں یعنی کسی ایک بات کے جاننے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ دیدے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غیب ہمیں بھی معلوم ہو گیا لیکن اس بات کے باوجود آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اَنَا عَالِمُ الْغَيْبِ یا فُلَانٌ يَعْلَمُ الْغَيْبَ یہ لفظ استعمال نہیں کئے جاسکتے یہ اس کی شریعت کے خلاف ہیں کسی کا یہ کہنا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اللہ کو غیب کا علم نہیں گو اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت ناروا اور سوءِ ادب ہے یعنی اصطلاح شریعت کو بدلا نہیں جاسکتا اب کوئی شخص کہے کہ اللہ کے سامنے تو کوئی چیز پوشیدہ ہے ہی نہیں اس لئے اللہ کو تو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ غیب نہیں

جاننا کیونکہ غیب تو اس کے نزدیک کوئی چیز ہے ہی نہیں اس قسم کی تحریفات بھی لوگ کرتے ہیں عنوانات میں کہ غیب جاننا تو کام ہی انسان کا ہے اللہ کے نزدیک تو غیب ہے ہی کوئی نہیں کہ ہم کہیں کہ وہ غیب جانتا ہے اس قسم کے عنوانات یہ تحریف قرآن کے مترادف ہیں۔

خلاف ادب الفاظ کا استعمال درست نہیں:۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ جس طرح سے یہ لفظ آگے بول رہے ہیں کہ کوئی شخص حق سے موت مراد لے لے اور یہ کہے کہ موت حق ہے یہ واقعہ ہے اور فتنے سے اولاد مراد لے اور رحمت سے بارش مراد لے اور یہ کہے کہ اِنِّی اَکْرَہُ الْحَقَّ وَاُحِبُّ الْفِتْنَۃَ وَاَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَۃِ یعنی میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنوں کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں اب ہم دیکھیں اگرچہ اس کی مراد اپنے الفاظ میں صحیح ہے کہ حق سے اس نے موت مراد لی تو اَکْرَہُ الْحَقَّ میں حق کو مکروہ جانتا ہوں یعنی موت کو مکروہ جانتا ہوں اور فتنے سے اس نے مال و اولاد مراد لے لی اُحِبُّ الْفِتْنَۃَ میں فتنے سے محبت رکھتا ہوں یعنی مال و اولاد سے محبت رکھتا ہوں اور رحمت سے بارش مراد لے کر کہے کہ اَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَۃِ میں رحمت سے بھاگتا ہوں تو آپ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ سارے کے سارے خلاف ادب ہیں اور اس قسم کے عنوانات اختیار کرنا ٹھیک نہیں ① یعنی یہ لفظ استعمال کرنا مکروہ اور قبیح ہیں حالانکہ باعتبار نیت اور مراد کے یہ قبیح نہ تھے اس طرح سے فلاں عالم الغیب کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم الغیب سے ہماری مراد محض ظنون تخمینات نہیں بلکہ جس کے لئے کوئی قرینہ دلیل موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۃ انعام اور اعراف میں اسی کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ ②

جس کے متعلق اللہ نے دلیل قائم نہیں کی وہاں تخمینہ درست نہیں:۔

اسی طرح لوگ تخمینے لگا لیتے ہیں اندازے لگا لیتے ہیں اس چیز کے جاننے کیلئے۔ کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے قائم نہیں کی اس کا جاننا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے البتہ اللہ کی طرف سے اطلاع ہوتی رہتی ہے اس میں کروڑ ہا جزئیات اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام پر اور اپنے اپنے درجے کے مطابق اولیاء پر کشف کے ذریعے سے منکشف کر دیتے ہیں لیکن اس کو غیب جاننا نہیں کہتے وحی بھی اس کا ذریعہ ہے کشف بھی اس کا ذریعہ ہے خواب بھی اس کا ذریعہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو یہ ملکہ نہیں دیا کہ جو چاہے جب چاہے جس وقت چاہے علم حاصل

① دیکھئے تفسیر روح المعانی ج۱۰ ص۲۲۲، سورۃ نمل کی انہی آیات کے تحت
② تفسیر عثمانی، سورۃ نمل، اسی آیت کے تحت

کرلے جان لے، یہ اللہ کے علاوہ کسی کو یہ صفت حاصل نہیں ہے اس قسم کی صفات کا غیر کیلئے ثابت کرنا یہ شرک ہے۔

مشرک شکوک وشبہات کا سہارا لیتے ہیں:۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ: اوران کو یہ پتہ ہی نہیں کہ یہ کب اٹھائے جائیں؟ یعنی اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی آسمان اور زمین میں موجود ہے وہ سارے کے سارے ایسے ہیں کہ ان کو پتہ ہی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے قیامت کب آئے گی بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِدّٰرَكَ اصل میں تَدَارَكَ تھا اس کا معنی ہوتا ہے ایک دوسرے سے ملنا اور جب مختلف چیزیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو گڈ مڈ سی ہو جاتی ہیں خلط ملط سی ہو جاتی ہیں تو یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ بلکہ ان لوگوں کا علم آخرت کے بارے میں گڈ مڈ ہو گیا خلط ملط ہو گیا کوئی حقیقت ان کے سامنے واضح نہیں یعنی مشرکین کا ذہن اس قسم کا تھا کہ وہ آخرت کو ماننے کیلئے بھی تیار نہیں تھے لیکن انکار کی بھی گنجائش نہیں تھی جس طرح سے تردد کی کیفیت پیدا ہوتی جاتی ہے اور اس آخرت کے عقیدے سے بچنے کیلئے وہ شکوک و شبہات کا سہارا لیتے ہیں اور دلائل حقہ سے آنکھیں بند کرتے ہیں جو دلائل بیان کئے جائیں اس کو ثابت کرنے کیلئے اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت کے قائل نہیں ہوتے بلکہ ان کا علم خلط ملط ہو گیا آخرت کے بارے میں بلکہ یہ اس کے متعلق شک میں مبتلاء ہیں یعنی شکوک وشبہات کا سہارا لے کر یہ اس کا انکار کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ اس کی طرف سے بالکل ہی اندھے ہیں جو دلائل اس آخرت کے بارے میں ہیں ان سے یہ آنکھیں بند کرتے ہیں یہ مشرکین کے عقیدہ آخرت کی وضاحت ہے کہ ان کا علم فنا ہو گیا آخرت کے بارے میں خلط ملط ہو گیا ان کو کوئی سبیل حاصل نہیں۔ کبھی ان کا ذہن ادھر کو متوجہ ہوتا ہے کبھی ادھر کو متوجہ ہوتا ہے اس طرح یہ تردد کا شکار رہتے ہیں جب ایک حقیقت کو نہ ماننے کی ٹھان لی جائے کہ ہم نے اس کو ماننا نہیں تو پھر انسان شکوک و شبہات پیدا کر کے اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے دوسرا درجہ یہ ہوا کرتا ہے جس کو یہاں شک کے ساتھ تعبیر کیا تو جس وقت آپ نے تہیہ کر لیا کہ میں نے اس کو ماننا ہی نہیں ہے تو جو دلائل اس کو ثابت کریں گے ان سے انسان آنکھیں بند کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾

کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، کیا جس وقت ہم مٹی ہو جائیں گے، اور ہمارے آباء بھی، کیا ہم نکالے جائیں گے ﴿٦٧﴾

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

البتہ تحقیق وعدہ کئے گئے اس بات کا ہم بھی اور ہمارے آباء بھی اس سے قبل، نہیں ہیں یہ مگر

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ﴿٦٨﴾ آپ انہیں کہہ دیں کہ زمین میں چلو پھرو پھر تم دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ

کیسا انجام ہوا جرم کرنے والوں کا ﴿٦٩﴾ آپ ان کے اوپر غم نہ کیجئے اور آپ تنگی میں نہ پڑیں،

فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

ان چیزوں سے جو یہ مکرو فریب کر رہے ہیں ﴿٧٠﴾ اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

سچے ہو ﴿٧١﴾ آپ کہہ دیجئے! ممکن ہے کہ جس عذاب کو تم جلدی طلب کر رہے ہو اس کا بعض حصہ تمہارے

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

پیچھے لگا ہوا ہو جائے ﴿٧٢﴾ بے شک تیرا رب البتہ مہربانی والا ہے لوگوں پر لیکن

اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

اکثر ان میں سے شکر گزار نہیں ﴿٧٣﴾ اور بے شک تیرا رب البتہ جانتا ہے ان باتوں کو

صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ

جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جن باتوں کو یہ ظاہر کرتے ہیں ﴿٧٤﴾ نہیں ہے کوئی چیز چھپنے والی آسمانوں میں

وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی

اور زمین میں مگر واضح کتاب میں ہے ﴿۷۵﴾ بے شک یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَ اِنَّهٗ

جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں اس میں سے اکثر ﴿۷۶﴾ بے شک یہ قرآن

لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ

البتہ راہنمائی ہے رحمت ہے مؤمنین کے لئے ﴿۷۷﴾ بے شک تیرا رب البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان

بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى

اپنے حکم کیساتھ وہ زبردست ہے علم والا ہے ﴿۷۸﴾ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے! بے شک آپ

الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

صریح حق پر ہیں ﴿۷۹﴾ بے شک تو نہیں سنا سکتا موتی کو اور نہیں تو سنا سکتا بہروں کو پکار جس وقت کہ وہ بہرے

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۸۰﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ

پشت پھیر کر جا رہے ہوں ﴿۸۰﴾ اور نہیں ہیں آپ اندھوں کو راستہ دکھانے والے، ان کی گمراہی سے بچا کر،

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اِذَا وَقَعَ

نہیں سناتے آپ مگر انہیں کو جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات کیساتھ، پھر وہ فرمانبردار ہیں ﴿۸۱﴾ جس وقت ان لوگوں پر قول

الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ

واقع ہو جائے گا نکالیں گے ہم ان کیلئے ایک دابۃ زمین سے، وہ دابہ ان سے کلام کرے گا، بے شک

النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے ﴿۸۲﴾

تفسیر

انکارِ آخرت انسان کو مجرم بنادیتا ہے:۔

تیسرے نمبر پہ اس کا ذکر آ گیا بلکہ اس کی طرف سے اندھے ہیں عَمُوْنَ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اب یہ وہ دلائل ہیں جن کی بناء پر وہ شک کرتے ہیں آخرت کے معالے میں اسی قسم کے توہمات ہیں کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا کیا جس وقت ہم مٹی ہو جائیں گے وَّاٰبَآؤُنَآ اور ہمارے آباء بھی اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ کیا ہم نکالے جائیں گے یعنی ہمیں زمین سے دوبارہ نکالا جائے گا؟ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا البتہ تحقیق وعدہ کئے گئے اس بات کا ہم بھی اور ہمارے آباء بھی اس سے قبل اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ نہیں ہیں یہ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں جو منقول چلے آ رہے ہیں یعنی اس قسم کی باتیں ہمارے آباء کے سامنے بھی انہوں نے کی تھیں ان کے ساتھ بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ نکالا جائے گا لیکن آج تک ایسا ہوا تو نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باتیں ہی باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔ کافروں کی یہ باتیں ہیں اس طرح سے وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کیلئے یہ شبہات پیدا کرتے ہیں کہ اگر یہ کوئی واقعہ ہوتا تو جس طرح ہمارے آباء کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا تو کم از کم کوئی واقعہ تو پیش آتا ہم بھی دیکھ لیتے تو آپ انہیں کہہ دیں کہ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ زمین میں چلو پھرو پھر تم دیکھو کیسا انجام ہوا جرم کرنے والوں کا یعنی جنہوں نے آخرت کا انکار کیا وہ مجرم لوگ تھے اور وہ مجرم لوگوں کا انجام کیسے ہوا تم چلو پھرو اور دیکھو تمہیں پتہ چلے گا کہ انکار آخرت کہاں پہنچاتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انکار آخرت انسان کو مجرم بناتا ہے کیونکہ جب انسان اپنے ذہن پر یہ ذمہ داری ہی نہیں ڈالتا کہ کل کو میں نے کسی کے سامنے حساب وکتاب دینا ہے تو اپنے اخلاق کو اور دوسری چیزوں کو درست کرنے کی کیسے کوشش کرے گا ان لوگوں نے آخرت کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں مجرم بنے آخر تباہ ہو گئے تم زمین میں چلو پھرو تمہیں یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ آخرت کے انکار کے نتیجے میں بربادی ہے یعنی تم اندھے بنے ہوئے ہو زمین میں چلو پھرو آنکھیں کھولو تمہیں نظر آ جائے گا کہ آخرت کا انکار کرنے والے ان کا دنیا میں ہی کیا انجام ہوا وہی تاریخی واقعات دلائل کے طور پر جو ذکر کئے جاتے ہیں مجرمین سے یہاں وہی مجرم مراد ہیں کہ جنہوں نے آخرت کا انکار کیا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یہ حضور ﷺ کے لئے تسلی آ گئی آپ ان کے اوپر غم نہ

کیجئے اور تنگی میں نہ ہو جائیں وَلَا تَكُنۡ فِىۡ ضَيۡقٍ ضیق تنگی کو کہتے ہیں اور آپ تنگی میں نہ پڑیں مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ مکر کا لفظ پہلے بھی آیا ہے کہ مکر خفیہ تدبیر کرنے کو کہتے ہیں یعنی حق کو جھٹلانے کیلئے یا حق کی تردید کیلئے جس طرح کے یہ مکرو فریب کرر ہے ہیں آپ اس کی طرف سے تنگی میں واقع نہ ہوں اور یہ کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ پورا اگر تم سچے ہو وعدے سے مراد قیامت کا وعدہ بھی ہوسکتا ہے اور کفر وشرک کے اوپر دنیا میں جو عذاب آتا ہے حضور ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام ڈراتے ہیں تو وہ وعدہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔

عذاب میں مہلت بھی اللہ کا فضل ہے:۔

آپ کہہ دیجئے......! عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ رَدِفَ لَـكُمۡ ردِف کسی چیز کے پیچھے سوار ہونا ردیف پیچھے سوار ہونے والے کو کہتے ہیں ''ل'' کے ساتھ بھی اس کا استعمال آتا ہے رَدِفَ لَكُمۡ بغیر ''ل'' کے بھی آتا ہے رَدِفَكُمۡ، بَعۡضُ الَّذِىۡ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ سے وہ عذاب مراد ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو عَسٰٓى کا معنی ہے کہ ہوسکتا ہے ایسا ممکن ہے کہ جس عذاب کو تم جلدی طلب کرر ہے ہو اس کا بعض حصہ تمہارے پیچھے لگا ہوا ہو بالکل قریب آ گیا ہو تمہارے اوپر واقع ہونے کیلئے اس لئے اگر تم کفر وشرک میں مبتلا رہے تو وہ عذاب آیا ہی آیا اگر ایمان لے آئے تو بچ جاؤ گے۔ عَسٰٓى امید ہے ممکن ہے قریب ہے ایسا ہوسکتا ہے کیا بعید ہے یہ عَسٰٓى کا لفظ ایسے ہی استعمال ہوتا جیسا کہ ہمارے کلام میں کہ کیا بعید ہے ایسا ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ جس عذاب کو تم جلدی طلب کرر ہے ہو اس کا بعض حصہ تمہارے پیچھے ہی لگا ہوا ہو یعنی بہت قریب آ گیا ہو عذاب کا بعض حصہ کیونکہ پورا عذاب تو آخرت میں ہوگا اس لئے تمہیں بے فکر نہیں ہونا چاہیے جتنی مہلت اللہ نے دے رکھی ہے یہ اس کا فضل ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ: بے شک تیرا رب البتہ مہربانی والا ہے لوگوں پر وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ لیکن ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہے شکر ادا نہیں کرتے۔

کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں:۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَـعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ اور بے شک تیرا رب البتہ جانتا ہے ان باتوں کو جن کو ان سینے چھپاتے ہیں تُكِنُّ چھپاتے ہیں صُدُوۡرُهُمۡ صدر کی جمع صدر بول کر دل مراد ہوتا ہے ان کے دل کی گہرائیوں میں جو کفر کے منصوبے چھپے ہیں کفر کے خیالات ہیں وہ اللہ سے چھپے نہیں جرائم کی تفصیل اللہ کے علم میں ہے یہ بچ نہیں

سکیں گے۔ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اور جن باتوں کو یہ ظاہر کرتے ہیں اعلان جو زبان پر باتیں آ گئیں اور جو دل میں چھپی ہوئی باتیں ہیں وہ مَا تُكِنُّ فِيْ صُدُوْرِهِمْ میں آ گئیں نسبت دل کی طرف ہو یا سینے کی طرف دونوں ہمارے محاورے ہیں دل کے راز سینے کے بھید دونوں قسم کے لفظ ہم بولتے رہتے ہیں دل چونکہ سینے میں ہے اس لئے راز کی نسبت دل کی طرف بھی کی جاتی ہے اور سینے کی طرف بھی۔ پھر فرمایا کہ ان کے خیالات کی کیا خصوصیت ہے کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ نہیں ہے کوئی چیز چھپنے والی آسمانوں میں اور زمین میں اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ مگر وہ واضح کتاب میں ہے واضح کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے ساری کی ساری دفتر میں درج ہیں یعنی اللہ کے علم میں بھی ہیں اور اس کے بعد ان کا ذکر لوحِ محفوظ میں بھی ہے۔

حضور ﷺ کی نبوت اور صداقتِ قرآن کی دلیل:۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: یہ حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے اور قرآن کریم کی صداقت کی دلیل ہے مشرکین مکہ بھی جانتے تھے کہ یہ بنی اسرائیل اہل کتاب ہیں اور سرورِ کائنات ﷺ کے متعلق جانتے تھے کہ یہ اُمی ہیں تو قرآن ایک سادہ سی دلیل کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ دیکھو علماء بنی اسرائیل پر بہت سے حقائق مخفی ہو گئے ان میں آپس میں اختلاف پیدا ہو گئے اور علماء کا جھگڑا اُٹھانا یہ کسی اَن پڑھ کا کام نہیں ہے اور یہ قرآن جو سرورِ کائنات ﷺ پیش کر رہے ہیں یہ علماء بنی اسرائیل کی بہت ساری مختلف فیہ چیزوں کے اندر فیصلہ دیتا ہے اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ بھلا یہ آپ کا بنایا ہوا کیسے ہو سکتا ہے یہ اللہ کی کلام ہی ہو سکتی ہے جو علماء بنی اسرائیل کے جھگڑوں کو چکاتی ہے اور ان کی غلطیاں بھی نکالتی ہے جب یہ اللہ کی کلام ہوئی تو اس اللہ کی کلام میں یہ بتایا گیا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا وقت بھی آئے گا تو پھر تمہیں اس بات کا یقین کر لینا چاہیے تو گویا کہ یہ قرآن کریم کی حقانیت کی ایک دلیل بیان کر دی تا کہ قرآنِ کریم کو حق جاننے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی کلام سمجھنے کی وجہ سے اِن حقائق کا اختیار کرنا آسان ہو جائے جن حقائق کی تلقین یہ کتاب کرتی ہے۔ بے شک یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ جس چیز میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں اس میں سے اکثر اَكْثَرَ الَّذِيْ یعنی ان کی جو آپس میں اختلافی باتیں تھیں یا یہودیوں اور عیسائیوں کی آپس میں اختلافی باتیں تھیں قرآنِ کریم نے ان کا فیصلہ کیا بہت سارے مختلف فیہ مسئلے ان کے حل کر دیئے اور وہ

ودائۃً اہل علم میں چلے آرہے ہیں تو یہ دلیل ہے اس بات کی یہ کلام اللہ تعالیٰ کی ہے ورنہ علماء کے فیصلے الجھے ہوئے مقدمات الجھے ہوئے مسئلے ایک ان پڑھ کس طرح سے طے کرسکتا ہے بہرحال مختلف فیہ مسائل میں فیصلہ دینا یہ انہیں کا کام ہوسکتا ہے جو اختلاف کرنے والے کے مقابلہ میں زیادہ علم رکھتا ہو تو یہ دلیل ہے کہ قرآنِ کریم حضور ﷺ کا قول نہیں بلکہ اللہ رب العزت کا اتارا ہوا ہے تو جب یہ اللہ کا اتارا ہوا ہے تو اس میں جو کچھ کہا جارہا ہے اس کو سمجھو اور مانو بے شک یہ قرآن البتہ رہنمائی ہے رحمت ہے مؤمنین کیلئے۔

یہ بھی کئی دفعہ آپ کی خدمت میں عرض کردیا گیا کہ مؤمنین کا ذکر یہاں انتفاع کیلئے ہوتا ہے چونکہ فائدہ یہی اٹھاتے ہیں ورنہ تو یہ سب جہانوں کیلئے رحمت ہے سب جہانوں کیلئے راہنمائی ہے لیکن فائدہ صرف یہی اٹھاتے ہیں۔ ①

قیامت کے دن اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کردیا جائے گا:۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ بے شک تیرا رب البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان اپنے حکم کے ساتھ یہاں سے قیامت کے دن کا فیصلہ مراد ہے کیونکہ دلیل کا فیصلہ تو دنیا میں ہی ہوجاتا ہے باقی عملاً حق اور باطل کو علیحدہ علیحدہ کردیا جائے گا اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کردیا جائے گا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ② یہ قیامت کے دن ہی ہوگا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان اپنے حکم کے ساتھ وہ زبردست ہے علم والا ہے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے یہ مخالفت کرنے والے آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے آپ اللہ پر بھروسہ کریں بے شک آپ صریح حق پر ہیں جب آپ حق پر ہیں تو اللہ کی حمایت آپ کے ساتھ ہے آپ کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ بے شک تو نہیں سنا سکتا موتیٰ کو۔ موتیٰ میت کی جمع ہے اور نہیں تو سنا سکتا بہروں کو پکار صُمٌّ یہ اَصَمٌّ کی جمع ہے جس وقت کہ وہ بہرے پشت پھیر کر جارہے ہوں وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اور نہیں ہیں آپ اندھوں کو رستہ دکھانے والے عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ان کی گمراہی سے بچا کر یہ عن صلہ آگیا ہادی کا تو اس کے اندر بچانے والا معنیٰ آگیا آپ ان کو ان کی گمراہی سے بچا کر سیدھا رستہ نہیں دکھا سکتے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا نہیں سناتے آپ مگر انہیں کو جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات کے ساتھ۔

---

① سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵ میں ہے هُدًى لِّلنَّاسِ
② سورۃ یٰسین: آیت نمبر ۵۹: پارہ نمبر ۲۳

فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ: پھر وہ فرمانبردار ہیں اور اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ میں بھی اگر ارادہ فعل والا معنی کر لیا جائے تو معنی یہ ہو جائے گا کہ نہیں سنا سکتے آپ مگران لوگوں کو جو ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہیں ہماری آیات کے ساتھ اور پھر وہ فرمانبردار بنتے ہیں وہی لوگ فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

علامات قیامت:۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اور جس وقت ان لوگوں پر قول واقع ہو جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب قیامت واقع کرنے کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ نکالیں گے ہم ان کے لئے چوپایہ زمین سے یہ خروج دآبہ علامات قیامت میں ذکر کیا گیا ہے حدیث شریف میں: جس وقت مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوگا اسی وقت ہی زمین سے ایک عجیب الخلقت دآبہ نکلے گا اور ان نشانیوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان معتبر نہیں ہوگا①۔ اب وہ دآبہ کہاں سے نکلے گا کیسا ہوگا اس کے بارے میں روایات بہت سی ذکر کی گئیں ہیں لیکن ان میں سے صحیح معیار پر روایتیں بہت کم ہیں بس یہ خاص علامت ہوگی قیامت کے قریب آنے کی کہ زمین پر عجیب الخلقت دآبہ نکلے گا ادھر مغرب سے سورج طلوع کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دونوں باتیں بالکل ایک دوسرے کے پیچھے ہیں طلوع شمس من المغرب تو متصل خروج دآبہ ہوگا اگر خروج دآبہ ہو گیا تو اس کے متصل طلوع شمس من المغرب ہوگا اور یہ علامت متحقق ہونے کے بعد یوں سمجھیں کہ عالم جان کنی میں مبتلا ہو جائے گا اس کے بعد اگر کوئی گناہوں سے توبہ کرے گا تو توبہ قبول نہ ہوگی توبہ کا دروازہ بند اور اگر کوئی کافر ایمان لانے چاہے گا تو ایمان قبول نہیں ہوگا وہ کوئی خاص قسم کا دآبہ زمین سے نکلے گا جس سے لوگوں کو سمجھ میں آ جائے گی جو کچھ پہلے کہا جا رہا تھا وہ ٹھیک ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہِ صفا یہ صفا پہاڑ جو مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے احاطے میں ہے وہ پھٹے گا اور اس میں سے یہ عجیب الخلقت دآبہ نکلے گا اور یہ ایک ایسی نشانی ہوگی کہ جس کے بعد لوگوں کے انکار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی جیسے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے نکال دی تھی اسی طرح سے یہ دآبہ بھی پہاڑ سے نکلے گا باقی اس کی کیا کیفیت ہوگی تو جب وہ واقعہ پیش آئے گا تبھی پتہ چلے گا علامات قیامت میں سے ہے اور بڑی علامات میں سے ہے۔ نکالیں گے ہم ان کیلئے ایک دآبہ زمین

① سنن ابن ماجہ باب طلوع الشمس من مغربہا/صحیح مسلم باب فی خروج الدجال/شرح السنۃ للبغوی ج ۱۵ ص ۹۳/مشکوۃ ص ۴۷۲ عن عبداللہ بن عمرؓ

سے تُكَلِّمُهُمْ وہ دآبہ ان لوگوں سے کلام کرے یا تُكَلِّمُهُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ دآبہ ان کے سامنے شہادت دے گا اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ اللہ تعالیٰ کی کلام قرار دی جائے اور اگر اس کو دآبہ کی کلام قرار دیا جائے تو یہ تُكَلِّمُهُمْ کا مفعول ہے کہ دآبہ لوگوں سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے ہماری سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہیں لیکن دابہ نسبت اپنی طرف کرے گا یہ ایسے ہے جس طرح سے حکومت کا ہر کارکن ہر کام کو حکومت کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمارا حکم یہ ہے ہماری تجویز یہ ہے بات تو اصل میں حکومت کی ہوتی ہے بادشاہ کی ہوتی ہے اسی طرح سے یہ بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی تو وہ اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے کہے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے اور اب میرے نکل آنے کے بعد یہ یقین لائیں بھی تو بھی ان کا یقین لانا معتبر نہیں ہوگا۔

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا

اور جس دن ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک جماعت کو وہ لوگ جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ

پس وہ لوگ روکے جائیں گے ﴿۸۳﴾ جب سارے کے سارے آجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا تھا میری آیات کو،

وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور نہیں احاطہ کیا تھا تم نے ان آیات کا ازروئے علم کے، بلکہ تم کیا کرتے تھے ﴿۸۴﴾

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

بات ان پر ثابت ہوجائے گی ان کے ظالم ہونے کی وجہ سے پس پھر وہ بولیں گے بھی نہیں ﴿۸۵﴾

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے بنایا رات کو تاکہ یہ اس میں سکون کریں، اور بنایا ہم نے دن کو روشن،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانا چاہیں ﴿۸۶﴾ جس دن کہ پھونک ماری جائے گی

الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

صور میں پس گھبرا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سوائے ان کے جن کو

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

اللہ چاہے گا اور سارے کے سارے آئیں گے اس اللہ کے پاس عاجزی کرتے ہوئے ﴿۸۷﴾ اے مخاطب تو دیکھتا ہے پہاڑوں کو سمجھتا ہے تو ان پہاڑوں کو جمے ہوئے

وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

اور وہ گذریں گے مثل گذرنے بادلوں کے یہ کاریگری ہے اللہ کی، جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا

إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

بیشک وہ رکھتا ہے خبران کاموں کی جو تم کرتے ہو ﴿۸۸﴾ جو کوئی اچھائی لیکر آیا اس کیلئے اس اچھائی کے بدلے میں بہتر اجر ہوگا

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

اور وہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے بے خوف ہونگے ﴿۸۹﴾ اور جو کوئی برا حال لیکر آئے گا ان کے چہرے اُلٹے

وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

کردیئے جائیں گے جہنم میں۔ نہیں بدلہ دیئے جاتے تم مگر اسی چیز کا جو تم کرتے تھے ﴿۹۰﴾

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ

اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اس شہر کے رب کی، جس نے اس شہر کو حرمت والا بنایا، اور اسی کیلئے

كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا

ہر چیز ہے، اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں ﴿۹۱﴾ مجھے یہ حکم دیا کہ میں قرآن پڑھوں،

الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

جو سیدھا راستہ پالے گا سوائے اس کے نہیں وہ ہدایت پائے گا اپنے لئے اور جو کوئی بھٹک جائے گا

فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

آپ فرمادیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں ﴿۹۲﴾ اور آپ فرمادیجئے سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، عنقریب دکھائیں گے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیات

فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

پھر تم انہیں پہچان لوگے، تیرا رب غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ﴿۹۳﴾

تفسیر

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا: فوج جماعت کو کہتے ہیں جس کی جمع افواج آتی ہے وَرَاَيْتَ النَّاسَ

یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ①

یَوۡمَ نَحۡشُرُ: اور جس دن ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک جماعت کو مِّمَّنۡ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا یہ فوج کا بیان ہے یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ پس وہ لوگ روکے جائیں گے یہ یُوۡزَعُوۡنَ کا لفظ اسی سورت میں آپ کے سامنے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں بھی آیا تھا اس کا ترجمہ دو طرح سے کیا جاتا ہے وزع روکنا منع کرنا اور اس طرح وزع ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو بھی کہتے ہیں جماعت بندی کرنا صف بندی کرنا، وہاں یہ معنی کیا گیا تھا کہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ اگلوں کو روک لیا جائے گا تا کہ پچھلے ان کے ساتھ شامل ہو جائیں تو یہاں بھی یہی معنی ہوں گے کہ اگلوں کو روکا جائے گا تا کہ پچھلے ان کے ساتھ آ ملیں اور اگر درجہ بندی کے معنی میں لے لیا جائے تو وہاں بھی پھر مفہوم اس طرح سے ہے کہ ان کی پھر صف بندی کی جاتی تھی درجہ بندی کی جاتی تھی مختلف قسم کی جس طرح سے فوجوں میں جماعتیں ہوا کرتی ہیں تو اس طرح سے ان کی جماعتیں بنائی جاتی تھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں تو یہاں بھی اسی طرح سے ہو گا کہ فوج جو مکذبین کی اکٹھی کی جائے گی تو اس کی درجہ بندی کی جائے گی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے اعلیٰ درجے کے جو ہوں گے وہ جہنم کے سب سے اسفل درجے میں بھیجے جائیں گے ان سے کم درجے کے ہوں گے ان کو اس سے کم عذاب ہو گا تو جس طرح سے جہنم کے لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ ② آپ کے سامنے قرآنِ کریم میں آیا تھا کہ اس کے سات دروازے ہیں یعنی اس کے مختلف درجے ہیں مختلف دروازے ہیں تو ان مکذبین کو اکٹھا کر کے ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ٹکڑوں کی صورت میں ان کے اپنے اپنے حال کے مطابق درجات میں بھیجا جائے گا۔

ہر امت کے مکذبین کو قیامت کے دن علیحدہ کر دیا جائے گا:۔

تو اس کا یہ مفہوم ہو جائے گا تو وہاں بھی دونوں ترجمے ہیں اور یہاں بھی یہ دونوں ترجمے ہیں ہر امت سے ایک فوج اکٹھی کی جائے گی مکذبین کی یعنی ہر امت میں سے ہماری آیات جھٹلانے والے جو ہوں گے ان کو علیحدہ کر لیا جائے گا اگلوں کو روکا جائے پچھلوں کو ساتھ شامل کرنے کیلئے جیسا کہ انتظام کرنے کیلئے ایسی ضرورت پیش آتی ہے یا ان کی مختلف جماعتیں بنائی جائیں گی ان کی درجہ بندی کی جائے گی ہر درجے کے کافر علیحدہ کر دیئے

① پارہ نمبر ۳۰: سورۃ نصر:
② پارہ نمبر ۱۴: سورۃ حجر: آیت نمبر ۴۴

جائیں گے مکذب علیحدہ کر لئے جائیں گے اور ان کی شان کے مطابق ان کو اس درجے کے عذاب میں بھیج دیا جائے گا۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوۡ حتیٰ کہ یہ مکذبین جب سارے کے سارے آ جائیں گے قال اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰیٰتِیۡ کیا تم نے جھٹلایا تھا میری آیات کو اَمَّاذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ، اَمَّاذَا یہ اَمۡ اور مَا علیحدہ علیحدہ ہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اَم کا بل کے ساتھ ترجمہ کیا ہے بلکہ تم کیا کرتے تھے تم یہ تکذیب کرتے تھے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی تم کیا کیا کرتے تھے اور اگر اَم کا ترجمہ یا کے ساتھ کیا جائے جیسے اکثر مترجمین نے کیا ہے یا تم کیا کرتے تھے یعنی تکذیب کرتے تھے بغیر احاطہ علم میں لانے کے یا تم کیا کرتے تھے یہ ان سے استفہام کیا جائے گا اس سے زجر و توبیخ مراد ہے۔

کافروں نے کبھی اللہ کی آیات میں تدبر نہیں کیا:۔

وَلَمۡ تُحِیۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا کا مطلب یہ ہوا کہ جب میری آیات تمہارے پاس آئیں تم نے ان میں تدبر نہیں کیا غور نہیں کیا ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی بس تمہارے سامنے پیش کر دی گئیں اور تم نے ان کو جھٹلا دیا تم ان کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے۔ ایک ہے کہ انسان پورے مَالَهٗ وَمَا عَلَیۡهِ کو سمجھ لے کسی بات کو اپنے علمی احاطے میں لے آئے پھر جا کے کوئی بات کرے تو کسی درجے میں کوئی گنجائش بھی ہوتی ہے اگر یہ تدبر کرنے کی کوشش کرتے اللہ تعالیٰ کی آیات کا علمی احاطہ کرنے کی کوشش کرتے تو ان کی حقانیت بھی ان کو سمجھ میں آ جاتی انہوں نے تو کوشش ہی نہیں کی جب اللہ کے نبی نے ان کے سامنے آیات پیش کیں اسے انہوں نے جھٹلا دیا یہی ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کیا جھٹلایا تم نے میری آیات کو اور نہیں احاطہ کیا تم نے میری ان آیات کا اپنے علم سے بلکہ نادانی کے ساتھ تم نے جھٹلا دیا یا تم کیا کرتے تھے یا یوں ترجمہ کر لیں بلکہ تم اور کیا کچھ کرتے تھے وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا یَنۡطِقُوۡنَ بات ان پر ثابت ہو جائے گی یہاں بات سے قول عذاب مراد ہے یعنی قول عذاب ان کے اوپر ثابت ہو جائے گا ان کے ظالم ہونے کی وجہ سے اور ظالم کا اعلیٰ مصداق مشرک ہوتے ہیں اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ① کیونکہ وہ کفر اور شرک میں مبتلاء تھے اس لئے قول عذاب ان کے اوپر ثابت ہو جائے گا۔ فَهُمۡ لَا یَنۡطِقُوۡنَ پس پھر وہ بولیں گے بھی نہیں یعنی عذر معذرت کیلئے سامنے بول بھی نہیں سکیں گے بات ان پر ثابت ہو جائے گی کہ اپنی نادانی اور بیوقوفی کے ساتھ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے تھے توحید کی آیات کو سمجھا نہیں، توحید اختیار نہیں کی، شرک میں مبتلا رہے جس کی بناء پر

① پارہ نمبر ۲۱: سورۃ لقمان: آیت نمبر ۱۳

قول عذاب ان کے اوپر ثابت ہو گیا۔ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ اب یہی معاد کی دلیل کے طور پر ذکر کیا جا رہا ہے دن اور رات کو، قرآن کریم میں اکثر جگہ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کے مسئلے کو ذکر کرتے ہوئے دن اور رات کا ذکر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی ایسی نشانیاں موجود تھیں کہ اگر ان میں غور کرتے تو بعث بعد الموت کا امکان اور اس کا وقوع بھی سمجھ میں آ جاتا لیکن انہوں نے ان چیزوں میں غور نہیں کیا۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے بنایا رات کو تا کہ یہ اس میں سکون کریں۔ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اور بنایا ہم نے دن کو روشن فصاحت اور بلاغت کے تقاضے سے بعض الفاظ مقابلتاً آیات میں حذف کر دیئے جاتے ہیں یہاں وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا آ گیا ہے تو اس کے مقابلے میں لیل کی جانب میں مظلماً کا لفظ آ جائے گا اور لیل کی جانب میں لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ آ گیا تو نہار کی جانب میں لِيَعْمَلُوْا فِيْهِ کا لفظ نکل آئے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے رات کو تاریک بنایا تا کہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن کو ہم نے روشن بنایا تا کہ لوگ دن میں کام کریں یہی دن اور رات کے اندر حکمتوں میں سے حکمت ہے۔

نیند موت کے مشابہ ہے:۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ: بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لانا چاہیں یا ایمان لاتے ہیں یہ یؤمنون فعل آ گیا ارادہ فعل کے معنی میں ہے جو ایمان لانا چاہیں ان لوگوں کیلئے اس میں البتہ نشانیاں ہیں۔ نشانیاں کس چیز کی اللہ کی قدرت کی اللہ کی حکمت کی اللہ کے خالق ہونے کی جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سمجھ میں آئیں گی اور یہاں چونکہ موقع محل پر آگے پیچھے مسئلہ معاد کا ذکر کیا جا رہا ہے تو اس میں نشانیاں ہیں معاد کی بعث بعد الموت کی اگر آپ غور کریں تو رات کے وقت ایسے ہوتا ہے جیسا کہ کائنات پہ موت طاری ہو گئی ہو۔ نیند یہ موت کے مشابہ ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا ① یہاں وفات کا ذکر دونوں طرح سے ہے نیند کے وقت بھی اللہ وفات دیتا ہے اور موت کے وقت بھی موت کے وقت کا سلسلہ ظاہراً باطناً کلیتاً ختم ہو جاتا ہے جسم سے اور نیند کے وقت ظاہراً منقطع ہو جاتا ہے اور باطناً باقی رہتا ہے اس لئے اندر کی مشینری چل رہی ہوتی ہے دل دھڑک رہا ہوتا ہے معدہ جگر اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں لیکن ظاہری حواس انسان کے معطل ہو جاتے ہیں بہر حال کسی نہ کسی درجے میں توفی نیند میں بھی ہے اور یہ انسان یوں پڑا ہوتا ہے جس طرح سے کہ مردہ پڑا ہوتا ہے ویسے بھی لوگ کہا کرتے ہیں۔ سویا مویا یک برابر۔ تو کوئی ہوش

① پارہ نمبر ۲۴: سورۃ زمر: آیت نمبر ۴۲

حواس نہیں ہوتے ظاہری طور پر اور بعد میں جس وقت انسان اٹھتا ہے تو یہ اس طرح ہے جیسے دوبارہ روح پڑ گئی ساری قوتیں بحال ہو جاتی ہیں سوتے وقت تو نہ ٹانگ اپنے بس کی ہوتی ہے نہ بازو اپنے بس کا ہوتا ہے ٹانگ کدھر کو جا رہی ہے بازو کدھر کو جا رہے ہیں اور جب انسان جاگتا ہے تو ساری قوتیں بحال ہو جاتی ہیں تو یہ ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے بعث بعد الموت کا کہ اللہ تعالیٰ یونہی موت دے گا بعد میں اسی طرح سے اٹھا دے گا اس لئے سرورِ کائنات ﷺ سوتے وقت جو دُعا پڑھا کرتے تھے اس میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا اور جب جاگتے تھے تو جاگنے کے بعد بھی دُعا پڑھا کرتے تھے اس میں بھی یہی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ① اللہ کا شکر کہ اس نے ہمیں دوبارہ زندگی دیدی موت دینے کے بعد۔ یہاں حیات وموت سے نیند اور جاگنا مراد ہے اور اسی سے پھر فوراً ذہن منتقل ہوتا ہے اِلَیْهِ الْبَعْثُ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ کہ اللہ ہی کی طرف اٹھ کے جانا ہے اور اللہ کی طرف اکٹھے ہونا ہے تو سوتے جاگتے انسان ان کیفیات کو دیکھے تو اس کو بعث بعد الموت بڑے اچھے طریقے سے سمجھ میں آسکتی ہے سونا موت کی طرح ہے یہ مخلوق جتنی بھی ہے حیوانات سب ساکت و جامد ہو جاتے ہیں جیسا کہ ان کے اوپر کوئی موت طاری ہوگئی ہو اور دن کو سارے ہوشیار ہو کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ صبح شام رات دن یہ نمونے آپ کو دکھاتا ہے تو اس میں کوئی غور کرنا چاہے ایمان لانا چاہے تو اس میں جہاں اللہ کی قدرت ہے اللہ کا احسان ہے اللہ کی حکمت ہے وہاں انسان کو اس بعث بعد الموت کا عقیدہ بھی اس دن رات کے چکر سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

صور کس طرح ہوگا؟:۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ جس دن پھونک ماری جائے گی صور میں فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پس گھبرا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہیں اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ اور سارے کے سارے آئیں گے اس اللہ کے پاس عاجزی کرتے ہوئے دبے دبائے۔ نفخ فی الصور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو دفعہ ہے۔ صور کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ قرن ہے سینگ کی شکل والا۔ اور اس میں پھونک ماریں گے تو اس میں سے آواز نکلے گی آج کل تو

① مشکوٰۃ ص ۲۰۸ عن حذیفہؓ/صحیح البخاری باب ما یقول اذا اصبح/مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۸/مسند احمد ج ۳۸ ص ۴۴۶/صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۳۵۰

قریب زمانہ میں نظر سے نہیں گزرا آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعضے ملنگوں کے پاس لمبے لمبے سینگ ہوتے ہیں جب اس میں پھونک مارتے ہیں تو جس طرح بگل بجایا جاتا ہے اس طرح سے اس میں سے آواز نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ چونکہ حقائق کو انہی الفاظ میں بیان کرتے ہیں جن کو انسان سمجھے ویسے حقیقت حال تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن کوئی ایسا لفظ بول دیا جائے کہ لغات موجود نہیں اس کا کوئی نمونہ موجود نہیں تو آپ اس کو سمجھیں گے کیسے۔ تو اللہ کی طرف سے یہ ایک اعلان ہوگا کہ اب کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے فنا ہو جائے اور اس اعلان کی صورت ایسی ہے جس طرح کہ فوجوں میں اعلان کرنے کیلئے بگل بجاتے ہیں اسی طرح سے اسرافیل اس پر متعین ہے اس میں جب پھونک ماریں گے تو یہ اعلان ہوگا اس بات کا کہ اب فنا ہونے کا وقت آ گیا اس سے پھر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی تمام جانوروں پر جنوں پر انسانوں پر فرشتوں پر حیوانات پر تو یہ بے ہوش ہو جائیں گے جس طرح کہ فَصَعِقَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ① آیا ہے پھر ان سب کے اوپر موت طاری ہو جائے گی سوائے ان کے جن کے متعلق اللہ چاہے تو اس سے مراد حاملین عرش یا یہ چار بڑے بڑے فرشتے پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے براہِ راست بغیر نفخے کے ان کو بھی موت دیدے گا اور کائنات بھی ساری کی ساری ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ جیسے آگے آئے گا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے آسمان پھٹ جائے گا زمین ٹوٹ پھوٹ جائے گی گویا کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ معدوم کر دیں گے۔

دونوں نفخوں کے درمیان فاصلہ:۔

اور پھر کچھ وقت کے بعد جس کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان اَرۡبَعُوۡنَ کا فاصلہ ہے حضرت ابوھریرۃؓ کی روایت ہے پوچھا گیا کہ اَرۡبَعُوۡنَ یَوۡمًا فرمایا میں کچھ نہیں کہتا پھر پوچھا گیا اَرۡبَعُوۡنَ شَھۡرًا فرمایا کہ میں کچھ نہیں کہتا پھر پوچھا گیا اَرۡبَعُوۡنَ سَنَۃً فرمایا میں کچھ نہیں کہتا ② مطلب یہ تھا ابوھریرۃؓ کا کہ مجھے یہ تو یاد رہ گیا کہ حضور ﷺ نے چالیس کا عدد بیان فرمایا تھا لیکن یہ نہیں یاد کہ چالیس دن مراد ہیں یا چالیس مہینے مراد ہیں یا چالیس سال مراد ہیں۔ لیکن راجح روایات کی طرف دیکھتے ہیں تو چالیس سال مراد ہیں وہ چالیس سال کیا ہوں گے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے کیونکہ جب آسمان بھی ٹوٹ گیا زمین بھی ٹوٹ گئی نہ چاند نہ ستارے کچھ بھی نہ ہوگا نہ ہی سورج ہوگا تو پھر طلوع غروب کا چکر ختم ہو جائے گا اور حقیقتاً دن رات کے اعتبار سے مہینے اور سال بنا کرتے ہیں یہ مراد نہیں پس اتنی سی مدت مراد ہے جتنی اللہ کو منظور ہوگی اب

① پارہ نمبر ۲۴: سورۃ زمر: آیت نمبر ۶۸
② بخاری ج ۲ ص ۷۱۱، ج ۲ ص ۷۳۵، مسلم ج ۲ ص ۴۰۷، مشکوۃ ج ۲ ص ۴۸۱

وہ سال ہمارے سال مراد ہیں جو کہ تین سو ساٹھ دن کے ہوتے ہیں یا وہ سال اللہ تعالیٰ کے جو کہ ہمارے شمار کے مطابق ہزار سال کے برابر ہیں اس لئے صحیح اندازہ دونوں نفخوں کی درمیان کی مدت کا اللہ کے علم میں ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے کہ دونوں نفخوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا عدد چالیس کا آیا ہے پھر وہ دن ہیں سال ہیں یا مہینے ہیں یہ سب اللہ کے علم میں ہے اس مدت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوبارہ وہی صور پھونکا جائے گا تو یہ ساری کی ساری کائنات پھر دوبارہ بن جائے گی لیکن یہ ہوگی بالکل ہموار اس میں کوئی پہاڑ کوئی گڑھا کوئی نشیب و فراز نہیں ہوگا بالکل چٹیل میدان جس طرح سے ہوتا ہے کہ سارے کھڑے ہوں تو نظر آئیں آوازیں دی جائے تو سب کو پہنچے گی اور پھر اس طرح سے آسمان بھی بن جائے گا زمین بھی بن جائے گی اور پھر سارے کے سارے انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔

بعث بعد الموت:۔

اس کے بعد پھر حساب و کتاب کا سلسلہ ہوگا پھر اللہ تعالیٰ جن کو دوزخ میں بھیجیں گے اور جنہوں نے جنت میں جانا ہوگا انہیں جنت میں بھیج دیں گے تو یہ دوبارہ خلق ہوگا اسی کو بعث بعد الموت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور یہ ضروریات دین میں سے ہے قطعی عقائد میں سے ہے جس کا انکار بھی کفر ہے اور اس میں تاویل کرنا بھی کفر ہے تو جس دن کہ صور پھونکا جائے گا اس سے نفخہ اولیٰ مراد ہے آسمان اور زمین جو ہیں وہ سب گھبرا جائیں گے اس گھبراہٹ کے نتیجے میں بے ہوشی طاری ہوگی اور بے ہوشی میں پھر موت آجائے گی اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ مگر جس کو اللہ چاہے وہ بچ جائے گا گھبراہٹ سے بچ جائے گا بے ہوشی سے بچ جائے گا جن کے متعلق اللہ چاہے وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ اور سارے کے سارے آئیں گے اس وقت اللہ کے پاس عاجز ہوتے ہوئے یعنی گھبراہٹ کے وقت جس طرح سے دنیا میں انسانوں میں عادت ہوتی ہے کہ بھاگ جاتے ہیں چھپنے کی کوشش کرتے ہیں اس دن ایسا کوئی نہیں کر سکے گا بلکہ سارے کے سارے اللہ کے سامنے دبے دبائے ہوں گے اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور اگر اس سے نفخہ ثانی ہی مراد لے لیا جائے تو پھر گھبراہٹ جو ہوگی وہ حساب و کتاب کی گھبراہٹ ہے اور اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا امن دے گا لیکن یہاں راجح نفخہ اولیٰ ہی ہے کیونکہ آگے پہاڑوں کے ٹوٹنے پھوٹنے کا ذکر آرہا ہے۔

پہاڑ بادلوں کی طرح بھاگیں گے:۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً کا ترجمہ دوطرح سے کیا گیا ہے ایک تو حال کے ساتھ کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے پہاڑوں کو اس وقت دنیا میں اور سمجھتا ہے تو ان پہاڑوں کو جمے ہوئے یعنی تیرا خیال ہے کہ بڑے ٹھوس ہیں بڑے جامد ہیں یہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں سکتے اور یہ اسی طرح سے جمے رہیں گے یعنی اب اگر ہم پہاڑوں پر نظر ڈالیں تو کہیں گے کہ اتنے وزنی پہاڑ اتنے ٹھوس پہاڑ یہ کیسے ہل سکتے ہیں اپنی جگہ سے یہ حال کے ساتھ ترجمہ ہو گیا۔

وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ: اور وہ گزریں گے مثل گزرنے بادلوں کے یعنی آج جو یہ تمہیں جمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تو اس دن ان کے یوں پرخچے اڑیں گے یہ یوں چلیں گے جیسے بادل ہوا کے دوش پر کبھی ادھر کو جارہے ہیں کبھی ادھر کو جارہے ہیں جب نفخ ہوگا تو یہ بادلوں کی طرح اُڑتے پھرتے ہوں گے قرآنِ کریم میں مختلف آیات کے اندر پہاڑوں کا تذکرہ یونہی آیا ہے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ① اس طرح سے اڑیں گے جس طرح سے دھنکی ہوئی اون اڑتی ہے اللہ ان کو بکھیر دے گا گزریں گے مثل بادلوں کے گزرنے کے ایک ترجمہ تو یوں ہو گیا بیان القرآن میں یہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے۔

اور ایک ہے کہ یہ بھی اسی قیامت کے وقت کا حال ہے کہ جب نفخ صور ہوگا تو پہاڑ اپنی جگہ سے اڑیں گے اور یوں گزریں گے جس طرح سے بادل گزرتے ہیں لیکن تو ان کو دیکھے گا تو سمجھے گا کہ شاید یہ اپنی جگہ ٹکے ہیں بظاہر دیکھنے میں یوں معلوم ہوگا یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے جب ایک بہت بڑی چیز ہوا کرتی ہے جس کے اوپر نیچے دائیں بائیں انسان کو کچھ نظر نہ آئے تو جس وقت وہ حرکت کر رہی ہو تو بھی اس کی حرکت محسوس نہیں ہوتی بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے کیونکہ اس کی حرکت تب معلوم ہوگی جب کوئی کنارا ننگا ہو۔ آپ کو یوں جاتا ہوا معلوم ہو جب اس کا کوئی کنارا ننگا نہیں ہوگا تو اس وقت وہ گزرتے ہوئے ایسے معلوم ہوں گے جیسے یہ ٹھہرے ہوئے ہیں اس کی مثال آپ یوں لے لیجئے جب یہ بادل کا کوئی تھوڑا سا ٹکڑا یا مختلف ٹکڑے آسمان پہ ہوتے ہیں تو اس وقت یہ آپ کو چلتے ہوئے نظر آتے ہیں ایک طرف کو دوسری طرف جارہے ہیں یہ حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور ایک ہے کہ گھٹا محیط ہوگئی سارا آسمان ابر آلود ہو گیا کسی طرف سے آسمان ننگا نہیں ہے تو حرکت

① پارہ نمبر ۲۹: سورۃ معارج: آیت نمبر ۹، پارہ ۳۰: سورۃ قارعہ: آیت نمبر ۵

وہ اس وقت بھی کر رہے ہوتے ہیں لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ اب یہ ساری کی ساری گھٹا ٹھہری ہوئی ہے۔ البتہ حرکت کرتے کرتے جب آسمان کا کوئی کنارا ننگا ہو جاتا ہے تو پھر آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو چل رہے تھے ہم سمجھے کہ ٹھہرے ہوئے تھے گرد و غبار اگر محیط ہو جائے تو انسان کو یونہی پتہ چلتا ہے کہ ٹھہری ہوئی ہے حالانکہ وہ حرکت کر رہی ہوتی ہے اسی طرح سے بڑے بڑے پہاڑ آپ کو یوں معلوم ہوں گے کہ جس طرح سے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ گزر رہے ہوں گے یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور دونوں باتیں اپنی جگہ واقع ہیں کہ دنیا میں انسان اس کو دیکھتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا کہ یہ ہل نہیں سکتے لیکن یہ قیامت کے دن بادلوں کی طرح بھاگیں گے یا اس وقت دیکھیں گے تو بظاہر معلوم ہوگا کہ اپنی جگہ ٹکے ہوئے ہیں لیکن وہ بادلوں کی طرح گزریں گے صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَیۡءٍ، صُنۡعَ اللّٰهِ یہ مصدر ہے یہ کاریگری اللہ کی ہے یہ کام کرنا اللہ کا ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔ بناتے وقت وہ مضبوط بناتا ہے جب اس کو توڑنا چاہے تو توڑ پھوڑ بھی دے گا یہ سب اللہ کی کاریگری ہے۔

اِنَّهٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ: بے شک وہ رکھتا ہے خبر ان کاموں کی جو تم کرتے ہو وہ اس کے علم میں ہے یہ اس کا علمی احاطہ آ گیا اور قیامت کے ساتھ چونکہ ہمارے افعال کا ہی زیادہ تعلق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اوپر جزا سزا دے گا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے فعلوں میں سے کوئی فعل بھی اللہ سے مخفی نہیں یہی بات یاد رکھنے کی ہے۔

اہل ایمان اعمالِ صالحہ والے قیامت کے دن مطمئن ہوں گے:۔

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا جو کوئی اچھائی لے کر آیا اس کیلئے اس اچھائی کے بدلے میں بہتر اجر ہوگا۔ یعنی اس اچھائی کا جتنا اجر ہونا چاہیے اس سے بھی بہتر اللہ تعالیٰ دے گا۔ حسنہ کا اوّل مصداق ایمان اور اس کے بعد ہر نیکی ہے وَهُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ یَّوۡمَىِٕذٍ اٰمِنُوۡنَ اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے یعنی جس وقت یہ جزا سزا سلسلہ حساب و کتاب کا سلسلہ شروع ہونے لگے گا تو جو ایمان لے کے آئیں گے نیک اعمال لے کر آئیں گے وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے ان کے اوپر گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی وہ مطمئن ہوں گے۔

وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ: اور جو کوئی برا حال لے کر آئے گا برے حال کا اصل مصداق کفر اور اس کے بعد باقی

معاصی جتنے بھی ہیں اپنے اپنے درجے کے مطابق ان کے اوپر گھبراہٹ طاری ہوگی جو کوئی برائی لے کر آئے گا فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ان کے چہرے الٹے کر دیئے جائیں گے جہنم میں یعنی ان کو منہ کے بل جہنم میں گرایا جائے گا جیسے ٹانگوں سے پکڑا اور کسی کو منہ کے بل اٹھا کے پھینک دیا جائے ذلت کے ساتھ ان کو پھینک دیں گے الٹے کر دیئے جائیں گے ان کے چہرے جہنم میں اور پھر ساتھ یہ بھی کہا جائے گا هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ نہیں بدلہ دیئے جاتے تم مگر اسی چیز کا جو تم کرتے ہو یہ کچھ تمہارے سامنے آ رہا ہے یہ تمہارے اپنے کئے کا بدلہ ہے نئی چیز نہیں ہے۔

مشرکین مکہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات:۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یہ سورت کا اختتام آ گیا جس میں سرورِ کائنات ﷺ اپنے دین کو بطور خلاصے کے پیش فرماتے ہیں۔ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اس سے پہلے محاورتاً پہلے قُلْ کا لفظ ہم محذوف مانیں گے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیجئے آپ فرما دیں اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اس شہر کے رب کی الَّذِیْ حَرَّمَهَا جس نے کہ اس شہر کو حرمت والا بنایا یہ مشرکین مکہ پر اللہ تعالیٰ کا جو احسان ہے اس کے اوپر متوجہ کیا گیا یہ بلدۃ الحرام مکہ معظمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا بنایا اس کے رب کی میں عبادت کروں مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے اور اس شہر کی حرمت کی وجہ سے تم کتنے فائدے اٹھا رہے ہو یعنی وہ زمانہ جو تھا وہ قبائلی جنگوں کا زمانہ تھا کوئی قبیلہ اپنے کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا اس لئے کہ لوٹ مار ساری دنیا میں تھی خاص طور پر اس زمانے میں جبکہ قبائلی لڑائیاں زوروں پر تھیں تو یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اس شہر کو حرمت والا بنایا اور یہ چونکہ اللہ کا حرمت والا بنایا ہوا تھا اس لئے لوگوں کے قلوب میں یہ بات پڑی ہوئی تھی جاہلیت کے زمانے میں کفر و شرک کے زمانے بھی لوگ اس کا احترام کرتے تھے اور اس کی حدود میں آ کر کوئی کسی کی گردن نہیں مارتا تھا اگر اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تو بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا اتنی عزت اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی تو جس کا یہ احسان ہے کہ اس نے اسے بلد حرام بنایا ہے تو یہ اسی کا حکم ہے کہ میں اس کی عبادت کروں تیسویں پارے میں سورۃ قریش میں بھی اسی قسم کی بات ہے فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اس بیت کے رب کی عبادت کریں جس نے ان کو کھانے کیلئے دیا

جس نے ان کو خوف سے امن دیا یہ بھی انہیں فوائد کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین مکہ اس بیت اللہ کی برکت سے اٹھا رہے تھے بیت اللہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے لوگ ان کو پیروں کی جگہ مانتے تھے ان کا احترام کرتے تھے اور اس احترام کی وجہ سے یہ لوگ تجارتی سفر میں بھی مامون و محفوظ تھے لوگ ان سے تعرض نہیں کرتے تھے تو تجارت کے ذریعے یہ روٹی کماتے اللہ نے ان کو کھانے کیلئے دیا یہ اسی گھر کی برکت تھی لوگ فاقے میں مرتے تھے ان کے تجارتی قافلے لوٹے جاتے تھے اور ان کی جان خطرے میں ہوتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خوف سے بھی امن دیا اور کھانے کو بھی دیا یعنی بیت اللہ کی برکت تھی کہ ان کے پاس رزق کی وسعت بھی تھی اور دنیاوی عزت بھی حاصل تھی تو ان لوگوں کو چاہیے کہ اس بیت کے رب کی عبادت کریں تو یہاں بھی یہی بلدۃ الحرام کو ذکر کیا کہ یہ شہر جس نے حرمت والا بنایا اور اس حرمت کی وجہ سے یہاں کے باشندے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اسی رب کی عبادت کروں یعنی مشرکین مکہ کو اللہ تعالیٰ کے احسان کی طرف متوجہ کیا۔

وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ: اور اسی کے لئے ہر چیز ہے ہر چیز کا مالک وہی ہے۔

وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پڑھوں اس کی تلاوت کروں یعنی تمہیں پڑھ پڑھ کر سناؤں جس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ میں وہی ہوں جس کے متعلق تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! ان کے اندر ایک ایسا نبی بھی بھیجنا۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ ① جو ان کے اندر تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے تو مجھے یہ حکم دیا کہ میں قرآن پڑھوں یعنی میں وہی ہوں جس کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت بھی کرتا ہوں فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ جو سیدھا راستہ حاصل کرے گا ہدایت یافتہ ہو جائے گا میرے قرآن کو سن کر سیدھا راستہ پالے گا سوائے اس کے نہیں وہ ہدایت پائے گا اپنے لئے ہی اس کے ہدایت پانے کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا وَمَنْ ضَلَّ اور جو کوئی بھٹک جائے گا فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ آپ فرما دیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں یعنی پیغمبروں رسولوں میں سے ہوں جو اللہ کی طرف سے لوگوں کو ڈرانے کیلئے آیا کرتے ہیں۔ کسی کے بھٹکنے کا مجھے کوئی نقصان نہیں میرا کام تو انذار ہے میں تو منذرین میں سے ہوں

① پارہ نمبر ۱: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۲۹

اور میں نے اپنا فرض ادا کردیا۔ اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں سب اچھی صفات اللہ ہی کے لئے ہیں علم حکمت قدرت جو کچھ بھی سب اللہ تعالٰی کی صفات ہیں۔ سَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا عنقریب دکھائیں گے اللہ تعالٰی تمہیں اپنی آیات پھر تم انہیں پہچان لو گے۔

اللہ نے شخصی موت کو مخفی رکھا ہے:۔

اور بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ماقبل کے ساتھ ربط یوں لیا کہ پیچھے سے ذکر آرہا تھا قیامت کا اور جب بھی قیامت کا ذکر آتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی اور جب وقت نہ بتایا جائے تو اس میں شک کرتے ہیں انکار کرتے ہیں اور قرآن کریم میں بار بار اس بات کو واضح کیا گیا کہ کسی چیز کا وقت معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے بسا اوقات کسی چیز کے وقت کا مخفی رکھنا مصلحت ہوتا ہے اس کو بالکل آپ اس طرح سے سمجھیں جس طرح کہ شخصی موت ہے آپ نے بھی مرنا ہے میں نے بھی مرنا ہے لیکن ہم میں سے کسی کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں کوئی نہیں بتا سکتا کہ میں نے کب مرنا ہے لیکن ہے یہ ضروری اب کوئی شخص اس سے استدلال کرے کہ بھائی موت کا وقت اگر مقرر ہے تو ہمیں مرنے کا وقت بتاؤ اور اگر ہمارے مرنے کا تم وقت نہیں بتا سکتے تو پھر یہ مرنا ہے مرنا ہے ہمیں کیا یاد دلا رہے ہو۔ اگر یہ کوئی واقعہ ہے تو ہمیں وقت بتاؤ تو آپ جانتے ہیں کہ وقت نہیں بتایا جا سکتا اللہ تعالٰی نے شخصی موت کو مخفی رکھا ہے۔

شخصی موت کو مخفی رکھنے میں مصلحت:۔

اسی میں مصلحت ہے یہ جو آپ کو دنیا کی چہل پہل نظر آرہی ہے اور آپ کی ساری جدوجہد اسی زندگی پر لگی ہوئی ہے تو یہ اسی پر ہی مبنی ہے کہ تمہیں اپنے مرنے کا وقت معلوم نہیں اور اگر یہ وقت بتا دیا جاتا تو چاہے آپ کے مرنے میں پندرہ سال ہی باقی ہیں بیس سال ہی باقی ہیں تو آپ کا فکر بڑھ جاتا دن رات ڈرتے رہتے کہ اتنے دن باقی رہ گئے۔ اور جب وقت قریب آجاتا تو روتے اور مرنے سے پہلے ہی مر جاتے اب آخر وقت تک انسان جدوجہد کرتا ہے کہ جیسے مرنا ہی نہیں اس لئے تو طویل جدوجہد میں لگا رہتا ہے اور اگر موت بتا دی جائے تو زندگی کا سارے کا سارا نظم ہی خراب ہو جائے لیکن اب شخصی موت کا پتہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت آنی ہی نہیں ہے روز موت آتی ہے آپ کے سامنے تو اسی طرح قیامت آئے گی۔

وقوع قیامت کے وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا:۔

لیکن اس عالمی موت کی خبر اللہ نے بالتعیین نہیں دی ایسا نہیں ہے کہ نہیں آئے گی بلکہ یقین ہے کہ آئے گی اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے وقت کو مخفی رکھا ہے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت اس لئے حضور ﷺ اگر وقت نہ بتا سکیں تو اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اچھی اچھی صفات اسی کے لئے ہیں علم اسی کا قدرت اسی کی حکمت اسی کی باقی قیامت کے واقعات تمہارے سامنے آجائیں گے اور وہ قیامت کے واقعات تمہارے سامنے آئیں گے تم پہچان لوگے کہ یہ وہی باتیں ہیں جو میں بتایا کرتا تھا جو اللہ کے قرآن میں ذکر کی گئی ہیں یہ وہی باتیں ہیں وہی واقعات ہیں تم ان کو پہچان لوگے لیکن اس وقت پہچاننے کا فائدہ کوئی نہیں۔ عنقریب دکھائے گا اللہ تمہیں اپنی آیات۔ دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات کا وقوع تمہارے سامنے آجائے گا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنی کتاب میں بیان کر رہا ہے اس کی وہ نشانیاں تمہارے سامنے آجائیں گی یعنی واقعات نمایاں ہو جائیں گے پھر تم پہچان لوگے کہ یہ وہی باتیں ہیں جو تمہیں پہلے بتائی جاتی تھیں لیکن اس وقت پہچان کر ایمان لانے کا تمہیں فائدہ کوئی نہیں ہوگا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ تیرا رب غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو اصل یاد رکھنے کی بات یہی ہے کہ تمہارے سب اعمال اللہ کے سامنے ہیں اور ان میں جزا و سزا کا تعلق ہے تم اپنے بچاؤ کی کوشش کرو ایسے عمل کرو جن سے تمہیں راحت اور آرام ملے اور اس قسم کی کمزور باتیں کہ چونکہ اس کا وقت معلوم نہیں اس لئے ہم اس کا عقیدہ نہیں رکھتے اِن باتوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے بے خبر نہیں ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

سماع موتی پر مدلل و مفصل گفتگو:۔

اب کچھ آپ کے سامنے سماع موتی کے متعلق بیان ہوگا مقصد یہ ہے کہ آپ کے سامنے اپنا اور اپنے اکابر کا مسلک واضح کر دیا جائے یہ کوئی مناظرہ نہیں ہے بلکہ یہ طالبعلمانہ وضاحت ہے اس لئے گفتگو جو ہوگی وہ مختلف انداز میں ہوگی کسی کو الزام دینا مقصود نہیں۔ مسئلہ چونکہ اہم ہے اس لئے مسئلے کی وضاحت کرنے سے قبل ایک دو باتیں آپ کی خدمت میں بطور اصول کے ذکر کرتا ہوں اگر آپ ان کو ذہن نشین کرلیں گے تو انشاء اللہ العزیز اس مسئلے میں بھی اور آئندہ بہت سے مسائل میں آپ کیلئے مفید رہیں گی۔

حق قیامت تک سلسلہ وار موجود رہے گا:۔

سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھئے......! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ① تم میں سے ایک جماعت موجود رہنی چاہیے جو خیر کی طرف لوگوں کو بلائے اور معروف کا حکم دے اور برائی سے روکے یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، مختلف جماعتوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل آ گئے یہی لوگ جو کہ واضح دلائل آنے کے بعد اختلاف کرتے ہیں ان کیلئے عذاب عظیم ہے۔ یہ آیت میں نے آپ کے سامنے اس لئے بیان کی کہ بظاہر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے جماعت ایسی موجود رہنی چاہیے جس کیلئے عنوان ہے "اہل حق کی جماعت، اللہ تعالیٰ کی جماعت" جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے بھلائی کا حکم دے برائی سے روکے۔ اور سرورِ کائنات ﷺ نے پیش گوئی کے طور پر اس بات کا ذکر فرمادیا صحیح روایات میں موجود ہے آپ نے فرمایا کہ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ② یا بعض روایات میں جس طرح سے لفظ آتا ہے قَائِمَةٌ عَلَى الْحَقِّ ③ کہ میری امت میں ایک طائفہ ایسا موجود رہے گا جو حق پہ قائم رہے گا اور کوئی دور بھی اس فرقے سے خالی نہیں ہو سکتا یعنی اہل حق سے خالی نہیں ہو سکتا جیسے پہلی امتیں تھیں جو اپنے نبی کے جانے کے بعد گمراہ ہو گئیں اور رستے سے بھٹک گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اور نبی ان کے پاس بھیجا جس نے آ کر حق راستے کو ان پر واضح کیا لیکن سرورِ کائنات ﷺ کی امت چونکہ آخری امت ہے اور سرورِ کائنات ﷺ آخری نبی ہیں خاتم النبیین ہیں کسی دوسرے نبی نے تو آنا نہیں اس لئے قیامت تک حق سلسلہ وار موجود رہے گا کوئی دور ایسا نہیں آئے گا کہ سرورِ کائنات ﷺ کے بعد اہل حق کلیتاً مٹ جائیں اور حضور ﷺ کی امت گمراہی پہ جمع ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا اور جس دن یہ نوبت آ گئی کہ اہل حق ختم ہو گئے اور انسانی آبادی ساری کی ساری گمراہی پر جمع ہو گئی تو اس دن قیامت آ جائے گی تو حق کا وجود تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔

---

① پارہ نمبر ۴، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۴

② مسلم شریف ج ۱ ص ۸۷، ج ۲ ص ۱۴۳

③ معجم کبیر ج ۱۹ ص ۳۸۶، اور مسلم ج ۲ ص ۱۴۳ پر الفاظ یوں ہیں قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ

نظریہ حق کا معیار کیا ہے؟:۔

ایک طائفہ جس کو مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ ① کے ساتھ ہم ذکر کرتے ہیں وہ موجود رہے گا اس لئے حق کو پہچاننے کیلئے یہ ایک معیار ہے کہ آپ یہ دیکھیں......! کہ سرورِ کائنات ﷺ سے لے کر اس وقت تک وہ گروہ جو مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کا امتیاز رکھتا ہے اس کا نظریہ کیا چلا آ رہا ہے اور اگر وہ نظریہ کوئی اس قسم کا ہو جس میں آپ کو تسلسل معلوم ہو تو سمجھ لیجئے کہ یہ حق ہے اور اگر کوئی نظریہ اس قسم کا ہو کہ اس میں تسلسل نہیں ہے حضور ﷺ کے بعد امت کے اندر وہ نظریہ نہیں تھا کچھ مدت کے بعد چند لوگوں نے نکالا۔ چاہے اپنے طور پر وہ ہزار ہا دلائل اس کے اوپر پیش کریں ہم اس نظریئے کو حق کہنے کیلئے تیار نہیں کیونکہ وہ حق نہیں ہو سکتا جو سرورِ کائنات ﷺ کے بعد اُمت کے اندر مسلسل نہیں آیا یہ ان کی ایک اپنی ذہنی تحقیق ہے اور ان کے اپنے اوہام اور خیالات کا مجموعہ ہے ہم اس کو حق کہنے کیلئے تیار نہیں ہم حق اسی کو کہیں گے کہ جس کا سلسلہ پچھلی اُمت کے اندر سرورِ کائنات ﷺ تک ملا دیا گیا ہو۔

اہل حق کا مصداق:۔

حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا گروہ ہے جن میں سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ جو تھے وہ زیادہ ممتاز ہوئے اور ان کے بعد انہیں کے متعلقین میں اصحاب فتاویٰ، بڑے بڑے محققین اور ایسے ہی اولیاء اللہ کا گروہ اور اصحاب باطن جن کے اہل حق ہونے پر اہل سنت والجماعت اتفاق کرتے آئے ہیں اور پھر خصوصیت میں ہمارے ملک میں ہندوستان کے اندر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس گروہ کے سرخیل ہیں اور انہیں سے اہل حق کی جماعت زیادہ ممتاز ہوئی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کی اولاد میں جانشین ہوئے خواجہ محمد معصوم، خواجہ محمد سعید یہ سلسلہ مجددی چلتا رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد جو ہمارے اساتذہ میں سارے کے سارے شامل ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آگے آ کے اس جماعت نے بہت ممتاز حیثیت اختیار کر لی جس کے لئے عنوان ہم علماء دیوبند کا اختیار کرتے ہیں جس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں فرد اس گروہ کے سالار ہیں اور اسی طرح سے اور حضرات جن کی نسبت علماء دیوبند کی

① مشکوٰۃ ص ۳۰/ ترمذی باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ

طرف ہے اور اس مسلک کے ترجمان ہیں حضرت شیخ الہند حضرت مولانا شرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور پاکستان بننے کے بعد اسی جماعت کے ممتاز افراد بھی پاکستان میں آئے بزرگ بھی اولیاء بھی اور علماء بھی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح اور بھی بزرگ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ یہ حضرات سارے کے سارے علماء دیوبند کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں تو یہ اہل حق کی جماعت ممتاز چلی آرہی ہے اور برصغیر کے اندر ان افراد کو خصوصیت کے ساتھ مشعل حق مانتے ہیں اور ان کو اپنا ھادی اور رہنما سمجھتے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کا مصداق ہیں۔

فہم قرآن وحدیث کس کا معتبر ہوگا؟:۔

اس لئے آپ حضرات سب سے پہلے جو مسئلہ بھی پیش آجائے اس میں یہ دیکھنا چاہیے کہ جماعت کا نظریہ کیا ہے؟ جو کچھ ان لوگوں نے سمجھا جنہوں نے اپنی ساری کی ساری زندگیاں قرآن وحدیث کی تحقیق میں گزار دیں وہی ہمارے لئے حق ہے چاہے ہماری سمجھ میں ان کی دلیل آئے چاہے نہ آئے قرآن وحدیث کا مطلب اگر ہم سمجھیں گے تو اسی جماعت کے ذریعے سے سمجھیں گے انہی کے فہم کے ساتھ سمجھیں اگر ہمارا فہم ان کے فہم کے مطابق ہے تو ہمارا فہم ٹھیک ہے اور اگر ہمارا فہم ان کے مطابق نہیں ہے تو ہمارا فہم ٹھیک نہیں ہے ان حضرات کی جو اجتماعی رائے ہے وہ ٹھیک ہے چنانچہ یہی اصول ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مکتوبات کے اندر بیان فرمایا یہ صرف اصل کلی کے طور پر آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے نیک بخت! جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے مگر اس طریق کو جو علماء اہل حق نے کتاب وسنت سے سمجھا ہے اور اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو تو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے احکام باطلہ کو کتاب وسنت سے ہی سمجھتا ہے اور وہاں سے ہی اخذ کرتا ہے حالانکہ اس کا سمجھنا حق کی کسی چیز سے مطابقت نہیں کرتا جو شخص کوئی بھی نظریہ لے کر اٹھتا ہے کتاب وسنت سے ہی استدلال کرتا ہے لیکن ہم اس کو اس طرح سمجھیں گے جس طرح اہل حق نے کتاب وسنت

سے اس کو سمجھا ہے اہل حق کا گروہ جو پہلے سے چلا آ رہا ہے جو انہوں نے سمجھا وہی ہمارے لئے حجت ہے اسی کے مطابق ہم اس کو سمجھیں گے تو یہ طریقہ ہے حق کے سمجھنے کا۔

بینات آنے کے بعد اختلاف کرنا اہل باطل کا کام ہے:۔

اس بنیاد کے قائم کرنے کے بعد میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جو واضح دلائل کے آ جانے کے بعد آپس میں اختلاف کریں ان کے لئے عذابِ عظیم ہے یہ علامت ہے اس بات کی کہ اہل حق وہی گروہ ہوتا ہے جو واضح دلائل کے آنے کے بعد اختلاف نہیں کرتا واضح دلائل وہ ہوا کرتے ہیں جن میں قطعی آیات کی شان ہوتی ہے اور قطعی آیات کے آ جانے کے بعد اختلاف کرنا یہ اہل حق کا شیوہ نہیں اس لئے میں ہمیشہ یہ عرض کیا کرتا ہوں علماءِ حق میں کوئی مسئلہ اگر مختلف فیہ ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں اور بعد میں علماءِ امت میں اگر مسئلہ مختلف فیہ ہو تو یہ علامت ہوتی ہے کہ قرآن کے اندر اس مسئلے کے اوپر بینات قائم نہیں ہے اگر یہ مسئلہ بینات کے تحت واضح ہوتا تو کم از کم صحابہ میں ائمہ مجتہدین میں اور دوسرے علماءِ امت میں، مؤمنین کاملین میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ ہوتا بینات کے آ جانے کے بعد اختلاف کرنا یہ اہل باطل کا کام ہے ان لوگوں کا کام ہے جن کیلئے آخرت میں عذابِ عظیم ہے اہل حق بینات کے آ جانے کے بعد کبھی مسئلے میں اختلاف نہیں کرتے۔

مسائلِ اجتہادیہ میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے:۔

اور اگر اہل حق کے اندر کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو اصولی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس معاملے پر بینات قائم نہیں ہیں اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے جو مسئلہ مجتہد فیہ ہو بینات سے واضح نہ کیا گیا ہو اس میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اہل حق کی دو رائے ہو سکتی ہیں یہ کہہ دیں یا یہ کہہ دیں اس میں کوئی جھگڑے کی بات نہیں اور اس قسم کا مسئلہ جو کہ مجتہد فیہ ہو جس میں اہل حق کی دو رائے ہوں یہ مدار کفر و ایمان نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے کوئی صورت بھی اختیار کر لے اس کو ہم کفر نہیں کہہ سکتے اور دوسرے کا اختیار کرنا ہم ایمان کیلئے شرط قرار نہیں دے سکتے۔

مثال سے وضاحت:۔

یہ ایک بہت بڑی اُصولی بات ہے جو میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ دیکھئے نماز فرض ہے اس کے اوپر قرآنِ کریم میں بینات قائم ہیں کوئی اختلاف نہیں، سب کہتے ہیں کہ نماز فرض ہے اب اگر یہاں کوئی

اختلاف کرے اور کہے کہ نماز فرض نہیں وہ کافر ہے نماز پانچ وقت کی فرض ہے احادیث متواترہ کے ساتھ امت کے تعامل سے اور قطعیات سے ثابت ہے اور اس قطعی مسئلے کے اندر اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں اور اس مسئلے میں اگر کوئی اختلاف کرتا ہے کہ پانچ وقت فرض نہیں تین وقت کی فرض ہے دو وقت کی فرض ہے تو یہ شخص کافر ہے یہ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اختلاف کرنے والوں میں سے ہے اہل حق کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ظہر کی رکعتیں چار ہیں عصر کی چار ہیں مغرب کی تین ہیں عشاء کی چار ہیں فجر کی دو ہیں یہ سارے کے سارے مسئلے بینات سے ثابت ہیں قطعیات سے ثابت ہیں اہل حق کا اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے ایمان کا مدار ہے ان کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے گا تو وہ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اختلاف کرنے والوں میں سے ہے ان کے لئے عذاب عظیم ہے اس کو کافر کہیں گے۔

مؤمنین کے راستہ کی اتباع ہی اہل حق کا کام ہے:۔

لیکن نماز میں فاتحہ فرض ہے یا نہیں رفع یدین کرنا ہے کہ نہیں کرنا آمین بالجہر ہے یا آمین بالسر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر آج تک اس میں اہل حق کے دو گروہ چلے آ رہے ہیں یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس کے اوپر ایمان کا مدار نہیں اب اگر کوئی شخص کہے کہ جو فاتحہ پڑھتے ہیں وہ کافر ہیں تو یہ شخص بھی گمراہ اور اگر کوئی شخص کہے کہ جو فاتحہ نہیں پڑھتے وہ کافر ہیں تو یہ بھی گمراہ ہے وہ کافر نہیں ہوں گے یہ کہنے والا گمراہ ہے کیونکہ اس نے ایک ایسا رستہ اختیار کیا ہے جو سرورِ کائنات ﷺ کے بعد اہل حق کا رستہ نہیں ہے اہل حق کا مسئلہ یہ ہے یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اگر کسی کا اجتہاد اُدھر کو جاتا ہے تو اس کیلئے بھی گنجائش ہے اِدھر کو جاتا ہے تو اس کے لئے بھی گنجائش ہے زیادہ سے زیادہ کوئی شخص یہ قول کر سکتا ہے کہ بہتر یہ ہے اعلیٰ یہ ہے افضل یہ ہے اولیٰ یہ ہے دوسری شق کو بالکلیہ باطل قرار دینا اور اس مسئلے کو کفر و ایمان کیلئے مدار ٹھہرالینا یہ اہل حق کا کام نہیں ہے قرآنِ کریم میں ہے کہ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ جو رسول کے ساتھ ضد کرے ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اب جو رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مؤمنین کے رستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے رستے پہ چلتا ہے ہم اس کو کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے دنیا میں ہم اس کے

① پارہ نمبر ۵، سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر ۱۱۵

اوپر کوئی جبر نہیں کریں گے، پھیر دیں گے ادھر جدھر کو پھرتا ہے، متولی بنادیں گے اسی چیز کا جس کا متولی بنتا ہے بعد میں اٹھا کے اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔

تو مؤمنین کے رستے کی اتباع یہ اہل حق کا کام ہے کہ پہلے سے مؤمنین کاملین جو طریق اختیار کئے ہوئے ہوں اسی کی اتباع کرو یہ ہدایت ہے اور مؤمنین کاملین کے رستے کو چھوڑنا اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ہے۔

مختلف فیہ مسائل مدارِ ایمان نہیں ہیں:۔

جو مسئلہ مختلف فیہ ہو یہ اصول یاد رکھیں......! وہ مدارِ ایمان نہیں ہوتا وہ بینات سے ثابت نہیں مختلف فیہ ہونا ہی علامت ہے اس بات کی کہ اس کے اوپر بینات نہیں ہیں اگر اس کے اوپر بینات آئی ہوئی ہوتیں تو کم از کم اہل حق اس میں اختلاف نہ کرتے تو مختلف فیہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے اور مجتہد فیہ مسئلے میں کسی مجتہد کو آپ خاطی تو کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو آپ اولیٰ بالحق کہہ سکتے ہیں کسی کی تحقیق کو افضل کہہ سکتے ہیں لیکن اس مسئلے کو مدارِ ایمان نہیں ٹھہرا سکتے کہ ایک شق اختیار کرنے والے کو آپ کہیں کہ کافر ہے یا دوسری شق اختیار کرنے والے کو کہو کہ مؤمن تو صرف یہی ہے مجتہد فیہ مسائل کا یہ مطلب نہیں ہوا کرتا ایک بات تو یہ آپ اپنے ذہن کے اندر رکھیں......!

عالم برزخ اور عالم آخرت کو سمجھنے کے ذرائع:۔

دوسری بات آپ یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ عالَم مختلف ہیں ایک جس کو ہم عالم دنیا کہتے ہیں جس میں اس وقت ہم زندہ ہیں۔ اور ایک اس سے پہلے عالم تھا جہاں ہماری روحیں موجود تھیں یعنی عالَم ارواح اور ایک مرنے کے بعد قیامت سے پہلے کا زمانہ ہے جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے اور ایک مخلوق جب مجموعی طور پر اٹھے گی قبروں سے ان کو اٹھایا جائے گا جس کو ہم قیامت کا دن کہتے ہیں یعنی عالم آخرت، یہ عالَم قطعیات کے ساتھ ثابت ہیں۔ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک کا زمانہ، برزخ کا زمانہ کہلاتا ہے۔ جس وقت انسان مرجاتا ہے تو یہ عالم دنیا اس کا ختم ہوگیا عالم برزخ کی طرف وہ منتقل ہوگیا تو جب وہ عالم برزخ کی طرف منتقل ہوگیا تو وہاں کے حالات اس دنیا کے حالات کے اوپر قیاس کر کے نہیں سمجھے جاسکتے اس دنیا کے حالات اور طرح کے ہیں اور مرنے کے بعد جس وقت ہم دوسرے عالم میں منتقل ہوجائیں گے وہاں کے حالات اور طرح کے ہیں اور جب جی اٹھیں گے دوبارہ آخرت آئے گی اس کے حالات اور طرح کے ہیں وہاں کے حالات کو سمجھنے کیلئے یا تو اللہ تعالیٰ کی وحی چاہیے یا فراست صحیحہ

جو کہ مقتبس من الوحی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ① کہ جو اللہ کے رستے میں قتل کر دیئے گئے انہیں اموات نہ کہو اور دوسری جگہ آیا کہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ② جو اللہ کے رستے میں قتل کر دیئے گئے انہیں اموات نہ سمجھو یعنی دل سے بھی اموات نہ سمجھو زبان سے بھی اموات نہ کہو بَلْ اَحْيَآءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ لیکن تمہیں شعور نہیں یہاں قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ شعور سے وہ علم مراد ہوسکتا ہے جس کو انسان اپنے حواس سے حاصل کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ تم ان کی زندگی کو آنکھوں سے دیکھ کر معلوم نہیں کر سکتے تمہارے شعور میں نہیں ہیں۔

یا تو اللہ بتا دے وحی کے ذریعے کہ ان کی زندگی کس قسم کی ہے اور برزخ میں ان کے حالات کیا ہیں یا فراست صحیحہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق عمل کرتا ہوا مجاہدہ کرتا ہوا انسان کی طبیعت میں ایک لطافت پیدا ہو جاتی ہے جس کے ساتھ بعض امور غائبہ کے انکشاف ہونے لگ جاتے ہیں جس کو کشف کے ساتھ یا الہام کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے وحی الٰہی ایک قطعی چیز ہوتی ہے اور کشف یہ ایک ظنی چیز ہے جو صحیح بھی ہوسکتا ہے غلط بھی۔

بہر حال اگر کچھ نہ کچھ احساس کیا جاسکتا ہے تو وحی کے فیض سے کیا جاسکتا ہے براہِ راست اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کا رسول واضح کر دے کہ حالات یہ گزرتے ہیں تو ٹھیک ہے اگر اللہ اور رسول کی اتباع کرتے ہوئے کسی کو فراست صحیحہ حاصل ہو صفائے باطن کے ساتھ اس کے سامنے کسی چیز کا انکشاف ہو جائے یا اس کے قلب میں اللہ کی طرف سے کوئی بات ڈال دی جائے تو اس کے ذریعے بھی کچھ حالات معلوم کیے جاسکتے ہیں لیکن جو اللہ اور اس کے رسول کی زبانی وحی کے ذریعے واضح ہوں گے وہ قطعی ہوں گے ان میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور اگر کشف کے ساتھ روحانی تعلق کی بناء پر اگر کچھ حالات معلوم ہوں تو ظنی ہوتے ہیں۔

بہر حال اگر کچھ تدارک ہوسکتا ہے تو باطنی قوت کے ساتھ یا وحی کے ذریعے سے۔ ہم اپنے حواس ظاہرہ کے

---

① پارہ نمبر ۲، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۵۴

② پارہ نمبر ۴، سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۶۹

ساتھ احوالِ برزخ کو معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح سے آخرت کے حالات ہیں وہاں کے حالات کو اگر سوچنا چاہیں کہ اتنی آگ ہوگی اس کے اندر آدمی ڈالے جائیں گے اور وہ جلیں گے بھی لیکن مریں گے نہیں یا ایسا پل صراط ہوگا یہ ہوگا وہ ہوگا عقلی دلائل کے ساتھ آپ اگر طے کرنا چاہیں گے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا اتنا باریک پل ہوگا اور نیچے آگ ہوگی اور اتنا تیز پل ہوگا یہاں نہیں چل سکتے تو وہاں کس طرح سے چلیں گے جیسے مشہور ہے کہ ایک مولوی صاحب پل صراط کی تفسیر بیان کر رہے تھے تو کوئی جاہل سامنے بیٹھا ہوا تھا کہتا ہے مولوی صاحب! اتنا زور جو لگا رہے ہو اس پل کو ثابت کرنے کیلئے۔ سیدھا کیوں نہیں کہہ دیتے کہ جنت کیلئے رستہ ہی نہیں ہے یہ اتنا باریک پل جو بنا دیا تو اس کے اوپر سے کون گزر کے جائے گا سیدھا کہہ دو کہ آگے رستہ ہی کوئی نہیں۔

تو عقل کے ساتھ ان باتوں کو طے کرنے کی کوشش کرنا اور اس دنیا کے معاملات پر قیاس کر کے اس عالم کے معاملات کو طے کرنا یہ گمراہی کی بنیاد ہے اللہ کی طرف سے وحی آجانے کے بعد اور اللہ کے رسول کی طرف سے واضح ہدایت آجانے کے بعد اس کو قبول کر لینا یہی ہدایت ہے عقلی قیاسات کے ساتھ ان کو رد کرنا اور ان کا مذاق اڑانا یہ گمراہی ہے، بہت بڑی گمراہی ہے یہ بات بھی اصولی طور پر ذہن میں رکھیں۔

قبر اور عالم برزخ:۔

اب رہی یہ بات کہ جو برزخ ہے یہ تو ایک عالم ہے مرنے کے بعد انسان عالم برزخ میں منتقل ہو گیا باقی وہ برزخی حالات اس کے اوپر کہاں طاری ہوتے ہیں ظاہری طور پر ایک انسان کو زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا گیا جس کو ہم کہتے ہیں قبر۔ تو قبر اور عالم برزخ ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے قبر یہ مُسْتَقَرّ ہے جہاں اس کے دھڑ کو دفن کر دیا گیا اور عالم برزخ وہ وقت ہے جو کہ گزر رہا ہے جو شخص قبر میں منتقل ہو گیا وہ عالم برزخ میں ہے اور اگر کسی شخص کو گڑھے والی قبر نصیب نہیں ہوئی مثلاً دریا میں ڈوب گیا اس کو مچھلیاں کھا گئیں یا قتل کر کے کسی نے باہر پھینک دیا اس کو پرندے کھا گئے یا کسی نے اس کو جلا کے ذرات ہوا میں بکھیر دیئے اس کو کوئی قبر نصیب نہیں ہوئی اس کو ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کی گڑھے والی قبر نہیں لیکن عالم برزخ میں وہ ہے۔ اور جہاں بھی اس کے ذرات ٹھہریں گے وہی اس کی قبر ہے۔ پس قبر کی پہلی صورت ہو یا دوسری، دونوں صورتوں میں وہ قبر میں بھی ہے اور عالَمِ برزخ میں بھی لیکن عام طور پر مسلمانوں کو چونکہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو شریعت نے برزخ کے حالات بیان

کئے ہیں تو قبر کے عنوان سے کئے ہیں۔

برزخی حالات کا تعلق قبروں سے ہے:۔

جو شخص کسی جگہ دفن کر دیا گیا اس کیلئے وہ مُسْتَقَرٌّ بن گیا ٹھہرنے کی جگہ بن گیا وہی اس کی قبر ہے۔اور جس کو زمینی قبر میں دفن نہیں کیا گیا اس کا جسم یا ذراتِ جسم جس شکل میں جہاں قرار پکڑیں وہ اس کی قبر ہے۔لہٰذا موت کے بعد عالمِ برزخ میں قبر ہر انسان کیلئے ہے خواہ وہ مدفون ہو یا مدفون نہ ہو۔اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت کے یا عذاب کے جو واقعات بھی گزرتے ہیں وہ اسی قبر میں گزرتے ہیں اگر اس کو دفن کیا گیا ہے تو اسی زمینی قبر میں اور اگر اس کو دفن نہیں کیا گیا تو جہاں جہاں اس کے ذرات بکھرے ہوئے ہیں وہیں وہیں اس کے اوپر وہ حالات طاری ہوں گے ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کس طرح سے تکلیف دیتا ہے کس طرح سے راحت دیتا ہے لیکن یہ بات نصوص سے ثابت ہے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جس کو دفن کر دیا گیا ہو اس کے برزخی حالات راحت کے یا آرام کے اسی قبر میں ہوتے ہیں جو آپ کے سامنے ڈھیری بنی ہوتی ہے۔اور قبر میں جو حالات گذرتے ہیں وہ برزخی حالات ہیں۔

عذاب وثواب اور زیارتِ قبوت کا تعلق انہیں زمینی قبروں کے ساتھ ہے:۔

حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ ایک دفعہ خچر پر جا رہے تھے تو خچر قبروں کو دیکھ کر بدکی اور آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کی قبریں ہیں اور بعد میں جب بتایا گیا کہ یہ شرک کے زمانے کے مرے ہوئے لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے عذاب کا تذکرہ کیا تو انہیں ڈھیریوں کو دیکھ کر خچر بدکی تھی۔ یہ نہیں کہ اس کے سامنے سِجِّین آ گیا تھا تو بہر حال عالم برزخ یہاں اور وہاں یہ اس قسم کی کوئی تفریق نہیں وہ ہر جگہ سے ایک جیسا ہی ہے۔اور اسی طرح سے سلام کہنے کا جو تعلق ہے وہ ان ڈھیریوں کے ساتھ ہے زیارت کی جو ترغیب دی گئی ہے وہ انہیں ڈھیریوں کے ساتھ ہے اور امت کے اندر اولیاء مراقبے وغیرہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ انہیں قبروں کے اوپر ہی کرتے آتے ہیں اور عذاب اور ثواب کا انکشاف جو ہوتا ہے اہل حق کو وہ انہی قبروں میں ہوتا ہے یہ اولیاء اللہ کے کثرت کے ساتھ واقعات ہیں حدیث شریف میں اگر آپ دیکھیں مشکوٰۃ شریف میں باب اثبات عذاب القبر میں

① مشکوٰۃ ص ۲۵/صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ

جتنے بھی حالات ہیں وہ حضور ﷺ نے دو چھڑیاں گڑوائی تھیں اور فرمایا کہ ان دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے تو وہ انہیں ڈھیریوں کے اوپر گاڑی تھیں اور انہیں ڈھیریوں کے اندر عذاب کا انکشاف ہوا تھا اور ایک صحابی کے دفن کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کے اوپر قبر تنگ ہوگئی اور کتنی دیر تک وہاں کھڑے ذکر کرتے رہے سبحان اللہ الحمد للہ صحابہ بھی کرتے رہے تو بعد میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے اوپر قبر تنگ ہوگئی تھی اور ہمارے ذکر کی برکت سے اللہ نے اس کی قبر کشادہ کردی ① وہ بھی اسی قبر ہی کا قصہ ہے

اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر کھڑے رہنا تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں تاکہ مجھے پتہ چل جائے کہ میں اللہ کے رسولوں کو کیا جواب دے کر لوٹاتا ہوں ② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو قبر کے پاس کھڑے ہو کر رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے ③ اگر اس میں کوئی نجات پا گیا تو آگے آسانی ہی آسانی ہے اور اگر اس میں کسی کو عذاب شروع ہوگیا تو آگے بہت شدت ہوگی آگے معاملہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا جائے گا وہ انہیں قبروں کے واقعات ہیں اس لئے جن بزرگوں کو کشف ہوتا ہے جو ان قبروں سے استفادہ کرتے ہیں ان کا سارے کا سارا تعلق انہیں گڑھوں کے ساتھ ہے انہیں قبروں کے ساتھ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی قبر بن گئی جس کو کہیں لٹایا گیا عالم برزخ کے حالات اس پر انہیں قبروں میں طاری ہوتے ہیں تو یہ قبریں برزخ سے باہر نہیں اور ان قبروں کی طرف عذاب اور ثواب کی نسبت کرنا یہ کوئی برزخ کے خلاف نہیں اور جن کو یہ قبر نصیب نہیں ہوتی ان کے برزخی حالات جہاں ان کے ذرات ہوں گے وہیں طاری ہوتے ہوں گے بہر حال جو دفن ہوگیا ان کے حالات کا تعلق انہیں قبروں کے ساتھ ہے اہل دل اہل کشف جب مراقبات کرتے ہیں تو یہیں پر جاکے کیا کرتے ہیں یہیں سے ان کو کشف والہام ہوا کرتا ہے تو قبریں یہی ہیں جن کے اوپر حالات طاری ہوا کرتے ہیں۔

سماع موتی کے مسئلہ کی دو حیثیتیں قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں:۔

اب اگلی بات...... موتی (مردوں) کے سماع کا مسئلہ اس کی کیا حیثیت ہے، سماع کی دو حیثیتیں ہیں، ایک

① مشکوٰۃ ص ۲۶ عن جابرؓ/ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸

② مشکوٰۃ ص ۱۴۹ عن عمرو بن العاصؓ/ صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ

③ مشکوٰۃ ص ۲۶

ہے قرآنِ کریم کی وہ آیات جن میں مشرکین سے کہا گیا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ سنتے نہیں، اور وہ تمہاری دعاؤں سے غافل ہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں، تو تمہاری دعا کو قبول نہیں کر سکتے۔ ایک تو آیات اس قسم کی ہیں جس طرح ۲۶ ویں پارے میں یہ آیت ہے وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ① اور اسی طرح سے سورۃ یونس کے اندر یہ آیت ہے فَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اِنۡ کُنَّا عَنۡ عِبَادَتِکُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ ② مشرکین کا تذکرہ ہے یا اسی طرح سے سورۃ فاطر میں یہ لفظ ہیں کہ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَکُمۡ ۚ وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَکُمۡ ؕ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یَکۡفُرُوۡنَ بِشِرۡکِکُمۡ ؕ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِیۡرٍ ③ یہ آیات جن میں مشرکین کے حال پر تبصرہ کیا گیا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ سنتے نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری دعا کو قبول نہیں کر سکتے۔ ردِ شرک کے طور پر یہ آیات آئی ہوئی ہیں۔

پہلی حیثیت: سماعِ موتی لازم ودائم کا عقیدہ جو شرک ہے:۔

اس بارے تو آپ یاد رکھئے......! کہ امت میں سے اہل حق کا اس میں اختلاف نہیں کہ مشرکین جس سماع کے قائل تھے جس کی تردید کے طور پر یہ آیات آئی ہیں وہ ہے سماع لازم ودائم جو الوہیت کی خصوصیات میں سے ہے یعنی یہ عقیدہ کہ جب بھی پکارا جائے جہاں سے پکارا جائے جو کہا جائے جس وقت کہا جائے وہ سنتے ہیں چاہے یہ عقیدہ کسی زندہ کے متعلق رکھا ہو، چاہے کسی مردہ کے متعلق ہو، چاہے کسی جن کے متعلق ہو، چاہے کسی فرشتے کے متعلق ہو، چاہے کسی پیر کے متعلق ہو، چاہے کسی پیغمبر کے متعلق ہو، اللہ کے علاوہ جس کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے، یہ شرک ہے اور مشرکین ایسے ہی سماع کے قائل تھے اور ان آیات میں جو آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں ان میں اسی قسم کے سماع کو رد کیا گیا ہے کہ الٰہ وہ ہوتا ہے کہ جس کو جب پکارو، جس کام کیلئے پکارو، جہاں سے پکارو، جس وقت پکارو، وہ سنتا ہے قرب اور بعد کا کوئی فرق نہیں، رات اور دن کا کوئی فرق نہیں، جس وقت بھی پکارا جائے سنے، حاضر ناظر ہو، عالم الغیب ہو، اس کو قدرت حاصل ہو، تبھی جا کے اس کو پکارنے کا فائدہ ہے اور وہ ہر کسی کی پکار کو سنتا بھی ہو ایسی شان صرف اللہ کی ہے اللہ کے علاوہ کسی پیغمبر یا جن کے متعلق یا فرشتے کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھنا شرک ہے

① پارہ نمبر ۲۶، سورۃ نمبر ۴۶، آیت نمبر ۵
② پارہ نمبر ۱۱، سورۃ نمبر ۹، آیت نمبر ۲۹
③ پارہ نمبر ۲۲، سورۃ نمبر ۳۵، آیت نمبر ۱۴

اس لئے یہ آیات مشرکین کے عقیدے کے رد کے طور پر آئی ہیں ان کا مطلب ہے کہ سماع لازم ودائم کی نفی کرنا اور اس میں اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں جس کا یہ عقیدہ ہے وہ مشرک ہے ایک درجہ تو یہ ہو گیا۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات میں عقیدہ مشرکین سماع لازم ودائم کی تردید ہے:۔

اسی طرح آج عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کو کوئی اس عقیدے سے پکارے کہ ان کو جہاں سے پکارا جائے جب پکارا جائے جو کہا جائے وہ سنتے ہیں تو وہ بھی مشرک ہے فرعون جس وقت زندہ تھا لوگ اس کو اپنا رب سمجھتے تھے اگر زندہ کے متعلق بھی لوگوں کا یہ عقیدہ تھا تو یہ بھی شرک ہے یعنی الٰہ وہ ہوتا ہے جو ہر جگہ سے سنے ہر کسی کی سنے ہر وقت سنے یہ عقیدہ غیر اللہ کے متعلق شرک ہے اور ان آیات کے اندر اسی عقیدے کی تردید کی گئی ہے ان آیات کا تعلق اس مسئلے کے ساتھ نہیں ہے جن کا آگے جا کر کچھ اختلاف ہے۔ اس لئے یہ آیات جو آپ کے سامنے پڑھی گئیں جو مسئلہ سماع موتی کا اہل اسلام کے اندر چلتا ہے اسلاف میں سے کسی شخص نے بھی کبھی بھی ان آیات سے اس مسئلے پہ کبھی بھی استدلال نہیں کیا۔ یہ بات یاد رکھیں......! جہاں بھی سماع موتی کا مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے تفاسیر میں یا شروح احادیث میں اسلاف کی کتابوں میں ان میں ان آیات سے سماع موتی کی نفی پر کبھی کسی نے استدلال نہیں کیا کیونکہ ان آیات کا جو موضوع لہ ہے، جس مطلب کے لئے ان آیات کو چلایا گیا ہے اس میں تو کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں ان میں رد کیا جا رہا ہے مشرکین کے عقیدے کو اور مشرکین کا عقیدہ تھا سماع لازم ودائم یعنی ہر وقت ان کو سماع حاصل ہے لازمی حاصل ہے جہاں سے پکارو جب پکارو جو کہو وہ ہر کسی کی ہر بات ہر جگہ سے سنتے ہیں یہ عقیدہ جو ہے شرک ہے اور جس کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے اس کو شریک خدا بنا لیا گیا اور عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے چاہے عقیدہ کسی زندہ کے متعلق ہو چاہے کسی مردے کے متعلق ہو، چاہے جن کے متعلق ہو، چاہے فرشتے کے متعلق، چاہے پیر کے متعلق، چاہے پیغمبر، کسی کے متعلق ہو یہ شرک ہے ان آیات کے مفہوم میں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ ایک عقیدہ آ گیا۔

سماع موتی کی دوسری حیثیت: سماع فی الجملہ جو مختلف فیہ ہے:۔

دوسرا جس کو ہم سماع موتی کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ قریب سے ہے دور سے نہیں۔ قریب سے کسی کی بات سنے اور کسی کی نہ سنے۔ کوئی بات سنے کوئی بات نہ سنے جس کو ہم سماع فی الجملہ کہتے

ہیں۔کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ نہیں؟ یہ ہے اصل مسئلہ جو کہ اصل کے اعتبار سے اہل اسلام میں مختلف فیہ ہے۔اور اس مسئلے میں اکابر کا کیا موقف ہے یہ آپ کے سامنے واضح کرنا مقصود ہے۔

اب یہ مسئلہ جس کا عنوان میں نے آپ کے سامنے رکھا کہ قریب سے ہے، دور سے نہیں، کسی کی سنیں کسی کی نہ سنیں اس کا آپ عنوان یہ بنالیں جس کو ہم سماع فی الجملہ کہتے ہیں۔یعنی موجبہ کلیہ نہیں موجبہ کلیہ وہ مشرکین کا عقیدہ ہے اور ایک ہے سالبہ کلیہ کہ ہم کہیں کہ بالکل کچھ بھی نہیں سنتے چاہے قریب ہو کر کہو سلام کہو کچھ کہو بالکل ہی نہیں سنتے یہ سالبہ کلیہ ہے اور ایک ہے سماع فی الجملہ جس کا عنوان میں یہ رکھ رہا ہوں کہ قریب سے سنیں دور سے نہ سنیں کسی کی سنیں کسی کی نہ سنیں اور کوئی بات سنیں کوئی بات نہ سنیں اس کو کہتے ہیں سماع فی الجملہ۔

سماع موتی مختلف فیہ مدار ایمان نہیں:۔

اب یہ مسئلہ جو ہے اس کی امت کے اندر کیا نوعیت ہے؟ تو بنیاد میں آپ کے سامنے یہ اٹھانا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ اہل حق کے درمیان مختلف فیہ ہے جس وقت ہم نے اس کو اہل حق کے درمیان مختلف فیہ کہہ دیا تو پہلے اصول کے تحت یہ مدار ایمان نہیں ہے یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اموات کیلئے سماع فی الجملہ بھی نہیں تو اس کو کہنے کا حق ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو سماع فی الجملہ کے قائل ہیں وہ مشرک ہیں اگر یہ کہے گا تو یہ اہل حق کے مسلک کے خلاف ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سماع فی الجملہ ہے اس کو یہ تو کہنے کا حق ہے کہ سماع فی الجملہ ہے لیکن اس کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ جو سماع فی الجملہ کا قائل نہیں وہ کافر ہے یا پھر جو سماع فی الجملہ کا قائل ہے وہ مشرک یہ دونوں باتیں اہل حق کے خلاف ہیں اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے تو اس میں دونوں طرف رائے جاسکتی ہے کسی کا خیال ہو کہ سماع فی الجملہ بھی نہیں ہے اور کسی کا خیال ہو کہ سماع فی الجملہ ہے اس میں اولیٰ غیر اولیٰ کی بحث تو چل سکتی ہے لیکن اس میں کفر وشرک کی بحث نہیں ٹھہرائی جاسکتی اہل حق کے اندر یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

انصاف کی بات:۔

اب اس بات کو بھی اگر کوئی شخص تسلیم کرلے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ہم نے سماع موتی کی نفی کا بھی حق دیدیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں سنتے۔تم کہہ دو سماع فی الجملہ نہیں ہے اس طرح سے ہم ان کو کافر نہیں کہتے قرآن وحدیث کے منکر نہیں کہتے۔دونوں قسم کی رائے کی گنجائش ہے اس میں اگر گفتگو کی جاسکتی ہے تو اس

طرح کی جاسکتی ہے کہ ان میں سے اولیٰ بالحق اور اولیٰ بدلائل کون سی چیز ہے باقی اس کو کفر اور ایمان کا مدار قرار نہیں دیا جاسکتا نہ انکار کرنے والوں کو ہم کافر کہہ سکتے ہیں نہ قول کرنے والوں کو ہم مشرک کہہ سکتے ہیں اس سے زیادہ انصاف کی بات آپ کے سامنے کوئی نہیں آسکتی۔

سماع موتی کا عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہونا بمع مسئلہ استمداد (بحوالہ فتاوی رشیدیہ):۔

ہمارے طائفہ منصورہ کے سید الطائفہ حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط کے ساتھ یہ فتویٰ ہے کہ استمداد تین قسم کی ہے ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے اسی کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے (کہ قبروں والوں کو جا کر کہے کہ تو میرا یہ کام کردے تو میری مدد کر اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے) دوسرا یہ کہ کہے کہ اے فلاں (یعنی مردے کو خطاب کر کے کہے کہ اے فلاں) خدائے تعالیٰ سے دعا کر فلاں کام میرا پورا ہو جائے یہ مبنی ہے اوپر مسئلہ سماع کے جو سماع موتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک درست۔ دوسروں کے نزدیک ناجائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس میں سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ دعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام پورا کردے یہ بالاتفاق جائز ہے ① یعنی اس میں درمیان والی شق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کسی قبر والے کو جا کر کہے کہ تو میرے لئے دُعا کر اللہ تعالیٰ میرا فلاں کام پورا کردے تو جو سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس طرح سے کہنا ٹھیک ہے اور جو سماع کے قائل نہیں ان کے نزدیک اس طرح سے کہنا ٹھیک نہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی قبور کے پاس جا کر دُعا کی درخواست کرنا یہ ٹھیک ہے انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔

سوال: اور ایک جگہ فتاویٰ رشیدیہ میں سوال ہے کہ سماع موتی ثابت ہے یا نہیں درصورت جواز یا عدم جواز قول راجح کیا ہے؟ اور تلقین بعد دفن ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے۔ اس کا فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی اس مسئلے میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور آگے لکھا ہے تلقین کرنا بعد دفن اس پر ہی مبنی ہے جس پر عمل کرے درست ہے ② یعنی مرنے کے بعد دفن کرنے کے بعد میت کو تلقین کرنا کہ تو یہ کہہ دے وہ کہہ دے تلقین میت کی مختلف

① فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۹ تا ص ۷۰ بعنوان زندوں کا مردوں سے مانگنا
② فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۸ مندرج تالیفات رشیدیہ

صورتیں ہیں یہاں تفصیل مقصود نہیں۔ جو سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تلقین درست ہے جو سماع کے قائل نہیں ان کے نزدیک تلقین درست نہیں۔

سوال: اگلا سوال یہ ہے کہ میت قبر میں سنتی ہے یا نہیں؟

جواب: اموات کے سننے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک سنتی ہے بعض کے نزدیک نہیں سنتی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کے مطابق یہ مسئلہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر اس وقت تک مختلف فیہ چلا آ رہا ہے کم از کم دیوبند کی طرف نسبت رکھنے والے کیلئے اس حوالے کے بعد کسی دوسری بحث کی گنجائش نہیں۔ جب یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ اس مسئلے پر بینات قائم نہیں ہے اگر اس مسئلے پر بینات قائم ہوتی تو کم از کم ہم جن کو اہل حق سمجھتے ہیں وہ اس مسئلے میں اختلاف نہ کرتے کیونکہ بینات کے آنے کے بعد اختلاف کرنے والوں کیلئے عذاب الیم ہے۔

عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہونے پر مولانا غلام اللہ خان کا حوالہ:۔

اس سے زیادہ واضح کرنے کیلئے ایک بات آپ کی خدمت میں اور عرض کردوں ایک کتاب ہے اقامۃ البرھان علی ابطال وساوس ہدایۃ الحیران۔ اس کا شانِ ورود یہ ہے یعنی یہ کتاب جن حالات میں لکھی گئی کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں کا ایک مجموعہ ہے جو کہ حضرت مولانا غلام اللہ صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے بُلغۃ الحیران اس میں کچھ عبارتیں ایسی آ گئیں کہ جو اہل حق کے مسلک کے مطابق نہیں تھیں اس کے اوپر گرفت کی ہے مولانا عبدالشکور ترمذی ساہیوال والے ضلع سرگودھا والوں نے اور اس کو "ہدایت الحیران" کے عنوان سے لکھا گیا پھر اس کے جواب میں راولپنڈی سے حضرت مولانا غلام اللہ صاحب کے مدرسے سے یہ کتاب شائع ہوئی جس میں اپنے مسلک کی انہوں نے وضاحت کی ہے اور انہیں عبارات کا جواب دیا کہ جو کچھ اس سے سمجھا گیا وہ ٹھیک نہیں جیسا کہ اختلافی صورت میں ہوتا ہے مرتب کرنے والے ہیں اس کو سجاد بخاری لیکن اصل کے اعتبار سے یہ ساری باتیں حضرت مولانا غلام اللہ صاحب کی ہیں حضرت مولانا غلام اللہ کو چونکہ کتابیں لکھنے کا زیادہ ملکہ نہیں تھا تو مواد وہ دیتے تھے مرتب یہ سجاد بخاری کرتا ہے جو وہاں سے ایک ماہوار رسالہ نکلتا ہے "تعلیم القرآن" تو یہ سجاد بخاری اس کا ایڈیٹر ہے اور اس بلغۃ الحیران کو بعد میں نئی ترتیب کے تحت جو شائع کیا ہے حضرت مولانا غلام اللہ صاحب نے۔

① حوالہ مذکورہ بالا

جواھر القرآن کے عنوان سے وہ افادات مولانا حسین علی کے ہی قرار دیئے گئے ہیں وہ بھی اسی سجاد بخاری کی مرتب کردہ ہے اس لئے اس کتاب میں جو لکھا ہوا ہے یہ حضرت مولانا غلام اللہ خان کے مسلک کی ترجمانی ہے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب کی طرف نسبت رکھنے والے لوگوں کے مسلک کی بھی ترجمانی ہے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔اس کتاب کے صفحہ نمبر ۶۰ پر لکھا ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔

یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن پر کفر و اسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دورائے رہیں کچھ علماء کی یہ رائے رہی ہے کہ مردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر سماع موتی کی نفی کی ہے۔علماءِ کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے کی بنیادیں استوار کی ہیں جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر القرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے۔ جبکہ قائلین سماع بھی صحیح احادیث سے استدلال کرتے ہیں یہ مسئلہ اقامت البرھان میں صفحہ ۶۷ پر کہتے ہیں کہ یہی مسئلہ جواہر القرآن صفحہ ۹۰۲ تا صفحہ ۹۰۵ تفسیر سورۃ الرّوم میں بھی بیان کیا ہے تو گویا کہ جواہر القرآن جس کی نسبت مولانا حسین علی کی طرف کی گئی اور جس کو شائع کرنے والے اور مرتب کروانے والے حضرت مولانا غلام اللہ ہیں انہوں نے بھی اس مسئلہ کو مختلف فیہ قرار دیا اور جب مسئلے کو مختلف فیہ قرار دیا گیا تو مسئلہ کتنا اھون (آسان) ہو گیا کہ اس کے اوپر کفر و ایمان کا مدار ہی نہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے کس گروہ کو آپ کہیں گے کافر ہے؟ کس گروہ کو آپ کہیں گے مشرک ہے؟ اس لئے یقین کر لیا جائے کہ جو شخص سماع موتی کے قائل کو کہے یعنی اس سماع موتی کا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے عرض کیا ہے۔ کہ ایسا عقیدہ رکھنے والے مشرک ہیں۔ایسا آدمی اہل حق میں سے نہیں ہے اہل حق کی جماعت سے ان کا سلسلہ ٹوٹ گیا وہ اہل حق میں سے نہیں ہیں حق بات وہی ہے جو علماءِ حق کے اندر چلی آ رہی ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس میں بحث اگر کر سکتے ہو تو یوں کر سکتے ہو کہ بہتر شئے کون سی ہے؟ اولیٰ شئے کون سی ہے؟ دلائل سے زیادہ موافقت کون سی شق رکھتی ہے؟ اس میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں نظریہ اختیار کرنے والا کافر ہے، فلاں نظریہ اختیار کرنے والا مشرک، یہ بات غلط ہے اس لئے جماعت کا مسلک ظاہر کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ پہلے بنیادی طور پر مسلک کی یہ بات آ گئی کہ مسئلہ مختلف فیہ

ہے۔اس میں اگر بحث کی جائے گی تو اس انداز سے کی جائے گی کہ اولیٰ کیا ہے یا سماع کا قول کرنے والوں کیلئے گنجائش ہے یا نہیں یا سماع کا انکار کرنے والوں کیلئے گنجائش ہے یا نہیں ہمارے حضرات کی اکثریت کدھر گئی اسی اختلاف کو امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے مسئلہ تو یہیں ختم ہو جاتا ہے جب ہم اس مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا ذکر کر دیں اس کے بعد اس مسئلے میں چنداں بحث کی گنجائش نہیں رہتی ۔فتاویٰ رشیدیہ میں یہ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور اور خیر القرون کے زمانے سے لے کر اس وقت تک یہ مسئلہ اختلافی چلا آرہا ہے کہ قبروں کے پاس اگر کوئی شخص اہل قبور کو کوئی سلام وغیرہ عرض کرے تو مردے سنتے ہیں یا نہیں ۔بہر حال ایک گروہ سماع موتیٰ کا قائل ہے جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرات مالکیہ شافعیہ حنبلیہ کا جم غفیر اور حضرات احناف کا معتدل طبقہ اور حضرات دیوبند کی اکثریت شامل ہے۔

سماع موتیٰ کے مسئلہ میں غیر مقلدین کا آپس میں شدید اختلاف ہے:۔

غیر مقلدین کا اس مسئلہ میں آپس میں خاصہ اختلاف ہے قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خان، اور وحید الزمان صاحب وغیرہ حضرات شد و مد کے ساتھ سماع موتیٰ کے قائل ہیں جبکہ بعض غیر مقلدین حضرات اس کے منکر ہیں ① تو حاصل یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر بعد میں ان سب حضرات کے اندر بلکہ غیر مقلدوں میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جماعتی حیثیت سے ان کے ہاں بھی یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے یہ بن گئی بنیاد اور اس بنیاد کے بن جانے کے بعد مسئلہ بہت اھون ہو گیا (آسان) تو جھگڑے کی بات باقی نہ رہی ہم قول کرنے والوں کو کچھ نہیں کہتے نہ کرنے والوں کو کچھ نہیں کہتے گنجائش دونوں طرف رکھتے ہیں۔

سماع موتیٰ اور اکابرین دیوبند کا مسلک:۔

اب آگے رہی یہ بات کہ ہمارے حضرات کے نزدیک اولیٰ کیا ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کوکب الدری ① میں اور ان کا ایک رسالہ ہے لطائف رشیدیہ جس میں ان کے مکتوبات چھپے ہوئے ہیں دونوں کتابوں میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کر کے لکھا ہوا ہے کوکب الدری آپ کی قلم سے لکھی ہوئی نہیں یہ تقریر ترمذی ہے جو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب جو حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے

① ج ۲ص ۱۹۸ باب مایقول اذا دخل المقابر کے تحت

والد ہیں کی ضبط کی ہوئی ہے اور لطائف رشیدیہ آپ کا خط چھپا ہوا ہے جو کہ آپ کی قلم کی تحریر ہے ان دونوں میں اس مسئلے کو مختلف فیہ ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اصح عدم سماع ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا ① جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ سے آپ کو پڑھ کے سنایا گیا لیکن اگر کوئی شخص اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہوا کسی ایک شق کو راجح قرار دے تو یہ ہوسکتا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف انہوں نے نسبت کی کہ ان کے نزدیک عدم سماع ہے اس لئے میں بھی عدم سماع کو اصح قرار دیتا ہوں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے باقی یہ بات کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں بات ثابت ہے یا نہیں؟ جس نے ان کا حوالہ دیا اس کی کیا حیثیت ہے تو یہ بھی میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے تو اصح قرار دیا عدم سماع کو اور ان کے دوسرے دست راست حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جن کو آپ بانی دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں اور یہ دونوں ہی ہماری ایک دائیں آنکھ ایک بائیں آنکھ اور دونوں ہی اس جماعت کی بنیاد ہیں تو ان کے نزدیک راجح سماع ہے اور اس کے اوپر ان کا مستقل ایک رسالہ ہے ایک کتاب ہے سوانح قاسمی۔ لکھنے والے ہیں اس کو حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی رحمہ اللہ اور دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئی ہے اس لئے اس میں جو کچھ درج ہے اس کی صحت کے اوپر ہم شک نہیں کر سکتے مولانا لکھتے ہیں (تھوڑی سی عبارت آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے) اس زمانے میں سماع موتیٰ کے پرانے مسئلے کو لوگوں نے پھر نئے سرے سے دوبارہ زندہ کرنا چاہا تھا یعنی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی زندگی میں عام مسلمانوں کے قبری کاروبار کے ان قصوں کو دیکھ کر جن کے متعلق سیدنا امام الکبیر کا یہ فقرہ نقل کر چکا ہوں کہ کس منہ سے ہندوؤں کو برا اور اپنے آپ کو بھلا کہہ سکتے ہیں تو بعضوں نے چاہا کہ موتیٰ کے سماع کا ہی انکار کردیا جائے مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ بنیادی اڈے کو ہی اڑا دیا جائے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری (کہ جب یہ ثابت کردیں گے کہ سماع ہی نہیں ہے تو نہ قبروں پہ جائیں گے نہ بزرگوں سے کوئی التجاء کریں گے) پوچھنے والے نے سید الامام الکبیر سے بھی سوال کیا حضرت والا نے چند اوراق میں سوال کا جواب دیا ہے اور جمال قاسمی نامی مجموعہ مکاتیب

① لطائف رشیدیہ مندرجہ تالیفات رشیدیہ ص ۶۷۶، ص ۶۷۷، نوٹ: واضح رہے کہ اسی جگہ پر یہ بھی ہے کہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے اور اسی طرح سماع انبیاء حضرت کے نزدیک اجماعی عقیدہ ہے

میں یہ جواب شریک ہے حاصل یہی ہے کہ سماع موتی کا آپ نے انکار نہیں فرمایا لکھا ہے کہ قبرستان سے گزرے تو سلام سے گریز نہ کرے اور من پڑے تو ہدیہ (سلام) مناسب وقت بھی پیش کرے۔ ورنہ سخت بے مروتی ہے کہ آنکھیں پھیر کر چلا جائے۔ خیر یہ تو قول ہے۔ آپ کے تلمیذ سعید مولانا منصور علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں آپ کے مسلک کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہ بزرگوں کے مزار پر جایا کرتے دعا کر کے چلے آتے آگے صراحتاً اپنی یہ شہادت قلمبند کی ہے کہ سماع اولیاء اللہ کے قائل تھے اور قائل ہی نہیں بلکہ آگے لکھتے ہیں اگر اکیلے کسی مزار پر جاتے اور دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہوتا تو آواز سے عرض کرتے کہ آپ میرے واسطے دعا کریں ①

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا تھا کہ بزرگوں کو یہ جا کر کہنا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو یہ ان لوگوں کے نزدیک درست ہے جو سماع موتی کے قائل ہیں اور جو سماع موتی کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک درست نہیں تو اس میں بھی جواز اور عدم جواز کے بجائے اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بات ہوسکتی ہے جبکہ یہ مسئلہ پہلے سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طرزِ عمل لکھا ہے ان کے ایک شاگرد نے کہ جس وقت کسی مزار پر ہوتے اور عوام نہ ہوتے جن کو آگے کوئی اور مغالطہ لگنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ سماع اولیاء اللہ کے قائل بھی تھے اور کسی مزار پر جاتے تو یوں کہہ بھی دیا کرتے صاحب مزار کو کہ میرے لئے دعا کریں تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر کے مطابق جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہے۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف اور اُن کا مسلک:۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور بات آپ کی خدمت میں عرض کردوں ہمارے اس زمانے میں اس مسئلے کے اوپر کچھ شدت اختیار کرنے والے لوگ ہیں وہ اپنا انتساب مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رکھتے ہیں اور مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور یہ مرید ہیں حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ موسیٰ زئی والوں کے۔ آپ کو کچھ تعارف کروادوں اس علاقے میں روحانی فیض زیادہ تر موسیٰ زئی کی خانقاہ کا ہے وہاں حضرت مولانا دوست محمد صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ آ کر ٹھہرے تھے ان کے خلیفے ہیں پھر خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے آگے جانشین ہیں خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفے ہیں مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس طرح

① سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۹

سے خانقاہ سراجیہ والے مولانا احمد خان رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں آپس میں پیر بھائی ہیں مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خلافت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور مولانا احمد خان خانقاہ سراجیہ والوں کو بھی خلافت خواجہ سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور خواجہ سراج الدین جانشین ہیں خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ موسیٰ زئی والے ہیں اور ان کے مرید مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں خلافت خواجہ سراج الدین صاحب سے ہے تو خواجہ محمد عثمان صاحب پیر ہوئے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور خواجہ سراج الدین صاحب بھی پیر ہوئے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے، تو یہ فوائد عثمانیہ کتاب ہے جو مرتب کروائی ہے حضرت خواجہ سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور اس کے اوپر نظر ثانی کرنے والے ہیں مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آف واں بھچراں آخر میں ان کے دستخط ہیں میں عبارت عرض کر دوں۔ کتاب ختم ہو رہی ہے ان دو شعروں پر راقم الحروف مے گوید یعنی کہتا ہے:

غلام نقشبنداں شو اگر دنیا و دین خواہی
سگ درگاہِ عثمان شو اگر حق الیقین خواہی۔

ترجمہ: اگر دنیا اور دین تو چاہتا ہے تو نقشبندیوں کا غلام ہو جا اور اگر تو حق الیقین چاہتا ہے تو درگاہِ عثمان کا کتا بن جا

مزارِ شاں بموسیٰ زئی بہار باغ رضوان است
بیاؤ ہم زیارت کن چو فردوس بریں خواہی

ترجمہ: ان کا مزار یہ باغ رضوان موسیٰ زئی میں ہے۔ اگر تو فردوس بریں چاہتا ہے تو آ ان کی زیارت کر۔

کتاب کا خاتمہ ان دو شعروں پر ہے اور آگے عبارت ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِ کُلِّ وَسَائِرِ الصَّالِحِیْنَ خُصُوْصاً عَلٰی جَمِیْعِ الصَّحَابَۃِ وَجَمِیْعِ الْاَوْلِیَاءِ الْمُقَرَّبِیْنَ لَا سِیَّمَا سَادَاتِنَا رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ اَللّٰھُمَّ قَدِّسْنَا بِسِرِّھِمِ الْاَقْدَسِ اَمَّا بَعْدُ! فَیَقُوْلُ الْفَقِیْرُ الْحَقِیْرُ الْمَدْعُوُّ بِحُسَیْنٍ عَلِیِّ اِنِّیْ طَالَعْتُ ھٰذَا الْکِتَابَ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ بِاَمْرِ سَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ وَمُرْشِدِیْ حضرت سیدی محمد سراج الدین لَازَالَ

فُيُوْضَاتُهٗ عَلَيْنَا فَائِضَةً وَنَفَعَنَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ وَالنَّاظِرِيْنَ الْآخَرِيْنَ آمين يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ یہ مولانا حسین علی صاحب کی آخر میں تصحیح ہے اور تصدیق ہے۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں کا واقعہ:۔

اس کتاب کے صفحہ ۱۲۷ پر ایک کرامت لکھی ہے حضرت کی واقعہ فارسی میں لکھا ہے تو میں اُردو میں سنا دوں حاصل یہ ہے کہ ایک دن میاں غوث علی اور مولوی محمد عیسیٰ خان ولد مولوی حاجی قلندر صاحب کچھ میوے لے کر صاحبزادوں کیلئے آئے۔ حضرت قبلۂ ماقلبی وروحی فداہ نے اپنے صاحبزادوں محمد بہاؤالدین اور سیف الدین سے فرمایا کہ یہ صاحب تمہارے لئے میوے لائے ہیں تم بھی ان کے لئے حضرت کے مزار پُرانوار پہ جا کے یعنی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کے ان کیلئے بارش کی دُعا کرو کہ ان کی زمینیں سیراب ہو جائیں تو انہوں نے حضرت دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پہ دعا کی کہ اے اللہ! بارش دیدیں جیسے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل میں بات آئی۔ تو یہ دعا کی آ کے حضرت کے سامنے بیٹھ گئے حضرت قبلہ نے صاحبزادوں سے فرمایا تمہیں اس قبر سے کچھ اطلاع بھی ملی یعنی حضرت نے کچھ فرمایا بھی ہے؟ اب اگلی بات سنیں......! پتہ چلے کہ بچوں کی بات کیسی ہوتی ہے عقلمندوں کی کیسی ہوتی ہے بچے کہنے لگے کہ حضرت تو مرے ہوئے ہیں وہ کیا جواب دیں گے یہ بچوں والی بات ہے اچھا اب پیروں والی بات کیا ہے صاحبزادگان کی زبان سے بات کو سنتے ہی حضرت نے کہا صاحبزادگان سے کہ جاؤ دوبارہ جا کے دُعا کرو انشاء اللہ حضرت جواب ضرور دیں گے تو حضرت کے فرمان کے مطابق صاحبزادگان دوبارہ گئے اور دعا کی اور واپس آ گئے تو حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت (دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ) کیا فرماتے ہیں۔ بچوں نے کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ بارش بہت ہو جائے گی۔ ایک آدھا دن ٹھہر کے وہ چلے گئے چلے جانے کے بعد کیا ہوتا ہے جب یہ گھر گئے تو ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں دونوں کی زمینوں میں بارش ہوئی دونوں زمینوں کے درمیان میں بہت فاصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ ان کے علاقے کے علاوہ اور کہیں بارش نہیں ہوئی عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قبر پر جا کر دعا کی درخواست کرنا اور مرنے والوں کی روح کے ساتھ اس قسم کا رابطہ ہو کہ معلومات کا حاصل ہو جانا یہ حضرت مولانا حسین علی صاحب کے پیروں کا بھی عقیدہ ہے جس پر تصحیح حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ضمن میں حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے مسئلہ سماع موتی کی وضاحت:۔

اب یہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے ایک عبارت نقل کر رہا ہوں جس سے کم از کم دیوبند کے مسلک کی وضاحت ہو جائے گی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ دارالعلوم کے پہلے مفتی ہیں مولانا شبیر احمد عثانی شیخ الاسلام کے بڑے بھائی تھے اور دارالعلوم میں جب دارالافتاء قائم ہوا تو پہلے مفتی بنے۔ سوال نمبر ۳۱۸۹ بروئے مذہب احناف بزرگانِ دین کے مزار پر جا کر عرض کرنا کہ آپ مقبول خداوندی ہیں آپ ہمارے لئے دعا کر دیجئے کہ ہماری یہ مراد پوری ہو جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۳۱۹۰: امام صاحب کے نزدیک بزرگانِ دین بعد وفات، زائرین کی باتیں سنتے ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۳۱۹۱: کیا یہ صحیح ہے کہ امام موصوف نے کسی شخص کو کسی قبر پر اہل قبر سے کچھ عرض ومعروض کرتے دیکھا اور کہا کہ تو ایسے سے التجا کرتا ہے جو سنتا بھی نہیں؟

سوال نمبر ۳۱۹۲: اگر کوئی آیت یا حدیث امام صاحب کے قول کی تائید کرتی ہو تو وہ بھی تحریر فرمایئے؟

ان چاروں سوالوں کو اکٹھا کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب یہ جواب دیتے ہیں کہ سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض ایسے مسائل موجود ہیں جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب سے کوئی تصریح نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ (اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور حدیث اور آیت ان دونوں کا ذکر آپ کے سامنے دلائل کے ضمن میں آئے گا) اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے پس عوام کو اس میں سکوت مناسب ہے جبکہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین اس میں موجود ہیں اور جبکہ سماع موتی میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگانِ دین کے مزار پر دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری ہو جائے یہ مختلف فیہ ہوگا لیکن احوط یہ ہے کہ اس طرح سے دعا

کرے کہ یا اللہ اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما ① یعنی توسل سے اسی کا ذکر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کہ یہ بالاتفاق جائز ہے بحرمت فلاں یا ببرکت فلاں اس طرح سے دعا کرنا۔ یہ جواب ہے حضرت عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کا۔ اس فتویٰ میں یہ امور بصراحت معلوم ہوتے ہیں کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے تاہنوز مختلف فیہ چلا آ رہا ہے اس کی وضاحت آپ کے سامنے ہوگئی اور فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں اس کا تذکرہ بھی ہم ابھی آپ کے سامنے کرنے والے ہیں فقہ حنفی کی بعض کتب سے عدم سماع موتیٰ معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں تو حضرت مفتی صاحب کے فتوے سے معلوم ہوا کہ صراحتاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نہیں ہے یعنی جو حوالہ جات منکرین سماع موتیٰ حضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بے اصل ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا بزرگوں کے طفیل اور وسیلے سے دعا بالکل درست ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدۂ سماع کی تحقیق:۔

تو بہرحال یہ فتاویٰ دار العلوم مدلل مکمل جلد پنجم ص ۴۶۱ یہ مطبوعہ دیوبند میں جو عبارت ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ یہ فقرہ قابل غور ہے کہ مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارے میں منقول نہیں۔ اس کی وضاحت آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں میرے پاس ہے فیض الباری سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی شرح آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اتنا حافظہ دیا تھا کہ ہمارے حضرات فرماتے ہیں کہ چلتے پھرتے کتب خانہ ہیں ان کی نظر بہت وسیع تھی منقول پر، بخاری شریف میں کتاب الجنائز کے اندر ایک روایت آتی ہے جس پہ ترجمۃ الباب رکھا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے۔ باب قولِ الْمَيِّتِ وَهُوَ عَلَى الْجَنَازَةِ قَدِّمُوْنِيْ اس کا حاصل یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کے جنازے کو اٹھایا جاتا ہے اگر وہ کوئی اچھا ہوتا ہے نیک ہوتا ہے تو وہ اپنے اٹھانے والوں کو کہتا ہے قَدِّمُوْنِيْ قَدِّمُوْنِيْ مجھے جلدی لے چلو مجھے جلدی لے چلو اور اگر وہ برا ہوتا ہے اور اس کو اپنے سامنے انجام برا نظر آ رہا ہوتا ہے کیونکہ مرتے ہی آخرت کے حالات تو انسان کے اوپر منکشف ہوجاتے ہیں تو پھر وہ کہتا ہے اَيْنَ تَذْهَبُوْنِيْ اَيْنَ تَذْهَبُوْنِيْ مجھے کہاں لئے جارہے ہو مجھے کہاں لئے جارہے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی اس کلام کو ثقلین کے علاوہ یعنی جن وانس کے علاوہ باقی

① فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد پنجم ص ۳۰۹ تا ۳۱۰ مطبوعہ دار الاشاعت

ساری مخلوق سنتی ہے یہ ہے روایت سرورِ کائنات ﷺ کے قول کی اس کی تشریح کے طور پر صرف اتنی سی بات درمیان میں اضافہ کردوں کہ میت کا بولنا اور مخلوق کا سننا یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے جس وقت تک مجاز مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو کسی کلام کو مجاز پر محمول نہیں کیا جائیگا۔ میری گفتگو ایک دوست سے ہوئی تو وہ کہنے لگے اس کا مطلب تو ہے یہ جو میت کہتی ہے تو اس سے قول حالی مراد ہے قول لسانی نہیں قول حالی کا مطلب ہوتا ہے کہ اس کی حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے جس طرح سے آپ کہیں کہ جو بھی گھاس کا پتہ زمین سے اگتا ہے وہ کہتا ہے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اگر اس میں غور کریں گے تو یہاں سے آپ استدلال کر کے بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا پیدا کرنیوالا وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے تو اس دلالت حالی کو بھی قول کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے یہ ایک توجیہ ہے جو بعض حضرات کرتے ہیں میرے سامنے بھی اس دوست نے یہی توجیہ کی میں نے کہا کہ آپ ذرا اس میں غور فرمائیں کہ دلالت حالی سے کسی بات کو سمجھنا۔ یہ ہے استدلال کہ آپ اس سے استدلال کر کے سمجھیں کہ دیکھو جی یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے اور استدلال کرنا جن وانس کا کام ہے چرند پرند کا کام نہیں ہے اگر یہ دلالت حالی ہوتی تو پھر حضور ﷺ یوں کہتے کہ انسان اور جن اس بات کو سمجھتے ہیں باقی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یعنی استدلال کر کے کسی بات کو سمجھ لینا یہ جن اور انس کا کام ہے تو اگر یہ بات دلالت حالی سے سمجھ آتی کہ وہ اگر نیک ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو۔ اور برا ہے تو کہتا ہے مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔ تو یہ استدلال یا تو جن کر سکتا ہے یا انسان کر سکتا ہے تو پھر کلام یوں ہونی چاہیے تھی کہ اس کے کلام کو جن اور انسان سمجھتے ہیں باقی کوئی نہیں سمجھتا اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جن وانس کے علاوہ باقی سارے سنتے ہیں معلوم ہو گیا کہ یہ بات استدلال سے سمجھنے کی نہیں ہے بلکہ اس کا کہنا اور باقیوں کا سننا یہ حقیقت پر محمول ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ مرنے کے بعد چونکہ جہان بدل گیا اب اس جہان کی بات کو ہم اس دور پر قیاس نہیں کر سکتے یہ علم غیب کے متعلق بات ہو گئی اب سرورِ کائنات ﷺ کے بیان فرمانے سے ہم مانیں گے تو یہ ہمارا ایمان بالغیب ہے اسی کلام وروایت کے اوپر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ لکھتے ہیں وَاعْلَمْ اَنَّ مَسْئَلَۃَ کَلَامِ الْمَیِّتِ وَسِمَاعِہٖ وَاحِدَۃٌ آپ جان لیجئے کہ میت کا بولنا اور اس کا سننا ایک ہی مسئلہ ہے یعنی جن کے نزدیک میت کا سماع ثابت ہے ان کے نزدیک بولنا بھی ثابت ہے اور جو سماع کا انکار کریں گے وہ بولنے کا بھی انکار کریں گے ذرا خیال فرمائیے یہ بات میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کے

جملے کی تائید کے طور پر کہنا چاہتا ہوں حضرت فرماتے ہیں اَنْکَرَھَا حَنَفِیَّۃُ الْعَصْرِ موجودہ زمانے کے حنفی اس سماع کا انکار کرتے ہیں وَفِی رِسَالَۃٍ غَیْرِ مَطْبُوْعَۃٍ لِعَلِیِّ بْنِ الْقَارِی اَنَّ اَحَداً مِنْ اَئِمَّتِنَا لَمْ یَذْھَبْ اِلٰی اِنْکَارِھَا حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شارح مشکوٰۃ ہیں۔ کہ میں نے ان کا ایک رسالہ دیکھا جو طبع نہیں ہوا اس میں یہ موجود ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے کوئی شخص بھی انکار سماع موتی کی طرف نہیں گیا اِنَّمَا اسْتَنْبَطُوْھَا مِنْ مَسْئَلَۃٍ فِیْ بَابِ الْاَیْمَانِ حنفیوں نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے قسموں والے مسئلے سے جو فقہ حنفی کے اندر ہیں۔ ①

اَیمان والے مسائل سے استدلال کر کے امام اعظم کی طرف عدم سماع کی نسبت غلط ہے:۔

مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے میں یہ بات آئی تھی کہ بعض مسائل ایسے ہیں جن سے عدم سماع معلوم ہوتا ہے وہ مسائل یہی ہیں کہ فقہ حنفی کے اندر مسئلہ آتا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں فلاں سے بات نہیں کروں گا اور وہ فلاں مرگیا اور مرنے کے بعد اس کے جنازے کے پاس کھڑا ہو کر یا اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس سے باتیں کرنے لگ جائے تو ہماری فقہ میں لکھا ہے کہ وہ حانث نہیں ہوگا اس سے لوگ سمجھے ہیں کہ حانث اس لئے نہیں ہوگا کہ وہ مردہ اس کی سنتا نہیں اگر وہ اس کی باتیں سنتا تو پھر کوئی بات ہوتی جس کو ہمیں سن لینا چاہیے تھا۔ ان مسائل سے لوگوں نے استنباط کیا ہے کہ حنفیوں کے نزدیک عدم سماع ہے ورنہ ہمارے احناف سے اس بارے میں کوئی صراحتاً روایت نہیں ہے لیکن حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں سے استدلال کمزور ہے کیونکہ مَبْنَی الْاَیْمَانِ عَلَی الْعُرْفِ قسم کا مدار تو عرف پہ ہوتا ہے عرف میں بولنا چونکہ زندگی میں سمجھا جاتا ہے کہ ہم آپس میں گفتگو نہیں کریں گے قسم کا حاصل یہ تھا مرنے کے بعد جنازے کے پاس کھڑا ہو کر اگر کوئی شخص اس مرنے والے سے خطاب کر کے کوئی بات کرلے تو اس کو عرفاً بات کرنا نہیں کہتے جب اس کو عرفاً آپس میں بولنا نہیں کہتے تو انسان حانث نہیں ہوگا اس لئے ان مسائل سے استنباط کر کے جو بعض فقہائے احناف نے لکھ دیا کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک میت سنتی نہیں ہے یہ ایک استنباط ہے اور استنباط کے طور پر اسے امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا ورنہ ہمارے اماموں میں سے کسی امام سے بھی صراحتاً سماع موتی کا انکار روایت نہیں ہے۔ یہی بات حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نے اپنے فتوے میں کہی اور یہی بات حضرت شیخ الانور یہاں کہتے ہیں جس سے

---

① فیض الباری ج ۲ ص ۴۱، باب قول المیت وھو علی الجنازۃ کے تحت

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ اگر چہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن اگر اپنے امام مجتہد کی اقتداء میں اگر کوئی شخص ایک شق کو ترجیح دیدے تو ہوسکتا ہے اور امام صاحب کی طرف منسوب عدم سماع ہے جس کی بناء پر میں بھی عدم سماع کو اصح کہتا ہوں یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کا حاصل ہے اس کی وضاحت بھی ان دونوں نقلوں کے تحت ہوگئی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مدار بھی اسی مشہور بات پر ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عدم سماع منقول ہے جس کے متعلق حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے بھی کہہ دیا کہ یہ استنباط ہے فقہاء کا۔ روایت نہیں ہے کوئی ابوحنیفہ سے اور حضرت شیخ نے بھی اس کی وضاحت کردی کہ یہ استنباط ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتاً روایت نہیں ہے۔ تو مسلک دیوبند کی وضاحت اس فتوے سے بھی ہوگئی۔

سماع فی الجملہ کے متعلق علمائے دیوبند کے مسلک کی مزید وضاحت:۔

بات میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے اکابرین کا کیا مسلک ہے اس میں دونوں شقیں نقل کرتا آرہا ہوں ہمارے علماء میں سے ایک عظیم المرتبت شخصیت گزری ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی۔ یہ جمعیت علماءِ ہند کے صدر بھی تھے مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس تھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز شاگردوں میں سے ہیں وہ اکثر و بیشتر فتویٰ عدم سماع پر دیا کرتے تھے گویا ان کے نزدیک راجح عدم سماع ہے ① لیکن اس کے مقابلے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے تفسیر مرتب کی ہے یہ سماع فی الجملہ کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر کے اندر اس کی صراحت کی ہے وہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے میں آپ کو پڑھ کر سناؤں گا اور علماءِ دیوبند کے اندر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام اور مرتبہ ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ساری جماعت ان کو حکیم الامت مجدد ملت کہتی ہے۔ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اولیٰ اسی کو قرار دیا ہے کہ سماع فی الجملہ ہے یہ کتاب ہے کہ حضرت نے بیان القرآن میں صرف اختلاف نقل کیا ہے کہ بعض یوں کہتے ہیں بعض یوں کہتے ہیں بعض آیات سے استدلال کر کے نفی کرتے ہیں بعض احادیث سے استدلال کر کے اثبات کرتے ہیں ان کو اس (آیات) میں کچھ تاویل کرنی پڑتی ہے ان کو اس (احادیث) میں کچھ تاویل کرنی پڑتی ہے سورۂ نمل کے اندر اسی بیان القرآن میں اس آیت کے تحت صرف امت کا

① یاد رہے کہ ساتھ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کرے"۔ کفایت المفتی ج ۱ ص ۲۰۱

اختلاف نقل کر دیا گیا جس سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے جیسے میں نے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اس مسئلہ میں زور ہی نہیں رہتا جب اختلاف مان لیا جائے۔ تو بہر حال کتاب ہے احکام القرآن جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی نگرانی میں لکھوائی تھی لکھنے والے ہیں کچھ حصے کو مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور کچھ حصہ اس کا مرتب کیا ہے اس کا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کراچی والے نے جو کہ تفسیر معارف القرآن کے مؤلف ہیں اس میں انہی آیتوں کے اوپر جو مضمون شائع کیا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تو اس کا نام رکھ دیا تکمیل الحدود بِسِمَاعِ اَهْلِ الْقُبُوْرِ...... یعنی فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَمَا اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اس آیت پر جو تحریر مرتب کی گویا کہ اس کو مستقل رسالے کی شکل دیدی اور تکمیل الحدود اس کا نام رکھ دیا اسی کا حوالہ انہوں نے اپنی تفسیر میں دیا ہے یہ مسئلہ چونکہ اہل علم کے سمجھنے کا ہے تو ہم نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے جو احکام القرآن میں لگا ہوا ہے۔ اہل علم وہاں مراجعت کرلیں اور اپنی تفسیر میں صرف اختلاف نقل کر کے اس بات کو چھوڑ دیا ہے کہ یہ بات عوام کیلئے زیادہ مفید نہیں ہے اتنے محتاط ہیں ہمارے حضرات اور یہ چونکہ حضرت کی نگرانی میں لکھی گئی اس لئے اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے لفظ بلفظ کی تائید حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طرف سے ہے۔

علماء کی اکثریت سماع فی الجملہ کی قائل ہے:۔

اس (تکمیل الحدود) میں پہلے تو وہی نقل کیا کہ وَاعْلَمْ اَنَّ مَسْئَلَةَ سِمَاعِ الْمَوْتٰى وَعَدَمِهٖ مِنَ الْمَسَائِلِ الَّتِىْ وَقَعَ الْخِلَافُ فِيْهِ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم یہ تو وہی اختلاف ہے اس اختلاف کے بعد اپنے نزدیک جو راجح نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ذَكَرَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ اَنَّ الْاَكْثَرِيْنَ عَلٰى ذٰلِكَ یعنی سماع فی الجملہ اکثریت علماء کی سماع فی الجملہ پر ہے هُوَ الْحَقُّ الْحَقِيْقُ بِالْقَبُوْلِ وَهُوَ مُخْتَارُ مَشَائِخِنَا دَامَتْ بَرَكَاتُهُمْ یہی بات حق ہے اور حقیق بالقبول ہے اور اسی پر ہمارے مشائخ ہیں دامت برکاتہم۔ تو گویا کہ انہوں نے بھی سماع فی الجملہ کو حقیق بالقبول قرار دیا ہے۔ اور آیت کی جو تاویل کی ہے وہ آپ کے سامنے آیت کے ضمن میں آجائے گی تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تک بھی گویا کہ سماع فی الجملہ کی اولویت کی نسبت ہے یہ تو میں نے کتاب سے نقل کیا ہے ویسے جو حضرت کے مواعظ سنتے ہیں یا حضرت کے ملفوظات پڑھتے رہتے ہیں ان کے سامنے تو یہ بات مخفی ہے ہی نہیں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سماع کے قائل تھے تو یہ تھی مسلک کی بات۔

سماع موتی مختلف فیہ کے متعلق زیر بحث آیات صرف دو ہیں:۔

جب یہ مسئلہ آتا ہے تفاسیر میں یا شروح حدیث میں تو صرف استدلال دو آیتوں سے کرتے ہیں تیسری کوئی آیت اس مسئلے میں پیش نہیں کی جاتی اس لئے آج کل لوگوں نے جو چہل آیتیں چھاپنی شروع کردی ہیں کہ چالیس آیتیں ہیں جو سماع کی نفی پر دلالت کرتی ہیں یا ۷۰ آیتیں ہیں جو سماع کی نفی پر دلالت کرتی ہیں یہ وہ بات ہے جس کا تسلسل اہل حق کے ساتھ نہیں یہ اس زمانے کی ہی کوئی اختراع ہے ورنہ دو آیتیں ہیں جن کو زیر بحث لایا جاتا ہے ایک یہی آیت جس کی تلاوت ہوئی اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور دوسری وہ آیت کہ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ شراح حدیث اور مفسرین ذکر کرتے ہوئے ان دو آیتوں کو زیر بحث لاتے ہیں کہ تو موتی کو سنا نہیں سکتا اس میں خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ کہ تو اس کو نہیں سنا سکتا جو کہ قبروں میں ہے ان دو آیتوں کو سامنے رکھ کے اس مسئلے پہ بحث اٹھائی جاتی ہے باقی آیات جو مشرکین کے عقیدہ کی تردید کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ان کے مفہوم پر امت کا اتفاق ہے۔

جو حضرات عدم سماع کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل کے طور پر قرآن کریم سے صرف دو آیتیں پیش کرتے ہیں غالباً یاد ہوگا کہ میں نے پہلے آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ لوگ جو ۴۰ آیتیں ۶۰ آیتیں ۷۰ آیتیں کہ یہ عدم سماع کے اوپر دلالت کرتی ہیں جہاں تک ان چند سالوں میں ان متشددین کا تعلق ہے اس کو چھوڑ کے اس سے پہلے سماع موتی کے اختلاف پر جتنی بھی تحریریں ہیں تفاسیر کی شکل میں ہیں یا حدیثوں کی شرح کی شکل میں ہیں ان آیات سے اس سماع موتی مختلف فیہ کی نفی پر استدلال کسی نے نہیں کیا۔ اس لئے وہ آیات جس میں مشرکین کی تردید کی گئی ہے اور مشرکین کو کہا گیا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری سنتے ہی نہیں وہ تمہاری پکار سے غافل ہیں ان آیتوں کا جو موضوع لہ ہے وہ متفق علیہ ہے کہ مشرکین کے عقیدے کی تردید ہے اور مشرکین سماع لازم دائم کے قائل تھے اس لئے جو مختلف فیہ مسئلہ ہے ان آیات کا کوئی تعلق نہیں اور کبھی بھی علماء نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ان آیات سے استدلال ہی نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے درمیان اس مختلف فیہ مسئلے کے اوپر ان آیتوں کا پڑھنا ہی بے جا ہے بخاری شریف ① میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول آتا ہے خارجیوں کے متعلق انہوں نے تبصرہ کیا ہے تو اس تبصرے

① ج ۲ ص ۱۰۲۴ باب قتل الخوارج

کے اندر ایک بات یہ بھی آئی ہے کہ ان لوگوں نے جو آیات مشرکین کے بارے میں اتری تھیں انہوں نے اٹھا اٹھا کے مسلمانوں پر پڑھنی شروع کر دیں۔ اس لئے جن آیات میں مشرکین کا تذکرہ ہے اور مشرکین کے عقیدے کے رد کیا گیا ہے اور اہل ایمان اہل اسلام وہ جس مسئلے کے اندر اختلاف کر رہے ہیں ان آیتوں کو یہاں نہیں پڑھا جا سکتا۔

یہ ویسے ہی بات ہے جس طرح سے لوگ اس تقلید کی تردید کیلئے وہ آیات پڑھتے ہیں جن میں مشرکین اپنے آباء کے عقائد کی تقلید کرتے تھے قرآنِ کریم نے ان کو رد کیا حالانکہ وہ بات علیحدہ ہے یہ ٹھیک ہے کہ قرآنِ کریم نے آباء کی تقلید پر بار بار انکار کیا ہے لیکن وہ آباء کون سے تھے لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ① جن کو نہ عقل ہے نہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ہم یہی تو کہتے ہیں کہ تم اپنے آباء کے پیچھے کیوں لگتے ہو جو کہ بے عقلے بے ہدایتے ہیں تم بھی ان کے پیچھے لگ کر بے عقلے بے ہدایتے بنتے ہو قرآنِ کریم ان کی تردید کرتا ہے اب یہ لوگ اگر مروج تقلید پر ان آیتوں کو پڑھنا شروع کر دیں تو ان کی حماقت ہے کیونکہ ہم جن کی تقلید کرتے ہیں جن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ آباء علمی ہیں لیکن اللہ کے فضل و کرم سے وہ لَا يَعْقِلُوْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ نہیں ہیں بلکہ وہ ورثۃ الانبیاء ہیں ان کی اتباع اور ان کی اقتداء پر یہ آیتیں فٹ نہیں آتیں یہ مشرکین اپنے آباء کے عقیدوں کی تقلید کرتے تھے تو قرآنِ کریم نے ان کے اوپر انکار کیا تو جیسے وہ سینہ زوری ہے کہ ہماری اس اتباع اور اقتداء پر وہ آیات پڑھی جائیں جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقیدے کی تردید میں اتاری تھیں اور ان کے آباء کو لَا يَعْقِلُوْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ قرار دے کر روکا تھا کہ ان کے پیچھے نہ لگو اور یہ پڑھی جائیں ان پر جو کہ اہل علم کے پیچھے لگتے ہیں ان کی اقتداء کرتے ہیں ورثۃ الانبیاء کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو ان پر یہ آیتیں نہیں پڑھی جا سکتیں ان پر اگر پڑھی جا سکتی ہیں تو یہ پڑھی جا سکتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وعظ کرتے ہوئے کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ ② میں تو اپنے آباء کے دین پر چلتا ہوں میں تو اپنے آباء کی ملت کی اتباع کرتا ہوں تو جس طرح سے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مسلک کا اظہار کیا تھا تو ہمارا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ ہمارے آباء علمی جن کے پیچھے ہم لگے ہوئے ہیں ان کو حضور ﷺ نے ورثۃ الانبیاء قرار دیا ہے اس لئے وہ آیت حضرت یوسف علیہ السلام والی بات تو یہاں صادق آ سکتی ہے اور ہم فخر کے طور پر کہتے ہیں وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

① ج ۲ پارہ نمبر ۲: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۷۰
② پارہ نمبر ۱۲، سورۃ نمبر ۱۲، آیت نمبر ۳۸

اٰبَآءِیْ لیکن وہ آیتیں جن میں مشرکین کے آباء کو لَا یَعْقِلُوْنَ لَا یَھْتَدُوْنَ قرار دیا گیا ہے ان کو یہاں پڑھنا سینہ زوری ہے اس لئے وہ آیات جو مشرکین کے عقیدے کے طور پر آئی ہیں اور ان میں مشرکین کے عقیدے کو رد کیا گیا ہے ان آیات کو اہل اسلام کے اختلاف کے درمیان لانا یہ بھی سینہ زوری ہے کیونکہ اس سماع کا کوئی بھی قائل نہیں ہے جس عقیدہ سماع کے مشرکین قائل تھے بلکہ دونوں موضوعوں کو علیحدہ کرلو جس وقت علیحدہ علیحدہ کرلو گے تو آپ کو حل کرنا آسان ہو جائے گا اور جب دونوں کو خلط رکھو گے تو بات بگڑ جائے گی اس کے دو درجے ہیں۔

انك لا تسمع الموتیٰ اور ما انت بمسمع عدم سماع پر عبارۃ النص نہیں ہیں:۔

تو استدلال کرنے والے استدلال کرتے ہیں قرآنِ کریم کی آیت سے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور دوسری اس آیت سے کہ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ بس یہ دو آیتیں آتی ہیں سامنے۔

کہ حضور ﷺ سے اللہ نے فرمایا کہ تو مردوں کو سنا نہیں سکتا۔ اور یاد رکھنا......! یہ مردے اموات جن کا سماع ہمارے نزدیک مختلف فیہ ہے اسی مسئلے کو بیان کرنے کیلئے یہ آیات آئی ہیں استدلال کرنے والے یوں استدلال نہیں کرتے کیونکہ یہ استدلال تب ہو سکتا ہے اور ان آیات کا مفہوم عبارت النص کے درجے میں تب مراد لیا جا سکتا کہ حضور ﷺ وعظ کے شوق میں کسی قبرستان میں چلے گئے اور وہاں جا کر کھڑے ہو کر مردوں کو وعظ کہنے لگ گئے اور اللہ نے فرمایا ہو کہ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى چھوڑو اس کو، جاؤ اپنے گھر تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اگر اس کا شانِ نزول یہ ہوتا پھر تو آپ کہہ سکتے تھے کہ ان آیات کا عبارت النص کے طور پر مطلب یہی ہے تو کیا خیال ہے آپ کا؟ کہیں حضور ﷺ نے قبرستان میں مردوں کو وعظ کرتے ہوئے کوئی بات کہی تھی؟ (نہیں) بہروں کو اکٹھا کر کے کبھی سنانے کی کوشش کی تھی تو پھر سمجھ لیجئے ان آیات کا عبارت النص مفہوم یہ نہیں ہے اور یہ آیت اس مطلب کے بیان کرنے کیلئے نہیں اتری کہ تو ان مردوں کو سنا نہیں سکتا کہ وہ واقعتاً قبر میں پڑے ہوئے ہیں اور تو ان کو سنانے کی کوشش کر رہا ہے یہ مطلب نہیں اس کا۔ ان آیتوں میں کہا گیا کہ موتی کو سنا نہیں سکتا۔ بہروں کو سنا نہیں سکتا خاص طور پر کہ جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اور تو اندھوں کو رستہ دکھا نہیں سکتا یہی اس کا مضمون ہے یا یہ؟ کہ آدمی قبروں میں پڑے ہوئے ہیں تو ان کو سنا نہیں سکتا موتی سے کیا حقیقتاً مردے مراد ہیں؟ اور صم سے کیا حقیقتاً بہرے مراد ہیں اور اندھوں سے حقیقتاً اندھے مراد ہیں؟ حقیقتاً ایسی بات نہیں ہے بلکہ ان تینوں لفظوں سے کفار مراد ہیں کیسے معلوم ہوا کہ

کفار مراد ہیں پہلا پارہ سورۃ البقرہ پہلا رکوع اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ① جو کافر ہیں ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ برابر ہیں اور یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آگے جا کر فرمایا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ یہ بہرے ہیں یہ گونگے ہیں یہ اندھے ہیں لَا یَرْجِعُوْنَ یہ نہیں لوٹیں گے تو اس آیت میں صُمٌّ کافروں کو کہا گیا بھئی یہ کافر بہرے ہیں یہ کافر گونگے ہیں یہ کافر اندھے ہیں تو ان گونگوں کو ان بہروں کو ان اندھوں کو آپ کیا ڈراتے ہیں یہ لوٹ کر نہیں آنے والے یہ جس ڈگر پر چلتے ہیں کیا آپ ان کو وعظ دے رہے ہیں ان کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہیں تو صم سے مراد کافر ہو گئے بکم سے مراد کافر ہو گئے عمی سے مراد کافر ہو گئے تو یہ صراحت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کافروں کو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کہا ہے جس طرح سے کہا کہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہیں لائیں گے اسی بات کو اس جگہ کہا کہ ان مردوں کو ان بہروں ان گونگوں کو ان اندھوں کو آپ نہیں سنا سکتے نہ ان کو آپ رستہ دکھا سکتے ہیں اصل مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ کافر مردوں کی طرح ہو گئے یہ کافر بہروں کی طرح ہو گئے یہ کافر اندھوں کی طرح ہو گئے ان کے سامنے آپ آوازیں دیتے رہیں ان کو آپ سناتے رہیں ان کو آپ نہیں سنا سکتے تو گویا کہ کفار کو موتی کے ساتھ صم کے ساتھ عمی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور موتی صم عمی یہ ہیں مشبہ بہ اور کفار ہیں مشبہ۔ اور یہاں حکم اصل کے اعتبار سے بیان کرنا کافروں کا مقصود ہے اور یہ آیت سرورِ کائنات ﷺ کی تسلی کے لئے ہے کہ آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ ان بہروں کو نہیں سنا سکتے ان اندھوں کو نہیں سنا سکتے رستہ نہیں دکھا سکتے آپ کا کام تو ہے کہ آپ انہیں لوگوں کو سنائیں جو ایمان لانا چاہیں جیسا کہ اگلے الفاظ آ گئے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ جیسے وہ آیت قرینہ ہے کہ کافروں کو صم کہا گیا اور کافروں ہی کو اندھا کہا گیا اس طرح سے اس آیت کے اگلے الفاظ بھی قرینہ ہیں اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور پھر اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ کہ تو نہیں سناتا مگر مومنوں کو جو ایمان لاتے ہیں ایمان لانا چاہتے ہیں تو تو انہیں کو سنا سکتا ہے اب اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کا مقابلہ کیجئے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ مَنْ یُّؤْمِنُ سے مؤمنین مراد ہیں موتی سے کفار مراد ہیں تو موتی کو نہیں سنا سکتا تو ایمان لانے والوں کو سنا سکتا ہے اصل عبارت کا جو موضوع لہ ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ مردے اگر آپ کی بات نہیں سنتے اور یہ بہرے اگر آپ کی بات نہیں سنتے آپ ان کو سنانے کی کوشش کرتے ہیں اس پر آپ غمزدہ نہ ہوں یہ مردوں کی

① پارہ نمبر ۱، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۶، ص ۴

طرح ہو گئے بہروں کی طرح ہو گئے اندھوں کی طرح ہو گئے یہ لوگ ماننے والے نہیں اور یہ لوٹنے والے نہیں ہیں یہ ہے اصل مفہوم اس کا۔

جو لوگ اس آیت سے عدم سماع موتی پر استدلال کرتے ہیں ان کے استدلال کا مدار اس بات پر ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تشبیہ دی ہے موتی کے ساتھ ذرا استدلال کو سمجھ لیجئے اتنی چھوٹی سی بات نہیں کہ موتی جمع ہے میت کی لاتسمع تو نہیں سنا سکتا تو پتہ چل گیا کہ مردے نہیں سنتے اگر اتنی سی بات ہوتی تو صرف پڑھنے والا بھی لفظوں کے معنی جانتا ہے کہ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ مسمع کا معنی ہے سنانے والا ما کا معنی نہیں مَنْ فِی الْقُبُوْرِ جو قبروں میں ہیں تو اس میں کون سی اخفاء کی بات ہے کہ جس میں بڑے بڑے علماء آپس میں الجھے ہوئے ہیں کہ مطلب یہاں سے نکلتا ہے کہ نہیں نکلتا۔ اگر بات اتنی سی ہوتی تو اس میں کون سی جھگڑنے کی بات تھی یہاں سے استدلال اس طرح سے ہے جس وقت ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو مشبہ بہ کے اندر وہ معنی حقیقتاً ہوا کرتا ہے جو مشبہ کے اندر بطور تشبیہ کے ثابت کیا جاتا ہے آپ کہتے ہیں زَیْدٌ کَالْاَسَدِ زید شیر کی طرح ہے تو بہادری بیان کرنی ہے تو بہادری شیر میں اصل ہے تشبیہ کے طور پر آپ زید میں ثابت کرنا چاہتے ہیں اسی طرح سے معلوم ہو گیا کہ عدم سماع یہ موتی میں اصل ہے اور کفار کیلئے تشبیہاً ثابت کیا جارہا ہے یہ صفت کہ تو ان کو سنا نہیں سکتا یا وہ سن نہیں سکتے یہ ان میں اصل ہے حقیقتاً ہے اور تشبیہ کے طور پر یہ بات کافروں میں ثابت کی جارہی ہے کہ وہی موتی والی صفت کافروں میں ہے تو ان کو بھی نہیں سنا سکتا یہ مسئلہ تشبیہ سے استدلال ہے اس عبارت کے موضوع لہ سے استدلال نہیں ہے کہ تشبیہ دینا تب ثابت ہو سکتا ہے جس وقت اس مشبہ بہ کے اندر اس صفت کو حقیقتاً مانا جائے جس طرح سے بہرا حقیقتاً نہیں سنتا اس طرح سے میت بھی حقیقتاً نہیں سنتی اور جس طرح سے اندھا حقیقتاً نہیں دیکھتا اسی طرح سے کافروں کیلئے یہ معنیٰ ثابت ہو گیا کہ کافروں کو نظر نہیں آتا کافر سنتے نہیں کافروں کو تو سنا نہیں سکتا بہرے کیلئے عدم سماع حقیقتاً ہے اندھے کیلئے عدم بصر حقیقتاً ہے اسی طرح سے موتی کیلئے بھی عدم سماع حقیقتاً ہوگا یہ ہے استدلال جس سے معلوم وہ گیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ عدم سماع حقیقتاً ہے یہ مسئلہ تشبیہ سے لیا گیا ہے اور بعینہٖ وہی مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ معلوم ہو گیا کہ من فی القبور میں عدم سماع حقیقتاً ہے اور کفار کو ان کے ساتھ تشبیہ دے کر کہا جارہا ہے کہ جیسے وہ نہیں سنتے ویسے یہ بھی نہیں سنتے سارے کے سارے استدلال کا مدار اس بات پر ہے۔

مذکورہ دونوں آیات سماع کی دلیل ہیں یا عدم سماع کی؟:۔

لیکن مجوزین جو کہ سماع کے قائل ہیں اور اکثریت قائل ہیں ائمہ اربعہ کے مقلدین کی بھی اور غیر مقلدین کے اکابر میں سے بھی اکثر قائل ہیں وہ کہتے ہیں اسی آیت میں اگر غور کیا جائے تو یہ آیت تو سماع کی دلیل ہے۔

وہ کس طرح سے ذرا غور فرمایئے جس وقت تشبیہ کے طور پر کوئی چیز ذکر کی جایا کرتی ہے تو وہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں موجود ہو ہم کہتے ہیں زَیْدٌ کَالْاَسَدْ زید شیر کی طرح ہے وجہ تشبیہ کیا ہے؟ بہادری شیر میں بھی ہے اور بہادری زید میں بھی ہے تبھی جا کے تشبیہ ٹھیک بیٹھی اب یہاں کافروں کو تشبیہ دی جارہی ہے موتی کے ساتھ صم کے ساتھ اور عمی کے ساتھ صم اور عمی کو چھوڑ دو وہ تو اختلاف جھگڑے کی بات نہیں ہے موتی کا لفظ لو۔ کافروں کو تشبیہ دی جارہی ہے موتی کے ساتھ یعنی مردوں کی طرح ہیں یہاں وجہ تشبیہ کیا ہے اگر وجہ تشبیہ آپ یہ قرار دیں کہ یہ واقعتاً سنتے نہیں واقعتاً نہ سننا اگر وجہ تشبیہ آپ یہ قرار دیں تو آپ انصاف سے بتائیں کہ مردوں میں تو یہ بات موجود ہو تو ہو لیکن کیا یہ بات کافروں میں موجود ہے کہ حضور ﷺ وعظ کہتے ہوں اور کافروں کے کان میں سرے سے آواز ہی نہ جاتی ہو اگر وجہ تشبیہ یہ ہو کہ کانوں تک آواز ہی نہیں جاتی عدم سماع کے طور پر اگر تشبیہ دی جارہی ہے تو ہم بالفرض مان لیں کہ مردوں تک آواز نہیں پہنچتی لیکن جو مشبہ ہیں جن کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کیا ان میں یہ بات موجود ہے کہ ان کے کان تک آواز نہیں جاتی یا وہ سنتے نہیں جب کافر سنتے تھے اور مردے سنتے نہیں تو دونوں میں تشبیہ کیسے ہوگئی کہا یہ جارہا ہے کہ یہ کافر مردوں کی طرح ہیں تو ان کو سنا نہیں سکتا اب مردوں کی طرح ہیں کس طرح ہیں تو ان کو سنا نہیں سکتا اگر اس بات میں مردوں کی طرح ہیں کہ مردے نہیں سنتے ان کے کان تک آواز نہیں جاتی اور کافر بھی مردوں کی طرح ہیں ان کے کان تک بھی آواز نہیں جاتی تو آپ خود ہی ذرا غور کرلیں کہ یہ وجہ تشبیہ صحیح ہو سکتی ہے؟ اور یہ وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں موجود ہے؟ اگر کوئی کہے کہ مردے حقیقتاً نہیں سنتے تو اسے کہنا پڑے گا کہ کافر بھی حقیقتاً نہیں سنتے ان کے کانوں میں بھی آواز نہیں جاتی تب تو وجہ تشبیہ دونوں میں موجود ہوگی اور اگر واقعہ یہ ہے کہ کافر سنتے تھے تو پھر یہ وجہ تشبیہ دونوں میں موجود کیسے ہوئی اس لئے اس کو وجہ تشبیہ قرار دینا بہتر نہیں ہے۔

آیات کی پہلی توجیہ (نفی سماع نافع وسماع قبول کی ہے):۔

ہمارے حضرات جو اموات کے سماع کے قائل ہیں انہوں نے ان آیات کی تین توجیہات کی ہیں جو عام

شارحین نے، عام مفسرین نے لکھی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ جتنی بھی علماء کی تحریرات اٹھا کر دیکھیں سب نے اس کا یہی جواب دیا ہے جو کہ سماع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ وجہ تشبیہ ہے عدم انتفاع اور سماع قبول اس بات سے قطع نظر کر لیجئے کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ مردوں کے سامنے کوئی جا کر وعظ کہے تو فائدہ نہیں اٹھاتے کہ اپنے نظریات تبدیل کر لیں اپنے آپ کو درست کر لیں توبہ کر لیں استغفار کر لیں کیا مردے ایسا کر سکتے ہیں وعظ سے فائدہ نہ اٹھانا یہ مردوں میں پایا گیا اور یہی وجہ تشبیہ کافروں میں ہے کہ آپ کے وعظ سے یہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے انتفاع اور سماع نافع یہ منفی ہے اور یہی وجہ تشبیہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وعظ کہتے ہیں یہ تو مردے ہیں اس لئے مفسرین یہاں سے موتی القلوب مراد لے کر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں جس طرح حقیقتاً مردے وعظ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اپنے عمل کو درست نہیں کر سکتے اور اپنی اصلاح نہیں کر سکتے آپ ان کے سامنے ہزار وعظ کہتے رہیں آپ ان کو وعظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور یہ آپ کے وعظ سے کوئی کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے ایسے طور پر نہیں سنیں گے کہ سن کر قبول کر لیں اور اپنے نظریات میں تبدیلی کر لیں سماع نافع، سماع قبول، انتفاع یہ وجہ تشبیہ اگر قرار دی جائے تو واقعتاً دونوں فریقوں کے اندر موجود ہے پھر آگے یہ بات تو ہو گئی کہ نفع دونوں نہیں اٹھاتے نہ مردے نہ کافر اب حقیقتاً ان کے کان تک آواز پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی اس مسئلے سے یہ آیت ساکت ہے یہ مسئلہ اس آیت میں بیان کرنا مقصود نہیں ہے اتنی بات متعین ہے کہ جس طرح مردے وعظ سن کے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی طرح یہ کافر بھی وعظ سن کے فائدہ نہیں اٹھا سکتے یہ بات دونوں مشبہ اور مشبہ بہ کے اندر موجود ہے۔

حضرت شیخ الانور رحمہ اللہ نے بھی فیض الباری میں ان آیات کے اوپر تبصرہ کرتے ہوئے ایک یہی توجیہ کی ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سنتے نہیں اس کا مطلب ہے کہ یہ مانتے نہیں اور تو سنا نہیں سکتا اس کا مطلب ہے کہ تو منوا نہیں سکتا (فیض الباری ج ۳ ص ۴۲ باب قول المیت وھو علی الجنازہ کے تحت) یہ مطلب بالکل محاورے کے مطابق ہے کلام عرب میں بھی یہی محاورہ ہے اور ہماری اُردو میں بھی یہی محاورہ ہے چوبیسویں پارے میں آئے گا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ① یہ کافر منہ موڑ جاتے ہیں سنتے ہی نہیں سماع کی نفی آ گئی۔ میں جس طرح آپ کو کہوں کہ میں نے

① سورہ فصلت: آیت ۴

بار بار تمہیں سمجھایا لیکن تم سنتے ہی نہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں تمہیں بہرے کہہ رہا ہوں کہ تمہارے کانوں میں آواز نہیں جاتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مانتے نہیں قبول نہیں کرتے اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ میری تو وہ ایک نہیں سنتا۔ میں نے ہزار دفعہ کہا لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی تو سننے سے مراد ہوتا ہے وہ میری بات قبول نہیں کرتا جب اس سے مراد یہ لے لیا جائے کہ کافروں کو آپ منوا نہیں سکتے کافر تیری بات مانیں گے نہیں تو یہ بات یقینی ہے کہ جس طرح مردوں کو نہیں سمجھایا جا سکتا اس طرح کافروں کو نہیں سمجھایا جا سکتا تو اس سے اگر سماع قبول مراد لے لیا جائے سماع نافع مراد لے لیا جائے تو نفی سماع نافع کی ہے جو دونوں جہتوں کے درمیان مشترک ہے کافروں میں بھی نفی ہے اور مردوں میں بھی نفی ہے۔

اسی سے آپ کو وہ بات بھی سمجھ میں آ گئی جو ابتدا میں کہی گئی تھی کہ سماع فی الجملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی سنیں کسی کی نہ سنیں کوئی بات سنیں کوئی نہ سنیں بالکل اسی طرح سے دیکھئے اس بات کو کہ آپ لوگ زندہ ہیں ہمارے سامنے بیٹھے ہیں کبھی آپ درسگاہ میں بیٹھے ہوتے ہیں اور استاد تقریر کر رہا ہوتا ہے لیکن آپ کا دھیان گھر کی طرف چلا گیا، سوچنے کسی اور چیز کو لگ گئے، استاد آپ کے سامنے تقریر کرتا چلا جا رہا ہے لیکن وہ چند جملے جس وقت آپ کا دھیان گھر کی طرف چلا گیا وہ آپ نے سنے ہی نہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ استاد کیا کہہ گیا کیا نہیں کہہ گیا منٹوں کی تقریر تو کیا اگر آپ کا دھیان کسی اور طرف چلا گیا تو سامنے بیٹھے زندہ چند فٹ کے فاصلے پر گھنٹے کی تقریر نہیں سن سکتے جب توجہ ہی دوسری طرف ہو جائے تو وہ سن نہیں سکتا اور آپ سنا نہیں سکتے حالانکہ تو زندوں میں یہ ضابطہ ہے کہ جو قریب بیٹھا ہو وہ ضرور سنتا ہے۔

اور اسی طرح سے ایک آدمی آتا ہے کسی بڑے آدمی کے پاس وہ اس کو یونہی دیکھتا ہے اس کو پہچانتا نہیں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں تو اپنے کام میں لگا رہتا ہے اور وہ بیٹھا ہے کہ حضرت جی میری بات تو سن لو لیکن وہ توجہ ہی نہیں کرتے دوسری طرف لگے رہتے ہیں اور ایک آدمی آتا ہے اس کی طرف دھیان جاتا ہے تو انسان سارے کام کاج چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتا ہے اس کی بات کو توجہ سے سنتا ہے جب آپ کسی کو سفارشی بناتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ بھئی تو ان کو کہہ دینا میں تو ان کے پاس گیا تھا میری تو وہ سنتے نہیں تیری سنتے ہیں تو اگر سنائے گا تو وہ توجہ سے سن لیں گے اور اگر میں سنانا چاہوں تو میری تو وہ سنتے ہی نہیں تو یہ فرق بھی شخصیات کے اعتبار سے پڑ گیا اسی

طرح سے اموات کے بارے میں جو سماع کا قول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ضابطہ کوئی نہیں کہ کب سنتے ہیں کب نہیں سنتے کس کی سنتے ہیں کس کی نہیں سنتے کون سی بات سنتے ہیں کون سی بات نہیں سنتے ویسے فی الجملہ ثابت ہے جو بات ان کو سنانا چاہتے ہیں وہ سن لیتے ہیں جن کی توجہ جدھر روحانیت کے طور پر ہوئی ہے۔

آیات کی دوسری توجیہ (نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع):۔

دوسری توجیہ یہ حضرت شیخ انور رحمہ اللہ نے یہ کہی ہے کہ قرآن کریم میں نفی جو کی گئی ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی میں یا مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں ہے یعنی ظاہری آیت یہ کہتی ہے کہ تو سنا نہیں سکتا تو سنانے والا نہیں ہے اس میں اسماع کی نفی ہے سنانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ سماع کی نفی نہیں ہے کہ وہ نہیں سنتے ہیں ① اس کا کیا مطلب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم زندہ لوگ آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں میں آپ کو ایک بات سنانا چاہوں تو اس کے ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھے ہیں کہ ہم ایک خاص فاصلے سے دوسرے کو متوجہ کر کے اس سے بات کریں تو اس کے کان تک پہنچتی ہے وہ سنتا ہے ظاہری اسباب کے طور پر ہم اس بارے میں مختار معلوم ہوتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو اپنی بات سنا لیتے ہیں دوسرے کو متوجہ کر لینا قریب جا کر بات کر لینا خاص فاصلے سے تو یہ اسباب ہمارے اختیار میں ہیں تو یہاں ہم کہیں گے کہ زندہ زندوں کو اپنی بات سنا سکتا ہے یعنی یہ سنانا اس کے اختیار میں ہے ظاہری اسباب اس کے اختیار میں ہیں اور مردوں کو سنانا چونکہ ظاہری اسباب کے تحت تو ہے نہیں ہمارے بس میں تو کچھ نہیں ہے اور ظاہری طور پر ان میں تعطل نظر آتا ہے تو یہاں کہنا یہ مقصود ہے کہ سنانا تمہارے اختیار میں نہیں کہ تم جب چاہو مردوں کو متوجہ کر کے سنا لو۔ یہ اسباب تمہارے اختیار میں نہیں یہ محض اللہ کی مشیت کے تابع ہے وہ اگر چاہے تو سنا دے نہ چاہے تو نہ سنائے۔ تو ہمارے اختیار کی طرف دیکھتے ہوئے نفی کی گئی ہے کہ زندہ زندوں کو اپنی کلام سنا سکتا ہے بظاہر یہ اسباب ہمارے اختیار میں ہیں مردے کو سنانا ظاہری اسباب کے تحت ہمارے اختیار میں نہیں جس کی بناء پر نفی کر دی گئی کہ آپ ان کو نہیں سنا سکتے۔

اس کی مثال آپ یوں سمجھئے......! کہ ایک کام ہوتا ہے ظاہری اسباب کے مطابق جیسے ایک شخص دوسرے کو تلوار سے قتل کر دیتا ہے اور وہ مر گیا چونکہ تلوار کے ساتھ گردن کاٹ دینا مرنے کا ایک ظاہری سبب ہے تو آپ جب بھی

① فیض الباری۔ باب کراہیۃ الصلوۃ فی المقابر کے تحت ج ۲ ص ۶۴

ذکر کریں گے تو یوں کریں گے کہ زید نے بکر کو قتل کر دیا زید نے بکر کو مار دیا یہ موت کی نسبت آپ زید کی طرف کر دیں گے لیکن اگر قصہ یوں ہوا کہ اتفاقاً کنکری اٹھا کر یوں ماری تھی اور کنکری سے آدمی کبھی مرتا نہیں ہے لیکن کنکری کا لگنا تھا کہ وہ مر گیا تو آپ جس وقت ذکر کریں گے تو کہیں گے کہ بھائی اللہ کی طرف سے معاملہ پیش آ گیا ورنہ کوئی ظاہری صورت تو تھی نہیں اب یہاں جو نسبت ہے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف کریں گے ظاہری سبب کی طرف نہیں کریں گے کیونکہ یہ بات ظاہری اسباب کے خلاف ہے قرآنِ کریم میں یہ محاورہ، استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ① اب بدر کے میدان میں سرورِ کائنات ﷺ نے ایک مٹھی کنکریوں کی بھر کر پھینکی تھی اور کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی نظر آنا بند ہو گیا کافر اندھے ہو گئے آنکھیں ملنے لگ گئے جس کی بناء پر مسلمانوں کو ان کے مارنے اور قتل کرنے کا موقع مل گیا تھا ایسے ہی واقعہ ہوا تھا اب یہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی بات نہیں ہے کہ مٹھی بھر کر پھینکی جائے اور فوج کی فوج اندھی ہو جائے اور ساری فوج کی آنکھوں میں مٹی پہنچ جائے ظاہری اسباب کے مطابق یہ بات نہیں ہے یہ واقعہ محض اللہ کی قدرت کے ساتھ پیش آیا قرآن کہتا ہے وَمَا رَمَيْتَ دیکھو اس میں رمی کی نفی آ گئی تو نے نہیں پھینکی اِذْ رَمَيْتَ جب تو نے پھینکی تھی اب یہاں مَا رَمَيْتَ کے اندر نفی کر دی گئی کہ تو نے نہیں پھینکی وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی اب اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ظاہری طور پر پھینکنے والے تو حضور ﷺ تھے لیکن آثار کی طرف دیکھتے ہوئے کہ جو اسکے اوپر آثار مرتب ہوئے ہیں سرورِ کائنات ﷺ یا کسی انسان کے ہاتھ سے تو یہ ہاتھ کی قوت نہیں ہے کہ ایک مٹھی بھر مٹی سے ساری فوج کی آنکھوں میں پہنچا دی یہ جو واقعہ پیش آیا محض اللہ کی قدرت سے پیش آیا اس لئے اِذْ رَمَيْتَ میں رمی کا اثبات بھی ہے حضور ﷺ کی طرف اور مارمیت میں نفی بھی کر دی گئی اور اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا گیا اسی طرح سے لَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ میدان بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے سروسامان ہونے کے باوجود بڑے بڑے ستر مشرک قتل کر دیئے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تم نے قتل نہیں کیے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ان کو تو اللہ نے قتل کیا۔ کیا مطلب کہ ظاہری طور پر جو یہ سبب فعل پیش آیا ہے تو یہ ظاہری سبب کے طور پر کوئی ایسی بات نہیں یوں سمجھو کہ براہِ راست اللہ کی قدرت سے یہ بات پیش آئی ہے اس طرح سے اسماع کی نفی کرنی مقصود ہے مردوں کو سنانا ظاہری اسباب کے تابع

① پارہ نمبر ۹: سورۃ انفال: آیت نمبر ۱۷

نہیں اس کی بناء پر ہم یہ کہیں گے کہ تم نہیں سنا سکتے یہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اللہ اپنی قدرت کے ساتھ سنا دے یہ ہوسکتا ہے یا نہیں ہوسکتا اس آیت کے اندر یہ بحث کرنی مقصود نہیں ہے یہاں تو یہ کہہ دیا کہ اس کے اسباب تمہارے اختیار میں نہیں زندوں کو سنا لیتے ہو۔ مردوں کو سنانا یہ اسباب کے تحت نہیں ہے یہی توجیہ ہے جو حضرت شیخ الانور نے بھی اختیار کی ہے اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تقریر کرتے ہوئے یہی توجیہ کی ہے یہ میں عبارت آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں سورۃ النمل کے حاشیے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہ سورۃ روم ہے اسی قسم کی آیت سورۃ النمل کے آخر میں گزر چکی ہے اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ مفسرین نے اس موقع پر سماع موتیٰ کی بحث چھیڑ دی ہے اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن وحدیث پیش کی گئی ہیں یہاں ایک بات سمجھ لو یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت اور بدوں (بغیر) ارادہ کے نہیں ہوسکتا مگر جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر آدمی خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اسے براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا تو یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا اور فرض کیجئے کہ ایک مٹھی کنکریاں پھینکی جس سے لشکر تباہ ہو گیا تو اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے ورنہ اس کی مشیت کے بدون گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا قرآنِ کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے قتل اور رمی کی نفی کر کے براہِ راست اللہ کی طرف نسبت کی گئی ٹھیک اسی طرح اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا مطلب سمجھو یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ ظاہری اسباب کے خلاف حق تعالیٰ شانہ کی قدرت سے مردے ہماری کوئی بات سن لیں اس میں انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا۔" (1) تو یہ ہے توجیہ کہ اس میں نفی جو کی گئی ہے ظاہری اسباب کے طور پر سنانے کی کہ تم سنا نہیں سکتے اب آخر میں کہتے ہیں کہ نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماع موتیٰ کا قائل ہونا چاہیے محض قیاس کر کے دوسری باتوں کے سماع کے تحت میں

(1) تفسیر عثمانی، سورۃ روم، آیت ۵۲ کے تحت

نہیں لا سکتے۔ بہر حال آیت میں نفی سماع سے مطلقاً سماع کی نفی مراد نہیں۔

آیات کی تیسری توجیہ (نفی ظاہری احساس کے اعتبار سے ہے):۔

تیسری توجیہ حضرت شیخ انور رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے کہ قرآنِ کریم ہمارے سامنے جس وقت کسی بات کو نقل کرتا ہے، تو اس میں ہمارے ظاہری احساس کی رعایت رکھتا ہے۔ ①

یہ بات بھی پیچیدہ ہے ذرا توجہ کریں گے تو سمجھ میں آجائے گی قرآنِ کریم میں ہے وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ② سورج چلتا ہے قرآنِ کریم نے یہ تعبیر اختیار کی۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ سورج ہمیں چلتا ہوا نظر آتا ہے ایسے لگتا ہے کہ جس طرح سے ہم تو ٹھہرے ہوئے ہیں سورج چل رہا ہو واقعہ کچھ ہو جس طرح سے آج کی جدید سائنس کہتی ہے کہ سورج ٹھہرا ہوا ہے زمین گھوم رہی ہے تو بھی قرآنِ کریم کے محاورے کے خلاف بات نہیں ہے کیونکہ قرآنِ کریم انسان سے بات کرتا ہے اس کے احساس کے مطابق انسان کا احساس یہ ہے کہ سورج چل رہا ہے اس لئے اگر آج کی ہیئت والے اعتراض کریں کہ جی سورج کہاں چلتا ہے سورج تو اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے آج ہیئت سے ثابت ہو گیا کہ زمین گھومتی ہے تو بھی یہ قرآنِ کریم پہ اعتراض نہیں قرآنِ کریم نے لوگوں کو سمجھایا ہے اور سمجھانے کے اندر لوگوں کے احساس کو مدنظر رکھتا ہے ہم یہی دیکھتے ہیں جاہل سے جاہل آدمی کہتا ہے کہ سورج طلوع ہو گیا دوپہر کے وقت چڑھ گیا اور پھر ڈھل گیا پھر چھپ گیا واقعہ کیا ہے اس میں انسان کو الجھانا مقصود نہیں قرآنِ کریم کہتا ہے وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ③ ذوالقرنین نے اس سورج کو ڈوبتے ہوئے پایا ایک کیچڑ کے چشمے میں سورج جا کر ڈوبتا ہے اس نے محسوس کیا قرآنِ کریم نے وہی تعبیر اختیار کر لی جیسے سمندر کے کنارے آپ کھڑے ہوں اور سورج نیچے جاتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے سمندر میں ڈوب رہا ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں سورج سمندر میں ڈوب رہا ہے حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے تعبیر قرآنِ کریم وہی کرتا ہے کہ جس کو عام آدمی احساس کے طور پر سمجھے۔ اسی طرح سے ظاہری عالم کے اعتبار سے ہمارا احساس یہی ہے کہ یہ مردے بے جان پڑے ہوئے ہیں یہ سنتے نہیں ہیں اس لئے اس ظاہری حال کے اعتبار سے قرآنِ کریم نے کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دے کر بات ذکر کر دی۔

---

① فیض الباری ج ۲ ص ۶۴ باب کراہۃ الصلوۃ فی المقابر

② پارہ نمبر ۲۳، سورۃ نمبر ۳۶، آیت نمبر ۳۸

③ پارہ نمبر ۱۶، سورۃ نمبر ۱۸، آیت نمبر ۸۶

اب دوسرے عالم کے اعتبار سے واقعہ کیا ہے وہ اس جگہ اس کی پردہ کشائی کرنی مقصود نہیں ہے مبنی علی العرف کا یہی معنیٰ تھا کہ ہم اپنے احساس کے طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ مرے ہوئے ہیں سنتے کچھ نہیں ہیں جس طرح سے حدیث شریف میں آتا ہے بطور نماز پڑھا کرو لَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا ① یہ بخاری شریف کی روایت ہے متفق علیہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اس کے اور مطلب بھی ہیں ایک اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر ہمارے گھر نماز سے خالی ہوئے ذکر اذکار سے خالی ہوئے پھر تو قبرستان ہی کی طرح ہو جائیں گے اس پر حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ یہ بھی حدیث شریف میں ظاہری تعبیر اختیار کی گئی ہے کیونکہ آپ وہاں جا کر دیکھیں گے تو وہاں نہ کوئی نماز پڑھتا ہوا نظر آئے گا نہ آپ کو وہاں کوئی تلاوت کرتا ہوا نظر آئے گا اور نہ کوئی اور کچھ کرتا ہوا نظر آئے گا ایسی جگہ بے جان پڑے ہوئے ہیں تو اگر تم اپنے گھروں کے اندر اللہ کا ذکر نہیں کرو گے اور اللہ اللہ نہیں کرو گے تلاوت نہیں کرو گے نماز نہیں پڑھو گے تو تمہارے گھر بھی ایسے ہوں گے جیسے قبرستان ہیں اس ویرانے کے اعتبار سے گھروں کو قبرستان کے مشابہ قرار دیا گیا حالانکہ حضرت شیخ کہتے ہیں کہ واقعہ کیا ہے قبریں ویران نہیں ہیں۔ حقیقت کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ اَلْمُحَقَّقُ عِنْدِیْ اَنْ لَّا تَعَطُّلَ فِی الْقُبُوْرِ قبور میں تعطل نہیں ہے بَلْ فِیْهَا قِرَآءَۃُ الْقُرْاٰنِ وَالصَّلٰوۃُ وَالْاَذَانُ وَغَیْرُهَا مِنَ الْعِبَادَاتِ بلکہ قبروں کے اندر مردے قرآن بھی پڑھتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں اذانیں بھی دیتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور عبادتیں بھی کرتے ہیں وَالْاَفْعَالُ الْاُخَرُ اَیْضاً ثَابِتَۃٌ عِنْدَ اَهْلِ الْکَشْفِ وَهُمْ اَدْرٰی بِهٖ فَلَنْ نُّنْکِرَہٗ ② بلکہ اور بھی بہت سارے کام کرتے ہیں جو اہل کشف کو معلوم ہیں ہم تو اس کا انکار نہیں کرتے۔ ارے! قرآن پڑھنے کی مثال تو آپ کے سامنے حدیث شریف میں بھی گزری فضائل قرآن میں جہاں سورۃ الملک کی فضیلت منقول ہے وہاں مشکوٰۃ شریف میں روایت آتی ہے کہ ایک صحابی نے کہیں پر خیمہ لگایا اس کو پتہ نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے وہ خیمہ لگا کر بیٹھ گیا جب بیٹھ گیا تو کیا سنتا ہے کہ زمین سے سورۃ ملک پڑھنے کی آوازیں آ رہی ہیں جیسے کوئی نیچے بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہے اس نے یہ واقعہ دیکھا تو حضور ﷺ کے پاس جا کر ذکر کیا تو آپ نے فرمایا هِیَ الْمُنْجِیَۃُ یہ سورت تو نجات دلانے والی ہے عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے ③ اب وہاں منوں مٹی کے نیچے پڑا ہوا

① بخاری ج ۱ ص ۶۲ باب التطوع فی البیت / مشکوٰۃ ص ۶۹

② فیض الباری۔ باب کراہۃ الصلوۃ فی المقابر کے تحت ج ۲ ص ۶۲

③ مشکوٰۃ ص ۱۸۸ عن ابن عباس / ترمذی باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک / اثبات عذاب القبر للبیہقی ج ۱ ص ۱۹۹ / المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۷۴

پڑھ رہا تھا بطور کشف کے اس کے کان میں آواز آئی میں نے کہا تھا کہ اس عالم کے حالات کو یہاں قیاس نہیں کیا جا سکتا اب وہ قرآن کا پڑھنا صحابی نے سنا حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا آپ نے اس کی تائید فرمائی یہ تو حدیث شریف کی بات ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کی کرامت لکھی ہے اس سلسلے میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو جو سینوں میں محفوظ کیا ہے تو سوتا جاگتا ہر طرح سے انسان اس کو پڑھتا ہے اور یہ محفوظ رہتا ہے تو یہ مرقاۃ کے اندر ایک جگہ لکھتے ہیں کہ پیر اپنے مرید کے ساتھ دور کیا کرتا تھا دس دس آیتیں جس طرح دور ہوتا ہے کہ پیر دس آیتیں پڑھتا پھر مرید آیتیں پڑھتا اس طرح سے پڑھا کرتے تھے کہتے ہیں کہ شیخ کی وفات ہوگئی جب وفات ہوگئی تو اس کو قبر میں دفن کر دیا گیا تو مرید گیا اپنے شیخ کی قبر کی زیارت کیلئے وہاں بیٹھ کر اس نے تلاوت شروع کی جب دس آیتیں پوری ہوئیں تو ادھر سے شیخ نے پڑھنی شروع کر دیں کہتے ہیں اس نے سنیں اور دس سننے کے بعد پھر اس نے دس پڑھیں پھر اس نے پڑھنی شروع کر دیں کہتے ہیں کہ کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر اس نے کسی کے سامنے اظہار کر دیا پھر وہ سلسلہ بند ہوگیا۔ ①

تو مطلب کہنے کا یہ ہے جیسے وہاں قبور کے ساتھ تشبیہ گھروں کو ویرانے میں دیدی گئی ظاہری حالات کے اعتبار سے ورنہ حقیقت میں تعطل نہیں قبروں میں مردے سب کچھ کرتے ہیں لیکن شریعت بعض دفعہ ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے بات کو ذکر کر دیا کرتی ہے تو ہم چونکہ اپنے ظاہری عالم کے اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ مردے بے جان پڑے ہوئے ہیں نہ ان میں کوئی سننے کی طاقت، نہ دور کرنے کی طاقت ہے تو قرآنِ کریم نے اس ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے واقعہ کیا ہے؟ وہ سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ اس بات کو اس آیت کے اندر ذکر کرنا مقصود نہیں اس کی پردہ کشائی مقصود نہیں ہے جس طرح سے سورج کی طرف چلنے کی نسبت ہوگئی اس میں اب بحث نہیں کہ واقعہ کیا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ وہ چل رہا ہے اسی طرح سے آپ مردوں سے باتیں کریں گے تو آپ بظاہر یہی دیکھیں گے کہ کچھ بھی نہیں نہ وہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اس ظاہر کی رعایت رکھتے ہوئے قرآنِ کریم نے تشبیہ دیدی۔

---

① مرقاۃ المفاتیح ج ۸، باب التحذیر من الفتن کی پہلی حدیث کے تحت

سماع موتی کے ثبوت پر دلائل (تین قسم کی احادیث):۔

یہ تو توجیہات تھیں جو ہم نے ان آیات کے متعلق کیں۔ تین طریقے اختیار کئے گئے ان آیات کا مطلب بیان کرنے کیلئے ان لوگوں کی طرف سے جو کہ سماع موتی فی الجملہ کے قائل ہیں اور آگے یہ خود اپنا استدلال کس بات سے کرتے ہیں جو کہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ ان کی دلیلیں زیادہ تر روایات ہیں احادیث کا ظاہر جو ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سماع ہے۔ تین قسم کی حدیثیں ہیں جو کہ اس موقع پر یہ حضرات نقل کرتے ہیں۔

قسم اول (احادیث سلام):۔

ایک وہ روایت جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ مرنے والے کو سلام کیا جائے تو وہ سلام سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اس سے بھی سماع ثابت ہوتا ہے چنانچہ حضرت شیخ نے اسی بحث میں اپنی بحث کا مدار بھی اسی کے اوپر ٹھہرایا حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ وَالْاَحَادِیْثُ فِیْ سِمَاعِ الْاَمْوَاتِ قَدْ بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ سماع موتی کے بارے میں حدیثیں تواتر کے مرتبہ تک پہنچی ہوئی ہیں اور آگے حدیث کو نمونے کے طور پر ذکر کرتے ہیں اس کی ابو عمرو نے تصحیح کی ہے۔ اَنَّ اَحَداً اِذَا سَلَّمَ علی الْمَیِّتِ فَاِنَّهٗ یَرُدُّ عَلَیْهِ وَیَعْرِفُهٗ اِنْ کَانَ یَعْرِفُهٗ فِی الدُّنْیَا① جس وقت کوئی شخص میت کو جا کر سلام کرتا ہے تو میت اس کے سلام کا جواب بھی دیتی ہے اور اس کو میت پہچان بھی لیتی ہے اگر دنیا میں جان پہچان ہو تو۔ اور اگر دنیا کے اندر جان پہچان نہ ہو تو سلام کا جواب دیتے ہیں مردے پہچان نہیں کرتے یہ جو روایت نقل کی گئی سلام کہنے کی اور جواب ملنے کی، اس کے اوپر مدار رکھا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا فیصلہ:۔

یہ ابن کثیر جو عماد الدین کی معروف تفسیر ہے اور ابن کثیر کے نام سے مشہور ہے وہ کہتے ہیں وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ سلف کا اس بات پر اجماع ہے اتفاق ہے کہ اموات سلام سنتے ہیں اور بہت سارے آثار ان کی طرف سے متواتر آئے ہوئے ہیں کس بات کے ساتھ متواتر آثار آئے ہوئے ہیں؟ بِاَنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ بِزِیَارَةِ الْحَیِّ لَهٗ وَیَسْتَبْشِرُ کہ میت زندہ آدمی جو زیارت کیلئے آتا ہے اس کو پہچانتی ہے اور وہ مرنے والا خوش ہوتا ہے۔ آگے یہی روایت نقل کی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ کوئی

① فیض الباری ج ۳ ص ۴۲، باب قول المیت وھو علی الجنازہ کے تحت

شخص نہیں جو اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے وَيَجْلِسُ عِنْدَهُ اور اس کے پاس بیٹھ جائے اِلَّا اِسْتَأْنَسَ بِهٖ مگر مرنے والا اس سے انس حاصل کرتا ہے وَرَدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقُوْمَ اور اس کے اوپر اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے یہاں تک کہ وہ زیارت کرنے والا بیٹھنے والا اٹھ کر چلا جائے وَرُوِيَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِذَا مَرَّ رَجُلٌ بِقَبْرٍ يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ① ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو مرنے والا پہچانتا ہے وہ اس کو سلام کرتا ہے تو مرنے والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے بہر حال ایک قسم تو روایات کی یہ ہے کہ جس میں سلام کہنے اور جواب ملنے کا ذکر آیا ہوا ہے۔ اجمالاً حضرت شیخ نے ذکر کر دیا کہ روایات تو اس قسم کی بہت ہیں بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ تواتر کے لفظ میں جو زور ہے وہ آپ سمجھتے ہیں۔

قسم دوم (حدیث قرع نعال):۔

دوسری قسم کی روایات جو اس سلسلے میں مستدل کے طور پر پیش کی جاتی ہے یہ وہ روایت ہے جو باب اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ میں آتی ہے عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ وَ اِنَّهٗ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ② جس وقت کسی مرنے والے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے دوست اس سے پیٹھ پھیر کے واپس آتے ہیں تو وہ مرنے والا ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے اس میں پاؤں کی آہٹ سننے کا ذکر آ گیا تو اس میں سماع کی نسبت ہے ان کی طرف کہ مرنے والا ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے یہاں سنانے کی بات نہیں ہے آہٹ سنتا ہے تو اس روایت میں جو سماع کا ذکر آیا ہے تو اس کی تاویل وہ حضرات جو سماع کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں تو حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ فرشتے اس کے پاس اتنی جلدی آ جاتے ہیں کہ اگر اس مرنے والے کے پاس کوئی زندہ بیٹھا ہوتا تو جانے والوں کے قدموں کی آہٹ اس تک پہنچتی یعنی یہ جلدی کو بیان کرنے کیلئے حضور ﷺ نے فرمایا: بہر حال وہاں جس طرح سے قرآن کے ظاہر میں تاویل کی ضرورت ہے کہ جو مانعین ہیں وہ اس قسم کی روایتوں سے تاویل کرتے ہیں ورنہ ظاہری الفاظ تو یہی ہیں اور یہ روایت بھی بخاری کی ہے بلکہ متفق علیہ ہے یعنی مسلم شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے بخاری میں بھی ہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۲۵ تحت فانک لا تسمع الموتی، سورۃ روم، آیت ۵۲

② مشکوۃ ص ۲۴/ ابی داؤد باب المشی فی النعل بین القبور/ مسند احمد ج ۱۹ ص ۲۸۹/ صحیح البخاری باب ماجاء فی عذاب القبر/ صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:۔

لیکن یہ شارح مشکوٰۃ حضرت مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یہ مرقاۃ جلد اوّل ہے صفحہ نمبر ۱۹۸ ہے جہاں اس روایت کے اوپر حضرت ملا علی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بحث کی ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے کہ یَسْمَعُ صَوْتَھَا لَوْکَانَ حَیًّا کہ اگر یہاں زندہ ہوتا تو واپس جانے والوں کے قدموں کی آہٹ سنتا اور اتنے میں فرشتے آ جاتے یعنی یہی جلدی آنے کی طرف کنایہ ہے تو یہ نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں وَھُوَ ضَعِیْفٌ یہ توجیہ ضعیف ہے اِذْ ثَبَتَ بِالْاَحَادِیْثِ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے اَنَّ الْمَیِّتَ یَعْلَمُ مَنْ یُّکَفِّنُہٗ وَمَنْ یُّصَلِّیْ عَلَیْہِ وَمَنْ یَّحْمِلُہٗ کیونکہ میت جانتی ہے اس شخص کو جو اس کو کفن دیتا ہے جو اس کے اوپر نماز پڑھتا ہے جو اس کو اٹھاتا ہے جب میت کیلئے اس قسم کی حس ثابت ہے تو اس روایت کو اپنے ظاہر پہ رکھنا چاہیے کہ مرنے والا ہی واپس جانے والوں کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے بہر حال توجیہ کرنے والوں نے وہ توجیہ کی جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دی لیکن شارحین یہاں یہ کہتے ہیں کہ اس کو ظاہر پر ہی محمول رکھنا چاہیے کیونکہ مرنے والے سے علم کی نفی نہیں بلکہ علم اس کو حاصل ہے حتیٰ کہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ کفن دینے والوں کو نماز پڑھنے والوں کو اٹھانے والوں کو بھی جانتا ہے اور باتیں بھی کرتا ہے جیسا کہ اگر مرنے والا نیک ہو تو کہتا ہے کہ قَدِّمُوْنِیْ قَدِّمُوْنِیْ مجھے جلدی لے چلو مجھے جلدی لے چلو اور اگر وہ برا ہوتا ہے تو آنے والے حالات سے ڈرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو مجھے کہاں لے جا رہے ہو جس پر بحث کرتے ہوئے حضرت شیخ نے مسئلے کی تفصیل کی کہ اِنَّ کَلَامَ الْمَیِّتِ وَسَمَاعَہٗ وَاحِدٌ کہ میت کا بولنا اور سننا ایک ہی مسئلہ ہے۔

صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:۔

جو قائل ہیں دونوں کے قائل ہیں جو قائل نہیں وہ دونوں کے قائل نہیں تو دوسری قسم کی روایات یہ ہیں جن کے اوپر استدلال کا مدار رکھا گیا ہے اور اسی قسم کی روایتیں نقل کر کے روح المعانی نے بھی آخری فیصلہ یہی دیا یہ مختصر سے حوالے صرف تعارف کے طور پر ذکر کرنا مقصود ہیں یہ سارے آثار کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی یَسْمَعُوْنَ فِی الْجُمْلَۃِ ① روح المعانی والے نے بھی آخری فیصلہ یہی دیا ہے اس بحث کو نقل کرنے کے بعد اسی کو راجح قرار دیا ہے سماع فی الجملہ کا قول کرتے ہوئے۔

① تفسیر روح المعانی، سورۃ روم، آیت ۵۲ کے تحت

قسم سوم (حدیث قلیب بدر):۔

اور تیسری قسم کی روایات جو اس سلسلے میں نقل کرتے ہیں وہ ہے سرور کائنات ﷺ کے غزوہ بدر کی روایت یہ بخاری شریف جلد ثانی ہے اور اس کے ۵۶۶ صفحہ کے اوپر اور اسی طرح ۵۷۴ پر یہ روایت موجود ہے اور بھی متعدد کتابوں میں ہے مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے کہ جس وقت بدر کے میدان میں مشرکین قتل ہو گئے تھے تو بہت سارے مشرک حضور ﷺ نے ایک گڑھے کے اندر پھینکوا دیئے تھے تقریباً چوبیس لاشیں بڑے بڑے سرداروں کی ایک ہی گڑھے میں ڈلوائی تھیں اور پھر تین دن تک آپ نے وہاں میدان میں قیام فرمایا آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کہیں غلبہ کرتے یا فتح پاتے تو تین دن وہاں قیام فرماتے تھے قیام کرنے کے بعد جب کوچ کا وقت آیا تو آپ نے حکم دیا آپ کیلئے سواری تیار کی گئی اور آپ چلتے ہوئے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو گئے جہاں مشرکین کی لاشیں ڈلوائی تھیں وہاں گڑھے پر کھڑے ہو کر فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِأَسْمَاءِ هِمْ وَ أَسْمَاءِ آبَاءِ هِمْ ان کو آوازیں دینے لگ گئے ان کے ناموں کے ساتھ اور ان کے آباء کے ناموں کے ساتھ یا فلان ابن فلاں، یا فلان ابن فلاں أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اے او فلانے فلاں کے بیٹے کیا تمہیں یہ بات اب اچھی لگتی ہے کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول کا کہنا مان لیتے فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ہمارے ساتھ تو ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا تمہارے ساتھ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے اس کو سچا پایا یا نہیں؟ اس طرح سے باتیں کرنے لگ گئے جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو حضرت عمر ؓ بھی پاس کھڑے تھے تو حضرت عمر ؓ کی عادت ہے کہ جو اشکال آ جائے اس کو روک نہیں سکتے فوراً کہہ دیتے ہیں تو حضور ﷺ کو خطاب کر کے حضرت عمر ؓ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ﷺ مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا یا رسول اللہ! ﷺ یہ کیا باتیں کر رہے ہو ایسے جسموں سے کہ جن میں جان ہی نہیں ہے جن میں روح ہی نہیں ہے۔ تو انکار کرنے والے اس سے زیادہ بات تو نہیں کہتے وہ یہی کہتے ہیں کہ بے جان دھڑوں کو کیا خطاب کر رہے ہو یہ تو بے جان ہیں یہ کیا سنیں گے یہ بات حضرت عمر ؓ نے حضور ﷺ کے سامنے کہہ دی کہ ظاہری طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ بدن میں روحیں ہیں ہی نہیں ان میں جان ہے ہی نہیں تو ان سے بات کرنے کا سنانے کا کیا مطلب جس طرح سے وہ واقعہ حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ کے پیر کا نقل کیا تھا کہ بچوں نے کہا تھا کہ بابا حضرت

مردہ اند جواب نادہند تو انکار کرنے والے اس سے زیادہ بات تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تو مرے ہوئے ہیں یہ کیا جواب دیں گے وہاں واقعہ کی تفصیل آپ کے سامنے آ چکی۔ اور یہاں بھی زیادہ سے زیادہ اگر کہہ سکتے ہیں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ مَا تُکَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا آپ کیا باتیں کر رہے ہیں ایسے جسموں سے جن میں روحیں ہی نہیں ہیں فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان کے مقابلے میں زیادہ نہیں سن رہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی سن رہے ہیں تم بھی سن رہے ہو لیکن تم کوئی زیادہ نہیں سن رہے جیسے سماع تمہارے لئے ثابت ہے ویسے ان کے لئے ثابت ہے روایت کے الفاظ اتنے ہی ہیں اب آگے توجیہ کرنے والے کیا توجیہ کرتے ہیں جو کہ قائل نہیں اور جو قائل ہیں ان کو تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں بالکل ظاہری طور پر الفاظ یہی بات ثابت کرتے ہیں اور اس بات کو سرورِ کائنات ﷺ نے قسم کھا کر بیان فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے جیسے تم سن رہے ہو وہ بھی سن رہے ہیں جو مانعین ہیں وہ اس کی کیا توجیہ کرتے ہیں دونوں قسم کی بات آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں چونکہ دونوں باتوں کی گنجائش ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے تو یاد رکھئے کہ یہ بھی ایک توجیہ ہے توجیہات میں سے۔ ورنہ روایت میں نہیں لکھا ہوا کہ یہ معجزہ ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر بحث:۔

اور یہی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے فرمایا نہیں یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو غلطی لگ گئی حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اب یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ میں نے انہیں کہا تھا، وہ صحیح تھا، حضور ﷺ نے علم کی نسبت ان کی طرف کی ہے سماع کی نسبت نہیں کی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو غلطی لگ گئی قرآن میں آتا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو سن کے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی غلطی قرار دیا اور اپنی طرف سے یہ توجیہ دی کہ حضور ﷺ علم کا اثبات فرمانا چاہتے ہیں کہ ان کو پتہ لگ گیا ہے۔ اور سماع کا اثبات نہیں کرنا چاہتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب ① (حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ راجح ہے):۔

اب یہاں شارحین حدیث نے مکمل بحث کی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک پر اور اس روایت

پر۔ فتح الباری جلد نمبر سات (۷) صفحہ ۲۳۵، ۲۳۶ پر یہ مسئلہ مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس پر کلام کی ہے اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بات راجح ہے کیونکہ جس وقت یہ بات ہوئی تھی اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں تو وہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یعلمون کا ذکر فرمایا تھا اور ان کے سماع کا ذکر نہیں کیا اگرچہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا وہاں پر ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود نہیں ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود ہیں وہ بھی یہی بات نقل کرتے ہیں اور یہ روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ روایت نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے نہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے بلکہ یہ روایت ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اس میں سرے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہی نہیں۔ ذَكَرَ لَنَا اَنَسُ ابْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِاَرْبَعَةٍ وَّ عِشْرِيْنَ ① تو محدثین نے اسی لئے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے بھی ہیں یعنی جو واقعہ میں شریک تھے اس لئے وہی صحیح الفاظ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بیان فرمائے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور کے قول کو قرآنی آیت کے ساتھ متعارض سمجھتے ہوئے اپنی طرف سے توجیہ کی ہے ورنہ بات وہی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں اور یہیں پر صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رجوع بھی ثابت ہے کہ انہوں نے سماع کا قول بھی کرلیا اور وہی بات حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر ② نے اپنی کتاب سماع موتی کے اندر بھی نقل کی ہے اور عمدۃ القاری عینی کے اندر حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بحث کو نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے بھی ترجیح اس بات پر دی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے چونکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات بھی اس کے مطابق ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے فہم کے طور پر جو بات کی تھی وہ مرجوح ہے وہ ان کے مقابلے میں ترجیح کے قابل نہیں ہے بہر حال اس روایت کے اوپر محدثین نے بحث کی ہے۔ مانعین جو ہیں وہ اس کو معجزے پر محمول کرتے ہیں یا قرآن کریم کے ساتھ متعارض قرار دے کر اس کی توجیہ کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی ہے لیکن سابقین علماء نے دونوں باتوں کو نقل کرتے ہوئے ترجیح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو دی ہے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی راوی

---

① بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ مذکورہ حدیث کی ابتدائی عبارت

② حضرت شیخ صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں امام اہل السنۃ والجماعۃ تھے کثیر شیوخ حدیث کے استاذ اور آپ نے اپنے قلم کے ذریعہ سے فرق باطلہ کا خوب رد کیا، بلکہ حق ادا کر دیا۔ اللہ ان کی مرقد پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ ناقل

ہیں اور صاحب واقعہ بھی ہیں یعنی جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا اس وقت یہ موجود تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں لہٰذا ان کی توجیہ اس معاملے میں مرجوح ہے۔

جواب نمبر ② (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع):۔

بلکہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجوع نقل کیا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کیلئے بطور تائید کے ایک بات نقل کی جاسکتی ہے مشکوٰۃ شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بھائی کی قبر پر جانا اور ان کو خطاب کر کے باتیں کرنا یہ مشکوٰۃ شریف کے اندر مذکور ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے حضرت عبدالرحمٰن حقیقی بھائی تھے اور ان کا سفر میں انتقال ہو گیا تھا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود نہیں تھیں حُبْشِیّ ایک جگہ ہے مکہ کے قریب وہاں ان کا انتقال ہوا وہاں سے لوگوں نے ان کو اٹھا کر لے جا کر مکہ معظمہ میں دفن کر دیا اور ان کے دفن ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ میں گئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر بھی گئیں یہ روایت مشکوٰۃ شریف کے ایک سو انچاس ۱۴۹ صفحہ پر مذکور ہے ①۔ حدیث یہ ہے۔ وَاللّٰهُ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ اِلَّا حَيْثُ مِتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ

اگر میں موجود ہوتی تو تو وہیں دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی ہے اگر میں اس وقت تیرے پاس موجود ہوتی تو آج تیرے پاس قبر پہ آنے کی ضرورت نہ پڑتی رواہ الترمذی یہ ترمذی شریف کی روایت ہے مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے اور اسی طرح سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور بات بھی حدیث شریف میں آتی ہے اس کی طرف دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک سے استدلال کرنے والوں کیلئے ایک بات مؤدبا عرض کی جاسکتی ہے۔

۱۵۴ صفحہ ہے مشکوٰۃ شریف کا باب زیارۃ القبور کی آخری روایت ہے وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي فِيهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِنِّي وَاضِعٌ ثَوْبِي وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَاَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَادَخَلْتُهُ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر

① باب دفن المیت۔ فصل ثالث

صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی وہیں دفن کیا گیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رہائش بھی وہیں تھی آخر وقت تک وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے اس حجرے میں چلی جایا کرتی تھی باقاعدہ پردے کا اہتمام نہیں کرتی تھی کہ کوئی بات نہیں میرا خاوند ہے میرا ابا ہے جہاں دونوں کی قبریں موجود تھیں اور جس وقت وہاں عمر رضی اللہ عنہ دفن ہو گئے تو میں وہاں داخل نہیں ہوتی اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي میں اوپر اپنے کپڑا باندھ کے لپیٹ کے تب حجرے میں جاتی ہوں عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کر کے۔ اب اس میں اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک اہل قبور کو علم ہے تو بھی لفظوں میں گنجائش ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو تسلیم نہ کرے تو اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان قبروں کے ساتھ جو کہ آپ کو ڈھیریوں کی شکل میں نظر آ رہی ہیں ان کے ساتھ انسان کو وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو کہ ان کی زندگی میں تھا اس لئے ادب کے ساتھ ان کے سامنے جانا جس طرح سے کہ فقہاء لکھتے ہیں اس طرح سے جا کر کھڑے ہونا کہ جس طرح سے دنیا میں آپ کا کوئی استاد کوئی شیخ لیٹا ہوتا تو آپ کہاں کھڑے ہوتے تو اس طرح سے بات کرنا وہاں جا کر مؤدب ہو کر کھڑے ہونا اپنے بدن پر اسی طرح کے تواضع وانکساری کے آثار طاری کر لینا یہ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک سے صراحتاً ثابت ہو گیا تو قبروں کے ساتھ معاملہ وہی ہونا چاہیے جو کہ انسان زندگی میں اصحابِ قبور کے ساتھ کرتا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کا لحاظ کرتی تھیں جس کی بناء پر وہاں جاتی تھیں تو اپنے آپ کو باپردہ بنا کر جاتی تھیں اور جس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن نہیں ہوئے تھے تو کہتی تھیں کہ یہ میرا ابا ہے میرا شوہر ہے اس لئے پردے کا خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں تو معلوم ہو گیا کہ قبروں کے اندر دفن ہونیوالوں کا اسی طرح احترام کرنا چاہیے جس طرح سے کہ ان کی زندگی میں کیا جاتا تھا۔ اور اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حوالہ دیا گیا ہے رواہ احمد، مسند احمد کی یہ روایت ہے۔ بہر حال یہ خلاصہ ہے بحث کا جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔

خلاصۂ بحث:۔

تمام حوالوں سے حاصل یہ ہوا کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ ہے لیکن کون سا مسئلہ اس میں ذرا امتیاز کیجئے......! میں نے سماع دو طرح سے نقل کر دیا ہے۔ ایک ہے وہ سماع جو مشرکین کا عقیدہ تھا جو کہ موجبہ کلیہ کے درجے میں ہے کہ ہر وقت سنتے ہیں ہر جگہ سے سنتے ہیں ہر کسی کے سنتے ہیں ہر بات سنتے ہیں یہ لوازم الوہیت

میں سے ہے یہ مشرکوں کا عقیدہ تھا اور اس قسم کا عقیدہ جس کے متعلق بھی رکھا جائے شرک ہے اور جس کے متعلق آپ یہ عقیدہ رکھیں گے اس کو آپ نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرادیا مشرکین کے عقیدے پر بحث کرتے ہوئے قرآنِ کریم کی جتنی آیات ہیں وہ سب اس عقیدے پر بحث کرتے ہوئے تردید کیلئے ہیں اور یہ عقیدہ مسلمانوں کے درمیان مختلف فیہ نہیں ہے۔ اس لئے کثیر آیات لوگ پڑھتے ہیں ان میں سماع کی نفی ہوتی ہے اس سے مراد یہی مشرکین کے عقیدے کی تردید ہے جس کو سماع لازم ودائم سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ یہ لوازم الوہیت میں سے ہے جس کے متعلق ایسا عقیدہ رکھ لیا جائے گویا کہ آپ نے اس کو الٰہ بنالیا اس لئے وہ ساری کی ساری آیات اس کھاتے میں گئیں۔

اور دوسرا سماع فی الجملہ کہ قریب سے سنے نہ کہ دور سے، کسی کی سنے کسی کی نہ سنے، کوئی بات سنے کوئی بات نہ سنے اس کی بھی تشریح میں نے آپ کے سامنے کی تھی کہ اصل میں قبور والوں کے ساتھ ربط پیدا کرنا یہ بھی ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہے اصحابِ قبور جس وقت آنے والوں کو پہچانتے بھی ہیں جس طرح سے آثار سے معلوم ہوتا ہے تو آنے والوں میں فرق ہوتا ہے ایک آنے والا اہل محبت میں سے ہے اہل تعلق میں سے ہے اس کی طرف توجہ اور طرح سے ہوگی اور ایک آنے والا اہل محبت میں سے نہیں ہے تو اس کی طرف توجہ اس طرح سے نہیں ہوگی جس طرح سے ایک صاحب روحانیت قبر پر جاتا ہے اور صاحب قبر سے ربط پیدا کر لیتا ہے۔

استفاضہ من القبور۔ اور ''المہند علی المفند'' کا تعارف:۔

یہ ایک بات اضافے کے طور پر ذکر کردوں استفاضہ من القبور قبور والوں سے فیض حاصل کرنا یا کسی قسم کا فائدہ اٹھانا یہ مستقل مسئلہ ہے جو ہمارے اکابر میں مسلّم ہے۔

ایک کتاب ہے ''المہند علی المفند'' یہ علمائے دیوبند کے عقیدے کی ایک دستاویز ہے شانِ ورود اس کا یہ ہے کہ احمد رضا خان بریلوی یہ عرب میں تشریف لے گئے تھے تو وہاں سے علماءِ دیوبند کی باتیں توڑ مروڑ کر وہاں سے کفر کے فتوے لگوا کر آ گئے وہیں سے اس فتنے کی ابتداء ہوئی ہے جو اکابرین کی عبارتوں کے متعلق چل رہے ہیں اس کتاب کا نام رکھا اس نے حسام الحرمین پھر جس وقت علماءِ حرمین کو پتہ چلا کہ ہمیں تو مغالطہ دیا گیا پھر انہوں نے تحقیق حال کیلئے کچھ سوالات لکھ بھیجے تا کہ پتہ چلے کہ علماءِ دیوبند کا مسلک کیا ہے تو وہ سوالات جس وقت آئے ہیں تو

ان کے جوابات لکھے تھے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اور وہ جوابات کا مجموعہ المہند علی المفند ہے (دیوانے کے سر پر ہندی تلوار) اور ان جوابات کو لکھنے کے بعد اس وقت جتنے علماءِ دیوبند موجود تھے سب کے اس کے اوپر دستخط ہیں حتی کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی جو کہ عدم سماع کا قول کرتے تھے جو کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ان کے بھی اس دستاویز کے اوپر دستخط ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ یہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا مسعود علی کے دستخط ہیں اور آپ کے خلفاء میں سے حضرت خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا الیاس یہ سارے حضرات مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جتنے موجود تھے سب کے دستخط ہیں پھر یہ دستاویز یہاں سے گئی تو حرمین شریفین کے کلیتاً علماء نے اس کے اوپر دستخط کئے ہیں پھر یہ شام میں گئی مصر میں گئی اور یہ تمام عربی ممالک کے سربراہوں کے دستخط ہیں اور جتنی یہ کتاب موٹی ہے اس سے زیادہ دستخطوں کی فہرست ہے جو کتاب کے آخر میں لگی ہوئی ہے اس لئے یہ دستاویز ایسی ہے جس کو آپ پورے عالم اسلام کی دستاویز کہہ سکتے ہیں ان سوالوں میں سے ایک سوال جو علماء سے کیا گیا یہ بھی ہے مشائخ کی روحانیت سے اہل قلوب کو نفع پہنچتا ہے یا نہیں؟ یہ سوال ہے جس کے جواب کے طور پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا اب رہا مشائخ کی روحانیت سے استفادہ ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض پہنچنا یہ بے شک صحیح ہے مگر اس طریقہ سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے نہ اس طرح سے کہ جو عوام میں رائج ہے ① یعنی جو اہل ہیں جن کو طریقہ معلوم ہے وہ ان کی روحوں سے استفادہ کر سکتے ہیں اور ان سے ان کو فیض بھی حاصل ہوتا ہے قبروں سے بھی وہ فیض حاصل کر سکتے ہیں یہی مسئلہ فیض الباری جلد ثالث میں صفحہ ۴۳۴ پر حضرت نے بھی ذکر فرمایا حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب فرماتے ہیں کہ قَدْ سَأَلْتُ عَنْهُ کہ میں نے اپنے استاد حضرت شیخ الانور رحمۃ اللہ علیہ کشمیری سے پوچھا عَنِ الْإِسْتِفَاضَةِ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ میں نے ایک دفعہ اپنے استاد سے پوچھا کہ کیا قبروں سے فیض بھی ہوتا ہے؟ کیا فیض حاصل کیا جا سکتا ہے؟ هَلْ يَجُوْزُ ذَالِكَ ام لا؟ فَقَالَ لِيْ أَمَّا الْمُحَدِّثُوْنَ فَلَا أَرَاهُمْ يُجَوِّزُوْنَهُ محدثین تو میرا خیال ہے اس کو جائز قرار نہیں دیتے وَلٰكِنْ أُجِيْزُ أَنَا لِكَوْنِهِ ثَابِتاً عِنْدَ أَرْبَابِ الْحَقَائِقِ لیکن میں جائز قرار دیتا ہوں کیونکہ ارباب

① المہند علی المفند۔ سوال نمبر ۱۱ کا آخر

حقائق کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے غَيْرَ أَنَّهُ يَنْبَغِي لِمَنْ كَانَ أَهْلاً لَهُ البتہ جو اس کا اہل ہے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے وَأَمَّا مَنْ كَانَ مُنْغَمِساً فِي الظُّلُمَاتِ فَلاَ خَيْرَ فِيهِ① اور ہم جیسے جو ظلمات میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے لئے اس میں کوئی خیر نہیں ہے وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائیں گے تو جب یہ استفاضۃ من القبور کا قول ہمارے اکابر تک نے کیا ہوا ہے بلکہ عالم اسلام کی دستاویز کے اندر بھی اس کا قول موجود ہے کہ کوئی اہل آدمی جب قبر پر بیٹھ کر مراقبہ کرتا ہے تو اپنے طریقے کے مطابق صاحب قبر کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے تو صاحب قبر متوجہ بھی ہو جاتا ہے اور اپنے اکابر کی جس وقت آپ کتابیں دیکھیں گے واقعات دیکھیں گے اس بات کے ساتھ تو معاملہ اور بھی صاف ہو جاتا ہے اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ قبروں سے استفاضہ بھی ہوتا ہے پھر تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ یہ خلاصہ ہے اس مسلک کا جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے۔

حالتِ بیداری میں مرنے والوں کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں؟:۔

باقی آگے اس کے تتمے کے طور پر اور باتیں بھی ذکر کی جاسکتی ہیں کہ بیداری کے اندر مرنے والوں کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ حضور ﷺ کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں یہ باتیں اسی مسئلے کے اوپر متفرع ہیں اور اسی کے اوپر چلتی رہتی ہیں۔ یہ فیض الباری جلد اوّل ہے اور اس کا صفحہ ۲۰۴ ہے۔ استفاضہ کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کے ساتھ بیداری میں ربط پیدا ہو جاتا ہے استفاضہ کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ جو چاہے جب چاہے جو چیز مرضی پوچھ لے لوگ اعتراضات جو کیا کرتے ہیں اسی کلیہ کو سامنے رکھ کر کیا کرتے ہیں یہ بات نہیں بلکہ یہ ایک اتفاقی بات ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس پہ عنایت ہو جائے ظاہری اسباب کے خلاف بطور کرامت کے ایسا ہوتا رہتا ہے تو کوئی بات معلوم ہو جائے کوئی بات پوچھ لی جائے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ بھی استفاضہ من القبور کی قسم ہے اس مسئلے سے میرا ذہن ادھر منتقل ہوا ایک بات اس کے متعلق بھی عرض کر دوں۔

حاصل تو یہ ہے کہ حضرت شیخ نے آخر میں جا کر یہ فیصلہ دیا ہے فرماتے ہیں کہ فَالرُّؤْيَةُ يَقْظَةً مُتَحَقِّقَةٌ بیداری کے اندر بھی رؤیت محقق ہے وَإِنْكَارُهَا جَهْلٌ اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے اور اس میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ يُمْكِنُ عِنْدِي رُؤْيَتُهُ ﷺ يَقْظَةً میرے نزدیک حضور ﷺ کو بیداری میں دیکھ لینا بھی ممکن ہے لِمَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اس شخص کے لئے جس کو اللہ یہ نعمت دیدے كَمَا نُقِلَ عَنِ السُّيُوطِيِّ رحمہ اللہ أَنَّهُ رَآهُ

① فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۸ باب من استعان بالضعفاء کے تحت حاشیے پر

علیہ اثْنَیْنِ وَعِشْرِیْنَ مَرَّةً علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو بائیس دفعہ دیکھا وَسَأَلَهٗ عَنْ اَحَادِیْثَ ثُمَّ صَحَّحَهَا بَعْدَ تَصْحِیْحِهٖ علیہ اور انہوں نے حدیثوں کے متعلق پوچھا حضور ﷺ نے ان کو صحیح قرار دیا بعض حدیثوں کی تصحیح کی ہے تو یہ استفاضہ ہے وَكَتَبَ اِلَیْهِ الشَّاذِلِیُّ یَسْتَشْفِعُ بِهٖ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ اِلٰی سُلْطَانِ الْوَقْتِ وَكَانَ یُوَقِّرُهٗ اور علامہ شاذلی نے علامہ سیوطی کو خط لکھا اور اپنی کسی ضرورت کیلئے انہوں نے سفارش چاہی سلطان وقت کی طرف اور وہ سلطان وقت علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی عزت کرتا تھا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے سفارش کرنے سے انکار کر دیا وَقَالَ اِنِّیْ لَا اَفْعَلُ اور کہا میں ایسا نہیں کر سکتا وَذٰلِكَ لِاَنَّ فِیْهِ ضَرَرَ نَفْسِیْ وَضَرَرَ الْاُمَّةِ ایسا کرنے میں میرا بھی نقصان ہے اور امت کا بھی نقصان ہے وہ نقصان کس طرح سے لِاَنِّیْ زُرْتُهٗ علیہ غَیْرَ مَرَّةٍ کہ میں بار بار حضور ﷺ کی زیارت کرتا ہوں وَلَا اَعْرِفُ فِیْ نَفْسِیْ اَمْرًا غَیْرَ اَنِّیْ لَا اَذْهَبُ اِلٰی بَابِ الْمُلُوْكِ مجھے اپنے اندر کوئی شرف نظر نہیں آتا جس کی بناء پر میرے اوپر یہ عنایت ہے سوائے اس کے کہ میں بادشاہوں کے دروازے پر نہیں جاتا۔ تو خطرہ ہے کہ اگر میں بادشاہ کے دروازے پر چلا گیا تو کہیں یہ شرف مجھ سے ضائع نہ ہو جائے فَلَوْ فَعَلْتُ اَمْكَنَ اَنْ اُحْرَمَ مِنْ زِیَارَتِهِ الْمُبَارَكَةِ فَاَنَا اَرْضٰی بِضَرَرِكَ الْیَسِیْرِ من ضرر الامّةِ الْكَثِیْرِ مجھے تیرا تھوڑا سا نقصان برداشت ہے امت کا نقصان کثیر برداشت نہیں کہ حضور ﷺ سے میں بعض علمی باتیں پوچھتا ہوں جس میں امت کا فائدہ ہے۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت کشمیری رحمہ اللہ دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں حضرت شیخ کہ وَالشَّعْرَانِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَیْضًا كَتَبَ اَنَّهٗ رَاٰهُ علیہ وَقَرَاَ علیه الْبُخَارِیَّ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا ہے قَرَاَ عَلَیْهِ الْبُخَارِیَّ فِیْ ثَمَانِیَةِ رُفْقَةٍ مَعَهٗ اور میں نے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر سرورِ کائنات ﷺ سے بخاری پڑھی ہے کہتے ہیں کہ پھر بعد میں ان کے نام بھی علامہ شعرانی رحمہ اللہ لکھے ہیں کہ وہ کون کون تھے وَكَانَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ حَنَفِیًا ان آٹھ میں سے کہتے ہیں کہ ایک حنفی بھی تھا حضور ﷺ سے بخاری پڑھنے والا وَكَتَبَ الدُّعَاءَ الَّذِیْ قَرَاَهٗ عِنْدَ خَتْمِهٖ اور پھر امام شعرانی نے وہ دعا بھی نقل کی ہے جو بخاری شریف کے ختم پر سرورِ کائنات ﷺ نے فرمائی تھی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فَالرُّؤْیَةُ یَقْظَةً مُتَحَقِّقَةٌ وَاِنْكَارُهَا جَهْلٌ بیداری میں زیارت ہو جانا متحقق ہے اور اس کا انکار جہالت

ہے ① تو انکار کرنے کی وجہ بھی مذکور ہوگئی کہ کوئی انکار کرے تو اس کا منشا جہالت ہے تو اس کے سامنے پورے حالات نہیں ہے تو سرورِ کائنات ﷺ کے ساتھ کسی قسم کا ربط پیدا ہو جانا یہ بھی ان واقعات کے ساتھ ثابت ہے اور کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف نہیں ہے تو اسی طرح سے باقی اموات کے ساتھ جو بزرگ دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں ان کے ساتھ ربط پیدا کر کے بعض اولیاء اللہ جو بعض حالات معلوم کر لیتے ہیں یہ باتیں بھی انکار کے قابل نہیں جس وقت آپ اپنے اکابر کی کتابیں پڑھیں گے تو کثرت کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے آئے گی، میں نے تو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس قسم کے واقعات بہت سے سنے ہیں اور کتابوں کے اندر تو بے شمار لکھے ہوئے ہیں صرف ایک واقعہ پر میں اس بات کو ختم کرتا ہوں۔

بیداری میں زیارت پر ایک دلچسپ واقعہ:۔

دیوبند سے کتاب شائع ہوئی ہے حکایت الاولیاء جس کا اصل نام ہے ''ارواح ثلاثہ'' اسی میں ایک واقعہ نقل کیا ہوا ہے۔ طالبعلمانہ لطیفے کے طور پر عرض کروں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں کسی مسئلہ میں اختلاف تھا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی اس اختلاف میں کسی درجہ میں ایک جانب جھک گئے اور اہتمام تھا اس وقت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اور مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی یہی مہتمم ہوتے تھے بہت صاحب نسبت آدمی تھے مفتی عزیز الرحمان بھی انہیں کے خلیفہ تھے نقشبندی خاندان سے یہ تعلق رکھتے ہیں یہ مولانا رفیع الدین خود خلیفہ ہیں شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اور پھر مفتی عزیز الرحمان ان کے خلیفہ تھے جو کہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی ہیں تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دن انہوں نے بعد نمازِ فجر اپنے حجرہ میں بلایا جس وقت حضرت شیخ تشریف لائے تو مولانا رفیع الدین فرمانے لگے کہ بات بعد میں کروں گا پہلے ذرا میرے بدن کو ہاتھ لگا کے دیکھو سردی کا موسم تھا کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جب دیکھا تو مولانا پسینے سے شرابور تھے اور فرمانے لگے کہ ابھی ابھی حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے اور مجھے آ کر کہہ گئے ہیں کہ محمود الحسن کو منع کر دو کہ اس اختلاف میں دلچسپی نہ لے۔ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ بات نقل کی تو مولانا محمود الحسن جو بعد میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے وہ کہنے لگے کہ میں آپ کے

① فیض الباری، باب اثم من کذب علی النبی کی آخری حدیث کے تحت، جلد اوّل

سامنے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس مسئلے کے اختلاف میں دلچسپی نہ لوں گا① تو اس طرح سے اللہ تبارک وتعالیٰ جانے والے بزرگوں کی روحانیت سے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچاتے رہتے ہیں ہمارے اکابر کی کتابوں میں بھی اس کا اثبات ہے اِس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن بات پھر وہی کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کوئی انکار کرے تو یہ کفر نہیں کوئی قول کرے تو یہ شرک نہیں اس سے بڑھ کر انصاف کی بات کوئی اور نقل نہیں کی جاسکتی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

عورتوں کا قبروں پر جانا کیسا ہے؟:۔

سوال: کیا عورتیں قبروں پر پردے کے ساتھ جاسکتی ہیں یا نہیں جاسکتیں؟

جواب: عورتوں کو قبروں پر جانا چاہیے یا نہیں جانا چاہیے اس بارے میں امام ترمذی نے علماء کا کچھ اختلاف ذکر کیا ہے۔

ایک روایت میں تو ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی زیارت کرنے کیلئے جاتی ہیں② اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا اب زیارت کرلیا کرو③......! اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک عورتیں بھی اس میں شامل ہوگئی جس کی بناء پر عورتوں کو بھی قبروں پر جانا جائز ہے لیکن منع کرنا چاہیے کیونکہ یہ وہاں جا کر غلط قسم کی حرکتیں کرتی ہیں۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو پہلے سنائی گئی اس میں بھی قبر پر جانا ثابت ہے اور ایک بات باب زیارۃ القبور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ! ﷺ جس وقت میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا دعا پڑھوں تو آپ نے ان کو دعا کی تلقین فرمائی④ جس سے قبروں پر جانے کی اجازت ہوگئی اگر اجازت نہ ہوتی تو پھر آپ ان کو دعا کی تلقین نہ فرماتے۔ مشکوٰۃ کے اندر عنہا میں ھا ضمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبروں پر دعا پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اجازت ہے۔

---

① ارواح ثلاثہ۔ حکایت نمبر ۲۴۶

② مشکوٰۃ ص ۱۵۴/ سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النہی عن زیارۃ النساء القبور/ ترمذی باب ماجاء فی کراھیۃ زیارۃ القبور للنساء

③ مشکوٰۃ ص ۱۵۴/ مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۲/ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹/ سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی زیارۃ القبور/ مسند ابی یعلی الموصلی ج ۱ ص ۲۴۰/ صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۲۳۰/ سنن الدار قطنی ج ۵ ص ۴۶۷ مطبوعہ بیروت

④ مشکوٰۃ ص ۱۵۴/ صحیح مسلم باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاھلہا

سُورَةُ

القصص

مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۸۸ ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ رکوعاتھا ۹

سورۂ قصص مکہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ تلاوت کرتے ہیں ہم آپ پر

نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ

موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں کے فائدے کے لئے جو ایمان لانا چاہتے ہیں ﴿۳﴾ بے شک

فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ

فرعون زمین میں سرچڑھا تھا، کر رکھا تھا اس نے اس ملک کے رہنے والوں کو مختلف جماعتیں، ان میں ایک طائفہ کو

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ

وہ کمزور کرتا تھا، ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتا تھا ان کی عورتوں کو، بے شک وہ فرعون

كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

فسادیوں میں سے تھا ﴿۴﴾ اور ہم ارادہ کرتے تھے یہ کہ احسان کریں ان لوگوں پر جن کو دبایا ہوا ہے

فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ لا

زمین میں ہم ان کو امام بنانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے اور وارث بنانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے ﴿۵﴾

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا

ہم ان کے لئے علاقے میں ٹھکانہ دینے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ دکھانے کا ارادہ کرتے تھے فرعون کو اور حامان کو اور ان کے لشکر کو

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝٦ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ

ان کمزوروں کی طرف سے، وہ چیز جس سے وہ ڈرتے تھے ۝٦ ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی

اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِىْ

کہ تو اس کو دودھ پلاتی رہ، پھر جب تو اس پر اندیشہ کرے، تو ڈال دے اس موسیٰ کو دریا میں، خوف نہ کرنا

وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٧

اور غم نہ کرنا، بے شک ہم اس کو لوٹا دیں گے تیری طرف اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں میں سے ۝٧

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ

پس اٹھالیا اس کو فرعون کے لوگوں نے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بچہ ان کے لئے دشمن ہوگا اور باعث حزن ہوگا بیشک

فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝٨ وَقَالَتِ امْرَاَتُ

فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر خطاکار تھے ۝٨ فرعون کی بیوی نے کہا

فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ

میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو امید ہے کہ ہمیں نفع دے گا

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ

یا ہم اسے بیٹا بنالیں گے اور ان کو کچھ پتہ نہیں تھا ۝٩ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل

مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

خالی ہوگیا، قریب تھا کہ وہ ظاہر کردے اس واقعہ کو اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ز

تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے ۝١٠ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا موسیٰ کی بہن کو کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا

فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ
پس وہ دیکھتی رہی اس موسیٰ کو دور سے اور ان لوگوں کو پتہ ہی نہیں تھا ﴿۱۱﴾ ہم نے حرام ٹھہرادیں موسیٰ پر
الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ
دودھ پلانے والیاں پہلے سے ہی، پس اس بہن نے کہا کیا تمہاری رہنمائی کروں ایسے گھر والوں پر
يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَـكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ۝ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ
جواس کی کفالت کریں گے اور وہ اس بچہ کیلئے خیر خواہ ہوں گے ﴿۱۲﴾ پھر لوٹا دیا موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف
تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ وَلِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ
تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور نہ غم کرے اور تا کہ جان لے موسیٰ کی والدہ کہ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن
اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ ﴿۱۳﴾ ع
اکثر لوگوں کو علم نہیں ﴿۱۳﴾

تعارف سورۃ اور شانِ نزول:۔

سورۃ قصص مکہ میں اتری اس کی اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی سورتوں میں سے آخری سورت ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سفر ہجرت پہ نکل پڑے ہیں تو راستے میں یہ سورت اتری ہے اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے شہر سے نکلے دوسرے شہر میں جا کر ٹھہرے اور سفر کی مشقتیں اٹھائیں پھر اللہ تعالیٰ نے نبوت دی فرعون کے مقابلے میں بھیجا اور فرعون اپنے ساز وسامان کے باوجود شکست کھا گیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو غلبہ عطا کیا یہی روح ہے اس واقعہ کی جو کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جا رہا ہے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلی دلانا مقصود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اسی طرح مشقتیں اٹھایا کرتے ہیں اور دشمنوں کے خطرے سے علاقے چھوڑنے پڑتے ہیں اور مشرکین مکہ جو وقت کے فرعون تھے ان کے لئے بھی تنبیہ ہے کہ تم اس حق کو دبانے کیلئے چاہے جتنی کوشش کرلو لیکن یہ حق غالب آ کر رہے گا جس طرح فرعون نے بھی اس حق کو دبانے

کیلئے اپنی پوری حکومت کی طاقتیں لگا دیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مقابلے میں کسی کی تدبیر کام نہیں آیا کرتی بلکہ سب تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں تو اسی قسم کے سبق دینے کیلئے یہ قرآنِ کریم میں سورت اتاری گئی چونکہ واقعہ آ رہا ہے موسیٰ علیہ السلام کا اور اس کے اکثر و بیشتر اجزاء پہلی سورتوں میں مفصل گزر چکے ہیں صرف شہر کے اندر ایک قبطی کے ساتھ الجھاؤ کا واقعہ اس میں نیا ہے اور مدین کے اندر موسیٰ علیہ السلام پر جو حالات گزرے ہیں اس سورت میں نئے آ رہے ہیں باقی اکثر و بیشتر دوسری سورتوں میں گزر چکے ہیں۔

تفسیر

طٰسٓمّٓ: یہ حروف مقطعات ہیں اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذَالِکَ ان حروف سے اللہ کی جو مراد ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں کتاب کے ساتھ مبین کی صفت بار بار آتی رہتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ایسی ہے جو اپنے مدعیٰ میں اپنے مقصود میں بالکل واضح ہے اپنے مقصد کی بالکل وضاحت کرتی ہے ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے لفظ کتاب عربی کے اندر مذکر ہے اس لئے الْمُبِیْنِ اس کی صفت آئی اُردو میں لفظ کتاب مؤنث استعمال ہوتا ہے اس لئے ہم نے ترجمہ کیا مؤنث کے ساتھ۔ یہ ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو اپنے مقصد کو اپنے مدعیٰ کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔

نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ: تلاوت کرتے ہیں ہم آپ پر موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ۔ نبأ خبر عظیم کو کہتے ہیں واقعہ کے معنی میں بِالْحَقِّ ٹھیک ٹھیک جو مصلحت پر مشتمل ہے موسیٰ اور فرعون کے واقعہ میں سے کچھ یہ مِنْ تبعیضیہ بنا دیا ہم آپ پر موسیٰ علیہ السلام کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کے فائدے کیلئے جو ایمان لانا چاہتے ہیں یا جو ایمان لاتے ہیں ایسے موقع پر فعل ارادہ فعل کیلئے استعمال ہوتا ہے اکثر۔ اور جن کے سمجھنے کا ارادہ ہی نہیں وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور اس طرح سے جو ایمان لا چکے ہیں وہ اس واقعہ سے فائدہ اٹھائیں گے اور جو کافر ہیں ان کو اپنے کفر کے اوپر اطمینان ہے وہ اس قسم کے واقعات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تو یہ ''ل'' نفع کیلئے ہے یعنی ان لوگوں کے فائدہ کیلئے جو ایمان لانا چاہتے ہیں یا جو ایمان لاتے ہیں دونوں طرح سے ترجمہ ٹھیک ہے۔

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا: یہ گویا کہ واقعہ کا خلاصہ ہے جو آگے نقل کیا جائے گا بے شک فرعون زمین میں سر چڑھا تھا عَلَا فِی الۡاَرۡضِ زمین میں اونچا ہوا تھا عالی تھا بڑا بنا ہوا تھا غالب تھا اور کر لیا تھا اس نے اَهۡلَهَا ھا کی ضمیر ارض کی طرف لوٹ رہی ہے اور ارض سے مراد ارض مصر ہے الۡاَرۡض کے اوپر الف لام عہد کا ہے تمام زمین پر وہ سر چڑھا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی تمام زمین پر بادشاہت تھی بلکہ ایک مخصوص علاقے پر بادشاہت تھی تو یہاں الۡاَرۡض سے وہی ملک مراد ہے اس کا اپنا ملک مصر۔ بے شک فرعون بلند ہو یا ہوا تھا اس نے بلندی اختیار کی ہوئی تھی اپنے ملک میں اور کر دیا تھا اس نے اس ملک کے رہنے والوں کو مختلف ٹکڑے شِيَعًا شِيۡعَةٌ کی جمع ہے اور شِيۡعَةٌ جماعت کو کہتے ہیں۔

رافضیوں اسرائیلیوں اور فرعونیوں کا تعارف:۔

وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ نوح علیہ السلام کی جماعت سے ابراہیم بھی ہیں یہ لفظ پہلے بھی آپ کے سامنے آچکا ہے شِيۡعَةٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو ایک نظریے پر متفق ہو گئی ہو اور یہ جو شیعہ شیعہ آپ رافضیوں کو کہتے ہیں تو یہ اصل کے اعتبار سے شیعۂ علی اپنے آپ کو کہلاتے ہیں یعنی علی کی جماعت ہیں جو اپنے گمان کے مطابق حب علی کے نام پر یہ اکٹھی ہوئی ہے اس کا معنی بھی جماعت ہے شِيَعًا مختلف جماعتیں بنا دیا تھا یعنی طبقات قائم کر دیئے ایک طبقہ حکومت کے لوگوں کا تھا جو کہ قبطی کہلاتے تھے جو وہاں کی بسنے والی قوم تھی اور دوسرا طبقہ تھا اسرائیل کا جن کو سبطی کہتے ہیں جو اسباط یعقوب سے تھے جو طبقہ حکومت سے تعلق رکھتا تھا ان کو ہر قسم کی سہولتیں ہر قسم کی مراعات دے رکھی تھیں اور جو طبقہ حکومت کی قوم میں سے نہیں تھا یعنی یہی بنی اسرائیل تو ان کو ہر طرح سے دبا رکھا تھا اور اتنا دبا رکھا تھا کہ وہ چاہتے نہیں تھے کہ کسی طرح ان کے افراد زیادہ ہو جائیں اور ان کو افرادی قوت زیادہ حاصل ہو جائے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان کے بچوں کو قتل کرنے کی سکیم بنائی تھی کسی سیاسی خطرے کے پیش نظر کہ کہیں یہ قوم زور پکڑ کر ہم پر غالب نہ آجائے۔ فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا اس خواب کی تعبیر میں لوگوں نے یہی بتایا کہ بنی اسرائیل میں کوئی بچہ پیدا ہوگا جو آپ کے تخت کو الٹ دے گا اور حکومت کا زوال اس کے ہاتھوں سے آئے گا۔

فرعون کی طرف سے طبقاتی تقسیم:۔

تو انہوں نے اس خطرے سے نمٹنے کے لئے یہ سکیم جاری کی تھی کہ اس قوم کو کمزور رکھا جائے قوت نہ

پکڑنے دی جائے جس کی صورت یہی تھی کہ حکومت کے کسی عہدے پر ان کو فائز نہیں کیا جاتا تھا۔ تعلیم میں یہ پیچھے، مالیات میں یہ پیچھے اور پھر جو بچے پیدا ہوتے ان کو قتل کرنے کا پروگرام بنالیا۔ یہ تھی طبقاتی تقسیم جو فرعون نے ملک کے اندر کر رکھی تھی حالانکہ جو ملک کا بادشاہ ہوا کرتا ہے تو اس کیلئے سب رعایا برابر ہوا کرتی ہے اس کو عدل کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے جتنے بھی ملک کے باشندے ہیں سب کے حقوق برابر ہیں ہر ایک کو مراعات دینی چاہیے ہر ایک کو عزت و راحت کے ساتھ زندہ رہنے کا حق دینا چاہیے لیکن اس ظالم نے یہ طبقات بنادیئے اور طبقات اسی سیاسی خطرے کے پیش نظر کہ ایک طبقہ کو وہ غالب رکھنا چاہتا تھا دوسرے طبقے کو دبانا چاہتا تھا۔ کیا تھا اس نے اس ملک کے رہنے والوں کو مختلف جماعتیں۔ یَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ان میں سے ایک طائفہ کو وہ کمزور کرتا تھا دبا کے رکھتا تھا اور کمزور کرنے کی سکیم یہ تھی کہ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اور زندہ چھوڑتا تھا ان کی عورتوں کو یعنی کہ جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں جو آگے جا کے عورتیں بنتی تھیں ان کو زندہ چھوڑ دیتے ایک تو ان سے کوئی سیاسی انقلاب کا خطرہ نہیں تھا دوسرے آخر گھروں میں کام کاج کی ضرورت بھی تھی اور ان سے اپنے گھروں میں کام لیتے تھے اس لئے لڑکیوں کو باقی رکھتے تھے اور لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ بے شک وہ فرعون فسادیوں میں سے تھا حالانکہ وقت کا بادشاہ ایسے ہونا چاہیے جو ملک کے حالات کو اور ملک کے باشندوں کے حالات کو ٹھیک کر کے رکھے لیکن یہ مصلح نہیں مفسد تھا شریر لوگوں میں سے تھا خرابی ڈالنے والوں میں سے تھا۔

اللہ کے ارادے کے سامنے کوئی چیز مانع نہیں:۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ اب یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے فرعون کی تدبیر کے مقابلے میں۔ فرعون تو تدبیر کرتا تھا کہ ایک طائفہ کو کمزور کر کے رکھے وَنُرِيْدُ اور ہم ارادہ کرتے تھے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جن کو دبایا ہوا ہے زمین میں جن کو کمزور کیا ہوا ہے زمین میں۔ زمین سے وہی علاقہ مراد ہے۔ ملک میں جن لوگوں کو کمزور کیا ہوا ہے ہم ان کے اوپر احسان کرنے کا ارادہ کرتے تھے وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ یہ بھی اسی طرح سے اَنْ کے تحت داخل ہے ہم ارادہ کرتے تھے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور قرار دیئے ہوئے ہیں ملک مصر میں اور کردیں ہم ان کو اَئِمَّةً یہ اَئِمَّةً امام کی جمع اور کردیں ہم ان کو وارث یعنی ہم ان کو امام بنانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے اور وارث بنانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے یہ اس احسان کی تفصیل ہے جو اللہ تعالیٰ اس طائفہ کے

اوپر کرنا چاہتا تھا امام سے دینی امامت مراد ہے جس طرح سے بنی اسرائیل کو آنے والے وقت میں دینی طور پر امامت حاصل ہوئی تورات کے یہ حامل ہوئے علمی دنیا کی قیادت اور امامت انہیں کے ہاتھوں تھی اور وارث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس حکومت کو مٹا کے ان کو حکومت دینا چاہتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد متصل یوشع بن نون نے فلسطین کا علاقہ فتح کرلیا اور بیت المقدس وغیرہ کے علاقے پر بھی ان کی حکومت تھی اور یہ حکومت چلتی آئی حتیٰ کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں اس حکومت نے بہت عروج حاصل کیا کہ مصر اور اردگرد کی سب حکومتیں ان کے سامنے دب گئیں اور انہیں کی فرمانبردار تھیں تو اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور مفسدین کو ختم کر کے ان کو وارث بنانا چاہتا تھا اقتدار کا اور دینی طور پر انہیں امامت دینا چاہتا تھا اللہ نے یہ ارادہ کرلیا۔

فرعونیوں کو ہر وقت اپنے زوال کی فکر لگی رہتی تھی:۔

اب ایک طرف اللہ کا ارادہ ہے اور دوسری طرف ان فرعونیوں کی تدبیر ہے اور سکیم ہے اپنے ملک اور اقتدار کو باقی رکھنے کیلئے اب یہ انسانی تدبیر اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی لڑائی ہے دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے اور یہی چیز بتائی جارہی ہے کہ اللہ کے ارادے کے سامنے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی وقت کا فرعون اپنے پورے ساز وسامان کے ساتھ اگر اللہ کی تدبیر کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو اللہ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں ہوا کرتا یہ ایک قسم کا آپ کے سامنے نقشہ کھینچ دیا گیا کہ کیا ہونے والا ہے اللہ کا ارادہ یہ ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے اور آگے قصے کے اندر تفصیل بتادی جائے گی کہ ان کی تدبیر کس طرح سے ناکام ہوئی اور اللہ کا ارادہ کس طرح سے کامیاب ہوا فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ① اللہ تعالیٰ ہی ہیں تو یہ وارث ہوجائیں گے حکومت کے اعتبار سے اور امام بن گئے یہ دینی اعتبار سے، آنے والے وقت میں اللہ تعالیٰ دینی وعلمی قیادت وسیادت ان کو دینا چاہتا ہے اور اسی طرح سے ان ظالموں کو مٹا کر حکومت اور اقتدار کا وارث بھی انہیں ہی بنانا چاہتا ہے اللہ نے یہ ارادہ کرلیا وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ یہ نُمَكِّنَ بھی اسی طرح اَنْ کے نیچے داخل ہے جیسے نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ، نُرِيْدُ اَنْ نَّجْعَلَ نُرِيْدُ اَنْ نُّمَكِّنَ ہم ارادہ کرتے تھے ان کو قدرت دینے کا علاقے میں۔ تمکین یعنی جما دینا ٹھکانہ دینا ہم ان کے لئے علاقے میں ٹھکانہ دینے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ دکھادینے کا ارادہ کرتے تھے فرعون کو اور ھامان کو اور ان کے لشکروں کو ان بنی اسرائیل کی طرف سے ان کمزوروں کی طرف سے مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ جس چیز سے وہ ڈرتے تھے۔ ڈرتے کس

① پارہ نمبر ۳۰: سورۃ بروج

چیز سے تھے؟ انقلاب سے کہ ہمارا زوال آ جائے گا، ہمارا تختہ الٹا جائے گا، یہ خطرہ فرعون کو بھی تھا فرعون کے کارکنوں کو بھی تھا کارکنوں میں سے بہت بڑا کارکن ھامان تھا جس طرح سے وزیر اعظم ہوا کرتا ہے یہ ھامان فرعون کا وزیر اعظم تھا اور جُنُوْدَهُمَا ان کے لشکر۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر یہ سب خوف اور حیرت میں مبتلا تھے فرعون خود بادشاہ تھا اور اس کے کارکن، اس کی کابینہ کے لوگ، اس طرح سے اس نے اپنی فوجوں کے لوگوں کو بھی چوکنا کر رکھا تھا کہ ان پہ نظر رکھا کرو کہ کہیں یہ انقلاب نہ لے آئیں تو جو خطرہ وہ ان کمزوروں کی طرف سے محسوس کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کمزوروں کی طرف سے فرعون کو ھامان کو اور ان کی فوجوں کو وہی دکھانا چاہتا تھا چنانچہ دکھا دیا اب یہ صاف ترجمہ یوں ہو گیا ہم ارادہ کرتے تھے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور سمجھے جاتے تھے علاقے میں۔ اور کر دیں ہم انہیں امام اور کر دیں ہم انہیں وارث اور ٹھکانہ دیں ہم انہیں علاقے میں اور دکھائیں فرعون کو ھامان کو ان دونوں کے لشکروں کو ان کمزوروں کی طرف سے وہ بات جس سے یہ ڈرتے تھے۔

غیر انبیاء کیلئے بھی وحی کا اطلاق ہوتا ہے:۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کی۔ وحی سے یہاں دل میں بات ڈالنا مراد ہے وہ وحی نہیں جو وحی شریعت ہوا کرتی ہے جو انبیاء پہ آتی ہے وحی کے متعلق ذکر کیا تھا کہ اصل میں یہ ایحاء جلدی سے کسی کو بات سمجھا دینا اور آسمان کے متعلق بھی آیا ہے کہ ہم نے زمین اور آسمان کی طرف وحی کی اور حیوانات کی طرف بھی آیا ہے جیسے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ① شہد کی مکھی کو بھی اللہ نے وحی کی، اس طرح سے غیر انبیاء کیلئے بھی وحی کا اطلاق ہے جس طرح سے یہ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى یہ دل میں ڈال دینا مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں ایک بات ڈال دی چونکہ بنی اسرائیل میں تھیں علمی خاندان میں تھیں انبیاء کی اولاد میں سے تھیں تو دل میں کسی درجے صفائی تو ہوتی ہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے کا واقعہ:۔

تو بچہ پیدا ہوا جہاں تک ممکن ہوا اس کو چھپا کے رکھا پھر جس وقت یہ حالات پیدا ہوئے کہ اب تو یہ ظاہر ہو ہی جائے گا اس کو پکڑ کے لے ہی جائیں گے تو دل میں یہ بات آئی کہ اس طرح اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دوں اللہ کی طرف سے قلب میں الہام ہوا اور اس خیال کے سامنے وہ مغلوب ہو کر وہ ویسے ہی کرتی چلی گئی جس طرح سے اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کی۔ اَنْ اَرْضِعِيْهِ کہ تو اس کو دودھ پلاتی

① پارہ نمبر ۱۴: سورۃ نحل: آیت نمبر ۶۸

رہ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ پھر جب تو اس پر اندیشہ کرے تجھے اندیشہ ہو کہ اب فرعونی اس کو پکڑ کر لے جائیں گے فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ یہ حصہ آپ کے سامنے سورۃ طہ میں گزر چکا ہے پھر ڈال دے اس موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں وَلَا تَخَافِىْ خوف نہ کرنا وَلَا تَحْزَنِىْ حزن نہ کرنا اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ بے شک ہم اس کو لوٹا دیں گے تیری طرف وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں میں سے یہ تسلی دی ام موسیٰ کو، جس سے ایک توکل کا جذبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں پیدا ہوا۔ خوف اور حزن یہ دو باتیں ہیں خوف کہتے ہیں جو آنے والے حالات سے خطرہ ہوتا ہے حزن کہتے ہیں پیش آمدہ حالات جو کہ دکھ میں پیدا ہوتا ہے جدائی کا حزن آئندہ اس کے ڈوب جانے یا وفات پا جانے کا خطرہ دونوں طرفیں دل میں نہیں ہونی چاہیں جدائی پر بھی صدمہ نہ کرنا اور آئندہ کے متعلق بھی خوف اور اندیشہ نہ کرنا کہ دریا میں ڈال رہی ہوں پتہ نہیں کیا ہوگا مچھلیاں کھا جائیں گی ڈوب جائے گا یہ ہوگا وہ ہوگا۔ نہیں بلکہ دونوں باتوں سے مطمئن رہ ہم اس کو تیری طرف لوٹائیں گے تو جدائی کا علاج یوں ہو جائے گا اور ہم اس کو مرسلین میں سے بنانے والے ہیں اس میں زندگی کی اور طویل عمر کی ضمانت دیدی کیونکہ رسول تب ہی بنیں گے جب طویل عمر کے ہوں گے اس لئے مرنے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ جدائی بھی کوئی نہیں ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے یہ جدائی عارضی سی جدائی ہے یہ تیرے پاس واپس آجائے گا اور یہ ڈوبے گا نہیں مرے گا نہیں۔ یہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ نے القاء کر دیا اور ماں کو اس بارے میں اطمینان دلا دیا فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اب درمیان میں قصے کو حذف کر دیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسے ہی کیا اپنے اس خیال کے سامنے مغلوب ہو کر دودھ پلاتی رہی اور جس وقت یہ خطرہ ہوا کہ اب یہ بچہ چھپائے چھپے گا نہیں، اب یہ کسی نہ کسی طرح فرعونیوں کو پتہ چل جائے گا انہوں نے لکڑی کا صندوق بنایا صندوق میں بچے کو رکھ کے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے بچے کو دریا میں چھوڑ دیا۔

معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی بستی یہ اصل شہر سے کچھ باہر تھی جس طرح سے آج کل کے نواب لوگ اپنی بستی الگ بساتے ہیں اور نوکروں خادموں کی بستی تھوڑی دور۔ آپ کے علاقے میں نواب بہاولپور نے اپنے محلات جہاں بنائے ہوئے ہیں وہ علاقے سے باہر ہیں باقی دوسرا شہر جو ہے وہ ذرا فاصلے پر ہے یہ ڈیرہ نواب میں جس طرح ہے تو اسی طرح فرعون کی بستی جو تھی فرعون کے اپنے گھر محلات وہ بھی دریا کے کنارے پر تھے لیکن اس

سے کچھ فاصلے پر بنی اسرائیل کے لوگ آباد ہوں گے تو وہاں سے اس بستی سے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں چھوڑا اور وہ دریائے نیل جو تھا اس کو پانی میں بہاتا ہوا لے گیا سورۃ طٰہٰ میں لفظ جو آیا تھا فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ ① اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر حکم ہے کہ اس کو دریا ساحل پر پھینکے آگے بہا کے نہ لے جائے جس وقت یہ کنارے پر لگا تو وہاں شاہی محلات کنارے کے قریب تھے وہاں کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک تابوت کنارے پر آ لگا ہے اس کو پکڑ لیا گیا جیسے کوئی نئی چیز ہوتی ہے تو لوگ اس کو دیکھنے کیلئے جمع ہو جاتے ہیں اسی طرح اس تابوت کے گرد بھی جمع ہو گئے تو انہوں نے دیکھا اس میں نہایت خوبصورت بچہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر یہ کی أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي جس طرح سے سورۃ طٰہٰ میں لفظ آئے تھے میں نے اپنی طرف سے تیرے اوپر محبوبیت ڈال دی اس لئے جو دیکھتا ہے اسے پیار آتا ہے دل میں دشمنی نہیں آتی دل میں نفرت نہیں آتی بلکہ جو دیکھتا ہے اسے پیار آتا ہے اسی پیار کا نتیجہ تھا کہ فرعون کی بیوی فریفتہ ہو گئی فرعون کی بیوی بہت نیک اور رحم دل عورت تھی اس کے دل میں محبت پیدا ہو گئی فرعون بھی وہیں موجود تھا تو وہ فرعون کو بچہ دکھا کے کہتی ہے کہ یہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ہم تو اس کو اپنے گھر میں رکھیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان کی اولاد نہیں تھی اگر تھی تو لڑکیاں تھیں نرینہ اولاد نہیں تھی لڑکا ان کے گھر میں کوئی نہیں تھا اس لئے تو کہنے لگی قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ② یہ میرے لئے اور تیرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے یہ بڑا ہونہار بڑا شریف بچہ معلوم ہوتا ہے چہرے پر آثار اللہ نے اس قسم کے ڈال دیئے یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا اور اگر ہماری کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی تو ہم اسی کو بیٹا بنالیں گے یہ بات کر رہی ہے فرعون کی بیوی تو اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو آگے ان الفاظ میں ذکر کر رہے ہیں فَالْتَقَطَهُ التقاط اچک لینا پکڑ لینا کسی گری پڑی چیز کو اٹھا لینا جسے لُقطہ کہتے ہیں پس اٹھا لیا اس کو فرعون کے لوگوں نے لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا یہاں لام جو ہے یہ لام وہ ہے جس کو آپ لام عاقبت کہتے ہیں شرح مائۃ عامل میں آپ نے مثال پڑھی تھی لَزِمَ الشَّرَّ لِلشَّقَاوَةِ یہ لام لام عاقبت ہوتا ہے جس کا معنی ہے کہ اس شخص نے برے کام کو لازم پکڑا تو شقاوت نکلے گی یہ بدبخت ہو جائے گا یعنی نتیجہ میں یہ بدبخت ہو جائے گا یہ لام عاقبت ہوتا ہے کہ پچھلے کام کا نتیجہ یہ ہے۔

---

① پارہ نمبر ۱۶، سورۃ نمبر ۲۰، آیت نمبر ۳۹

② پارہ نمبر ۲۰، سورۃ نمبر ۲۸، آیت نمبر ۹

آل فرعون نے اس بچے کو پکڑ لیا، فرعون کے گھر والوں نے فرعون کے خاندان والوں نے اس بچے کو اٹھالیا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بچہ ان کے لئے دشمن ہوگا باعث حزن ہوگا یعنی انہوں نے تو یہ سمجھ کر پکڑا تھا کہ یہ ہمیں نفع دے گا لیکن نتیجہ یہ نکلے گا یہ ان کا دشمن ہوگا اور ان کیلئے باعث غم ہوگا اپنے ہاتھ سے اپنے دشمن کو پالنے کیلئے انہوں نے اس بچے کو اٹھالیا۔ ان الفاظ کا حاصل یہی ہے۔ انہوں نے اس غرض سے نہیں پکڑا تھا بلکہ نتیجہ یہ نکلے گا گویا کہ اپنے دشمن کو اپنے ہاتھ سے پالنے کیلئے یہ اس بچے کو اٹھا کے لے آئے یہ اگلی اللہ کی تقدیر ہے کہ آئندہ جا کے ان کیلئے دشمن ہوگا ورنہ انہوں نے اٹھایا اس نیت سے نہیں ہوگا بلکہ نتیجہ یہ ہوگا اپنے اس دشمن کو جس سے ڈرتے تھے اپنے گھر لے آئے۔

جب تقدیر آئے تو طبیب اندھے ہو جاتے ہیں:۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ بے شک فرعون اور حامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے وہ چوک گئے اس معاملے میں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر پالنا شروع کر دیا یہ اپنی جگہ تو بڑے ہوشیار بنتے تھے لیکن کہتے ہیں جب تقدیر آئے تو طبیب بھی اندھے ہو جاتے ہیں ان کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کچھ نظر نہیں آتا سارا ظلم وستم تو اسی بچے کیلئے کر رکھا تھا کہ ایسا بچہ پیدا نہ ہو جائے ایسا بچہ بڑھ نہ پائے جو انقلاب لے آئے وہی بچہ اٹھا کے اپنے گھر میں لے آئے پالنے لگ گئے۔ بڑے چوک گئے اس معاملے میں یہاں خٰطِئِيْنَ سے یہ مراد ہے کہ یہ اس معاملے میں خطاء کر گئے اپنے مقصد سے چوک گئے کہ اللہ نے ان کو اندھا کر دیا ان کی سمجھ میں یہ بات آئی ہی نہیں وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی نے کہا قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ہم اس کو دیکھ دیکھ کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے جس طرح سے محبوب بچہ ماں باپ کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک تو ہوتا ہی ہے کلیجے کی ٹھنڈک آنکھوں کی ٹھنڈک دونوں محاورے استعمال ہوتے ہیں لَا تَقْتُلُوْهُ اسے قتل نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آثار سے وہ پہچان تو گئے تھے کہ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے اور یہ بھی سمجھ گئے تھے کہ کسی نے اسے خوف وخطرے کی بناء پر دریا میں ڈال دیا اور اپنی تجویز کردہ سکیم کے تحت اس کو قتل کرنا چاہیے تھا لیکن مشورہ یہ ہوا کہ اس کو قتل نہ کرو اب سوال یہ ہے پھر جو خطرہ تھا تو اس بچے کے متعلق انہوں نے خطرہ محسوس کیوں نہ کیا کہ کہیں یہ بچہ ہی انقلاب نہ لے آئے۔ اصل میں ان کا مقصد تھا کہ یہ تو بے سمجھ بچہ ہے ہمارے گھر میں آجائے گا

ہمارے ہاں کھائے گا پیئے گا پلے گا بڑھے گا اس کو پتہ ہی نہیں ہوگا کہ میں بنی اسرائیل میں سے ہوں اور پھر یہ ہمارے احسانوں کے نیچے رہے گا تو اس سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا اسی طرح سے ان کے ذہن میں باتیں آئیں یعنی اپنے گھر میں پالنے کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھ دشمنی نہیں کرے گا لَا تَقْتُلُوْهُ اسے قتل نہ کرو عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ امید ہے کہ ہمیں نفع دیگا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا ہم اسے بیٹا بنالیں گے وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ وہ بے شعور تھے کہ کیا ہونے والا ہے فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے بچے موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال تو دیا لیکن تصور کیجئے کہ ایک ماں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں یعنی اس خیال سے مجبور ہو کر جو اس کے دل میں ڈال دیا گیا تھا لیکن اس بچے کو دریا کے اندر بہانے کے بعد اس کے دل پہ کیا گزری ہوگی ہم تصور ہی کرتے ہیں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اب وہ تو ماں تھی لیکن اس کی بہن کو کہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن تھی کہتی ہے گھر میں کہ اس کا خیال رکھنا دیکھنا کہ بچہ کدھر کو جاتا ہے یعنی جہاں تک ماں سے ہو سکا اس نے بچے کا پیچھا کیا اب اگر وہ تابوت کے ساتھ ساتھ چلتی تو دوسروں کو محسوس ہو جاتا کہ یہ بچہ انہیں کا ہے دور سے کھڑی ہوئی بہن دیکھتی رہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی کچھ اس طرح سے تھی کہ اپنی آبادی کے کنارے پہ کھڑے ہو کے اس تابوت کو شاہی محلات کی طرف جاتے ہوئے اس نے دیکھ لیا تھا یا دور دور چلتی رہی تاکہ دیکھے تابوت کدھر کو جاتا ہے تو یہ نقشہ اس کی بہن دیکھ رہی تھی آخر وہ تابوت پکڑا گیا محل میں لے جایا گیا بچہ پسند آ گیا اور اس کو روکنے کی تجویز ہو گئی اس کو قتل نہیں کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کا مسئلہ:۔

اب آپ جانتے ہیں کہ بچہ آتا ہے تو سب سے پہلے اس کے دودھ پلانے کی فکر ہوتی ہے چنانچہ فکر ہوئی اس کو دودھ کون پلائے چونکہ اس زمانے میں عورتیں دوسروں کے بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں جس طرح سے مُرْضِعَه ہوتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسی عورتیں تھیں اب فوراً دودھ والی عورتوں کو بلانا شروع کر دیا ہر عورت دودھ نہیں پلایا کرتی صرف وہی عورت پلایا کرتی ہے جس کے گھر میں بچہ پیدا ہوا ہو۔ عورت کا دودھ اترتا ہے تو بچے کے پیدا ہونے کے بعد ہی اترتا ہے تو جن عورتوں کے بچے تھے ان کو بلانا شروع کر دیا جو عورت آتی ہے موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سینے سے لگانا چاہتی ہے دودھ اس کے منہ میں دینا چاہتی ہے تو وہ دودھ نہیں لیتے یہ موسیٰ علیہ السلام کے

محبوبانہ نخرے ہیں اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا بھوک لگی ہوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابندی لگی ہوئی ہے اب وہ فرعونی اٹھا رہے ہیں نخرے، ایک عورت بلائی اس کا دودھ نہیں لیتے دوسری بلائی اس کا دودھ نہیں لیتے جس طرح سے عورتیں بلائی جا رہی ہیں اتنا فکر بڑھتا جا رہا ہے کہ کیا کریں گے اب بچے سے محبت تو ہو گئی اس کو آنکھوں کی ٹھنڈک تو بنا لیا لیکن یہ ہے کہ عورتیں آ رہی ہیں یہ کسی کا دودھ نہیں پیتا۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی آمد و رفت کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی ان محلات میں چلی گئی ان عورتوں کے ساتھ جو بچے کو دیکھنے کیلئے آ رہی تھیں اور دودھ پلانے کیلئے آ رہی تھیں جب جا کے نقشہ دیکھا کہ لوگ پریشان ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہیں پیتے اور جتنی دائیاں تھیں ان کو دودھ پلانے والی وہ تو انہوں نے بلا لیں تھیں اب پریشان بیٹھے تھے اور کوئی مرضعہ تو ان کے علم میں نہیں تھی جس کے دودھ ہو اور وہ بچے کو پلائیں تب اس نے آگے بڑھ کر مشورہ دیا کہ ایک عورت مجھے بھی معلوم ہے اگر کہو تو میں بلا لاؤں یہ مشورہ ایسے موقع پر دیا جب وہ پریشان تھے اور یہ فیڈروں کے ساتھ دودھ پلانے کا رواج اس وقت نہیں تھا بچوں کو دودھ عورتیں اپنا ہی پلاتی تھیں تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے درمیان میں یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ ایک عورت مجھے بھی معلوم ہے اور وہ اچھے خاندان کے لوگ ہیں اگر کہو تو میں اسے بلا لاؤں تو ان کو کیا چاہیے تھا انہوں نے کہا جا! دوڑ کے بلا آ۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن گئی اور اپنی ماں کو بلا لائی اور موسیٰ علیہ السلام کو جب اس کے سامنے پیش کیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً سینے سے چمٹ کے دودھ پینا شروع کر دیا۔

تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو گیا کہ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ کہ ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے یہ جدائی عارضی ہے اللہ کی طرف سے یہ وعدہ پورا ہو گیا اور فرعونیوں کے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ بچے نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا اب یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کیا ہے یہ بچہ تو ماں کی گود میں چلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے تحت اب دودھ پلانے کیلئے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی متعین ہو گئی اپنی گود میں پالا اپنے بیٹے ہی کو دودھ پلاتی تھی الٹا فرعون کے گھر سے وظیفہ بھی جاری ہو گیا وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خالی ہو گیا یعنی ہر قسم کے فکر سے دل خالی ہو گیا اب سوائے موسیٰ علیہ السلام کے فکر کے خیال ہی کوئی نہیں تھا دل میں اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ اِنْ یہ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَه ہے قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس واقعہ کو۔ ظاہر کر دے کا کیا معنی؟ یعنی دریا میں چھوڑ دیا

جب وہ بے صبری سی ہوئی دل کا سکون ختم ہوا تو ایسے موقع پر عورت زار و قطار رونے لگ جاتی ہے اور کوئی پوچھے تو کہتی ہے کہ میرا بچہ دریا میں بہہ گیا۔

کیونکہ بے صبری کے اندر بات آ ہی جاتی ہے زبان پر۔ قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دے لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا چونکہ ہم نے یہ تدبیر بتائی تھی اس لئے ہم نے ہی اس کے دل کو مضبوط کیا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے اللہ نے اس کے دل کو مضبوط کر دیا تا کہ اس کو اللہ کے وعدے کے اوپر یقین ہو ایمان لانے والوں میں ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا دل میں جو پہلا خیال آیا تھا اسی خیال پر وہ جم گئی اگر نہ ہم مضبوط کرتے اس کے دل کو تو قریب تھا کہ وہ اس قصہ کو بیان کر دیں وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا اس کے حالات معلوم کر قَصَّ يَقُصُّ قَصَصاً قَصَّ اَثَرَهٗ کسی کے نقش قدم پر چلنا یہ سورۃ کہف آیت ۶۴ میں لفظ آیا تھا فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصاً وہ اپنے نقش قدم تلاش کرتے ہوئے پیچھے کو لوٹے تو قُصِّيْهِ تو اس کے آثار تلاش کر۔ اس کے پیچھے پیچھے چل فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ پس اس بہن نے دیکھا موسیٰ علیہ السلام کو عَنْ جُنُبٍ کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے اجنبیت سے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کو اجنبیت سے دیکھتی رہی کہ لوگوں کو احساس نہ ہو یہ اس کا بھائی ہے یا پھر جُنُبٍ کا معنی ہے دور سے دونوں طرح سے معنی کیا گیا ہے حضرت شیخ نے اجنبی والا معنی کیا ہے۔

اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دور سے والا معنی کیا ہے۔ دیکھتی رہی اس موسیٰ کو اجنبی بن کر یا دور سے وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور لوگوں کو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ لڑکی ادھر کو آنکھ اٹھا اٹھا کے کیوں دیکھتی ہے کسی کو پتہ ہی نہ تھا وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ حرمنا کا لفظی معنی کہ ہم نے حرام ٹھہرا دیں موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والی عورتیں پہلے سے ہی۔ حرام ٹھہرانا یہ تحریم تکوینی ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام پر پابندی لگا دی بندش کر دی دودھ پلانے والی عورتوں سے دودھ نہیں پینا یہ تکوینی تحریم ہے یہ شرعی حکم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اگر دودھ پیتے تو حرام کا ارتکاب کرتے یہ بات نہیں فَقَالَتْ پس اس بہن نے کہا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ کیا تمہاری رہنمائی کروں ایسے گھر والوں پر يَّكْفُلُوْنَهٗ جو اس کی کفالت کریں گے وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ اور وہ اس بچے کیلئے خیر خواہ ہوں گے نٰصِحُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ ان کی طبیعت ہی کچھ ایسی ہے کہ بڑی خیر خواہی سے بڑی محبت سے اس بچے کو پالیں گے ایسی عورت جو مجھے معلوم ہے وہ بڑی شریف سی

عورت ہے اگر یہ بچہ اس کے سپرد کردیا جائے تو وہ خیرخواہی کے ساتھ اس بچے کو پالیں گے فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ درمیان میں واقعہ آگیا کہ انہوں نے بلا کر لانے کی اجازت دیدی بہن گئی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا لائی۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگیا۔ پھر لوٹا دیا اس کی ماں کی طرف اس کو كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں وَلَا تَحْزَنَ اور تا کہ وہ اس جدائی پر غمزدہ نہ ہو وَلَا تَحْزَنَ نہ غم کرے جو پیچھے آیا تھا وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ گویا کہ اس واقعہ کے ساتھ وہ حزن ختم ہوگیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں نہ غم کرے تا کہ جان لے موسیٰ کی والدہ کہ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ سچا ہے وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگوں کو علم نہیں۔ یعنی اس واقعہ کے پیش آجانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے سامنے ایک واضح دلیل آگئی کہ واقعی اللہ نے جو وعدہ کیا تھا میرے دل میں جو بات ڈالی تھی وہ سچی تھی کہ بچہ واپس آئے گا لہٰذا وہ واپس آگیا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ

جب موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اپنی جوانی کو اور ہر طرح سے تندرست ہوگئے، ہم نے اس کو حکمت اور علم دیا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ

اور ہم محسنین کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ شہر میں داخل ہوئے، شہر والوں کی غفلت کے وقت

غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫

پایا موسیٰ علیہ السلام نے دو آدمیوں کو، اس شہر میں جو آپس میں لڑتے تھے

هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ

یہ موسیٰ کی جماعت میں سے تھا اور یہ شخص موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا پھر مدد چاہی اس شخص نے جو

شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی

موسیٰ کی جماعت میں سے تھا اس شخص کے خلاف جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ نے اس کو مکا مارا

فَقَضٰی عَلَیْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

اس پر موت طاری کردی، موسیٰ نے کہا کہ یہ شیطان کے عمل سے ہے، بے شک وہ شیطان دشمن ہے گمراہ کرنیوالا

مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ

صریح طور پر ﴿۱۵﴾ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بیشک میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر، اے میرے رب تو مجھے بخش دے پھر اللہ نے ان کو بخش دیا

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ

بیشک وہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے کہا اے میرے رب بسبب اسکے کہ تو نے میرے اوپر احسان کیا

اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا

ہرگز نہیں ہوؤں گا مددگار مجرموں کے لئے ﴿۱۷﴾ پس صبح کی موسیٰ نے شہر میں ڈرتے ہوئے

يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ

حالات کا انتظار کرتے ہوئے پس اچانک وہ شخص جس نے مدد مانگی تھی کل موسیٰ سے، آج وہ پھر مطالبہ کر رہا تھا

لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۸ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ

موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا بے شک تو البتہ صریح گمراہ ہے ۝۱۸ پس جب ارادہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے گرفت کرنے کا

بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ

اس شخص پر جو کہ دونوں کا دشمن تھا، وہ اسرائیلی بول پڑا کہ اے موسیٰ کیا تو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے

كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا

جیسا کہ تونے قتل کیا ایک نفس کو کل، نہیں ارادہ کرتا تو مگر یہ کہ ہوجائے سرکش

فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ۝۱۹

زمین میں، اور نہیں تو ارادہ کرتا کہ تو ہوجائے اصلاح کرنے والوں میں سے ۝۱۹

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى ؗ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ

آیا ایک آدمی شہر کی دور کی جانب سے دوڑتا ہوا، اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک

الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ

سردار لوگ مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق تاکہ تجھے قتل کردیں، پس تو نکل جا بے شک میں تیرے لئے

النّٰصِحِیْنَ ۝۲۰ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ

خیر خواہ ہوں ۝۲۰ پس نکلے اس جگہ سے ڈرتے ہوئے اور ٹوہ لگاتے ہوئے، کہا موسیٰ نے اے میرے رب

الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۱ ع

مجھے نجات دے ظالم لوگوں سے ۝۲۱

تفسیر

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ: اب اسی طرح سے فرعون کے محلات میں ان کی تربیت ہوتی رہی اور جب موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اپنی جوانی کو اَشُدَّ کہتے ہیں قوت اور شدت کی انتہاء کو۔ بچہ کمزور ہوتا ہے آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا ہے قوت پکڑتا چلا جاتا ہے آخر ایک وقت آجاتا ہے کہ یہ اپنے پورے عروج پر چلا جاتا ہے اس سے آگے اس نے بڑھنا نہیں ہوتا کہتے ہیں کہ تیس سال تک انسان کی بدنی قوتوں میں صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ۳۵ سال تک انسان بھرپور جوان ہو جاتا ہے اور اس کے آگے قوت بڑھتی نہیں ہے چالیس سال تک اس قوت میں ٹھہراؤ ہوتا ہے چالیس سال کے بعد پھر ان قوتوں میں زوال شروع ہو جاتا ہے تو پینتیس سے لے کر چالیس سال تک کی عمر جو ہوتی ہے یہ ہوتی ہے پوری بھرپور جوانی تو اَشُدَّ کا معنی ہے کہ بھرپور جوان ہو گئے تقریباً ۳۲۔۳۳ سال کے ہو گئے اس عمر کو جب پہنچ گئے جب پہنچ گئے وہ اپنی جوانی کو اور قوت کی انتہاء کو پہنچ گئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام قوت وشدت کی انتہاء کو پہنچ گئے تو اللہ نے علم وحکمت سے سرفراز فرمایا:۔

وَاسۡتَوٰۤی اور ہر طرح سے تندرست ہو گئے معتدل مزاج عقل کے اعتبار سے فہم کے اعتبار سے طبیعت کے اعتبار سے ٹھیک مستوی ہو گئے یعنی دونوں طرف اشارہ ہو گیا کہ بدنی قوت کی بھی انتہا کو پہنچ گئے اور عقل وفہم بھی ٹھیک ہو گیا بچپن کے آثار ختم ہو گئے اٰتَیۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ہم نے اس کو حکمت اور علم دیا یہ علم وحکمت نبوت سے پہلے کی ہے نبوت تو بعد میں ملنی ہے موسیٰ علیہ السلام کو کیونکہ جو نبی ہوتا ہے وہ اپنے وقت کا فہیم ہوتا ہے اَعۡقَلُ النَّاسِ ہوتا ہے تو ہم نے اس کو علم اور حکمت دی وَكَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ اور ہم محسنین کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں جن کا کردار اچھا ہوتا ہے جن کی طبیعت میں احسان ہوتا ہے ہر کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کا جذبہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اور حکمت میں اضافہ فرماتے ہیں ایسے ہی ہم بدلہ دیا کرتے ہیں محسنین کو۔

شہر کے حالات معلوم کرنے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام گشت کیا کرتے تھے:۔

وَدَخَلَ الۡمَدِیۡنَةَ عَلٰی حِیۡنِ غَفۡلَةٍ: اب یہ واقعہ کا جز بھی نیا ہے جو پہلے کسی سورت میں آپ کے سامنے نہیں گزرا اب معلوم یوں ہوتا ہے واقعات کی روش سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ میں قبطیوں میں سے نہیں

ہوں بلکہ بنی اسرائیلیوں میں سے ہوں یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہوگی جیسا کہ میں نے ابتداء عرض کیا تھا کہ جب وہ بچہ بہتا ہوا آیا تھا تو لوگوں کو پتہ چل گیا ہوگا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے ہے اور خوف وخطرے کے تحت ہی دریا میں بہایا گیا ہے تو اس قسم کے تذکروں سے بھی بچوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میں اس قوم کا نہیں ہوں بلکہ انہوں نے مجھے پکڑ کر پالا ہوا ہے کچھ اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیمہ بھی دی تھی عقل وفہم دیا تھا اس سے بھی سمجھتے تھے۔ قبطیوں کے ظلم کو بھی دیکھتے اور بنی اسرائیل کی مظلومیت بھی ان کی آنکھوں کے سامنے تھی اور اپنی فطرت کی وجہ سے ہی ان کی ہمدردی مظلوموں کے ساتھ تھی اور ان ظالموں کے ساتھ ان کو کوئی انس نہیں تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آئے دن وہ مظلوموں کی حمایت میں کچھ بولتے رہتے ہوں گے اور ظالموں کے اوپر وہ کچھ نہ کچھ روک ٹوک کرتے رہتے ہوں گے جس کی بناء پر فرعونیوں کو فرعون کے خاندان کے لوگوں کو کچھ نہ کچھ معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردیاں اسرائیلیوں کے ساتھ ہیں اس قسم کے تذکرے آپس میں ہورہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حالات معلوم کرنے کیلئے کبھی کبھی شہر کے اندر گشت کرتے کہ لوگ کس طرح سے رہتے ہیں کیا کچھ ہورہا ہے حالات کا جائزہ لیتے تو ایک وقت ایسا تھا کہ لوگ غفلت میں رہتے تھے یا تو رات کا وقت تھا یا دوپہر کا وقت تھا کیونکہ دوپہر کو عموماً لوگ اپنے اپنے کمروں میں گھس کر سو جاتے ہیں اور باہر تقریباً سنسان ہوجاتا ہے خصوصاً گرمیوں کے موسم میں کہ ایسے وقت میں جب عام لوگ غفلت میں تھے زیادہ چلنا پھرنا نہیں تھا گلیوں میں آمدورفت نہیں تھی ایسے وقت میں موسیٰ علیہ السلام گلیوں میں چکر لگانے نکلے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بستی کی طرف گئے ہوں جو بستی بنی اسرائیل کی تھی اور جس عورت نے دودھ پلایا تھا چاہے لوگوں کو پتہ نہ ہو کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام تو جانتے تھے آخر اس گھر میں پلے تھے ان کو ملنے جلنے کیلئے اور ان کے حالات معلوم کرنے کیلئے جاتے ہوں گے اور کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا چونکہ اس گھر میں دودھ پیا تھا اور اسی عورت نے ان کو پالا تھا ماں کے درجے میں تھی وہ یعنی اگر لوگ حقیقی ماں نہ سمجھیں تو مرضعہ کے درجے میں تو تھی وہ ادھر جاتے ہوں گے ان کا حال دیکھنے کیلئے۔

موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کا قتل:۔

جس وقت ادھر جارہے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قبطی ایک اسرائیلی کے ساتھ اُلجھا ہوا ہے دونوں آپس میں لڑرہے ہیں اور اسرائیلیوں کو بھی معلوم تھا کہ موسیٰ اگرچہ فرعون کے گھر میں رہتا ہے لیکن اس کی ہمدردیاں

مظلوموں کے ساتھ ہیں آخر ۳۲،۳۲ سال جو ہو گئے تھے تو حالات کچھ نہ کچھ معلوم ہوتے ہیں اس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی حمایت کیلئے بلایا کہ مجھے اس کے ظلم سے بچاؤ یہ میرے اوپر زیادتی کر رہا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ادھر متوجہ ہوئے دل تو ان کا پہلے ہی کڑھتا رہتا تھا قبطیوں کے ظلم پر تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ پہلے کچھ زبانی سمجھایا ہوگا لیکن وہ قبطی آگے سے اکڑا۔ آخر وہ فرعون کی قوم کا تھا اہل حکومت میں سے تھا جب آگے سے اکڑا اور باز نہیں آیا ہوسکتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی لپکا ہو جیسا کہ اس قسم کے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ چھڑانے والوں پر بھی ہاتھ اٹھا لیتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دفاع کیلئے یا اس کی تنبیہ کیلئے تأدیب کیلئے ایک مکا رسید کر دیا اور وہ مکا جو تھا وہ کہیں ایسا لگا کہ اس قبطی نے پانی بھی نہیں مانگا وہیں چت ہو گیا تو مکے کا لگنا تھا قبطی مر گیا جس وقت قبطی مر گیا تو موسیٰ علیہ السلام چونکہ بہت فہیم تو تھے ہی عقل سلیم تھی حالات کو سمجھتے تھے فوراً چونک گئے کہ یہ تو غلطی ہو گئی اب چاہے قبطی کافر تھا اور وہ اسرائیلی مسلمان ہو چونکہ اسرائیلی تو خاندانی طور پر نبوت کے خاندان کے تھے لیکن بحث یہاں یہ ہے کہ کوئی آپس میں جہاد کا اعلان تو تھا نہیں۔ کسی کافر کی جان اور مال اس وقت حلال ہوتا ہے جس وقت حرب کی صورت ہو آپس میں جہاد جاری ہو اور جہاں حرب نہیں بلکہ ایک ہی حکومت میں لوگ مل جل کر رہتے ہیں تو ایک دوسرے کی جان مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہوا کرتا جس طرح کہ پڑوسی ملک ہندوستان میں کافر اور مسلمان دونوں ہی ایک حکومت کے تحت رہتے ہیں چاہے حکومت ہندوؤں کی پاسداری کرتی ہو مسلمانوں پر بعض معاملات میں زیادتی کرتی ہو تو بھی وہاں کے کسی مسلمان کیلئے درست نہیں ہے کہ کسی ہندو کو کافر سمجھتے ہوئے مار دے یا اس کے مال کو لوٹ لے تو جان مال کا تحفظ جانبین میں ایک دوسرے کو حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح سے یہاں اسرائیلی اور قبطی اکٹھے ایک ہی حکومت میں رہتے تھے چاہے وہ طبقے کے طور پر ظالم ہی ہوں لیکن اس عملی معاہدے کے طور پر اس عملی زندگی کے طور پر دونوں کے ذمے تھا ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کرنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کرنے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا لیکن آپ کے مکے کے ساتھ جو نتیجہ نکل آیا تو یہ بات اس معاشرتی ضوابط کے خلاف تھی اس لئے اس کو غلطی قرار دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنے والے حالات کے اعتبار سے بھی یہ غلطی تھی کہ اگر یہ پتہ چل گیا کہ اسرائیلی اور قبطی آپس میں لڑ رہے تھے اور میں نے قبطی کو مار دیا اور لوگوں کو پتہ تو ہے کہ میں بھی اسرائیلی ہوں تو ایک طبقاتی جنگ چھڑ جائے گی اور قبطی اسرائیلیوں پر مزید ظلم کرنا شروع

کردیں گے تو اس طرح سے اسرائیلی مزید قبطیوں کے ہاتھوں پٹیں گے اور زیادہ قتل ہوں گے جس طرح سے طبقاتی جنگ چھڑنے کے بعد فسادات ہوتے ہیں آئے روز آپ خبریں پڑھتے رہتے ہیں پاکستان کے متعلق صحیح غلط جیسی خبریں آتی ہیں جس طرح مذہبی اختلاف کی بناء پر جنگ چھڑ جائے یا کسی اور وجہ سے ہی چھڑ جائے جیسا کہ پچھلے دنوں میں اچھوتوں کے ساتھ ہندوؤں کی لڑائیں تھیں تو ایک دوسرے کو لوگ مارتے ہیں فسادات ہوتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا توبہ و استغفار کرنا اور اللہ کی طرف سے معافی کا اعلان:۔

تو موسیٰ علیہ السلام یہ فسادات شروع نہیں کروانا چاہتے تھے تو اپنی قوم کا نقصان محسوس کر رہے تھے کہ قبطیوں کا ظلم بڑھ جائے گا اور اسرائیلی نقصان زیادہ اٹھائیں گے اس لئے فوراً چونک اٹھے کہ یہ تو غلطی ہوگئی اور فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ استغفار کی چونکہ اہل نبوت خاندان میں سے تھے ان سب چیزوں کو سمجھتے تھے جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپ کی یہ خطاء معاف ہوگئی آپ نے یہ قصداً نہیں کیا یہ بغیر قصد کے بغیر ارادے کے ہوگیا آپ نے تو اصلاح کیلئے تنبیہ کی تھی اور وہ مر گیا خیر جو اسرائیلی تھا وہ بھی چھوٹ کر چلا گیا اور موسیٰ علیہ السلام بھی چلے گئے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خوف و خطرہ رہا کہ اس واقعہ کی بناء پر کہیں حالات خراب نہ ہو جائیں۔

اسرائیلی کی دوبارہ شرارت:۔

اگلے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام حالات کا جائزہ لینے کیلئے شہر سے باہر آئے جب آگے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی پھر لڑ رہا ہے کسی قبطی کے ساتھ اور موسیٰ علیہ السلام کل بھی اس کو لڑتا ہوا دیکھ چکے تھے تو انہوں نے اندازہ کیا کہ ضروری نہیں کہ ہر دفعہ قبطی کا ہی ظلم ہو قبطی کی ہی زیادتی ہو یہ آدمی بھی شرارتی معلوم ہوتا ہے جب دیکھو کسی نہ کسی کے ساتھ الجھا بیٹھا ہے جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو پھر متوجہ کیا مدد کیلئے پکارا۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو چھڑانا چاہا لیکن زبان کے ساتھ اس اسرائیلی کو تنبیہ کی کہ تو بڑا شریر معلوم ہوتا ہے بڑا گمراہ ہے جب دیکھو کسی نہ کسی سے الجھ رہا ہے زبان سے تنبیہ کی اسرائیلی کو لیکن ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا قبطی پر کہ ان کو علیحدہ علیحدہ کردیں لیکن وہ بیوقوف اسرائیلی یہ سمجھا کہ جب ڈانٹ مجھے رہے ہیں تو شاید آج میرے مکا آیا اور وہ مکے کا نمونہ کل دیکھ چکا تھا کہ جب یہ لگے تو پھر فرصت نہیں ملتی۔ اس لئے وہ ڈر گیا ڈر کے اس بدبخت نے یہ راز ظاہر کر دیا کہنے لگا

کہ موسیٰ! مجھے بھی اسی طرح سے مارنا چاہتے ہو جس طرح سے کل ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا میں نے تجھے بلایا کہ تو ہماری صلح کرا دے لیکن تو تو بڑا سرکش ہے کہ ٹھکانے ہی لگا دیتا ہے جب یہ بات اسرائیلی نے کہی تو بحث تو شہر میں چل ہی رہی تھی کہ اس قبطی کو کس نے قتل کیا تو یہ راز ظاہر ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ اس قبطی کو موسیٰ علیہ السلام نے مارا ہے تو فرعونیوں کو خطرہ پہلے ہی تھا کہ یہ جو اس طرح سر اٹھاتا جا رہا ہے کہیں یہ ہمارے لئے خطرہ نہ بن جائے۔

دربار فرعون میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ:۔

جب یہ واقعہ ہوا تو پھر تجویزیں شروع ہو گئیں کہ اس کو قتل کروا دو جب دربار کے اندر بیٹھے ہوئے یہ تجویز ہو رہی تھی موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی تو آپ جانتے ہیں جہاں ۳۲۔۳۳ سال موسیٰ علیہ السلام رہے تھے۔

مشورۂ قتل کی موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع اور مدین کی طرف آپ کا سفر:۔

وہاں دوستی محبتیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تو تعلق ہو ہی جاتا ہے تو فرعون کے دربار میں بھی بعضے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیر خواہ تھے ان میں سے ایک آدمی جو تھا جلدی سے مجلس سے چھپ چھپا کے اٹھ کر آیا آ کے موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ دیکھو میں تمہارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں یہ سردار لوگ یہ اراکین سلطنت تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو یہاں سے نکل جا۔ اس نے آ کے موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی تو موسیٰ علیہ السلام بھی خطرہ محسوس کر رہے تھے تو وہ بھی شہر سے نکل پڑے کدھر کو نکل کر جائیں ایسا پروگرام کوئی نہیں تھا بس یہ خیال تھا کہ دوسرا مشہور شہر مدین ہے جو مصر کی حدود سے باہر ہے اور یہاں سے قریب ہے تو میں یہاں سے نکل کر وہاں چلا جاؤں راستہ معلوم نہیں، زادِ راہ پاس نہیں، بس اللہ کے اوپر بھروسہ کرتے ہوئے وہاں سے نکلے اور مدین پہنچ گئے اور کہتے ہیں کہ وہاں سے مدین کا سفر جو تھا وہ آٹھ دن کی مسافت تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ رستے کا علم نہ زادِ راہ لیکن اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ مدین پہنچ گئے۔ آگے پھر مدین میں بھی جو واقعہ پیش آیا وہ مذکور ہے یہاں تک آیات کا ترجمہ دیکھ لیجئے۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ: شہر میں داخل ہوئے عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ شہر والوں کی غفلت کے وقت فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ پایا موسیٰ علیہ السلام نے دو آدمیوں کو اس شہر میں جو آپس میں لڑتے تھے هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ ایک موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں سے تھا وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ اور یہ شخص موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ پھر مدد چاہی اس شخص نے جو موسیٰ علیہ السلام کے مذہب یا جماعت میں سے تھا عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ اس شخص کے خلاف

جو موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا یعنی اسرائیلی نے اس قبطی کے خلاف موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا مارا وکزہ کہتے ہیں کہ انگلیاں اکٹھی کر کے بند کر کے کسی کو مارنا جسے ہم مکا مارنا کہتے ہیں فَقَضٰى عَلَيْهِ اس پہ موت طاری کر دی اس کا کام تمام کر دیا قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ شیطان کے عمل سے ہے یعنی یہ شیطانی حرکت ہو گئی یہ اچھی بات نہیں ہوئی اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ شیطان دشمن ہے گمراہ کرنے والا صریح طور پر یعنی جیسے ہر گناہ کی نسبت شیطان کی طرف ہو جایا کرتی ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لغزش کو شیطان کی طرف منسوب کیا قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب بے شک میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر کیونکہ ہر گناہ کرنا انسان کے اپنے نفس کے اوپر بھی ظلم پس اے اللہ تو مجھے بخش دے اے میرے رب تو مجھے بخش دے پھر اللہ نے اسے بخش دیا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے موسیٰ علیہ السلام نے آئندہ کیلئے عہد کیا جس طرح سے کہ طریقہ ہے کہ ندامت کا اظہار ہوا اور آئندہ کیلئے عہد ہو گناہ نہ کرنے کا تو موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ اے میرے رب بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ بسبب اس کے کہ تو نے میرے اوپر احسان کیا یعنی تیرے احسانات میرے اوپر بہت ہیں فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ہرگز نہیں ہوؤں گا مددگار مجرموں کیلئے۔

مجرمین کے لفظ سے اشارہ اس بات کی طرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ جرم اس اسرائیلی کا بھی ہوگا کہ وہ اس قبطی کے ساتھ لڑ رہا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ ایسے لوگ جو خود جرم میں مبتلاء ہوں اور دوسرے کو اپنے جرم میں شریک کرنا چاہیں میں ایسے لوگوں کا مددگار نہیں ہوؤں گا اور مجرمین سے شیاطین بھی مراد ہیں کیونکہ یہ جرم پر برانگیختہ کرنے والے ہیں فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ صبح کی موسیٰ علیہ السلام نے ڈرتے ہوئے حالات کا انتظار کرتے ہوئے فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ پس اچانک وہ شخص جس نے مدد مانگی تھی کل موسیٰ علیہ السلام سے يَسْتَصْرِخُهٗ آج وہ پھر مدد کا مطالبہ کر رہا تھا استصراخ کا معنی ہوتا ہے کسی شخص کو بلند آواز سے پکار کر اپنی مدد کیلئے بلانا قَالَ لَهٗ مُوْسٰى موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا جو موسیٰ علیہ السلام کو مدد کیلئے بلا رہا تھا اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ بے شک تو البتہ صریح گمراہ ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ تو ہی شرارتی ہے ہر وقت کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ

بِالَّذِیْ ھُوَعَدُوٌّ لَّھُمَا پس جب ارادہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے گرفت کرنے کا اس شخص پر جو کہ دونوں کا دشمن تھا یعنی زبان سے تو اسرائیلی کو ڈانٹ رہے تھے اور پکڑنا چاہ رہے تھے قبطی کو قَالَ یٰمُوْسٰی وہ اسرائیلی بول پڑا کہ اے موسیٰ اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ کیا تو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے کَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ جیسا کہ تو نے قتل کیا ایک نفس کو کل اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ نہیں ارادہ کرتا تو مگر یہ کہ ہو جائے سرکش زمین میں۔ جبار یعنی زور آور طلب میں وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ اور نہیں تو ارادہ کرتا کہ تو ہو جائے اصلاح کرنے والوں میں سے یعنی تو مصلحین میں سے نہیں بننا چاہتا بلکہ جبار اور سینہ زور بن کر رہنا چاہتا ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَۃِ یَسْعٰی آیا ایک آدمی شہر کی دور کی جانب سے دوڑتا ہوا (اقصیٰ یعنی دور کی جانب) اس نے کہا یٰمُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ بے شک ارکان اور سردار لوگ مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق تا کہ تجھے قتل کر دیں فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ پس تو نکل جا بے شک میں تیرے لئے خیر خواہ ہوں فَخَرَجَ مِنْھَا خَآئِفًا موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے نکلے حالات کا انتظار کرتے ہوئے کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ٹوہ لگاتے ہوئے۔ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے رب مجھے نجات دے ظالم لوگوں سے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ

جب موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف متوجہ ہوئے، تو کہا امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ

راستے کی ہدایت کرے گا ﴿۲۲﴾ جس وقت وارد ہوئے موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر پایا موسیٰ علیہ السلام نے اس پر

اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

لوگوں کی جماعت کو جو کہ پانی پلا رہے تھے اور پایا ان آدمیوں سے پرے دو عورتوں کو

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ

جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی تھیں، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کیا واقعہ ہے؟ وہ کہنے لگیں ہم پانی نہیں پلائیں گی جس وقت کہ چرواہے

الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى

لوٹا کر نہ جائیں اور ہمارا باپ بوڑھا ہے ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے پانی پلا دیا ان دونوں بچیوں کیلئے، پھر مڑ گئے

الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

سائے کی طرف اور کہا بیشک میں محتاج ہوں اس خیر کی طرف جو تو میری طرف اتار دے ﴿۲۴﴾

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

آئی موسیٰ کے پاس ان دونوں عورتوں میں سے ایک عورت، چلتی تھی حیا پر، کہنے لگی کہ میرا باپ آپ کو بلاتا ہے

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ

تا کہ آپ کو بدلہ دے، ہمارے لئے پانی پلانے کا، جب موسیٰ علیہ السلام ان کے ابا کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا،

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

تو ان کے باپ نے کہا کہ آپ خوف نہ کیجئے! آپ ظالم لوگوں سے نجات پا گئے ﴿۲۵﴾

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ

ان دونوں میں سے ایک نے کہا اے ابا اس کو اجیر بنالو! بیشک جس کو بھی تو اجرت پر رکھے تو بہتر آدمی قوی

الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ

اور امین ہے ﴿۲۶﴾ اس نے کہا میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں نکاح کردوں تیرے ساتھ اپنی ان دو بچیوں میں سے ایک کا،

عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ

اس شرط پر کہ تو میرے مزدوری کرے آٹھ سال، اگر تو دس سال پورے کردے تو یہ تیری جانب سے ہے

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ

اور میں تیرے اوپر سختی نہیں کروں گا، عنقریب پائے گا تو مجھے اگر اللہ نے چاہا اچھے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ

لوگوں میں سے ﴿۲۷﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہوگئی، ان دونوں مدتوں میں جو مدت میں پوری کردوں

فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ۧ

میرے پہ کوئی زیادتی نہیں، اللہ وکیل ہے اس بات پر جو ہم کہتے ہیں ﴿۲۸﴾

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف جانا اور انتخاب مدین کی وجہ:۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ اب اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین پہنچنے کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ مذکور ہے حاصل اس واقعہ کا یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے ڈرتے ہوئے حالات کا انتظار کرتے ہوئے کہ کیا نتیجہ سامنے آتا ہے مدین کی راہ لے لی چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے علم میں مصر کی حدود کے قریب ترین بڑا شہر جو تھا وہ مدین تھا اور مدین اصل کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے مدین بن ابراہیم علیہ السلام پھر ان کی جو اولاد پھیلی اس اولاد کو بھی مدین کہتے تھے قبیلہ مدین بن گیا اور جس شہر کے اندر وہ رہتے تھے آباد تھے تو اس شہر کو بھی مدین

کہتے ہیں تو ابراہیمی ہونے کی وجہ سے ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادھر رجحان ہوا ہو اور ویسے بھی حدود مصر سے باہر فرعون کی سلطنت سے باہر قریب ترین شہر یہی تھا چل پڑے آٹھ دن کی مسافت طے کی۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر:۔

وہاں پہنچ گئے تو شہر سے باہر کوئی کنواں تھا جس جگہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلایا کرتے تھے تو جہاں کچھ انسان نظر آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وہیں پہنچ گئے جا کے ایک طرف کو بیٹھ گئے کیا دیکھتے ہیں کہ دولڑکیاں ہیں اور اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں یعنی جس طرح جانور پانی پینے کیلئے آگے بڑھتے ہیں لیکن وہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ واقعہ دیکھ کر خیال آیا کہ باقی جتنے جانور ہیں ان کے ساتھ تو مرد ہیں اور وہ پانی پلا رہے ہیں تو یہ جو دولڑکیاں آئی ہوئی ہیں پانی پلانے کیلئے تو ضرور کوئی واقعہ ہے کہ ان کا کوئی بھائی نہیں ان کا کوئی باپ نہیں ان کا کوئی سرپرست نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس قسم کا کام مرد کیا کرتے تھے عورتیں نہیں کیا کرتی تھیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عجیب محسوس کر کے سوال کیا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے تم کیوں آئی ہو یہاں اور بکریوں کو کیوں روکے کھڑی ہو؟

نئی تہذیب کی غلط روش:۔

عام طور پر عورتوں کو عادت ہوتی ہے مردوں کے شانہ بشانہ جس طرح سے آج نئی تہذیب والے کہتے ہیں کہ زندگی کی گاڑی میں دونوں کو برابر چلنا چاہیے جس طرح سے مرد کماتا ہے عورت بھی کمائے مرد دکانوں پر کام کرتے ہیں تو عورتیں بھی دکانوں پر کام کریں مرد دفتروں میں کام کرتے ہیں تو عورتیں بھی دفتروں میں کام کریں جیسا کہ آج یہ سلسلہ جاری ہوگیا ہے کہ ہر اسٹیج پر عورتوں کو مردوں کے ساتھ شریک کیا جا رہا ہے یہ نئی تہذیب جس طرف اس انسانی آبادی کو لے گئی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ رواج نہیں تھا ورنہ ان دولڑکیوں کا آنا اور جانوروں کے پاس کھڑا ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہ کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھ لیا تو وہ کہنے لگیں کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے وہ یہ کام کر نہیں سکتا اور ہم خود آگے مردوں میں جا کر اپنے جانوروں کو کھینچ کے پانی پلا نہیں سکتیں اس واقعہ سے اس زمانے کی حیاء معلوم ہوتی ہے کہ جیسے مرد اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے تو یہ بھی مردوں کے اندر گھس کے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو پانی پلا لیتیں لیکن انہوں نے حیاء کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔

موسیٰ علیہ السلام کا دو لڑکیوں پر رحم کرنا:۔

کہتی ہیں کہ جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو واپس نہیں لے جائیں گے اس وقت تک ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلائیں گی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رحم آ گیا یہ ضعیف عورتیں بیچاری کھڑی ہیں تو شفقت علی الضعیف کمزوروں کی حمایت یہ تو شرفاء کی طبیعت میں ویسے ہی ہوتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام تو ماشاء اللہ آنے والے وقت میں اولوالعزم پیغمبر بننے والے تھے تو وہ ان ضعیفوں اور ناتواؤں کے اوپر رحم کیسے نہ کرتے ان کو ایک طرف کر کے ان کے جانور لئے اور ان مردوں کے اندر گھسے جیسا کہ دوسرے مرد کھینچ کر پانی نکال رہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح پانی کھینچ کر نکالا ان کے جانوروں کو پلایا اور کہا کے لے جاؤ اپنے جانور تو یہ لڑکیاں جس وقت اپنی بکریوں کو لے کر اپنے گھر پہنچیں تو ہوسکتا ہے کہ پہلے والے وقت سے آج جلدی پہنچ گئیں تو ان کے ابا نے جو حضرت شعیب علیہ السلام تھے اس بستی کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجے گئے تھے اصح روایت کے اعتبار سے اگر چہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ شخص کون تھا لیکن اصح یہی ہے تفاسیر کے اندر کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے انہوں نے پوچھ لیا کہ آج اتنی جلدی کیوں آ گئیں تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ دن سے بھوکے تھے جیسے تفصیلی روایات میں ہے کہ رستے میں جاتے ہوئے سوائے درختوں کے پتوں کے ان کو کوئی چیز کھانے کو نہیں ملی پانی پلا کے ایک طرف کوئی درخت تھا یا چٹان کا سایہ تھا اس سائے میں بیٹھ گئے جیسے ایک مسافر غریب الدیار ہوا کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعاء اور اس کی قبولیت:۔

اور اس وقت دعا کی رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے اللہ! تو میری طرف جو خیر بھی اتارے میں محتاج ہوں یعنی میری طرف کوئی خیر اتار۔ خیر کا مصداق مال بھی ہوسکتا ہے یہاں خیر کا مصداق ہے اپنی ضرورت کا کھانا یا اللہ! میں محتاج ہوں اور جو کچھ بھی تو میری ضرورت کو بھیج دے میں ضرورت مند ہوں اللہ تعالیٰ کے سامنے سوال کر رہے ہیں اور اس دعا کی قبولیت بھی فوراً ہی ظاہر ہوگئی ادھر بچیوں نے جا کر ذکر کیا کہ ایک مسافر ہے اپنے علاقے کا رہنے والا تو ہے نہیں اور اس نے ہم پر شفقت کرتے ہوئے ہماری مدد کی۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام بھی تو آخر اللہ کے پیغمبر تھے ان کو جب پتہ چلا کہ کوئی مسافر آیا ہے اور اس طرح سے اس نے میری بچیوں پر احسان کیا ہے ان میں سے ایک کو کہا کہ جاؤ اس کو بلا کے لے آؤ تو ان میں سے ایک آئی قرآنِ کریم

یہاں اس کی چال کو بھی نقل کرتا ہے تَمۡشِیۡ عَلَی اسۡتِحۡیَآءٍ یعنی بے حجابانہ انداز میں دندناتی ہوئی جس طرح سے آج نئی تہذیب یافتہ عورتیں اچھلتی پھرتی ہیں اس طرح سے نہیں بلکہ شرماتی ہوئی حیاء محسوس کرتی ہوئی چل کے آئی یعنی اس کی چال ڈھال سے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی اجنبی سے کسی ضرورت کی بناء پر کوئی بات کرنی پڑ جائے تو عورت کی ادا سے آواز سے ہر چیز سے حیاء محسوس ہوتی ہے تو اسی طرح سے حیاء محسوس کرتی ہوئی وہ بچی آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو میرے ابا بلا رہے ہیں چونکہ آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے تو میرے ابا چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اس عمل کا اجر دیں جزا دیں اس طرح سے کر کے اس نے بلایا موسیٰ علیہ السلام تو پہلے ہی چاہتے تھے کہ کوئی مانوس مل جائے کسی جگہ سہارا مل جائے ایسے موقع پر انسان ذرا سی واقفیت سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھ کر ساتھ چل دیئے۔

موسیٰ علیہ السلام کا احتیاط اور کمال حیاء:۔

تفسیری روایات میں یہ بات ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام ساتھ چلنے لگے تو اس بچی سے کہا کہ تو میرے آگے نہ چل میرے پیچھے آ جا تا کہ چلتے وقت میری نظر بلا وجہ تیرے اوپر نہ پڑے میں آگے آگے چلتا ہوں تو پیچھے سے ہی مجھے رستہ بتاتی آنا کہ دائیں طرف جانا ہے بائیں طرف جانا ہے اس طرح سے موسیٰ علیہ السلام نے لڑکی کو پیچھے کیا جیسا کہ طریقہ ہے ورنہ ادب تو یہ ہے کہ جب رستہ معلوم نہ ہو چاہے اپنا بڑا ساتھ ہو استاد ہو شیخ ہو بلا وجہ لوگ تکلف میں پڑ جاتے ہیں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اپنے کسی بڑے کے ساتھ یا مکرم و محترم کے ساتھ چلنا پڑ جائے اگر رستہ معلوم نہیں ان کیلئے اجنبی جگہ ہے تو ان کے آگے آگے چلنا چاہیے تا کہ آپ چلتے جائیں اور وہ بھی بلا تکلف آپ کے پیچھے چلتے آئیں بار بار پوچھنا نہ پڑے کہ دائیں جانا ہے بائیں جانا ہے کدھر کو جانا ہے اور اسی طرح رات کے وقت ادب یہ ہے کہ اپنے بڑے سے آگے چلو کیونکہ ادب کا تقاضا ہوتا ہے راحت پہنچانا اور آپ جانتے ہیں کہ راحت انہیں دونوں باتوں میں ہے رات کو آگے آگے چلو گے تو کوئی گڑھا کوئی کھڈا کوئی اینٹ کوئی کیچڑ کانٹا آپ اس کو سنبھالتے چلے جائیں گے اور آپ کا بڑا پیچھے آرام سے چلتا آئے گا اور اگر کوئی ایسی تکلیف دہ چیز ہوگی تو اس کو آپ برداشت کریں گے اور دن کے وقت بھی اگر رستہ معلوم نہ ہو تو بھی آگے آگے چلو تا کہ بار بار یہ پوچھنے کی زحمت نہ ہو کہ اب کدھر کو چلنا ہے تو یہ طریقہ ہے اس ادب کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ بچی آگے آگے چلتی موسیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے

چلتے تاکہ وہ اپنے گھر کے راستے پہ چلتی اور یہ پیچھے پہنچ جاتے لیکن یہاں یہ عارضہ آ گیا کہ پیچھے چلنے والا آدمی چونکہ آگے چلنے والے کو دیکھتا ہے کہ یہ کدھر کو چلتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت نے یہ برداشت نہ کیا کہ بلاوجہ اس بچی کے اوپر نظر پڑے اس لئے اس کو کہا کہ تو پیچھے پیچھے چل میں آگے آگے چلتا ہوں اور تو پیچھے سے مجھے راستہ بتاتی رہنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات:۔

تو یوں جس وقت گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے واقعہ نقل کیا کہ یہ قصہ ہوا ہے میں اس لئے آیا ہوں قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ یہی لفظ ہے جس کی بناء پر سورۃ کا نام قصص رکھ دیا گیا جب واقعہ بیان کیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور یہ کہا کہ تو ظالموں سے نجات پا گیا یعنی تو نے جو دعا کی تھی پچھلے رکوع کے آخر میں جس طرح سے لفظ آئے تھے رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ تو یہ دعا بھی گویا کہ قبول ہوگئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ اب فکر کی کوئی بات نہیں یہاں ان ظالموں کا کوئی زور نہیں چلتا کیونکہ یہ علاقہ ان کی سلطنت سے باہر ہے وہاں ٹھہر گئے کھایا پیا ہوگا اس کے بعد ایک لڑکی نے مشورہ دیا اپنے ابا کو کہ ابا جی کام کرنے کیلئے کسی خادم یا ملازم جو بھی رکھا جائے اس میں دو صفتیں ہونی چاہیں ایک تو وہ قوت والا ہو کہ جو کام اس کے سپرد کیا جائے وہ کر سکے دوسرا امانت دار ہونا چاہیے تو ان میں دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں اس سے بڑھ کر کون اچھا خادم ہوگا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قوت بکریوں کے پانی پلانے سے محسوس کر لی تھی اور کہتے ہیں کہ جو ڈول کئی کئی آدمی مل کر کھینچتے تھے موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے کھینچا حالانکہ آٹھ دن کے فاقے میں تھے دوسرا یہ کہ بدنی قوت وصلاحیت پر انسان جس وقت نظر ڈالتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جوان ہے قوی الاعضاء ہے قوت والا ہے تو قوت کا اندازہ اس سے ہو گیا امانت اور دیانت کا اندازہ بچی نے اس راستے والے سفر سے کیا کہ جنہوں نے اتنا بھی برداشت نہیں کیا کہ بغیر ضرورت کے نظر پڑے تو اس سے زیادہ امانت دار اور دیانت دار کون ہو سکتا ہے تو بچی نے یہ مشورہ دیا کہ کام انہیں کے ذمہ لگا دیا جائے۔

صحیح ملازم میں دو صفات کا ہونا ضروری ہے:۔

کیونکہ ملازم میں قوت امانت دیانت یہ صفات ہوں تو کام ٹھیک ہوتا ہے اور اگر یونہی دفتروں میں بٹھا دیا جائے سفارشوں کے بل بوتے پر جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو بھی کام بگڑ جاتا ہے نااہل کے کام سپرد کر دیا حضور ﷺ نے اس بات کو قیامت کی علامات میں سے قرار دیا کہ کام نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے ① کہ اہلیت ہے نہیں۔ اس

① بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۶۹

ےکے کام سپرد کر دیا محض قریبی ہونے کی وجہ سے دوست ہونے کی وجہ سے سفارش ہونے کی وجہ سے جیسا کہ آج کل دفتروں میں بھرتی جو ہے اکثر و بیشتر نااہل لوگوں کی ہے بڑے افسروں کی اولاد ہیں یا رشوت دے کر عہدہ لے لیتے ہیں سفارشوں سے کام لے کر عہدہ حاصل کر لیتے ہیں صلاحیت ہوتی نہیں کام کرنے کی اور بسا اوقات صلاحیت بھی ہے ڈگری بھی ڈپلومہ بھی ہے سب کچھ لیا ہوا ہے لیکن آگے دیانت نہیں ہے کہ جس کام کی ہم تنخواہ لے رہیں اس کام کو پورا کریں کام چور ہیں کام کرتے نہیں خیانت کرتے ہیں بد دیانتی کرتے ہیں تو بھی کام بگڑ جاتا ہے اور اگر ان دو باتوں کی رعایت رکھ لی جائے کہ صلاحیت ہو کام کرنے کی اور پھر وہ کام کرنے والا دیانت دار امانت دار بھی ہو تو سارا نظم صحیح ہو جاتا ہے تو یہ بچی نے مشورہ دیا ابا کو پسند آ گیا تو انہوں نے یہ سوچا کہ جب حالات پوچھ لیے قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ کے اندر سب کچھ آ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح اور حق مہر کا تعین:۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے حالات بیان کیے تو حضرت شعیب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بچہ ابراہیمی ہے اچھے خاندان کا ہے یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں سے ہے تو اپنا ہی ہم نسل ہوا اور یہ بھی حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے تو کفو بھی معلوم ہو گیا کہ کفو ہے اور باتوں سے شرافت دیانت سب کچھ معلوم ہو گئی تو یہ خیال ہوا کہ یہ دو بچیاں جو ہیں ان میں سے کسی ایک کا نکاح اس کے ساتھ کر دوں تو گھر کا داماد بن جائے گا اور گھر رہے گا اور کام بھی چلتا رہے گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی گفتگو کی حضرت شعیب علیہ السلام نے کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ان دو بچیوں میں سے ایک کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں (وہ لڑکی نکاح کرتے وقت متعین تو ہو جائے گی) پہلے گفتگو ہو رہی ہے کہ ان میں ایک کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں لیکن اس نکاح کا مہر جو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آٹھ سال یا دس سال جو تیری مرضی ہو میرے گھر میں کام کر اَنْ تَاْجُرَنِیْ میرے گھر میں اجیر بن کے رہ اس طرح سے نوکری کو مہر متعین کر دینا یہ اُس شریعت میں جائز ہو گا اور ہمارے ہاں بھی بعض جزئیات ایسی ہیں کہ اگر بیوی کا کوئی کام ہو جو گھر سے باہر کیا جاتا ہو جیسے جانور چرانے ہوں یا کوئی کارخانہ ہے اس کی دیکھ بھال کرنی ہو یا کوئی باغ ہے جس کی حفاظت یا خدمت کرنی ہو اس خدمت کو اگر مہر کے طور پر متعین کر لیا جائے تو ہمارے ہاں بھی درست ہے کیونکہ اس خدمت کا معاوضہ جو مال آنا تھا گویا کہ وہ مہر بن گیا۔

اس قسم کی جزئیات ہمارے ہاں بھی ہیں بہر حال لڑکی کی رضامندی کے ساتھ اگر باپ کے گھر میں کام کرنا

منظور کرلیا جائے اور اس مال کے اندر بچی کا حصہ بھی ہو تو ایسی صورت میں مہر متعین کیا جاسکتا ہے تو مہر یہ متعین کیا کہ آٹھ سال یا دس سال میرے گھر میں کام کر مزدوری کرا جیر بن کے رہ پھر میں بچی کا نکاح کردوں گا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ دیکھو میں معاملات میں مشقت ڈالنے والا نہیں ہوں میری طبیعت میں سختی نہیں ہے ان شاء اللہ جس وقت تیرا واسطہ مجھ سے پڑے گا تو تو دیکھ لے گا کہ میں اچھے لوگوں میں سے ہوں تو یہاں لفظ صالحین سے مراد خوش معاملہ ہے ورنہ اپنی نیکی کا واسطہ معاملات میں نہیں دیا جایا کرتا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ کرلو تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ میں تہجد پڑھتا ہوں یا میرے ساتھ یہ معاملہ کرلو تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ میں بڑا شریف آدمی ہوں اور میں فلاں نیک کام بھی کرتا ہوں ان نیکیوں کا واسطہ نہیں دیا جایا کرتا۔ معاملات میں یہ ہوتا ہے کہ میں خوش معاملہ ہوں میری طبیعت میں صالحیت ہے شفقت ہے کہ میں اپنے ساتھ معاملہ کرنے والوں پر تشدد نہیں کرتا شرافت فی المعاملہ مراد ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور کیا چاہیے تھا وہ تو پہلے ہی اس قسم کے ٹھکانے کے متلاشی تھے وہ کہنے لگے ٹھیک ہے مجھے منظور ہے اور ان دونوں مدتوں میں آٹھ یا دس سال جو میری مرضی میں ہوگی پوری کروں گا اور میرے اوپر اس معاملے پر جبر نہ کیا جائے اور جو کچھ ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ تو اللہ کو گواہ کرلیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے ان دونوں بچیوں میں سے ایک کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کردیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں آٹھ یا دس سال کا عرصہ گزارا۔ ان دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی قرآنِ کریم میں صراحت نہیں ہے تفسیری روایات میں ہے کہ دس سال ہی پوری کی کیونکہ جس طرح شعیب علیہ السلام خوش معاملہ تھے تو موسیٰ علیہ السلام بھی خوش معاملہ تھے تو آٹھ سال تو لازم قرار دے دیئے گئے تھے اور دس سال مستحب تھے کہ مرضی ہے پوری کردیں تو قرین قیاس یہی ہے کہ دس سال وہاں گزارے۔

اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دس سال کے دوران موسیٰ علیہ السلام کے دو بچیاں بھی ہوئیں تو یہ خاندان بن گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو کہ چار افراد پر مشتمل تھا تو دس سال گزرنے کے بعد اب ارادہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے کہ میں دوبارہ مصر جاؤں اپنے بہن بھائیوں اور ماں باپ کا حال دیکھوں تو یہ جانا چونکہ ایک اجنبیت کے طور پر تھا ضروری نہیں کہ فرعون یا فرعونی لوگ پہچان لیں جس طرح سے ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک میں آتے جاتے رہتے ہیں ضروری نہیں ہوتا کہ اہل حکومت کی گرفت میں آجائیں چھپ چھپا کے جانے کا ارادہ تھا کہ گھر والوں کے

پاس جائیں گے ان سے ان کا حال احوال معلوم کرلیں گے اس طرح سے ان کا مدین سے سفر شروع ہوا اور اس سفر کا واقعہ آپ کے سامنے اگلے رکوع میں آرہا ہے اور وہ واقعہ بار بار آپ کے سامنے گزر گیا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ: تِلْقَآءَ طرف کے معنی میں ہے یہ لفظ سورۃ یونس آیت ۱۵ میں آیا تھا مَا يَكُونُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اپنی طرف سے۔ وہاں ترجمہ یونہی کیا گیا تھا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ: جس وقت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف متوجہ ہوئے قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ یہ اصل میں دعا ہے یعنی اللہ کے بھروسے پر نکل پڑے کوئی راہنما نہیں رستہ معلوم نہیں تھا پہلے کبھی اس قسم کے سفر پر گئے نہیں تھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے رستے کی ہدایت کرے گا یعنی اللہ مجھے سیدھے رستے پر چلائے گا جس کی بناء پر میں اپنی منزل پر پہنچ جاؤں گا وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ جس وقت وارد ہوئے موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر پانی سے وہی کنواں مراد ہے وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ پایا موسیٰ علیہ السلام نے اس کنویں پر لوگوں کی جماعت کو جو کہ پانی پلا رہے تھے سَقٰى يَسْقِيْ پانی پلانا کس کو پلا رہے تھے يَسْقُوْنَ کا مفعول محذوف ہے یعنی اپنے جانوروں کو وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ اور پایا ان آدمیوں سے پرے دو لڑکیوں کو دو عورتوں کو تَذُوْدٰنِ جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی تھیں۔

یہاں تَذُوْدٰنِ کا مفعول محذوف ہے یعنی اپنے جانوروں کو روکے کھڑی تھیں قَالَ مَا خَطْبُكُمَا موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا تمہارا کیا واقعہ ہے یعنی تم کیوں آئی ہو تمہارا کوئی آدمی جانوروں کو پانی پلانے کیوں نہیں آیا قَالَتَا وہ کہنے لگیں لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ہم پانی نہیں پلائیں گی جس وقت تک کہ چرواہے لوٹا کر نہ لے جائیں یعنی اپنے جانوروں کو يُصْدِرَ کا بھی یہاں مفعول محذوف ہے وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ اور یہ اصل وجہ بتادی کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے وہ اس قسم کے کام کر نہیں سکتا تو معلوم ہو گیا کہ بھائی کوئی تھا نہیں گھر میں کوئی دوسرا آدمی بھی نہیں تھا کام کرنے والا فَسَقٰى لَهُمَا موسیٰ علیہ السلام نے پانی پلا دیا ان دونوں بچیوں کیلئے یعنی دونوں بچیوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا جس طرح سے لام نفع کیلئے ہوتا ہے۔ ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ پھر ایک سائے کی طرف مڑ کر بیٹھے، پھر مڑ گئے سائے کی طرف، پیٹھ پھیری سائے کی طرف یعنی وہاں کنویں کی جانب سے ہٹ کر چٹان کا یا درخت کا کوئی سایہ تھا

تو سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔

تواس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمیوں کا موسم تھا چونکہ سائے میں بیٹھنے کی ضرورت انسان تب ہی محسوس کیا
کرتا ہے جب گرمی کا موسم ہو پیٹھ پھیری، مڑے سائے کی طرف فَقَالَ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے حقیقی
سہارا وہی ہے تو رب کی دربار میں عرض کرتے ہیں رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ فقیر محتاج کو کہتے
ہیں بے شک میں محتاج ہوں ہر اس چیز کیلئے جو تو میری طرف اتار دے مِنۡ خَیۡرٍ یہ ما کا بیان ہے جو خیر بھی میری
طرف اتار دے، جو بھلائی، جو اچھی چیز تو میری طرف اتار دے میں اس کا محتاج ہوں فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا آئی
موسیٰ کے پاس ان دونوں عورتوں میں سے ایک عورت اس میں هُمَا کی ضمیر امرأتان کی طرف لوٹ رہی ہے تَمۡشِیۡ
عَلَی اسۡتِحۡیَآءٍ چلتی تھی حیاء پر حیاء محسوس کرتی تھی شرماتی ہوئی شرمیلے انداز میں چلتی ہوئی قَالَتۡ کہنے لگی اِنَّ اَبِیۡ
یَدۡعُوۡكَ لِیَجۡزِیَكَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا شرم حیا والی لڑکیاں اگر کسی مجبوری کی بناء مردوں سے بات کریں بھی تو ان
کی ہر ادا سے ہر انداز سے گفتار سے حیا ٹپکا کرتی ہے بات کریں گی تو آمنے سامنے روبرو ہو کر نہیں کریں گی دوسری
طرف رخ کر کے بات کریں گی کپڑے سے منہ ڈھانپنے کی کوشش کریں گی تو عَلَی اسۡتِحۡیَآءٍ کے اندر ساری باتیں
آگئیں شرم محسوس کرتی ہوئی آئی کہنے لگی کہ میرا باپ آپ کو بلاتا ہے لِیَجۡزِیَكَ تاکہ آپ کو بدلہ دے اَجۡرَ مَا
سَقَیۡتَ لَنَا ہمارے لئے پانی پلانے کا اَجۡرَ یہ مضاف ہو گیا اور یہ مفعول ہے یعنی ہمارے لئے تو نے جو پانی پلایا ہے
مَا سَقَیۡتَ لَنَا ما مصدریہ ہو جائے گا تیرا پانی پلانا ہمارے لئے، اس پانی پلانے کا تجھے اجر دیتے ہیں اس لئے میرا
باپ تجھے بلا رہا ہے تاکہ دے تجھے اجر اس چیز کا جو تو نے ہمارے لئے پلایا لفظی ترجمہ یوں ہے ورنہ ما مصدریہ ہے
یعنی پانی پلانا تیرا ہمارے لئے۔ اس پانی پلانے کا اجر تجھے دیں گے فَلَمَّا جَآءَهٗ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے ابا کے پاس
آئے ابا کا یہاں نام منقول نہیں۔

تفسیری روایات میں ہے کہ ان سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام ہیں جس وقت موسیٰ علیہ السلام ان بچیوں کے ابا کے
پاس آگئے وَقَصَّ عَلَیۡهِ الۡقَصَصَ اور سارا واقعہ بیان کیا قَصَّ بیان کیا قصص واقعہ جیسے نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ اَحۡسَنَ
الۡقَصَصِ سورۃ یوسف آیت ۳ میں لفظ آیا تھا کہ ہم آپ کے اوپر ایک بہترین واقعہ بیان کرتے ہیں قَالَ لَا تَخَفۡ
تو ان کے باپ نے کہا کہ آپ خوف نہ کیجئے نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ آپ ظالم لوگوں سے نجات پا گئے

آئندہ کیلئے کوئی خوف وخطرہ نہیں ہے اب آپ فرعون کی سلطنت سے باہر آ گئے ہیں یہاں وہ کچھ نہیں کرسکتا
قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا ان دونوں میں سے ایک نے کہا یٰۤاَبَتِ اے ابا اسۡتَاۡجِرۡهُ اس کو اجیر بنالو استجار یعنی مزدور بنانا نوکر
رکھ لو اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ بے شک جس کو بھی تو اجرت پر رکھے تو بہتر آدمی قوی اور امین ہے یعنی
جن کو آپ نوکر رکھنا چاہیں تو ان میں سے نوکری کیلئے بہتر وہ ہوتا ہے جو قوی بھی ہو اور امین بھی ہو کام کرنے کی قوت
بھی رکھتا ہو دیانت اور امانت بھی ہو قَالَ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ باپ کو یہ مشورہ پسند آ گیا تو یہ ایک ہی مجلس کی
ساری باتیں نہیں ہوا کرتی قرآنِ کریم نے تو عنوان نقل کرنا ہے موسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں رہنے لگ گئے اٹھنے بیٹھنے لگ
گئے اور اس درمیان یہ مشورہ ہو گیا یہ نہیں کہ وہاں گئے دومنٹ میں بات طے ہوگئی۔ جیسے گھروں کے معاملات چلا
کرتے ہیں اسی طرح سے کہ موسیٰ علیہ السلام ٹھہر گئے ان سے ملتے جلتے رہے حالات ایک دوسرے کے سامنے آ گئے
قَالَ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ شعیب علیہ السلام نے کہا میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں نکاح کردوں تیرے ساتھ اپنی ان دو
بچیوں میں سے ایک بچی کا عَلٰٓى اَنۡ تَاۡجُرَنِىۡ اس شرط پر کہ تو میری مزدوری کر، نوکر بن کے رہ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ آٹھ سال
فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا اگر تو دس پورے کردے تو فَمِنۡ عِنۡدِكَ یہ تیری جانب سے ہے یعنی دس اختیاری اور آٹھ لازمی
وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَيۡكَ اور میں تیرے اوپر سختی نہیں کروں گا یعنی میرے ہاں معاملات میں بڑی نرمی ہے
سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ عنقریب پائے گا تو مجھے اگر اللہ نے چاہا تو اچھے لوگوں میں سے۔ صالحین
سے مراد یہاں خوش معاملہ ہے قَالَ ذٰلِكَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہوگئی
یعنی ہمارے درمیان وعدہ ہو گیا اَيَّمَا الۡاَجَلَيۡنِ قَضَيۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَىَّ ان دونوں مدتوں میں جو مدت میں پوری
کردوں میرے پہ کوئی زیادتی نہیں یعنی آٹھ تو لازماً پوری ہوں گی باقی دس میرے لئے اختیاری ہے۔ لیکن پوری
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت کی۔ روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ اللہ تعالیٰ
وکیل ہے وکیل یہاں گواہ کے معنی میں ہے وکیل اصل میں ہوتا ہے مَوۡكُوۡلٌ اِلَيۡهِ الۡاَمۡرُ جس کے معاملہ سپرد کردیا
جائے یہ جو عدالتوں میں وکیل ہوتے ہیں ان کا بھی یہی معنی ہوتا ہے کہ مقدمہ انسان ان کے سپرد کرکے بے فکر
ہو جاتا ہے تو اللہ کو وکیل بنایا یعنی اپنے معاملات اللہ کے سپرد کردیے۔ توکل کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اپنے معاملے میں اللہ
کو وکیل بنالے کہ اللہ جو کرے گا ہمیں منظور ہے اللہ تعالیٰ وکیل ہے اس بات پر جو ہم کہتے ہیں یہ بات ہم اللہ کے
سپرد کرتے ہیں گویا کہ اللہ گواہ ہے۔ اپنے معاملے کے اوپر اللہ کو گواہ کردیا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ

جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر دی، اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا، محسوس کی موسیٰ نے طور کی جانب

الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ

سے آگ، کہا اپنے گھر والوں کو کہ ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے، ہوسکتا ہے

اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹

کہ میں لے آؤں تمہارے پاس کوئی خبر یا آگ کا انگارہ تاکہ تم تاپو ۝۲۹

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس آئے آواز دیئے گئے، مبارک زمین کے ٹکڑے میں برکت والی وادی کے کنارے سے

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۳۰ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ

درخت سے، اے موسیٰ! میں اللہ ہوں رب العالمین ۝۳۰ اپنی لاٹھی ڈال دے،

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ

جب دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اس لاٹھی کو لہلہاتے ہوئے، گویا کہ وہ سانپ ہے، تو پیٹھ پھیر کے بھاگ پڑے، اپنی ایڑیوں کے بل واپس نہیں ہوئے، اے موسیٰ متوجہ ہو جاؤ

وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝۳۱ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ

اور خوف نہ کرو، آپ امن والے لوگوں میں سے ہیں ۝۳۱ ڈال تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں

تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

نکلے گا یہ سفید چمکتا ہوا بغیر کسی بیماری کے، اور ملالے اپنے بازو کو اپنے ساتھ خوف کی وجہ سے

الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ

یہ دو بڑی دلیلیں آگئیں تیرے رب کی طرف سے، فرعون اور اس کے ارکان کی طرف جانے کے لئے

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

بے شک یہ لوگ نافرمان ہیں ﴿۳۲﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب، میں نے ان میں سے ایک نفس کو قتل کیا ہوا ہے،

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا

میں اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے ﴿۳۳﴾ اور میرا بھائی ھارون وہ مجھ سے زیادہ صاف زبان والا ہے

فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ز اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

اس کو میرے ساتھ بھیج دے بطور مدد کے وہ میری تصدیق کریگا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ﴿۳۴﴾

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ضرور مضبوط کردیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی کے سبب سے اور بنادیں گے ہم تمہارے لئے غلبہ

يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ لوگ تم دونوں تک پہنچ نہیں سکیں گے ہماری آیات کی برکت سے تم اور وہ لوگ جو تمہاری اتباع کریں گے غلبہ پانے والے ہیں ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

جب موسیٰ ان کے پاس گئے ہماری آیات واضح واضح لے کر، کہنے لگے نہیں ہے یہ مگر گھڑا ہوا جادو،

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ

اور نہیں سنی ہم نے یہ بات اپنے پہلے آباء میں ﴿۳۶﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ

کہ میرا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو ہدایت لے کر آیا اللہ کے پاس سے اور خوب جانتا ہے

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

اس کو جس کے لئے اس دنیا میں اچھا انجام ہے بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ﴿۳۷﴾ فرعون نے کہا

فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ

اے سردارو! مجھے تو اپنے علاوہ کوئی دوسرا اللہ معلوم نہیں، اے ہامان میرے لئے

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى

آگ جلا مٹی پر، بنا میرے لئے محل تاکہ میں جھانک آؤں موسیٰ کے اللہ کی طرف

اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ

اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں ﴿۳۸﴾ تکبر کیا فرعون نے

وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا

اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق، اور وہ سمجھے کہ بے شک وہ ہماری طرف

لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ

لوٹ کے نہیں آئیں گے ﴿۳۹﴾ پھر پکڑ لیا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو، اٹھا کے دریا میں پھینک دیا ہم نے، دیکھ پھر

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى

ظالموں کا کیا انجام ہوا ﴿۴۰﴾ ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنایا تھا جو جہنم کی طرف بلاتے تھے

النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ

اور قیامت کے دن یہ مدد نہیں کئے جائیں گے ﴿۴۱﴾ ہم نے پیچھے لگادی اس کے اس دنیا

الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

میں لعنت اور قیامت کے دن بھی وہ برائی بیان کئے ہوئے لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۴۲﴾

تفسیر

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کردی جو ٹھہرائی گئی تھی وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اور اپنے

گھر والوں کو لے کر چلا اب یہ سفر ہے مدین سے دوبارہ مصر کی طرف۔ اپنے گھر والوں کی خبر لینے کیلئے والدہ بہن بھائی ان کو دیکھیں ان کو ملیں اب یہ دس سال گزر گئے تو یہ بڑی مدت ہے جس میں گذشتہ واقعہ بھی فراموش ہو جاتا ہے اور جب اس طرح سے چھپ چھپا کے آئیں گے تو کسی کی توجہ بھی نہیں ہوگی وَسَارَ بِاَهۡلِهٖۤ اپنے گھر والوں کو لے کر چلا اٰنَسَ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ سَارَ يَسِيۡرُ چلنے کے معنی میں ہے محسوس کی موسیٰ علیہ السلام نے طور کی جانب سے آگ۔ راستے میں طور کا پہاڑ آیا۔ اٰنَسَ محسوس کی، معلوم کی، دیکھی طور کی جانب سے آگ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر کی طرف واپسی:۔

قَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اب معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس وقت راستے سے بھٹک گئے تھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کدھر کو چلنا ہے رات کا اندھیرا تھا اور کچھ سردی کا موسم بھی تھا اب یہاں سردی کا موسم معلوم کس طرح سے ہوا وہ کہتے ہیں کہ میں آگ لاؤں تا کہ تم تاپو آگ کا تاپنا آگ کا سینکنا یہ سردی میں ہوتا ہے جس طرح سے سائے کے اندر جا کر بیٹھنا ٹھکانہ لینا یہ گرمی میں ہوتا ہے تو یہ سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سردی میں تھا اور وہ علاقہ ویسے بھی کچھ ٹھنڈا ہے کہا اپنے گھر والوں کو کہ ٹھہرو اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا میں آگ دیکھی ہے لَعَلِّیۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ ہو سکتا ہے کہ میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کا انگارہ لَعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ تا کہ تم تاپو اِصۡطِلَاء تاپنا سینکنا تا کہ تم آگ سینکو یہاں لفظ آیا اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ پہلے لفظ آیا تھا اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ① یا مجھے آگ پر رہنمائی مل جائے یعنی عادت یہی ہے جہاں آگ جلتی ہے وہاں کوئی نہ کوئی موجود ہوتا ہے وہاں کوئی موجود ہوگا تو میں اس سے رستے کی خبر لے آؤں گا کہ رستہ کدھر کو ہے راہنمائی حاصل کرلوں گا اور ہوسکتا ہے کہ کوئی انگارہ بھی اٹھالاؤں جس سے ہم آگ سینک لیں گے دونوں فائدوں میں سے ایک تو ہو ہی جائے گا اَوۡ منع خُلُوّ کیلئے ہے اور دونوں بھی ہوسکتے ہیں کہ رہنمائی بھی حاصل ہو جائے اور آگ بھی لے آؤں فَلَمَّاۤ اَتٰٮهَا جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس آئے نُوۡدِیَ مِنۡ شَاطِیِٴ الۡوَادِ الۡاَيۡمَنِ، شَاطِیٴ کنارے کو کہتے ہیں وادالایمن یمن والی وادی برکت والی وادی۔ بقعہ مبارکہ۔ بقعہ ٹکڑے کو کہتے ہیں، قطعہ، پلاٹ جس طرح سے ہوتا ہے مِنَ الشَّجَرَةِ درخت سے آواز دیئے گئے مبارک زمین کے ٹکڑے میں برکت والی وادی کے کنارے سے درخت سے یعنی وہ جگہ بقعہ مبارکہ تھی برکت والی تھی اور جو وادی تھی وہ وادی بھی برکت والی تھی اس کے کنارے سے درخت سے یعنی اس کے کنارے پر درخت کھڑا تھا اور اس

① پارہ نمبر ۱۶: سورہ طٰہٰ: آیت نمبر ۱۰

درخت سے وہ آواز آئی کہتے ہیں کہ وہ درخت جس سے آواز آئی تھی وہ اس وقت تک موجود ہے اور سر سبز ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ کبھی کسی موسم میں بھی وہ درخت خشک نہیں ہوتا اور وہاں یہودیوں کا معبد خانہ ہے اور اس جگہ کا فوٹو بھی مولانا مودودی نے اپنی تفسیر میں دیا ہے جس طرح سے میں نے سورۃ شعراء میں ذکر کیا تھا کہ وہ گئے ہیں ادھر اور جا کر سارے علاقے دیکھ کر آئے تھے تو یہ وادی جو ہے مدین کی اور وہ جگہ جہاں کنواں ہے اور اس طرح سے پچھلی سورت میں وہ درخت وہ پہاڑ کے سب کے فوٹو انہوں نے دیئے ہیں تفہیم القرآن میں لگے ہوئے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور عطائے معجزات:۔

تو درخت سے آواز آئی یہ اَنْ تفسیر یہ ہے نُوْدِیَ کی تفسیر جس طرح آپ نحو میں پڑھتے ہیں نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ یہ اَنْ تفسیر یہ کی مثال ہے تو اس طرح سے یہ اَنْ بھی تفسیر یہ ہے یٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ مضمون ایک ہی ہے مختلف سورتوں میں مختلف لفظوں میں ادا کیا گیا ہے میں اللہ ہوں رب العالمین یہ درخت سے آواز آئی یہ درخت نہیں کہہ رہا درخت سے آواز آئی آواز اللہ تعالیٰ کی ہے جو محسوس ہوئی درخت سے جس طرح سے میں نے پہلے آپ کے سامنے مثال دی تھی کہ بولتا تو پیچھے سے آپ کا کوئی بھائی یا ابا یا کوئی عزیز ہے اور آواز آتی ہے ٹیلیفون سے اور بظاہر نکلتی ہے وہ یہیں سے لیکن آپ سمجھتے ہیں جس کی آواز ہوتی ہے آپ ساری ضمیریں اسی کی طرف لوٹاتے ہیں اور خطاب بھی اسی کو کرتے ہیں جس کی آواز ہوتی ہے چاہے بظاہر آپ کے ہاتھ میں وہ ایک موبائل ہوتا ہے۔

تو اسی طرح درخت سے آواز آئی اے موسیٰ میں اللہ ہوں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ اس کے واقعات گزر چکے ہیں، اب تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں اپنی لاٹھی ڈال دے فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ اس کی تفصیل زیادہ آئی تھی سورۃ طٰہٰ میں جس وقت دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو کہ وہ تو لہلہا رہی ہے تَهْتَزُّ حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ اوپر کو سر اٹھا لیتا ہے اور لہلہاتا ہے تو وہ لاٹھی بھی ویسے حرکت کرنے لگ گئی جب دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے اس لاٹھی کو لہراتے ہوئے كَاَنَّهَا جَآنٌّ گویا کہ وہ سانپ ہے وَّلّٰی مُدْبِرًا تو پیٹھ پھیر کے بھاگ پڑے وَّلّٰی پیٹھ پھیری مُدْبِرًا یہ حال مؤکدہ ہے یعنی ادھر سے مڑے پیٹھ پھیر کے بھاگ نکلے اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ نہیں تھا کہ یہ لاٹھی سانپ کیسے بننے والی ہے اگر یہ پہلے پتہ ہوتا تو یوں دہشت زدہ ہو کر نہ بھاگتے یہی فرق ہوتا ہے

بنیادی طور پر جادو میں اور معجزے میں جادوگر اگر کوئی کرتب سیکھتا ہے تو باقاعدہ اس کیلئے مجاہدے اور ریاضتیں کرتا ہے اور مجاہدے ریاضتیں کرنے کے بعد پھر یہ کسی تصرف پہ قادر ہوتا ہے جس طرح کہ جادوگر لاٹھیوں کو سانپ بناتے تھے رسیوں کو سانپ بناتے تھے لیکن انہوں نے یہ مجاہدے کر کر کے حاصل کیا ہوتا ہے اور جس وقت ان کے کرتب کامیاب ہوتے ہیں تو وہ تصرف کر کے نمایاں ہو جاتا ہے ان کو خوشی ہوتی ہے کہ دیکھو ہم جس کام کیلئے محنت کر رہے تھے وہ ہو گیا ڈرنے اور دہشت زدہ ہونے کا سوال ہی نہیں تو انبیاء کو جو معجزہ دیا جاتا ہے تو ان کو پہلے پتہ ہی نہیں ہوتا جھوٹے فریب کار لوگ جادوگر کاہن ان کے ذہن میں پہلے ایک سکیم ہوتی ہے کہ یوں مجاہدہ کریں گے یوں ریاضتیں کریں گے یہ پڑھیں گے اتنے دن تک اور پھر یہ نتیجہ نکلے گا ان کے ذہن میں ایک پلان ہوتا ہے ایک منصوبہ ہوتا ہے لیکن نبی کے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا وہ تو آگ لینے گئے تھے۔

جس طرح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دین کا حال موسیٰ علیہ السلام سے پوچھو کہ آگ لینے گئے تھے پیغمبری مل گئی۔ وہ تو آگ لینے گئے تھے سینکنے کیلئے یا رستہ پوچھنے گئے تھے کہ وہاں کوئی آدمی بیٹھا ہوگا اس سے پوچھیں گے کہ یہ رستہ کدھر کو جا رہا ہے اور وہاں آگے یہ قصہ ہو گیا ان کو کوئی پتہ نہیں تھا کہ میں لاٹھی ڈالوں تو کیا بن جائے گی وہ جو یکدم سانپ بنی تو اِن پر دہشت سی طاری ہوگئی وَلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ اس کا معنی لَمْ یَرْجِعْ مُوْسٰی عَلٰی عَقِبَیْہِ موسیٰ علیہ السلام اپنی ایڑیوں کے بل واپس نہیں لوٹے یعنی مڑ کے نہیں دیکھا اس طرح سانپ سے دہشت زدہ ہو کے بھاگے پھر اللہ تعالیٰ نے آواز دی یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اے موسیٰ! متوجہ ہو جاؤ اور خوف نہ کرو اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ آپ امن والے لوگوں میں سے ہیں بے خوف لوگوں میں سے ہیں یہ تو آپ کو اسلحہ دیا جا رہا ہے۔ اگلی جنگ جیتنے کیلئے دوسروں کیلئے خوف کی بات ہوسکتی ہے آپ کیلئے کوئی خوف کی بات نہیں اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ ڈال تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں گریبان قمیص کا ہوتا ہے تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ نکلے گا یہ سفید چمکتا ہوا بغیر کسی بیماری کے یہ نہیں کہ بیماری سے (جیسا کہ برص کی بیماری) تو بغیر بیماری کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا وَّاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ مطلب بیان کیا کہ جس طرح سانپ کو دیکھ کے ایک ہیبت سی طاری ہوئی تو اگر یہ سفید ہاتھ کو دیکھ کر طبیعت کچھ گھبرائے تو اس کو دوبارہ یوں کر لے جس وقت دوبارہ گریبان میں ڈالے گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ ملا لے اپنے بازو کو اپنے ساتھ ملا لے خوف کی وجہ سے

یعنی اس سے بھی اگر کوئی وحشت معلوم ہو جیسے کہ لاٹھی کے بارے میں کہا تھا کہ اس کو پکڑ لو سَنُعِيْدُ سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى
اس کو پکڑ لو ہم اس کو پہلے جیسا کر دیں گے اس طرح اپنے بازو کو اپنے ساتھ لگانا وہ پہلی حالت پہ آ جائے گا اور بعض
مفسرین نے یہ نقل کیا کہ یہ آئندہ کیلئے خوف زائل کرنے کا ایک طریقہ رائج ہو رہا ہے کہ اب آگے جاؤ گے فرعون
سے گفتگو ہوگی کہیں بھی کوئی وحشت یا دہشت معلوم ہو تو یوں کر کے اپنے ہاتھ کو ذرا دبا لیا کرنا دل میں خوف نہیں
آئے گا یہ بھی ایک سکون اور اطمینان کے حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا جیسے حضرت شیخ الاسلام یہاں لکھتے ہیں یعنی
بازو کو پہلو سے ملا لو سانپ وغیرہ کا ڈر جاتا رہے گا شاید آگے کیلئے بھی خوف زائل کرنے کی یہ ترکیب بتلائی ہو ملا لینا
اپنے جناح کو اپنے بازو کو خوف کی وجہ سے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس ہاتھ کی کیفیت زائل
کرنے کیلئے یعنی اگر کوئی خوف کوئی ہیبت معلوم ہو رہی ہے تو دوبارہ اس کو اپنے ساتھ ملا لو ملانے کے ساتھ یہ پہلی
حالت پہ آ جائے گا جس طرح سے عصا کو پکڑیں تو عصا پہلی حالت پہ آ جاتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے پاس دو مضبوط دلیلیں:۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ یہ دو بڑی قوی دلیلیں آ گئیں تیرے رب کی طرف سے اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فرعون اور اس کے ارکان کی طرف جانے کیلئے۔ یعنی یہ دو دلیلیں دے کر تجھے فرعون اور اس کے ارکان کی طرف بھیجا
جا رہا ہے مَلَاْ لفظ بارہا گزر گیا کہ مَلَاْ سرداروں کو کہتے ہیں مجلس کے ارا کین کو کہتے ہیں اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ
بے شک یہ لوگ نافرمان ہیں فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کے پاس یہ دو دلیلیں لے جا قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا
فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واقعہ یاد آیا دیکھو پہلے بھی مصر جا رہے تھے تو پہلے چونکہ فرعون کے
دربار میں جانا نہیں تھا بس جا کر اپنے گھر والوں سے گھل مل جائیں گے ضروری نہیں کہ فرعون کو پتہ چلے کہ کوئی باہر
سے آیا ہے اب تو سیدھا فرعون کے پاس جانا ہے جا کے اس سے بات کرنی ہے اب یاد آ گیا کہ جی میں تو وہاں
سے یوں کر کے نکلا تھا میرے ہاتھ سے قبطی مارا گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے اب اگر میں وہاں
سیدھا چلا گیا تو ان کو پچھلا واقعہ یاد آ جائے گا اور مجھے وہ قتل کر دیں گے میں آپ کی بات پہنچا ہی نہ سکوں گا۔ اے
میرے رب میں نے ان میں سے ایک نفس کو قتل کیا ہوا ہے فَاَخَافُ میں اندیشہ کرتا ہوں اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ وہ مجھے
قتل کر دیں گے ن کے نیچے کسرہ یائے متکلم پر دلالت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کی معیت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے التجا کرنا:۔

وَاَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے زیادہ صاف زبان والا ہے جس طرح سے پیچھے لفظ آیا تھا لَایَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ ① میری زبان نہیں چلتی اور وہ بڑی صاف زبان والا ہے بڑا فصیح و بلیغ ہے اس سے معلوم ہوا تقریر میں خطبے میں فصاحت و بلاغت ایک اچھی صفت ہے صاف گوئی کی صفت بھی فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً اس کو میرے ساتھ بھیج دے بطور مدد کے یُّصَدِّقُنِیۡۤ وہ میری تصدیق کرے گا اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّكَذِّبُوۡنِ مجھے اندیشہ ہے کہ فرعونی تکذیب کریں گے جھوٹا کہیں گے بحث ومباحثے کی نوبت آئے گی اور بحث ومباحثے میں مناظرے میں کوئی صاف زبان والا آدمی ہوتو اچھی طرح سے بات کہہ لیتا ہے دوسروں پہ غالب آجاتا ہے ورنہ میری تو زبان نہیں چلتی کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میری تکذیب شروع کردیں اور میں آگے سے پورے طریقے سے بحث نہ کرسکوں تو بہتر ہے کہ بطور مدد کے میرے ساتھ ہارون کو بھیج دو وہ بڑا فصیح اللسان ہے قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیۡكَ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم ضرور مضبوط کردیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی کے سبب سے۔

فرعون تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا:۔

وَنَجۡعَلُ لَكُمَا سُلۡطٰنًا اور بنادیں گے ہم تمہارے لئے غلبہ۔ سلطان تسلط اور غلبے کو کہتے ہیں یعنی میں تمہیں ایسی ہیبت اور ایسا رعب دوں گا کہ فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡكُمَا وہ لوگ تم دونوں تک پہنچ نہیں سکیں گے۔ بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ہماری آیات کی برکت سے تم اور وہ لوگ جو تمہاری اتباع کریں گے غلبہ پانے والے ہیں ان آیات کی برکت سے غلبہ تمہیں حاصل ہوگا۔ قرآن میں دیکھیں کہ "بِاٰیٰتِنَاۤ" کے آگے پیچھے تین تین نقطے لگے ہوئے ہیں میں نے بارہا عرض کیا ہے جہاں ایسے نقطے لگے ہوں تو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق ماقبل کے ساتھ بھی جڑ سکتا ہے اور ترکیب کے لحاظ سے مابعد کے ساتھ بھی جڑ سکتا ہے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فَلَا یَصِلُوۡنَ بِاٰیٰتِنَاۤ ہماری آیات کی برکت سے وہ تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ تم اور تمہارے پیروی کرنے والے غالب آئیں گے بات یوں بھی ہوسکتی ہے۔ اور فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡكُمَا یہاں بات کو

① پارہ نمبر۱۹: سورۃ شعراء: آیت نمبر۱۳

ختم کر دیجئے۔ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ یعنی ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ کی ترکیب دو طرح سے ہوسکتی ہے اس کو ماقبل کے ساتھ جوڑلیں تو وقف کر لیجئے۔ یہاں پر فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ ہماری آیات کی برکت سے وہ تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے یعنی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے یہ تو بِاٰيٰتِنَآ ماقبل کے ساتھ لگ گیا آگے ترجمہ یہ ہوگا کہ تم دونوں اور وہ لوگ جو تم دونوں کی اتباع کریں گے غلبہ پانے والے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا وقف یہاں کرلیں وہ تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ہماری آیات کی برکت سے تم دونوں اور وہ لوگ جو تمہارے متبع ہیں غلبہ پانے والے ہیں تو ترکیب دونوں طرح سے ہوسکتی ہے چاہے اس کو ماقبل کے ساتھ جوڑ لیجئے چاہے اس کو مابعد کے ساتھ جوڑ لیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغام توحید لیکر فرعون کی دربار میں:۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آگئے ہماری آیات واضح واضح لے کر بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وہ کہنے لگے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا یہ تو ایسے تراشی ہوئی باتیں ہیں جس طرح سے جادو ہوا کرتا ہے وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ اور نہیں سنی ہم نے یہ بات اپنے پہلے آباء میں کہ ہمارے آباء میں سے کسی نے کہا ہو کہ اللہ رب العالمین بھی کوئی ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں مرنے کے بعد کوئی اٹھنا بھی ہے اور پیغمبر بھی آیا کرتے ہیں یہ توحید کی باتیں آخرت کی باتیں ہم نے پہلے اپنے آباء سے تو نہیں سنیں یہ جتنی باتیں کر رہا ہے ساری کی ساری گھڑی ہوئی ہیں اور جادو کی سی باتیں ہیں اور یہ جو معجزات کہہ رہا ہے یہ بھی جادو ہے وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا اس شخص کو جو ہدایت لے کر آیا مِنْ عِنْدِهٖ اللہ کے پاس سے اس رب کے پاس سے اور خوب جانتا ہے اس کو جس کیلئے اس دنیا میں اچھا انجام ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ظالم لوگ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے میں اللہ کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہوں اور اچھا انجام کس کا ہے؟ ہم ہدایت یافتہ ہیں یا تم ہدایت یافتہ ہو اور اچھا انجام ہمارا ہے یا تمہارا ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے بس جو ظالم ہے وہ کامیاب نہیں ہوگا آنے والے

حالات سے معلوم ہوگیا کہ فرعونی ظالم تھے اور وہ کامیاب نہیں ہوئے موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی دی۔ قَالَ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اَعْلَمُ خوب جانتا ہے اسم تفضیل کا صیغہ ہے میرا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو ہدایت لے کر آیا ہے اللہ کے پاس سے اور میرا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جس کیلئے اس دُنیا کا اچھا انجام ہے۔ اِنَّهٗ بے شک بات یہ ہے اس میں ہٗ ضمیر شان ہے لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

فرعون کی سیاسی چال:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ موسیٰ علیہ السلام نے جب رب العالمین کا تعارف کروایا تھا جس طرح کہ پچھلی سورتوں میں آپ کے سامنے واقعہ گزرا تو فرعون کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے ارکان سلطنت اس سے متاثر نہ ہو جائیں اور متاثر ہو گئے تو ابھی میری خدائی کا انکار ہو جائے گا۔ میں جو رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا نعرہ لگا رہا ہوں تو اگر انہوں نے کسی اور کو رب مان لیا پھر میرا تو کام خراب ہو گیا دیکھو یہ سیاسی شاطر جو ہوا کرتے ہیں ہمیشہ ایسے وقت میں عوام کو گمراہی میں مبتلا کیا کرتے ہیں یہ فرعون کے قصے میں بڑی سیاست ہے اب اس نے عوام کو مغالطہ دینے کیلئے بھئی یہ دیکھو کہتا ہے کہ اِلٰہ کوئی اور ہے۔ صحیح بات ہے مجھے تو اپنے علاوہ کوئی دوسرا اِلٰہ معلوم نہیں باقی رہی یہ بات کہ اس نے کہا ہے کہ اور اِلٰہ ہیں ہم اس کی تحقیق کر لیتے ہیں تو جب کسی بات کو الجھانا ہو تو اہل حکومت کا کام ہوتا ہے کہ تحقیقات کیلئے کمیشن بٹھا دیا جائے اب وہ کمیشن تحقیقات کرتا رہے گا اور لوگ اتنی دیر میں چپ رہیں گے کچھ وقت اس میں گزر جائے گا اس کے دوران کوئی سیاسی چال دوسری آ جائے گی تو یہی ہوتا ہے کہ جی فلانے کی سربراہی میں تحقیقات کا کمیشن مقرر کر دیا گیا ہے۔

اور تحقیق کرتے کرتے لوگوں کے جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور اس درمیان میں حکومت اپنے آپ کو سنبھال لیتی ہے اور قصہ ختم ہو جاتا ہے اور جب بھی کسی کمیشن کو تحقیقات کیلئے بٹھایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت ٹال مٹول کرنا چاہتی ہے تو یہاں فرعون نے بالکل یہی چال اختیار کی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاسی چالیں بہت پرانی ہیں تو یہ بھی چونکہ اہل حکومت میں سے تھا کہنے لگا بہت اچھے کوئی بات نہیں مجھے تو اپنے علاوہ کوئی اِلٰہ معلوم نہیں یہ کہتا ہے کوئی اور بھی ہے تو ہم تحقیقات کر لیتے ہیں تو ھامان وزیر اعظم کو بلایا ھامان اینٹیں پکاؤ ایک بھٹہ لگاؤ اور اینٹیں پکانے کے بعد ایک اونچا محل بناؤ میں اس کے اوپر چڑھوں گا چڑھ کے پھر دیکھ کے آؤں گا کیا اوپر کوئی اور خدا

بھی ہے یہاں سے تو مجھے کوئی اور اِلٰہ نظر نہیں آتا یہ یا تو بدحواس ہو گیا ہے اس لئے اس قسم کی باتیں کرتا ہے یہاں وہی کمیشن بٹھانے والی بات ہے ذہنی طور پر لوگوں کو ایک چکر دینا ہے تا کہ لوگ مطمئن ہو جائیں کہ ہمارا فرعون ہمارا بادشاہ بڑا منصف ہے۔

دیکھو ایک بات سامنے آئی تھی اس کی تحقیقات کرنا چاہتا ہے تو ھامان کی ڈیوٹی لگا دی یوں اپنے مصاحبین کو چکر دیا۔ کہنے لگا کہ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ اَوْقِدْ ایقاد آگ جلانا عَلَى الطِّيْنِ طین کہتے ہیں کیچڑ کو گیلی مٹی کو، اے ھامان! میرے لئے آگ جلا مٹی پر۔ مٹی پر آگ جلانے سے مراد یہاں اینٹیں پکانا ہے تو اوی پکانا جس کو ہم بھٹہ کہتے ہیں اے ھامان! میرے لئے مٹی کے اوپر آگ جلا یعنی اینٹیں پکا جس سے معلوم ہوا اس دور میں بھی اینٹیں پکا کر محل بنانے کی عادت تھی اینٹیں پکانے کا رواج پہلے کا تھا چنانچہ پرانے پرانے کھنڈرات جو نکلتے ہیں ہزارھا سال کے۔ ان کے اندر سے اینٹیں پختہ نکلتی ہیں پرانے مکان جس طرح سے چھوٹی چھوٹی اینٹوں کے بنے ہوتے ہیں شہروں کے اندر پرانے مکانات آپ نے دیکھے ہوں گے تو یہ اینٹیں پکانے کا رواج بہت پرانا ہے۔ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ یہ ھامان وہی وزیر ہے جس کا ذکر آپ کی خدمت میں پہلے عرض کیا گیا تھا اے ھامان! میرے لئے مٹی پر آگ جلا یعنی اینٹیں پکا فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا پھر میرے لئے ایک محل بنا۔

اس صَرْحًا کا لفظ سورۃ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں بھی آیا تھا یاد ہوگا کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو کہا تھا صَرْحًا میں داخل ہو جاؤ اور جب داخل ہونے لگی تو اس نے محسوس کیا کہ شاید یہ کوئی گہرا پانی ہے تو صَرْحًا محل کیلئے بولا جاتا ہے بنا میرے لئے محل لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰى تا کہ میں جھانک آؤں موسیٰ علیہ السلام کے اِلٰہ کی طرف تا کہ میں اطلاع پاؤں موسیٰ کے اِلٰہ کی طرف یعنی میں اوپر چڑھوں اور دیکھ کے آتا ہوں کہ کیا کوئی آسمانوں میں اور بھی ہے وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں کہ یہ غلط کہتا ہے کہ رب السمٰوٰت کوئی اور ہے مجھے تو معلوم نہیں ویسے دیکھ لیتے ہیں تحقیقات کر لیتے ہیں اب کہاں پہلے کچی اینٹیں بنائی جائیں گی پھر بھٹہ پکایا جائے گا پھر محل تیار ہوگا پھر تیار ہوگا تو کہیں جا کر فرعون صاحب اوپر چڑھیں گے تو یہ بہا برس کیلئے ایک سکیم دیدی۔ کہ اگر یہ اس طرح سے لوگوں کو کہتا ہے تو کوئی بات نہیں ہم تحقیقات کر لیتے ہیں دیکھیں گے کیا نتیجہ نکلتا ہے تو کئی سالوں کیلئے گویا کہ عوام کو چکر میں ڈال دیا یہ ہے اس کا مقصد۔ یا پھر وہ بدحواس ہو گیا

کہ ایسی باتیں کرنی شروع کردیں لیکن بدحواس ہونے کی بجائے یہ سیاسی چال زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

فرعون کی تکذیب اور اس کا انجام:۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ متکبر ہو گیا فرعون حق کو قبول نہ کیا استکبار اصل میں یہ ہوتا ہے کہ حق کے سامنے نہ جھکنا متکبر ہو گیا فرعون اور اس کا لشکر یا یوں ترجمہ کرلیں تکبر کیا فرعون نے اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ اور وہ سمجھے کہ بے شک وہ ہماری طرف لوٹ کے نہیں آئیں گے ان کو ہمارے پاس آنے کا خیال نہیں تھا اس لئے وہ تکبر کرتے تھے فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ پھر پکڑ لیا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ اٹھا کے دریا میں پھینک دیا۔ پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ دیکھ پھر ظالموں کا کیا انجام ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے تو اب ان کا انجام دیکھ۔

تو کتنا مطابق ہے یہ واقعہ حضور ﷺ کے سفر ہجرت کیلئے اور وقت کے فرعونوں کو کس طرح سے تنبیہ کی۔ نتیجہ یہاں بھی وہی نکلا اگر وہ اٹھا کے سمندر میں پھینک دیئے گئے تھے اور نام ونشان نہ رہا اور ادھر یہ سارے کے سارے جتنے بڑے بڑے فرعون تھے وہ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے اور اٹھا کے گڑھے میں پھینک دیئے گئے۔ یہاں بھی ظالموں کا انجام سامنے آ گیا وہاں بھی ظالموں کا انجام سامنے آ گیا۔

مکذبین انبیاء جہنمیوں کے امام بنے:۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ بنایا ہم نے ان فرعونیوں کو یعنی فرعون کو ھامان کو ان کے لشکر کو ایسے امام جو کہ جہنم کی طرف بلاتے تھے جہنم کی طرف بلانے کا معنیٰ ہے کفر وشرک کی طرف بلانا غلط کاموں کی طرف بلانا کیونکہ انہی غلط کاموں کا انجام کل کو جہنم ہوگا تو جو آدمی آپ کو غلط کام کی ترغیب دیتا ہے تو گویا کہ وہ آپ کو جہنم کی طرف جانے کی ترغیب دے رہا تھا ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنایا تھا جو جہنم کی طرف بلاتے تھے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ قیامت کے دن یہ مدد نہیں کئے جائیں گے وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ہم نے پیچھے لگا دی ان کے اس دنیا میں لعنت وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ اور قیامت کے دن بھی وہ برائی بیان کیئے ہوئے لوگوں میں سے ہوں گے بدتر لوگوں میں سے ہوں گے مقبوح جس کی برائی بیان کی گئی ہو قبح کہتے ہیں برائی کو۔ بدترین لوگوں میں سے ہوں گے ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی برائی کی جاتی ہو۔ لعنت کا معنیٰ ہے اللہ کی رحمت سے دور کرنا ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی یعنی ان کو ہر قسم کی رحمت سے دور کر دیا اور قیامت کے دن بھی یہ برائی بیان کیے ہوؤں میں سے ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

یقینی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، پہلی جماعتوں کے ہلاک کرنے کے بعد

الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

وہ کتاب بصائر تھی لوگوں کیلئے اس حال میں کہ وہ ہدایت تھی اور رحمت تھی، تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۴۳﴾

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

آپ طور پہاڑ کی غربی جانب میں نہیں تھے جس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف امر بھیجا تھا،

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ

اور نہ ہی آپ موجودین میں سے تھے ﴿۴۴﴾ ہم نے پیدا کیں بہت ساری جماعتیں، ان پر ان کی عمریں

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

دراز ہوگئیں، اور نہیں تھا تو ٹھہرنے والا اہل مدین میں کہ پڑھتے ہو آپ

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ

ان پر ہماری آیتیں، لیکن ہم رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں ﴿۴۵﴾ اور آپ طور کی جانب بھی نہیں تھے

الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

جس وقت ہم نے موسیٰ کو ندا دی تھی لیکن ہم نے آپ کو نبی بنایا تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے تاکہ تو ڈرائے ایسے لوگوں کو

مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

کہ نہیں آیا جن کے پاس کوئی ڈرانے والا تجھ سے قبل تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۴۶﴾

وَلَوْلَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچتی ان کو کوئی مصیبت ان کے اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے، پھر یہ کہتے

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ

اے ہمارے رب کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف رسول ہم تیری آیات کی اتباع کر لیتے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ

اور مؤمنین میں سے ہو جاتے ۝۴۷ پھر جب ان کے پاس حق آ گیا ہماری جانب سے تو یہ کہنے لگے کیوں نہیں دیا گیا

اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

یہ مثل اس چیز کے جو دیئے گئے موسیٰ علیہ السلام، کیا انکار نہیں کیا تھا انہوں نے اس چیز کا جو دیئے گئے تھے موسیٰ علیہ السلام

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

اس سے قبل، کہا انہوں نے یہ دو جادوگر ہیں جو آپس میں موافق ہو گئے، کہنے لگے ہم تو ہر ایک کا

كٰفِرُوْنَ ۝۴۸ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

انکار کرنے والے ہیں ۝۴۸ آپ کہہ دیجئے لے آؤ تم کوئی کتاب اللہ کی جانب سے جو زیادہ ہدایت کا باعث ہو ان دونوں سے

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ

میں اس کی اتباع کر لوں گا، اگر تم سچے ہو ۝۴۹ اگر یہ آپ کو جواب نہ دیں اس مطالبہ کا تو آپ یقین کر لیں

اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اپنی خواہشات کے متبع ہیں اور کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جو اپنی خواہشات کا متبع ہو

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ ع

اللہ کی طرف سے بغیر رہنمائی کے، اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو سیدھی راہ نہیں دیتا ۝۵۰

تفسیر

صرفی نحوی تحقیق:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ لقد یہ تاکید کیلئے ہوتا ہے جس طرح سے کہ قسم کھا کر کوئی بات کہی جائے تو یہ کلام اتنی ہی مؤکد ہو جایا کرتی ہے اس لئے لام دال بر قسم ہوتا ہے لَقَدْ اٰتَیْنَا البتہ تحقیق یہ ترجمہ جو کرتے ہیں تو یہ بھی تاکید کا ہے یہ پکی بات ہے یقینی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی، مَآ اَھْلَکْنَا میں ما مصدر یہ ہے اور قرون الاولیٰ یعنی پہلی جماعتیں پہلی جماعتوں کے ہلاک کرنے کے بعد، بعد اس کے کہ ہم نے پہلی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تھا محاورے کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا پہلی جماعتوں کے ہلاک کرنے کے بعد پہلی جماعتوں سے مراد ہوگئی قومِ ثمود، قومِ عاد، قومِ نوح جو اللہ کی طرف سے عذاب کے ساتھ تباہ ہوئی تھیں ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃً لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ، بَصَآئِرَ بصیرت کی جمع ہے بصیرت اصل کے اعتبار سے دل کی روشنی کو، دل کی سمجھ کو کہتے ہیں وہ کتاب لوگوں کیلئے سامان بصیرت تھی ایسے دلائل اس میں موجود ہیں کہ جن پر غور کرنے سے انسان کے دل کی صلاحیتیں اجاگر ہوں اور حق سمجھنے کی توفیق ہو یہ مفہوم ہو جائے گا اس کا وہ کتاب بصائر تھی لوگوں کیلئے یعنی دین و دانش کے حاصل کرنے کا ذریعہ تھی اس کی آیتیں بصیرت افروز تھیں ھُدًی راہنمائی یہ مصدر ہے۔

اس حال میں کہ وہ ہدایت تھی اور رحمت تھی یعنی صحیح عقائد کے اختیار کرنے کی طرف رہنمائی کرتی تھی اور جو شخص ان عقائد کو اختیار کر لیتا ان کیلئے باعث رحمت تھی تین لفظ آ گئے بصائر ھدی اور رحمت بصائر کا مفہوم یہ ہے کہ جو باتیں ایسی ہوں جن پر غور کرنے سے انسان کا عقل و فہم ٹھیک ہوتا ہے اور ھدی میں آ گیا کہ وہ عقائد اور اچھے اعمال اختیار کرنے کیلئے رہنمائی ہے اور رحمت ان سب کا نتیجہ ہے کہ جس وقت کوئی شخص اس سے رہنمائی حاصل کر لیتا ہے تو دنیا و آخرت میں اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہو جاتی ہے۔ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَآ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ، کُنْتَ کا خطاب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جانب الغربی یہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے نحوی کوفیوں کے نزدیک تو یہ جائز ہے بلا تاویل ہی۔

اور بصری اس اضافت کے قائل نہیں ہیں اس لئے وہ موصوف غربی کا محذوف نکالیں گے غالباً پہلے بھی کافی دفعہ یا چند ایک دفعہ یہ مثال گزری ہے تو جانب الجبل الغربی، الغربی کا موصوف نکال لیا جائے گا۔ آپ طور پہاڑ کی غربی جانب میں نہیں تھے جس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تھا اس وقت آپ جانب غربی میں موجود نہیں تھے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور نہ ہی آپ موجودین میں سے یعنی اس زمانے میں جو لوگ موجود تھے ان میں بھی نہیں تھے اور خاص اس موقع پر بھی موجود نہیں تھے۔

عمر دراز کے باوجود سامان ہدایت سے محرومی:۔

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا لیکن ہم نے پیدا کیں بہت ساری جماعتیں فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ، فَتَطَاوَلَ کا فاعل ہے العمر یعنی ان پر ان کی عمریں دراز ہو گئیں اس کے مفہوم کو مکمل کرنے کیلئے تھوڑا سا محذوف نکالنا پڑے گا یعنی آپ اس موقع پر موجود تو نہیں تھے ہم نے یہ معلومات آپ کو وحی کے ذریعے دی تھیں اور وحی کے ذریعے سے یہ معلومات دینے کی وجہ اور ضرورت یہ پیش آئی کہ لوگوں پر عمریں دراز ہو گئیں پہلی معلومات یہ گم کر بیٹھے اب ان کے پاس ہدایت کا سامان نہیں تھا تو ہم نے ان کو سامان ہدایت مہیا کرنے کیلئے آپ کو اطلاع دی اور آپ پر وحی کی یہ مفہوم ہو گیا اس آیت کا۔ لیکن پیدا کیا ہم نے بہت ساری جماعتوں کو پس دراز ہو گئیں ان پر عمریں۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ، ثَاوِيًا ٹھہرنے والے مثوی ٹھکانے کو کہا کرتے ہیں نہیں تھا تو ٹھہرنے والا ٹھکانہ لینے والا اہل مدین میں تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا کہ پڑھتے ہو آپ ان پر ہماری آیتیں وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ لیکن ہم رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا اور آپ طور کی جانب بھی نہیں تھے جس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی تھی۔

مستضعفین پر اللہ کا احسان:۔

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لیکن ہم نے آپ کو نبی بنایا آپ کی طرف وحی کی تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تا کہ تو ڈرائے ایسے لوگوں کو کہ نہیں آیا جن کے پاس کوئی ڈرانے والا تجھ سے قبل لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں یہاں تک کا مضمون جو آپ کے سامنے آیات میں آیا تو ان میں پہلی آیت اس میں یہ ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور یہ کتاب

کا ملنا یہ اس احسان کی تفسیر ہے جس کا ذکر سورۃ کے شروع میں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مستضعفین پر احسان کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ جو جبار فی الارض تھے فرعون جو کہ علا فی الارض کا مصداق بنا ہوا تھا ان کو تباہ کر دیا ان کو گھٹانے اور مستضعفین کو بڑھانے کا ہم نے جو ارادہ کیا تھا احسان کرنے کا ارادہ کیا تھا اس احسان کو اب سامنے لایا جا رہا ہے کہ جو متکبرین تھے وہ تو سارے کے سارے ہو گئے ہلاک۔ جس طرح سے پچھلی متصل آیتوں میں آیا فَاَخَذۡنٰہُ وَجُنُوۡدَہٗ فَنَبَذۡنٰہُمۡ فِی الۡیَمِّ ان سب کو ہم نے دریا میں پھینک دیا سمندر میں پھینک دیا اس کے بعد جو مستضعفین جو نجات پانے والے ہیں اللہ کا احسان ہوا کہ ان کو کتاب دی گئی جس سے ان کا ائمہ بننے کا گویا کہ سامان مہیا ہوا حتی کہ ہم ان کو امام بنانے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں تو یہ کتاب جس نے موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی امت کو امام کا درجہ دیا اور اس کتاب کی یہ صفتیں ہیں جو آپ کے سامنے عرض کر دی گئیں بصائر ھدی ورحمۃ وہ بصیرت افروز کتاب تھی اس میں ساری کی ساری باتیں ایسی تھیں جو دل کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی تھیں اور صحیح باتوں کی طرف وہ رہنمائی تھی نتیجتاً وہ رحمت تھی یعنی جب ان صحیح باتوں کو کوئی قبول کرے گا ان کے مطابق عمل کرے گا تو اللہ کی رحمت حاصل ہو گی اور یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے دی تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں یہاں تک تو تتمہ ہے اس واقعہ کا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شروع ہوا تھا۔

اور یہ اگلی چند آیتیں ان میں اسی واقعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی دلیل بنایا گیا اور دلیل یہ اس طرح بن گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو بالکل صحیح صحیح ٹھیک ٹھیک ترتیب کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں اور تورات یا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تحریرات جو یہودیوں میں مروج تھیں ان کے اندر بھی یہ واقعہ اس طرح سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہوا نہیں اور آپ علماء یہود کے شاگرد نہیں رہے اور آپ نے کسی مدرسہ میں پڑھا نہیں تو یہ واقعہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟

کسی چیز کو جاننے کے لئے تین ذرائع ہوتے ہیں:۔

کسی خبر کے معلوم ہونے کی چند صورتیں ہوا کرتی ہیں اگر تو وہ کوئی عقلی چیز ہے تو عقل کے ساتھ سوچ کے انسان اس کا حل نکال لیتا ہے کہ بات یوں ہو گی اور آپ جانتے ہیں کہ کسی واقعہ کو تو عقل کے ساتھ مرتب کیا نہیں جا سکتا تو پرانے زمانے میں فرعون کیا تھا اس کے حالات کیا تھے؟ موسیٰ علیہ السلام کس طرح آئے؟ کیا بات ہوئی؟ کیا

نتیجہ نکلا؟ یہ باتیں عقل کے ساتھ جوڑنے کی تو ہیں نہیں پھر دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ اہل علم سے سنا ہو سننے کے ساتھ ہی انسان واقعہ کو معلوم کر لیتا ہے یا یہ ہے کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آ رہا تھا اس وقت خود موجود ہو یہ تین ذریعے ہیں کوئی بات معلوم کرنے کے معقولات میں عقل اور منقولات میں سمع یا مشاہدہ کہ یا یہ کسی سے سنا ہو یا پھر اس کا مشاہدہ کیا ہو۔

آج سابقہ کتب آسمانی کا حال:۔

اور سرورِ کائنات ﷺ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی تھی عقل کے ساتھ تو جوڑا نہیں جا سکتا۔ تاریخی واقعہ کو انسان کس طرح عقل کے ساتھ جوڑ لے اور سنا بھی نہیں اہل کتاب سے واقعہ۔ آپ نے کسی سے شاگردی بھی اختیار نہیں کی اور نہ پہلی کتابیں پڑھیں اور اگر ان سے سنا ہی ہوتا اور ان کی کتابیں پڑھی ہوتی تو پھر واقعہ آپ اسی طرح نقل کرتے جس طرح سے پہلی کتابوں میں موجود ہے یہودیوں نے جس طرح سے نقل کیا لیکن وہ تورات آج بھی موجود ہے اس کو اٹھا کر دیکھیں تو ان واقعات کے اندر وہ روح ہی نہیں جس قسم کی انبیاء علیہم السلام کے واقعہ میں ہوتی ہے ان کتابوں میں واقعات بے ترتیب سے بے ڈھنگے سے نقل کئے ہوئے ہیں تو حضور ﷺ نے اگر ان کے نقل کیا ہوتا تو ویسے ہی نقل کرتے جس طرح سے یہود میں مروج تھا تو آپ نے یہود کے اندر مروج واقعہ جو ان کے اندر چلا آ رہا تھا اس کے خلاف ایک اچھی ترتیب کے ساتھ اس کو واضح کیا۔

وحی کرنے کی وجہ لوگوں پر شفقت ہے:۔

اور دنیا بھی جانتی تھی کہ یہی وجہ ہے کہ مشرکین مکہ جو تھے وہ بھی کوئی اس قسم کا ثبوت مہیا نہیں کر سکے ایسے تو کہتے تھے يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ① کہ اس کو کوئی انسان سکھاتا ہے لیکن وہ کونسا انسان تھا اس کی عظمت لوگوں کے اوپر کیوں نہ بیٹھی اس کو وہ شہرت کیوں نہ حاصل ہوئی جو حضور ﷺ کو حاصل ہوگئی تو اس قسم کا کوئی ثبوت وہ سامنے نہیں لا سکے تو سمع بھی منفی ہے اور آگے کہہ دیا کہ جب یہ واقعہ پیش آ رہا تھا تو آپ اس وقت موجود بھی نہیں تھے جب تورات مل رہی تھی نہ اس وقت آپ طور پر موجود تھے نہ اس زمانے کے موجود لوگوں میں سے آپ ہیں اور نہ ہی آپ مدین میں اس وقت ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اور جب مدین سے سفر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جا رہے تھے جب ہم نے ان کو آواز دی يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ تو آپ اس وقت بھی موجود نہیں تھے تو جو ذریعے ہوا کرتے ہیں کسی بات کو معلوم کرنے کے تو وہ آپ کے پاس نہیں تھے پھر یہ معلومات آپ کو کس طرح سے حاصل ہوگئیں تو

① پارہ نمبر ۱۴: سورۃ نحل: آیت نمبر ۱۰۳

معلومات حاصل ہونے کیلئے اثبات کیا گیا کہ یہ ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی طرف وحی اللہ کی رحمت کے ساتھ آئی ہے اور وحی کرنے کی وجہ لوگوں کے اوپر شفقت ہے کہ یہ ہدایت کا سامان گم کر بیٹھے ان کے پاس ہدایت کا سامان تھا نہیں۔

نبوت لوگوں کے لئے رحمت کا باعث ہے:۔

اس لئے یہ واقعہ کا بیان کرنا بالیقین آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور یہ نبوت ان موجودہ لوگوں کیلئے باعث رحمت ہے ان کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اس واقعہ کو بیان کرنا ان آیات کے اندر رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور دلیل کے طور پر بیان کیا گیا۔ آپ جانب غربی میں نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا یعنی وہ طور جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی وہ غربی جانب تھا تو آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور نہ ہی آپ موجودین میں سے تھے آگے وجہ بیان کر دی آپ کی طرف وحی کرنے کی کہ ہم نے بہت ساری جماعتیں پیدا کیں لیکن ان پر عمریں دراز ہو گئیں اور وہ باتیں گم کر بیٹھیں اور آپ اہل مدین میں رہنے والے بھی نہیں تھے کہ آپ ان پر ہماری آیات پڑھتے ہوں یہی پیغمبرانہ شان آپ کی ہو اور اہل مدین کے حالات کو آپ جان رہے ہوں ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں تو آپ کو ہم نے ہی رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ اس وقت موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغمبری عطا کی تھی۔ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ، وَلٰكِنْ اَعْلَمْنَاكَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ تو رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فعل محذوف کا مفعول یہ ہے یعنی لیکن ہم نے آپ کو اطلاع دی تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے یعنی ہم نے آپ کو اطلاع دی اپنی رحمت کی وجہ سے۔

آپ ﷺ سے پہلے مشرکین مکہ کے پاس کوئی نبی نہیں آیا:۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا آپ کی طرف وحی کیوں بھیجی؟ اطلاع کیوں بھیجی؟ تاکہ آپ ڈرائیں ان لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اس سے مراد مشرکین مکہ ہو گئے کیونکہ مشرکین مکہ جو تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہزارہا سال سے اس علاقے کے اندر کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تو ان لوگوں کو اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرنی چاہیے تھی یہ سب کچھ ہم نے اس لئے کیا تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں اور

اگران کی بدکرداریوں پر ہم پیغمبر بھیجنے کی بجائے عذاب بھیج دیتے تو بھی یہ کوئی زیادتی نہیں کیونکہ یہ شرک کفرڈاکہ زنی بدکرداری یہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کا قبح عقل کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے بغیر رسول کی تنبیہ کرنے کے ہلاک نہیں کیا اور اگر ہم رسول نہ بھیجتے اور اس طرح سے ان کو ہلاک کر دیتے تو کسی نہ کسی درجے میں یہ لوگ عذر کرتے کہ اے اللہ! تو ہماری طرف کوئی سمجھانے والا بھیج دیتا تو ہم سمجھ جاتے اور اب ہم نے یہ حجت بھی پوری کر دی اس لئے ان لوگوں کو چاہیے کہ ہوشیار ہو جائیں اور اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں ورنہ اب عذاب کے آنے میں ظاہری طور پر بھی کوئی عذر باقی نہیں اگلی آیت میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے۔

رسول بھیجنے کی وجہ:۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچتی ان کو کوئی مصیبت ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں فَيَقُوْلُوْا پھر یہ کہتے اے ہمارے رب لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ ہم تیری آیات کی اتباع کر لیتے وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور مؤمنین میں سے ہو جاتے...... اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم رسول نہ بھیجتے بغیر رسول کو بھیجنے کے ان کو عذاب دے دیتے لیکن چونکہ یہ بات ہو سکتی ہے کہ جب ان کے اوپر کوئی مصیبت آئے ان کے کردار کی وجہ سے تو پھر یہ یوں کہیں گے کہ اے اللہ! تو نے ہماری طرف کوئی سمجھانے والا کیوں نہ بھیجا اگر کسی سمجھانے والے کو بھیج دیتا تو ہم تیری آیات کی اتباع کر لیتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم رسول بھی نہ بھیجتے ان کی بداعمالیوں کی بناء پر ویسے ہی ہلاک کر دیتے بس اتنا سا ان کا لحاظ رکھا ہے کہ ان میں رسول بھیج کر ان کو متنبہ کر دیں یہ آخری حجت جو تھی وہ ان پر پوری ہو گئی یہ اگر اب سمجھیں گے نہیں تو پھر ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔

مشرکین مکہ کا قول کہ تورات اور قرآن دونوں جادو ہیں:۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى پھر جب ان کے پاس حق آ گیا ہماری جانب سے تو یہ کہنے لگے کیوں نہیں دیا گیا یہ مثل اس چیز کے جو دیئے گئے موسیٰ علیہ السلام اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ کیا انکار نہیں کیا تھا انہوں نے اس بات کا جو دیئے گئے تھے موسیٰ علیہ السلام ان سے قبل قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا کہا انہوں نے یہ دو جادو ہیں جو آپس میں موافق ہو گئے قَالُوْا کی ضمیر اگر مشرکین مکہ

کی طرف لوٹائیں تو پھر معنی یہ ہوجائے گا کہ مشرکین مکہ یہ کہتے ہیں کہ تورات اس کی باتوں کی تصدیق کرتی ہے قرآن اس کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگر قَالُوْا کی ضمیر فرعونیوں کی طرف لوٹائی جائے تو پھر سِحْرٰنِ ساحران کے معنی میں ہے تو پھر اس کا مصداق ہوں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ان فرعونیوں نے کہا تھا کہ دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہنے لگے ہم تو ہر ایک کا انکار کرنے والے ہیں ہم نہ اس کو مانیں نہ اس کو مانیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق ان کے پاس آ گیا قرآنِ کریم کی شکل میں اور اس نبی کی دعوت کی صورت میں حق ان مشرکین مکہ کے پاس آ گیا۔

مشرکین مکہ کا یہود سے رابطہ:۔

جس وقت یہ حق آیا تو کشاکشی جو شروع ہوگئی تھی مشرکین میں اور مسمانوں میں تو یہود اس سلسلے میں مشرکین کی کچھ نہ کچھ حمایت کرتے تھے بایں طور کہ مشرکین ان کے پاس آتے تھے اور آ کے ان کے سامنے تذکرہ کرتے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور یہ حالات مکہ میں پیش آئے اور وہ چاہتے تھے کہ یہود جو اہل علم ہیں ان سے کچھ شبہات لے کر مسلمانوں کے اندر پھیلائے جائیں تاکہ مسلمان اس نبی کو چھوڑ دیں جو ایمان لے آئیں وہ برگشتہ ہوجائیں یہ ساز باز ان کی، یہ سوال جواب، آنا جانا ان کا شروع ہوگیا تھا یہود سے سیکھ کے آ کے مشرکین سوال کرتے تھے ایسے ہی کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا کہ مشرکین مکہ نے یہود سے تذکرہ کیا کہ ہمارے ہاں ایک شخص ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے یوں ہے ووں ہے تو یہود نے سکھا دیا کہ ان سے کہو اگر تو کوئی پیغمبر ہے تو معجزے کیوں نہیں دکھاتا جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے یا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اکٹھی کتاب دیدی گئی تھی تو آپ مجموعی طور پر اکٹھی کتاب کیوں نہیں لے کر آئے یہ مشرکین نے یہود کے سکھانے سے شبہ آ کر حضور ﷺ کے سامنے نقل کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جا رہا ہے۔

کہ یہ بات تو تب کریں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مان لیا ہو اگر موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو یہ تسلیم کرلیں تو بھی بہت حد تک ان کا جھگڑا ختم ہوجائے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں سوائے ان چند احکام کے جن کو قرآن منسوخ کر رہا ہے باقی ساری کی ساری باتیں وہی ہیں جو قرآنِ کریم میں ہیں موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توحید پھیلاتی ہے توحید کا درس دیتی ہے اور آخرت کی تعلیم دیتی ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے جنت و دوزخ جو کچھ بھی ہے انبیاء و رسولوں کی

باتیں جتنی بھی آسمان کی طرف سے کتابیں آئی ہیں سب میں باتیں ایک جیسی ہیں تو جب یہ قرآن کو نہیں مانتے تو یوں سمجھو کہ اس سے قبل یہ تورات کو بھی جھٹلائے بیٹھے ہیں یہ نہیں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلیم کرلیا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کی کتاب جیسی کتاب آجاتی یا موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات آجاتے تو یہ مان لیں گے تو انہوں نے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں نہیں مان لیا۔

یہ مشرکین مکہ کو کہا جارہا ہے کہ اگر وہی تمہارے نزدیک صداقت کی دلیل ہیں، اور جب تمہارے سامنے تورات پیش ہوتی ہے تو تم اس کی باتوں کو ویسے ہی جادو سمجھتے ہو، جس طرح سے قرآن کی باتوں کو جادو کہتے ہو، اور یہ کہتے ہو کہ جیسے وہ کتاب جیسے یہ، دونوں ایک دوسرے کی معاون ہیں، یعنی وہ زبان سے یہ بات کہتے ہوں یا ان کے حال سے یہ بات مترشح ہو۔ تم تو کہتے ہو کہ یہ تورات اور قرآن دونوں جادو اکٹھے ہوگئے، ہم تو نہ اس کو مانیں نہ اس کو مانیں شرک کی تردید وہ کتاب بھی کرتی ہے، یہ بھی کرتی ہے آخرت کی تعلیم وہ کتاب بھی دیتی ہے، یہ کتاب بھی دیتی ہیں اور انسانوں کا رسول ہونا وہ کتاب بھی بیان کرتی ہے یہ کتاب بھی کرتی ہے جب تم اس کو جادو کہتے ہو تو یوں سمجھو......! تم نے تورات کو بھی جادو کہہ دیا اور جب اس نبی کے معجزات کو تم ماننے کیلئے تیار نہیں تو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو ماننے کیلئے بھی تیار نہیں۔

پھر تو اس آیت کا مفہوم یہ ہو جائے گا، اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى یہ يَكْفُرُوْا کی ضمیر پھر لوٹ جائے گی، مشرکین مکہ کی طرف۔ کیا ان مشرکین مکہ نے انکار نہیں کیا، اس بات کا جو موسیٰ علیہ السلام دیئے گئے، اس سے قبل یعنی کیا یہ ان کی باتیں مانتے ہیں؟ ان کی تورات کو تسلیم کرتے ہیں؟ اور ان پر یہ ایمان لاتے ہیں؟ ان کو یہ سچا سمجھتے ہیں؟ یعنی نہیں سمجھتے، اور حقیقت حال کے اعتبار سے بات کہی جارہی ہے، کہ ان کے نزدیک تو تورات اور قرآن دونوں ہی جادو کی قسمیں ہیں جو ایک دوسرے سے تعاون کررہی ہیں۔

مشرکین اور فرعونی انکارِ حق میں متشابہ ہیں:۔

اور اگر معنی یوں کیا جائے اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا کا مطلب یہ ہے کہ انکار تو کیا فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام کا، فرعونی اور یہ دونوں آپس میں تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ حق کے منکر ہونے کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں تو جب ایک فریق اس کا انکار کر بیٹھا، تو یوں سمجھو......! کہ یہ انکار بھی انہی کا ہے تو یہ کہا جارہا ہے کیا اس سے پہلے ان لوگوں نے یعنی، ان جیسے

لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا انکار نہیں کیا؟ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب آئی تھی تو کیا ان کی برادری کے لوگوں نے اس کو مان لیا تھا، تو جس طرح سے تم لوگوں نے یعنی تمہارے ہم مشربوں نے تم جیسے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اسی طرح سے جب قرآن تمہارے سامنے آیا تم نے اس کو بھی نہیں مانا، انہوں نے بھی کہہ دیا تھا کہ موسیٰ اور ھارون دونوں جادوگر ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اس طرح سے تم بھی اپنے پیغمبر کو کہتے ہو کہ یہ جادوگر ہے، تو مشابہت کے طور پر پچھلے لوگوں کی بات موجودہ لوگوں کی طرف منسوب کردی جاتی ہے۔

لوگ بڑوں کے کاموں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں:۔

جس طرح سے آج کے دور میں آپ دیکھ رہے ہیں......! کہ جب یہ بحثیں آپس میں ہوتی ہیں، آپ لوگ جس وقت وعظ کہتے ہیں علماء دیوبند کی طرف انتساب رکھنے والے تو آپ یہ کہا کرتے ہیں، جس وقت اس ملک کے اوپر انگریز کا تسلط تھا، اور انگریز کی سرپرستی میں عیسائیت پھیلائی جارہی تھی، اس وقت ان کا مقابلہ کرنے والے ہم تھے، اور تم لوگ اس وقت بھی حکومت کے ٹاؤٹ تھے اور حکومت سے وظیفے پاتے تھے، اور ہماری مخالفت کرتے تھے انداز یہی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ یعنی ہم اپنے بزرگوں کے کارناموں کو اپنا کارنامہ قرار دیتے ہیں، اور ان کے جو اسلاف ہیں ان کے کارنامے ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، تم نے اس وقت بھی جاسوسیاں کیں، تم نے اس وقت بھی حکومت کا تعاون کیا، اور اہل حق کی مخالفت کی، اور آج بھی ہم حق کی بات کہتے ہیں تو تم حق کی مخالفت کرتے ہو تو ہمارے بزرگوں نے جو کام کیا تھا اس کو ہم اپنا کام سمجھتے ہیں، اور ان کے اسلاف نے جو کچھ کیا تھا ہم ان کے سر دھرتے ہیں، بالکل قرآنِ کریم نے یہی محاورہ اختیار کیا، سورۃ بقرہ کے اندر، بنی اسرائیل کے قصے سناسنا کے موجودہ لوگوں کو الزام دیا، کہ تم نے نبیوں کو قتل کیا، تم نے حق کی تکذیب کی، تم نے یہ کیا تو اسلاف کی باتیں جو ہیں وہ بعد والوں کی طرف منسوب ہوا کرتی ہیں اس طرح سے فرعونی گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کے منکر اور موسیٰ علیہ السلام کے مکذب ہونے کے اعتبار سے مشرکین کے ہم مشرب ہیں تو ان کو ہم مشرب قرار دے کر کہا جارہا ہے کہ جس طرح سے یہ منکر ہیں وہ بھی منکر تھے، یوں سمجھو......! انہوں نے ہی انکار کیا ہے، ضمیریں یوں لوٹائی جارہی ہیں، کیا مشرکین مکہ نے یا ان کو ہم مشربوں نے انکار نہیں کیا تھا اس کا جو دیئے گئے تھے موسیٰ علیہ السلام، اور کہا انہوں نے یعنی ان کے ہم مشربوں نے یہ دو جادو ہیں، یا پھر سحر، ساحر کے معنی میں ہوجائے گا کہ یہ دو جادوگر ہیں جو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون

کررہے ہیں، اور کہنے لگے کہ ہم تو سب کے ہی منکر ہیں نہ ان کو مانیں نہ ان کو مانیں۔

قرآنِ کریم تورات سے بھی زیادہ کامل واکمل ہے:۔

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے، مشرکین مکہ سے کہا جارہا ہے کہ دیکھو......! تمہارے سامنے دو باتیں ہوگئیں ایک کتاب موسیٰ علیہ السلام کی اور ایک یہ قرآن آ گیا، موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو ماننے کیلئے بھی تم تیار نہیں، کیونکہ اگر ان کی کتاب کو مان لو تو معاملہ بہت قریب آ جائے گا، آخرت کے قائل ہو جاؤ گے، توحید کے قائل ہو جاؤ گے، شرک سے باز آ جاؤ گے، پھر ایک یہی بات رہ جائے گی کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اگلے پیغمبر کو بھی مان لو......! صرف ایک قدم ہی رہ جائے گا جب تم اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں، تو اس کو بھی ماننے کیلئے تیار نہیں، جو تورات سے بھی زیادہ کامل واکمل طریقے سے آیا ہے تحریف سے بچا ہوا ہے، تازہ ترین کلام ہے، تم اس کو بھی ماننے کیلئے تیار نہیں، یہ تمہاری ضد ہے۔

قرآن اور تورات کے انکار سے تم ہدایت پر نہیں آسکتے:۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر قرآن تمہارے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اور تورات بھی قابل قبول نہیں ہے۔ تو ان دونوں سے اچھی کتاب لے آؤ......! ہم تو ضدی نہیں ہیں تم لے آؤ......! کوئی ایسی کتاب۔ تورات اور قرآن سے زیادہ باعث ہدایت کتاب لے آؤ......! اگر تم ایسی کتاب لے آؤ گے......! ہم تسلیم کرلیں گے قضیہ شرطیہ متصلہ کے طور پر ہے، جس میں مقدم اور تالی کے درمیان میں اتصال ہوتا ہے، باقی اس میں وقوعِ مقدم نہیں ہوا کرتا ہے، کہ واقعی اگر وہ کتاب لے آتے اور وہ اللہ کی کتاب نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین کیسے ان کو مان لیتے، یہ محاورے سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اس میں مقدم کے وقوع کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا، جس طرح سے آگے سورۃ زخرف میں آئے گا قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ① اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوں اور بیٹا ہے ہی نہیں تو عبادت کس کی کروں؟ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں ہی پوجنے والا ہوتا، یہاں بھی وہی مقدم اور تالی کے درمیان اتصال ہے ایسے ہی یہاں بھی یہی بات ہے اگر تم کتاب لے آؤ......! جو تورات اور قرآن سے زیادہ باعث ہدایت ہو، زیادہ اچھی باتیں اس کے اندر ہوں تو ہم اس کو تسلیم کرلیں گے......! یہ صرف اپنا منصف ہونا بیان کرنا مقصود ہے کہ ہم میں تو کوئی ضد ہے نہیں، ہم تو

---

① پارہ نمبر ۲۵: سورۃ زخرف: آیت نمبر ۸۱

کہتے ہیں کہ کوئی اچھی بات لاؤ......! ہم تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن لاؤ گے کہاں سے اس لئے یہ تورات اور قرآن اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں، ان کو تسلیم کرنا چاہیے، ان کا انکار کر کے تم کسی صورت میں بھی ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔

یہ مفہوم ہے اس کا آپ کہہ دیجئے لے آؤ تم کوئی کتاب اللہ کی جانب سے جو زیادہ ہدایت کا باعث ہو ان دونوں سے اَهْدٰى هوان دونوں کے مقابلہ میں، زیادہ ہدایت والی ہو ان دونوں کے مقابلے میں اَتَّبِعْهُ میں اس کی اتباع کرلوں گا، اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو......! اور اگر یہ تمہاری بات نہ مانیں کوئی اور کتاب اللہ کی جانب سے نہ لائیں، جو تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو اور واقعہ ہے کہ نہیں لاسکیں گے۔

متبع خواہشات بھٹکا ہوا ہوتا ہے:۔

اگر یہ تمہاری بات نہ مانیں تو پھر آپ یقین کر لیجئے......! اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ یہ صرف اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، اتباع کرتے ہیں یہ لوگ صرف اپنی خواہشات کی وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اور کون زیادہ بھٹکا ہوا ہے، اس شخص سے جو پیروی کرے اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی جانب سے راہنمائی کے بغیر، اللہ کی جانب سے راہنمائی کے خیال کو چھوڑ دے، اور اپنے دلی خیالات کا متبع ہو، خواہشات کے پیچھے چلنے والا ہو اس سے زیادہ بھٹکا ہوا کوئی نہیں ہوتا۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا اگر یہ قبول نہ کریں......! لَكَ اگر یہ آپ کو جواب نہ دیں اس مطالبے کا تو آپ یقین کرلیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اپنی خواہشات کے متبع ہیں اور کون زیادہ گمراہ ہے......! اس شخص سے جو اپنی خواہشات کا متبع ہو، اللہ کی طرف سے بغیر راہنمائی کے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو سیدھی راہ نہیں دیتا جس وقت تک کہ ظالم ظلم نہ چھوڑیں اور سیدھی راہ کو نہ پہچانیں اور حق کی اتباع کرنے کا جذبہ اس میں پیدا نہ ہو اس وقت تک اللہ انہیں ہدایت نہیں دیا کرتا بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

پکی بات ہے کہ ہم نے اپنی بات ان کیلئے مسلسل بھیجی تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۱﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے اپنی کتاب دی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

اس قرآن سے پہلے، وہ اس کتاب کیساتھ ایمان لانیوالے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جب یہ قرآن ان پہ پڑھا جاتا ہے وہ کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿٥٣﴾

کہ ہم اس پہ ایمان لے آئے، بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی جانب سے بیشک ہم اس سے قبل ہی ماننے والے ہیں ﴿۵۳﴾

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

یہی لوگ ہیں کہ دیئے جائیں گے اپنا اجر دو مرتبہ بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا اور دور ہٹاتے ہیں اچھائی کے ذریعے سے

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا

برائی کو اور جو چیز ہم نے ان کو دی اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾ اور جب سنتے ہیں کوئی لغو بات تو اس سے اعراض کر جاتے ہیں

عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫

اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم پر سلام ہو،

لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ

نہیں چاہتے ہم جاہلوں سے الجھنا ﴿۵۵﴾ بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا اس شخص کو جس کو تو چاہے، لیکن

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوْٓا

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ خوب جاننے والا ہے ہدایت پانے والوں کو ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں

اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ

کہ اگر ہم اتباع کریں تیرے ساتھ اس ہدایت کی، تو ہم اُچک لئے جائیں گے اپنے علاقے سے، کیا ہم نے ان کو ٹھکانہ نہیں دیا

لَهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

امن والے حرم میں، کھینچ کھینچ کے لایا جاتا ہے اس حرم کی طرف ہر چیز کو ہماری طرف سے رزق کے طور پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ

لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۝۵۷ کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں جو اپنی معیشت کی وجہ سے

مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا

اکڑنے لگ گئے تھے، پس یہ ہیں ان کے رہنے کی جگہیں آباد نہیں ہوئیں وہ ان کے بعد، مگر

قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

تھوڑی سی اور ہم ہی پیچھے رہنے والے ہیں۝۵۸ اور نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو

حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا

جب تک ان کے مرکز میں رسول نہ بھیج دے ایسا رسول جو پڑھے ان پر ہماری آیات اور نہیں ہیں ہم

مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ

ہلاک کرنے والے بستیوں مگر اس حال میں کہ ان کے اہل ظالم ہوتے ہیں۝۵۹ جو کچھ بھی تم دیئے گئے ہو

شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اسی دنیاوی زندگی کی رونق ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے

وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰ ع

اور زیادہ باقی رہنے والی چیز ہے، کیا تم سوچتے نہیں ہو!۝۶۰

تفسیر

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: وَلَقَدْ تاکید کیلئے، پکی بات ہے ہم نے پہنچایا ان کیلئے

وَصَّلَ یہ توصیل سے ہے جس کا مادہ وصل ہے وصل ملنا ملانا، وَصَلَ یَصِلُ اور توصیل کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اپنی بات ان کیلئے مسلسل بھیجی پے در پے بھیجی، لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں......! اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وہ لوگ جن کو ہم نے اپنی کتاب دی مِنْ قَبْلِهٖ اس قرآن کریم سے پہلے هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وہ اس کتاب کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں، وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور جب یہ قرآن ان پہ پڑھا جاتا ہے قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پہ ایمان لے آئے، اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی جانب سے، اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ بے شک ہم اس سے قبل ہی ماننے والے ہیں، مِنْ قَبْلِهٖ کا معنی اس قرآن کے نزول سے قبل ہی ہم ماننے والے ہیں، یعنی اپنی کتاب کی پیش گوئیوں کے طور پر ہم پہلے ہی تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی کوئی کتاب اترے گی اور وہی کتاب آ گئی اسلام کا معنی ہوتا فرمانبردار بننا کسی کی اطاعت کے اندر اپنی گردن جھکا دینا ہم اس سے پہلے ہی تسلیم کرنے والے ہیں فرمانبردار ہیں اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ یہی لوگ ہیں کہ دیئے جاتے ہیں اپنا اجر دو مرتبہ بِمَا صَبَرُوْا بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا۔ ما مصدریہ ہے یعنی ان کے صبر کے سبب سے، ان کے صبر کرنے کی وجہ سے مستقل مزاج رہے جو حق انہیں معلوم ہوا تھا اس پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اور وہ ہٹاتے ہیں دَرَأَ يَدْرَأُ دفع کرنا دور ہٹانا۔ دور ہٹاتے ہیں اچھائی کے ذریعے سے برائی کو، دور ہٹاتے ہیں حسنہ کے ذریعے سے سیۂ کو، برائی کا دفعیہ اچھائی کے ساتھ کرتے ہیں وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو چیز ہم نے ان کو دی اس میں سے خرچ کرتے ہیں وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اور جب یہ لوگ سنتے ہیں کوئی لغو یا بے ہودہ بات تو اَعْرَضُوْا عَنْهُ اس سے اعراض کر جاتے ہیں یعنی موڑ جاتے ہیں وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تمہارے عمل تمہارے ساتھ ہمارے عمل ہمارے ساتھ یہ، لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ یہ اس لغو بات کرنے والے کو کہتے ہیں اس کے سامنے کوئی لغو بات بے ہودہ بات کرتا ہے تو یہ ان کو کہتے ہیں سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یہ سلام بھی سلام متارکۃ ہے تعلق چھوڑنے والا۔ تم پر سلام ہو لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ نہیں چاہتے ہم الْجٰهِلِيْنَ اس کے اوپر مضاف محذوف کر لیجئے مطلب واضح ہو جاتا ہے لَا نَبْتَغِيْ مُخَالَطَةَ الْجَاهِلِيْنَ ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے، نہیں چاہتے ہم جاہلوں سے الجھنا۔

ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے:۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ: بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا اس شخص کو جس کو تو چاہے هَدٰى يَهْدِيْ کے دو معنی آیا کرتے ہیں راہنمائی تو حضور ﷺ سب کی کرتے تھے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ① دوسری جگہ قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور ایک ہے مقصد تک پہنچا دینا یعنی کسی کے قلب کے اندر ایمان ڈال دینا جس کو آپ ایصال الی المطلوب سے تعبیر کرتے ہیں یہ کام اللہ کا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ میں یہی بات ہے بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا اس شخص کو جس کو تو چاہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ خوب جاننے والا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

مشرکین مکہ کا نظریہ:۔

وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم اتباع کریں تیرے ساتھ اس ہدایت کی، یعنی تیرے ساتھ مل کر اگر ہم اس ہدایت کو مان لیں مَعَكَ کا خطاب حضور ﷺ کو ہے اگر ہم اتباع کریں ہدایت کی تیرے ساتھ، تو ہم اُچک لئے جائیں گے اپنے علاقے سے خَطَفَ اچک لینے کو کہتے ہیں نُتَخَطَّفْ ہم اُچک لئے جائیں گے، یعنی لوگ ہمیں اُچک کے لے جائیں گے ارض سے یہاں ارض مکہ مراد ہے، یعنی اچک لئے جائیں گے، ہم اپنے علاقے سے۔

اہل حرم کو رزق مہیا کرنے کیلئے ہر جگہ سے چیزیں لائی جاتیں ہیں:۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا: کیا ہم نے ان کو ٹھکانہ نہیں دیا امن والے حرم میں يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ، يُجْبٰى کھینچ کھینچ کے لایا جاتا ہے اس حرم کی طرف ہر چیز کے ثمرات کو، ثمرات ثمرہ کی جمع ہے اور ثمرہ پھل کو کہتے ہیں، اور ثمرات کا لفظ صرف درختوں پر پھلوں پر میووں پر ہی نہیں بولا جاتا، یہاں كُلِّ شَيْءٍ ہے ہر چیز کے ثمرات جس کی وجہ سے ہر قسم کی سبزیوں پر ہر قسم کے پھلوں پر ہر قسم کے غلوں پر یہ لفظ بولا جاتا ہے، زمین کی پیداوار زمین کا ثمرہ کہلاتی ہے بلکہ آج کل کے محاورے کے مطابق کارخانوں کی مصنوعات یہ کارخانوں کا ثمرہ ہے كُلِّ شَيْءٍ کے اندر یہ بھی داخل ہے ہر قسم کی نباتات، ہر قسم کی سبزیاں ہر قسم کی پیداوار یہ ثمرات کے اندر داخل ہیں۔ حرم

① پارہ نمبر ۲۵: سورۃ شوریٰ: آیت نمبر ۵۲

کی طرف کھینچ کھینچ کرلائی جاتی ہیں، ہرقسم کی ثمرات ہر چیز سے حاصل ہونے والی آمدنی گویا کہ ثمرات کا مصداق ہوگیا، کارخانوں کی مصنوعات بھی اس میں داخل ہوں گی جس طرح سے آج کل دنیا کے مختلف کناروں سے کارخانوں میں فیکٹریوں میں تیارشدہ مال وہ بھی کھینچ کھینچ کرلایا جاتا ہے، ہرعلاقے میں پیدا ہونے والے غلہ جات، سبزیاں فروٹ یہ کُلِّ شَیْءٍ اس کے اندر تعمیم ہے، ہر چیز کے ثمرات اس کی طرف کھینچ کھینچ کرلائے جاتے ہیں، رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ہماری طرف سے رزق کے طور پر یعنی اہل حرم کیلئے رزق مہیا کرنے کے واسطے سے، ہرجگہ سے چیزیں لائی جاتی ہیں، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن ان میں سے اکثر جانتے ہیں۔

صرفی نحوی اور لغوی تحقیق:۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں بَطِرَ اکڑنا، اترانا حدیث شریف میں جس طرح لفظ آتا ہے کہ حضور ﷺ نے تکبر کی تعریف فرمائی بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ① حق بات سے اکڑنا، حق بات قبول کرنے سے اکڑنا، تو بَطِرَ اکڑنے کو کہتے ہیں اترانے کو کہتے ہیں، اور مَعِيْشَتَهَا یہ جو بظاہر بَطِرَتْ کا مفعول بن رہا ہے، تو بَطِرَتْ میں تضمین کرنی پڑے گی، کیونکہ بَطِرَ لازم ہے، اس کا مفعول بظاہر نہیں آئے گا اس میں كَفَرَتْ والا معنی ہے یعنی وہ اترائیں اپنی معیشت پر جو اللہ نے ان کو دے رکھی تھی، ناشکری کی، یا بَطِرَتْ کے بعد حرف جار محذوف ماننے۔ (روح المعانی)

ناشکری کی وجہ سے کتنی بستیاں ہلاک کردی گئیں:۔

بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا اپنی معیشت کی وجہ سے وہ اکڑنے اور اترانے لگ گئے یا ناشکری والا معنی اس میں مضمن کرلیجئے......! پھر بھی مفہوم ٹھیک ہے کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں جو اترائیں تکبر میں آگئیں اور اپنی معیشت کی انہوں نے ناشکری کی یا اپنی معیشت کی وجہ سے اکڑے نسبت بطر کی قریہ کی طرف کردی گئی ہے اور اصل اہل قریہ مراد ہیں فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ پس یہ ہیں ان کے رہنے کی جگہیں مساکن مسکن کی جمع ہے ٹھہرنے کی جگہ فَتِلْكَ سے اشارہ کردیا، کیونکہ وہ بستیاں ٹھہرنے کی جگہ معروف تھیں قوم لوط کی بستیاں قوم ثمود کی بستیاں ان کی تجارت کے راستوں پر واقع تھیں تو یہ اشارہ کردیا گویا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے یہی ہیں ان کے مکانات ٹھہرنے کی جگہیں لَمْ تُسْكَنْ ان مساکن میں سکونت نہیں اختیار کی گئی، ان کے بعد اُجڑ گئے ویران ہوگئے ان کی کروفر ختم

① مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳۳ باب الغضب والکبر، فصل اوّل، بحوالہ مسلم

ہوگئی، اِلَّا قَلِیْلًا کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بستیاں جو برباد کی گئیں تھیں، ان میں آباد نہیں ہوئیں، مگر تھوڑی سی جس طرح سے سورۃ ھود میں ذکر کیا تھا مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ① کہ ان میں سے بعض بستیاں اب بھی قائم ہیں جس طرح سے فرعون کا شہر ہوگیا اور بعضے دوسرے شہر کہ جن کے باشندے تباہ و برباد ہوگئے تھے لیکن وہ شہر کسی نہ کسی درجے میں آباد بھی تھے اور بعض بالکل ہی ختم ہوگئیں ان کا نام ونشان بھی ختم ہوگیا تو قَلِیْلًا کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کچھ مساکن آباد ہوئے اور اکثر و بیشتر اسی طرح ویران رہ گئے ان میں آبادی نہیں ہوئی اور قَلِیْلًا کا معنی زَمَانًا قَلِیْلًا بھی ہوسکتا ہے کہ نہیں آباد کئے گئے ان ہلاک ہونے والوں کے مساکن مگر کچھ وقت کیلئے آباد ہوئے۔ جیسے کوئی چرواہے گڈریے یا سیاح قسم کے لوگ یا کوئی مسافر چلتا ہوا تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جائے اتنی سی اس میں آبادی نظر آتی ہے باقی عام طور پر وہ ویران پڑے ہیں تو قَلِیْلًا کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ اور ہم ہی پیچھے رہنے والے ہیں ہم ہی وارثین میں سے ہیں یعنی وہ سارے کے سارے تباہ ہوگئے برباد ہوگئے اور ہم پیچھے رہ جانے والے ہیں۔

بستیوں کی ہلاکت کی وجہ:۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى اور نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا جب تک کہ نہ بھیج دے (حتی کہ بعد جس طرح سے نفی کا ترجمہ کیا جاتا ہے) فِیْۤ اُمِّهَا ھا کی ضمیر قرٰی کی طرف لوٹ رہی ہے، ام کہتے ہیں مرکز کو تو ام القریٰ کا معنی ہے بستیوں کا مرکز اس سے مراد ہوتا ہے شہر کیونکہ شہر جو ہوتا ہے وہ اردگرد کی ملحقہ بستیوں کا مرکز ہوتا ہے ایسا تو ممکن ہے کہ ایک بستی میں واقعہ پیش آجائے اور ساتھ والی بستیوں کو پتہ نہ چلے لیکن جو واقعہ شہر میں پیش آجائے وہ سارے علاقے میں مشہور ہوجاتا ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ صبح کو آپ دیکھتے ہیں......! کہ لوگ اپنی ضروریات کیلئے شہر کی طرف آنا شروع ہوجاتے ہیں اور شام کے وقت واپس بستیوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں تو جو واقعہ شہر میں پیش آجائے یا اس قسم کا کوئی حادثہ ہو وہ بستیوں میں فوراً پہنچ جاتا ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اکثر و بیشتر انبیاء کو مرکزی مقامات پر بھیجا ہے کہ یہاں کی تعلیمات میں اشاعت زیادہ ہوتی ہے تو جب تک ان بستیوں کے مرکز میں اللہ تعالیٰ رسول نہ بھیج دے اس وقت تک وہ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو جس وقت تک کہ نہ بھیج دے ان کے مرکز میں کوئی

① پارہ نمبر ۱۲: سورۃ ھود: آیت نمبر ۱۰۰

رسول ان کے مرکز میں یہ حاصل ترجمہ کر رہا ہوں ان بستیوں کے مرکز میں یعنی ان بستیوں کا مرکزی شہر جس کی طرف وہ بستیاں منسوب ہوتی ہیں جب تک ان کے مرکز میں رسول نہ بھیج دے ایسا رسول يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا جو پڑھے ان پر ہماری آیات وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ مگر اس حال میں کہ ان کے اہل ظالم ہوتے ہیں جب تک ان بستیوں والے ظلم کا ارتکاب نہ کریں کفر و شرک کا ارتکاب نہ کریں حقوق العباد اور حقوق اللہ کی حق تلفی کا۔ظلم میں سب کچھ آ جاتا ہے جب ظالم ہوتے ہیں تب ہی ہلاک کرتے ہیں۔

دنیا کا سامان چندروزہ ہے:۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔مِنْ شَيْءٍ یہ ما کا بیان ہے جو کچھ بھی تم دیئے گئے یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے متاع کہتے ہیں چندروزہ فائدہ اٹھانے والی چیز کو، دنیاوی زندگی کا سامان ہے وَزِيْنَتُهَا اور اسی دنیاوی زندگی کی رونق ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والی چیز ہے اپنی حیثیت میں دنیا کے ساز و سامان کے مقابلے میں بہتر بھی ہے اور دَائِماً اَبَداً حاصل ہوگا اس لئے زیادہ دیر تک باقی رہنے والی چیز ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو......!

أَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ

کیا پھر وہ شخص جس سے ہم اچھا وعدہ کرلیں پھر وہ اس وعدے کو ملنے والا ہو کیا وہ شخص اس کی طرح ہوسکتا ہے؟

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

جس کو ہم دنیاوی زندگی میں تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں پھر وہ قیامت کے دن حاضر کیے ہوؤں میں سے ہو ﴿٦١﴾

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

اور جس دن اللہ انہیں آواز دے گا، پھر کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کو تم میرے شرکاء

تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

سمجھا کرتے تھے ﴿٦٢﴾ کہیں گے وہ لوگ جن کے اوپر بات ثابت ہوگئی اے ہمارے رب! یہی لوگ ہیں

الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ

جن کو ہم نے بہکایا۔ ہم نے ان کو بہکایا جیسا کہ ہم خود بہک گئے تھے ہم تیری طرف بیزاری کا اظہار کرتے ہیں،

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿٦٣﴾ کہا جائے گا کہ بلاؤ اب اپنے شرکاء کو پس مشرکین ان کو بلائیں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور وہ شرکاء جواب نہیں دیں گے ان کو، اور یہ سب آنکھوں کے سامنے عذاب کو دیکھیں گے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ لوگ صحیح راستہ پالیتے ﴿٦٤﴾

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ

جس دن اللہ انہیں آواز دے گا پس کہے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ ﴿٦٥﴾ گم ہوجائیں گی

عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ

ان کے اوپر خبریں اس دن پھر یہ آپس میں پوچھ گوچھ بھی نہیں کرسکیں گے ﴿٦٦﴾ لیکن جو شخص توبہ کرلے

وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور ایمان لائے، تو توقع ہے کہ یہ فلاح پانے والے ہو جائیں ﴿۶۷﴾

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ان لوگوں کیلئے اختیار نہیں اللہ تعالیٰ بلند ہے

اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

پاک ہے ان لوگوں کے شریک ٹھہرانے سے ﴿۶۸﴾ اور تیرا رب جانتا ہے، ان باتوں کو جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى

اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۶۹﴾ وہی اللہ ہے اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں، اسی کیلئے حمد ہے دنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۙ وَلَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

اور آخرت میں، اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۷۰﴾ آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو!

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

اگر اللہ تم پر رات بنادے دائمی قیامت کے دن تک، تو کون ہے

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

معبود اللہ کے علاوہ جو لے آئے تمہارے پاس روشنی۔ کیا تم سنتے نہیں ہو ﴿۷۱﴾ آپ کہہ دیجئے! دیکھو!

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

اگر اللہ تمہارے اوپر دن کو دائمی بنادے قیامت کے دن تک تو کون

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

معبود ہے اللہ کے علاوہ جو تمہارے پاس رات کو لے آئے کہ جس میں تم سکون کرو کیا تم دیکھتے نہیں ہو ﴿۷۲﴾

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ
یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے بنادیا تمہارے لئے دن اور رات کو تا کہ تم اس میں آرام کرو
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
اور اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو ﴿۷۳﴾ اور جس دن اللہ انہیں آواز دے گا
فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ نَزَعْنَا
پس کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جو تم سمجھا کرتے تھے ﴿۷۴﴾ اور ہم ہر جماعت سے
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ
ایک شہید نکالیں گے پھر ہم کہیں گے لے آؤ تم کوئی دلیل پس یہ سب لوگ جان لیں گے کہ حق سارے کا سارا
لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع
اللہ ہی کا ہے اور گم ہو جائیں گی ان سے وہ سب باتیں جو یہ گھڑا کرتے تھے ﴿۷۵﴾

تفسیر

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا: کیا پھر وہ شخص جس سے ہم اچھا وعدہ کرلیں، فَهُوَ لَاقِيْهِ پھر وہ اس وعدے کو ملنے والا ہو، اس سے آخرت کی نجات، آخرت کی کامیابی مراد ہے، كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کیا وہ شخص اس کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم دنیاوی زندگی میں تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں؟ ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ پھر وہ قیامت کے دن محضرین میں سے ہو، محضر یعنی حاضر کیا ہوا یہاں سے گرفتار کیا ہوا ذلت کے ساتھ مراد ہے، گرفتار کر کے جو لائے ہوتے ہیں وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ يُنَادِي کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دیں گے فَيَقُوْلُ پھر وہ کہے گا اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ کہاں ہیں وہ شرکاء جن کو تم میرے شرکاء سمجھا کرتے تھے، كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے تَزْعُمُوْنَ شُرَكَآءِيَ جن کو تم گمان کیا کرتے تھے کہ میرے شرکاء ہیں قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ کہیں گے وہ لوگ جن کے اوپر بات ثابت ہوگئی، بات سے

مراد عذاب کی بات جن کے بارے میں عذاب طے شدہ ہے، اوران لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ ہمارے اوپر بات صادق آ گئی ہم نے جہنم میں جانا ہے کہیں گے وہ لوگ جن کے اوپر بات ثابت ہوگئی رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَغۡوَیۡنَا اپنے شرکاء کی طرف اشارہ کر کے۔کہیں گے اے ہمارے رب......! یہی لوگ ہیں الَّذِیۡنَ اَغۡوَیۡنَا غوِیَ ہوتا ہے گمراہ ہونا، اور اَغۡوٰی گمراہ کرنا، اور اَغۡوَیۡنَا کا معنی ہے ہم نے گمراہ کیا تو یہ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَغۡوَیۡنَا یہ قول ہوگا شرکاء کا یعنی وہ شرکاء بول پڑیں گے، اور حَقَّ عَلَیۡهِمُ الۡقَوۡلُ کا مصداق وہ شرکاء ہو جائیں گے، یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے گا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں......! جن کو تم میرے شرکاء سمجھا کرتے تھے تو یہ سوال اگرچہ مشرکین سے ہیں، لیکن وہ شرکاء شیاطین بھی وہیں موجود ہوں گے وہ بھی سمجھیں گے......! کہ اب ہماری کمبختی بھی آ ئی اس لئے فوراً بول پڑیں گے۔

گمراہ لوگ قیامت کے دن کیا کہیں گے؟:۔

اے ہمارے رب......! یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نے بہکایا لیکن اَغۡوَیۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَیۡنَا ہم نے انہیں بہکایا، فَغَوَوۡا كَمَا غَوَیۡنَا فَغَوَوۡا یہ فعل درمیان میں نکالنا پڑے گا، تب جا کے اس آیت کا مضمون ٹھیک بنتا ہے یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا پھر یہ اپنے اختیار کے ساتھ بہک گئے اس طرح سے جیسے ہم اپنے اختیار سے بہکے تھے اَغۡوَیۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَیۡنَا جس طرح سے ہم گمراہ ہوئے تھے ہم نے ان کو بہکایا تو اپنے اختیار کے ساتھ یہ بھی گمراہ ہو گئے جس طرح سے ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا اسی طرح سے ہم نے بھی ان پر جبر نہیں کیا گمراہی کی ذمہ داری انہیں پر ہی ہے ہم پر نہیں کیونکہ ہم نے تو صرف وسوسہ ڈالا تھا جس طرح اپنے اختیار کے ساتھ ہم غلط راستہ اختیار کئے بیٹھے تھے انہوں نے بھی اپنے اختیار کے ساتھ غلط راستہ اختیار کیا یہ بات ویسی ہے جس طرح سے سورۃ ابراہیم میں شیطان کا وعظ آپ کے سامنے آیا تھا جب جہنمی اکٹھے ہو کے جائیں گے اس خطیب جہنم کے پاس جہنم میں جا کر کہیں گے کہ تو ہی ہوتا تھا سب سے آگے بہکانے والا آج تو ہمارے کچھ کام آ سکتا ہے؟

خطبہ شیطان جہنم میں اپنے متبعین کو:۔

وَقَالَ الشَّیۡطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الۡاَمۡرُ ① تو جس وقت بات طے ہو جائے گی شیطان پھر کہے گا کہ خطبہ جو اس نے جہنم میں اپنے ماننے والوں کو دینا ہے سورۃ ابراہیم میں گزرا ہے وہاں اس نے یہی کہا ہے کہ میں نے تو صرف

① پارہ نمبر ۱۳: سورۃ ابراہیم: آیت نمبر ۲۲

تمہیں مشورہ دیا تھا تمہارے ساتھ میں نے وعدہ کیا تھا اور کچھ وعدے اللہ نے بھی تمہارے ساتھ کئے تھے تم بیوقوف تھے میرے وعدوں پر اعتبار کر لیا اور اللہ کے وعدوں کو چھوڑ دیا مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ یہ لفظ گزرے تھے وہاں پر۔ میرا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تو صرف اشارہ کیا تھا باقی اپنے اختیار کے ساتھ تم خود ہی چلے ہو۔ نہ تم میرے کام آسکتے ہو اور نہ میں کچھ تمہارے کام آسکتا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فوراً کہیں گے کہ اللہ......! ہم نے ان کو بہکایا تو ہے جس طرح سے ہم اپنے اختیار سے خود بہکے تھے، ہمارے اغواء کرنے کے ساتھ ہمارے بہکانے کے ساتھ، اپنے اختیار سے یہ بہکے ہیں، اس لئے تَبَرَّأْنَا اِلَيْكَ ہم تیری طرف بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، ان سے ہم کہتے ہیں کہ ان کے گمراہ ہونے کی ذمہ داری ہمارے اوپر نہیں ہے، ہم بیزار ہوتے ہیں آپ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے۔

شرکاء سے کون سے شرکاء مراد ہیں؟:۔

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے، بلکہ یہ اپنے خیالات کو اپنی شہوات کو پوجتے تھے ہماری عبادت کرنے والے نہیں تھے تو یہ ان شرکاء کا قول ہوگا جو کہ شیاطین کے درجے کے خود گمراہ ہوں گے یہاں جن شرکاء کا تذکرہ آرہا ہے یہ شرکاء مکہ کے ہیں تو اہل مکہ کے شرکاء جنات تھے شیاطین تھے باقی یہاں انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اولیاء انبیاء اپنے آپ کو خود کیسے کہیں گے؟ كَمَا غَوَيْنَا تو یہاں سے شیاطین مراد ہیں ان کے شرکاء ملائکہ انبیاء وغیرہ تھے تو ان کا ذکر یہاں نہیں ہے یہاں ان کا ذکر ہے جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہی میں ڈالنے والے ہیں اس لئے اللہ کے دربار میں وہ اقرار کر رہے ہیں، کہ ہم نے گمراہ تو کیا لیکن ہمارے گمراہ کرنے کے بعد گمراہ یہ خود اپنے اختیار سے ہوئے، جس طرح سے ہماری گمراہی کی ذمہ داری کسی دوسرے پر نہیں ہے، ہم پر ہی ہے اس طرح ہمارے اشارہ کرنے کے ساتھ، یہ بھی زبردستی گمراہ نہیں ہوئے، بلکہ اپنی مرضی سے ہوئے ہیں بہکانا تو ہمارا کام ہے، لیکن بہکنے کی ذمہ داری ہم پہ نہیں، بلکہ اپنے اختیار کے ساتھ یہ راستہ انہوں نے چنا ہے، تَبَرَّأْنَا اِلَيْكَ ہم تیری طرف تبری کرتے ہیں ان سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں آپ کی طرف، یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ اپنے خیالات کو اپنی شہوات کو ہی پوجتے تھے وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ کہا جائے گا کہ بلاؤ......! اب اپنے شرکاء کو جن کو تم سمجھتے تھے کہ ہمارے شفیع ہیں، ہمارے کارساز ہیں ہمارے وقت

یہ کام آنے والے ہیں فَدَعَوْهُمْ مشرکین بدحواسی میں انہیں پکاریں گے فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا وہ شرکاء جواب نہیں دیں گے مشرکین کو وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور یہ سب لوگ آنکھوں کے سامنے عذاب کو دیکھیں گے......! اس وقت یہ تمنا کریں گے لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ لوگ صحیح راستہ پانے والوں میں سے ہوتے......! یا ہدایت یافتہ ہوتے یہ لَوْ تمنائیہ ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ لوگ راہ پانے والے ہوتے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ جس دن اللہ انہیں آواز دے گا فَيَقُوْلُ پس کہے گا۔

مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ میرے رسول جو آئے تھے انہوں نے آکے تمہیں راہِ حق کی طرف بلایا تھا تو تم نے کیا جواب دیا تھا فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ گم ہوجائیں گی ان کے اوپر خبریں یعنی کچھ نہیں بول سکیں گے حواس باختہ ہوجائیں گے ان کو کوئی جواب نہیں آئے گا دنیا میں رسولوں کے مقابلہ میں بہت حجت بازی کرتے تھے، لیکن وہاں بالکل سب خبریں پوشیدہ ہوجائیں گی، عَمِيَتْ چھپ جائیں گی ان کے اوپر خبریں يَوْمَئِذٍ اس دن فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ پھر یہ آپس میں پوچھ گوچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا لیکن جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کی بدحالی تو آپ نے دیکھ لی......! اور جو ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ان کے متعلق یہ توقع ہے کہ یہ فلاح پانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں جب عَسٰى آتا ہے تو ایک وعدے کا پہلو ہوتا ہے یعنی ان لوگوں کو اپنے متعلق امیدوار رہنا چاہیے کہ یہ فلاح پانے والے ہیں۔

ہر چیز میں اللہ مختار ہے:۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور پسند کرتا ہے جو چاہتا ہے، يَخْتَارُ کا تعلق احکام کے ساتھ ہے خلق میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح سے جو احکام وہ دینا چاہے وہ وہی حکم پسند کرتا ہے کسی دوسرے کا کوئی حکم نہیں چلتا جس طرح سے آگے وَلَهُ الْحُكْمُ آئے گا یا يَخْتَارُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور اس کو شرف اور فضیلت بخش دیتا ہے جس طرح سے فرشتوں میں سے فضیلت بخشی جبرائیل و میکائیل اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام ان

چار فرشتوں کو اور انسانوں میں فضیلت بخشی مختار بنایا انبیاء علیہم السلام کو رسولوں کو اور رسولوں میں سے سب سے زیادہ مختار بنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنی پسندیدہ بنایا اور اسی طرح آسمانوں میں آسمان کے مختلف حصوں کو مختلف حصوں پر فضیلت دی زمین کے مختلف حصوں کو مختلف حصوں پر فضیلت دی تو یہ سارے کا سارا اللہ کا کام ہے جس چیز کو چاہے پسند کرے یا احکام میں سے جس حکم کو چاہے پسند کرے دونوں مطلب درست ہیں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ جن کو یہ لوگ اختیار دیئے بیٹھے ہیں پسند ناپسند کا کہ جو یہ لوگ چاہیں گے۔ غلط کہیں گے تو غلط ہے اس قسم کے اختیار کسی کو نہیں احکام دینا کسی اور کا کام نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی اور حکم دینا چاہے کسی کام کو پسند کرنا چاہے کہ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور دلائل توحید:۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ تعالیٰ بلند ہے پاک ہے ان لوگوں کے شریک ٹھہرانے سے وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ اور تیرا رب جانتا ہے ان باتوں کو جو ان کے سینے چھپاتے ہیں وَمَا يُعْلِنُوْنَ اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ اسی کیلئے حمد ہے اولیٰ میں اور اخریٰ میں دنیا میں اور آخرت میں تمام صفاتِ کمال ثابت ہیں دنیا میں اور آخرت میں وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اسی کیلئے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا آپ کہہ دیجئے......! اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات بنا دے دائمی سَرْمَدًا کے معنی دائمی یعنی ہمیشہ رات ہی رہے اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت تک اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات دائمی بنا دے قیامت کے دن تک یعنی رات ہی رہے کبھی دن نہ آئے مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ کون ہے معبود اللہ کے علاوہ جو لے آئے تمہارے پاس روشنی؟ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا تم بتلاؤ اگر اللہ تمہارے اوپر دن کو دائمی بنا دے اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن تک مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ کون معبود ہے؟ اللہ کے علاوہ جو تمہارے پاس رات کو لے آئے تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ کہ جس میں تم سکون کرو......! اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ میں رات کا فائدہ ذکر کر دیا اور پیچھے دن کے ذکر میں کوئی فائدہ ذکر نہیں کیا يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ کیونکہ وہ بات تو واضح ہے دن کی روشنی میں ہم کام کاج کرتے ہیں سارے

کام دن کی روشنی میں ہوتے ہیں کون ہے جو تمہارے پاس دن لے آئے؟ جس میں تم کام کاج کرو......! اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرو......! یہ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ کے مقابلے میں دن کی طرف یہ بات واضح ہو جائے گی اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے نہیں وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے بنا دیا تمہارے لئے دن اور رات کو تا کہ تم اس میں آرام کرو......! اور اس کا فضل تلاش کرو......! لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ کا تعلق لیل کے ساتھ ہے وَلِتَبْتَغُوْا کا تعلق نہار کے ساتھ ہے یعنی یہ اللہ کی رحمت سے ہے کہ اس نے بنا دیا رات اور دن کو تا کہ تم آرام کرو تا کہ تم اس کا فضل رزق تلاش کرو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ اِن نعمتوں سے فائدہ اٹھا کے اللہ کا شکر ادا کرو......! وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے گا فَيَقُوْلُ کہے گا اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جو تم سمجھا کرتے تھے وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا اور ہم ہر جماعت سے ایک شہید نکالیں گے نزع کا معنی ہے نکالنا یعنی کھڑا کریں گے۔ ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کھڑا کریں گے اور اس شہید کا مصداق اس امت کا نبی ہے۔

فَقُلْنَا پھر ہم کہیں گے هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ لے آؤ تم کوئی دلیل؟ برھان دلیل قطعی کو کہتے ہیں فَعَلِمُوْٓا پس یہ سب لوگ جان لیں گے کہ اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ کہ حق سارے کا سارا اللہ ہی کا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اور گم ہو جائیں گی ان سے وہ سب باتیں جو یہ گھڑا کرتے تھے اس قسم کی حجت بازیاں کیا کرتے تھے جو دلائل دیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائیں گے۔

تفسیر:۔

① پچھلے رکوع میں وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ...... اس آیت میں تورات کا ذکر تھا اللہ تعالیٰ نے جو کتاب انہیں دی تھی موسیٰ علیہ السلام کی امت کو، وہ لوگوں کیلئے سرمایہ بصیرت بھی تھی ہدایت و رحمت بھی تھی اور دی اس لئے تھی تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں انہوں نے کتاب کی بے قدری کی نہ مانا دنیا و آخرت میں خسارے میں رہے اب اس رکوع میں سرور کائنات ﷺ کی امت کیلئے کہا جا رہا ہے کہ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ان کو بھی ہم نے یہ کتاب دی تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہم نے ان کیلئے بھی مسلسل بات پہنچائی قرآنِ کریم تھوڑا تھوڑا کر کے

① یہاں سے حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ مزید گذشتہ تین رکوع میں موجود اہم امور کی وضاحت فرما رہے ہیں (از عمیر شاہین)

اتارا، مسلسل اتارا، لگاتار اتارا لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں لَعَلَّهُمْ کی ضمیر قرآن کریم کے مخاطبین کی طرف ہے جیسے پچھلے رکوع کے آخر میں کلام کا رجحان ان کی طرف ہی ہوگیا تھا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ کہ اگر یہ بات قبول نہیں کرتے اس قرآنِ کریم سے کوئی اچھی کتاب لا کے پیش نہیں کرتے......! اور اس کو بھی نہیں مانتے تو سمجھ لیجئے......! کہ خواہشات کے بندے ہیں خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں اور جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہ کرے اور خواہشات کے پیچھے چلے اس سے زیادہ بھٹکا ہوا کوئی شخص نہیں ہے اور ایسے ظالم لوگ سیدھا رستہ پانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ انہیں اب یاددہانی کروائی جارہی ہے کہ فائدہ اٹھاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے بات اتاری تھوڑی تھوڑی کر کے مسلسل لگاتار تاکہ تمہارے لئے سمجھنا آسان ہو تمہاری نصیحت کیلئے آسان ہو۔

علمائے بنی اسرائیل کی حقانیتِ قرآن کے متعلق شہادت:۔

اب یہ جو قول اللہ تعالیٰ نے اتارا قرآنِ کریم مشرکین کو سمجھانے کیلئے جس طرح سے سورۃ شعراء کے آخر کے اندر آیت آئی تھی اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ① کیا ان لوگوں کیلئے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ اس قرآن کریم کو علماء بنی اسرائیل جانتے تھے۔ علماء بنی اسرائیل میں سے جو حق پرست تھے انہوں نے اس قرآن کو قبول کیا شہادت دی کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر تورات میں انجیل میں کیا گیا ہے اور پیش گوئیاں موجود ہیں نصاریٰ میں سے بھی ایسے اہل حق تھے شاہ نجاشی اور اس کے مصاحبین۔ یہود میں سے بھی اہل حق تھے جس طرح سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم مسلک ساتھی جنہوں نے اس کتاب کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور شہادت کے پیش کیا سورۃ رعد کی آخری آیت میں جس کا ذکر ہے یہی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جو کہا کرتے تھے کہ اس کا مصداق میں ہوں ② میں گواہی دیتا ہوں یہی کتاب ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تو جیسے جگہ بجگہ علماء بنی اسرائیل کی شہادت اللہ نے اس قرآنِ کریم کی حقانیت کیلئے بیان کی مشرکین کو سمجھانے کیلئے تو یہاں بھی آگے کچھ نصاریٰ عیسائی علماء کے جو حبشہ سے آئے تھے اور آ کر انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا ان کی جو کیفیات تھیں ان کو ذکر کر کے مشرکین کو سمجھایا جارہا ہے کہ دیکھو......! جن کو ہم نے کتاب دی تھی جنہوں نے اس کتاب کو سمجھا تھا اس کے اوپر صحیح

---

① پارہ نمبر ۱۹: سورۃ شعراء: آیت نمبر ۱۹۷
② درمنثور۔ سورۃ رعد کی آخری آیت کے تحت

طور پر ایمان لائے تھے انہوں نے اس کتاب کو سن کے کس طرح قبول کیا؟ کس طرح ایمان لائے؟ کس طرح اچھے جذبات کا اظہار کیا؟ تو گویا کہ ان علماء کے قبول کر لینے کو مشرکین کے سامنے رکھ کر کہا جا رہا ہے، جب اہل علم اس بات کو قبول کرتے ہیں تو تمہیں ان پر ہی اعتماد کر لینا چاہیے اگلی آیتوں کا تعلق ماقبل کے ساتھ یہ ہے۔

علمائے نصاریٰ کی حقانیت قرآن کے متعلق شہادت:۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ اس قرآن کے آنے سے پہلے ہم نے جن کو کتاب دی ہے اس کتاب کا مصداق یہاں انجیل ہے کیونکہ شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ان لوگوں کی تائید میں اتری ہیں جو نصرانی تھے اہل انجیل تھے اور قرآنِ کریم کی بات سن کے انہوں نے اس کو قبول کر لیا یعنی عیسائی علماء۔ تو یہاں کتاب کا مصداق ہوگا انجیل اور موقع محل کے مطابق دوسری جگہ کئی مقامات پر اس کتاب سے تورات بھی مراد ہے اور وہ جو عیسائی علماء تھے تورات کے حامل بھی تھے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے موسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے تھے اس لئے اگر الکتاب کا مصداق تورات وانجیل ان سب کو لے لیا جائے تو بھی گنجائش ہے وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیات پڑھیں گئیں تو فوراً انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ یہ ہے مرکزی چیز جو بتانی مقصود ہے کتاب کو سنتے ہی وہ پہچان گئے لَمَّا سَمِعُوْا عَرَفُوْا سنتے ہی انہوں نے اس چیز کو پہچان لیا اور یہ نعرہ لگا دیا اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ کہ یہ حق بات ہے ہمارے رب کی طرف سے آئی ہوئی ہے یہ ساتویں پارے کی ابتدائی آیات جب انہوں نے اس بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ کو سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ① اس حق کو پہچاننے کی وجہ سے وہ دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی حق ہے جس کے ہم منتظر تھے وہ ہمارے رب کی طرف سے آ گیا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ہم تو اس کے آنے سے پہلے ہی مانے بیٹھے تھے کہ ایک ایسی کتاب آنے والی ہے۔

دوہرے اجر کے مستحق لوگ:۔

تو گویا کہ ایک ایسی حقیقت تمہارے سامنے آ گئی اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ہمیں یقین تھا کہ ایسا ہونے والا ہے تو حق پرست علماء نے تو اس کو اس طرح سے لپک کر قبول لیا جو ان کے امید کے مطابق ہی سامنے آئی اس میں یہ بات واضح ہوگئی کہ تورات اور انجیل کو صحیح طور پر سمجھنے والے اور پڑھنے والے منتظر تھے کہ ایسی کتاب آنے

---

① پارہ نمبر ۷، سورۃ مائدہ، آیت نمبر ۸۳

والی ہے تو جس وقت کتاب ان کے سامنے آ گئی تو وہ پہچان گئے اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ میں یہی تاثر دیا جارہا ہے گویا کہ وہ اس کے آنے سے پہلے منتظر تھے کہ یہ کتاب آئے گی اور انہوں نے کہا کہ ہم تو آنے سے پہلے ہی اس کو قبول کئے بیٹھے تھے اپنی کتاب کی پیش گوئیوں کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ نے آگے ان کی تعریف کی ہے کہ یہ لوگ ہیں جن کو ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا مَّرَّتَيۡنِ دو دو مرتبہ ان کو اجر دیا جائے گا جیسا کہ احادیث کے اندر تفصیل ذکر کر دی گئی کہ سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جن کو ان کے عمل پر دوہرا ثواب ملتا ہے ان میں سے ایک وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے پہلے نبی پر ایمان لائے اہل کتاب جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لائے اور جب حضور ﷺ کی بات سامنے آئی تو آپ پر بھی ایمان لے آئے قرآنِ کریم میں ان کیلئے دوہرے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ستائیسویں پارے کی آخری سورت کے آخری رکوع میں يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ اور حدیث شریف میں بھی ذکر ہے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نوازا جو پہلے انبیاء پر بھی ایمان لائے اور پھر آپ ﷺ پر بھی ایمان لائے ان کا ہر معاملے میں ثواب دوگنا ہے ① ان کو فضیلت حاصل ہے یہی لوگ ہیں جن کو ان کا اجر دیا جائے گا دو مرتبہ بِمَا صَبَرُوۡا ان کے مستقل رہنے کی وجہ سے صبر کا معنی ہوتا ہے استقلال حَبۡسُ النَّفۡسِ عَلٰى مَا تَكۡرَهُ جو چیز نفس کو ناگوار ہے اس کے اوپر اپنے نفس کو پابند کر کے رکھا جائے اور یہ صبر و استقامت ہی ہے جس کی وجہ سے انسان حق کے اوپر جمتا ہے یعنی اس قرآنِ کریم کے آنے سے پہلے جنہوں نے حق کو قبول کیا اور حق کو قبول کرنے میں جتنی بھی تکلیفیں اور مشکلیں آئیں انہوں نے برداشت کیں اپنے نفس کو پابند رکھا اور جس وقت یہ حق ان کے سامنے قرآنِ کریم کی شکل میں آیا تو بھی قبول کر لیا کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ ہماری مخالفت کریں گے طعن و تشنیع کریں گے ہمیں الزام دیں گے ہمارے دنیاوی مفاد کو نقصان پہنچے گا انہوں نے اس حق کو بھی قبول کر لیا اور اس پر بھی صبر و استقامت دکھائی تو صبر والی صفت ہے جو انسان کو حق کے اوپر جماتی ہے تو یہ صبر کرنے والے تھے صبر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجر دوگنا دے گا۔

اہل حق کا اہل باطل کیساتھ برتاؤ:۔

يَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ یہ لوگ برائی کو اچھائی سے دفع کرتے ہیں یہ ان کی خوش خلقی کا ذکر ہے برائی کا

① تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۴۷/ تفسیر الطبری ج ۱۹ ص ۵۹۵/ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۹۰/ مسند الحمیدی ج ۲ ص ۲۹/ سنن الدارمی ج ۳ ص ۱۴۴۰/ صحیح البخاری باب فضل من اسلم من اھل الکتابین

مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کے ساتھ بُرائی کرتے ہیں حق کو قبول کرنے کی بناء پر ان کو طعنے دیتے ہیں ملت کے غدار، قوم کے غدار، اپنے آبائی دین کے دشمن، اس قسم کے طعن و تشنیع لوگ کرتے ہیں تو یہ ان کی طعن و تشنیع کا جواب نرمی سے دیتے ہیں لوگ ان کو پتھر مارتے ہیں یہ دعائیں دیتے ہیں لوگ ان کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں یہ آگے سے بھلی بات کہتے ہوئے گزر جاتے ہیں، تو یہ دفع کرتے ہیں بُرائی کو اچھائی کے ساتھ۔

یہ مفہوم ہے اس کا۔ موقع محل کے مطابق اس کا ترجمہ ہے، دفع کرتے ہیں بُرائی کو اچھائی کے ساتھ، ورنہ عام طور پر اس کا مفہوم یوں بھی ہو جایا کرتا ہے، کہ اگر ان سے کوئی بُرا کام ہو جائے تو فوراً اس کے بعد اچھا کام کر لیتے ہیں تاکہ اس بُرائی کے اثر کو مٹا دیں، اور اگر یہ کسی انسان کے ساتھ کوئی بُرا سلوک کر بیٹھیں......! تو فوراً اچھا سلوک کرتے ہیں تاکہ اس بُرے سلوک کا اثر ختم ہو جائے۔

حدیث شریف میں جہاں اس قسم کے جملے آتے ہیں تو اس کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں لیکن یہاں موقع محل اس کا یہ ہے کہ اس دین حق کے قبول کرنے کی بناء پر لوگ ان کے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں طعن و تشنیع کرتے ہیں بدزبانی کرتے ہیں لیکن یہ ان کی بدزبانی کا جواب بدزبانی سے نہیں دیتے بلکہ ان کی اس برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹال دیتے ہیں وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے۔ اس صفت کو یہاں بھی ذکر کیا جا رہا ہے کہ ان کی خوش اخلاقی ان کا صبر و تحمل کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بتائی جا رہی ہے کہ یہ دنیاوی محبت میں مبتلا نہیں۔

اکثر لوگ مفاد پرستی کی وجہ سے حق سے محروم رہتے ہیں:۔

ورنہ اکثر و بیشتر لوگ جو حق سے محروم رہتے ہیں، وہ حُبِ دنیا کی بناء پر محروم رہتے ہیں، ان کو یہ خیال ہوتا ہے اگر ہم نے حق قبول کر لیا تو ہمارا فلاں مفاد ختم ہو جائے گا۔ ہم نے حق قبول کر لیا تو ہمارا یہ نقصان ہو جائے گا، اور باطل کے قبول کرنے میں ہمیں یہ مالی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو وہ اللہ کے راستے میں اپنے مالی مفاد کی قربانی نہیں دے سکتے اس لئے حق کو قبول کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں لیکن یہ جنہوں نے حق کو لپک کر قبول لیا ہے کہ یہ اللہ کے راستے میں قربانی دینا جانتے ہیں، جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، اور جب خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل کے اندر مال کی محبت نہیں ذخیرہ اندوزی ان کے اندر نہیں ہے، یہود کے اندر یہی بات تھی

کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنے مفاد کی قربانی نہیں دے سکتے تھے،اس لئے اس مفاد پرستی کی بناء پر اکثر و بیشتر یہودی باطل کے جھنجھٹ میں رہ گئے، حق کو قبول نہیں کیا تو جن کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی عادت ہوتی ہے، ان کو حق قبول کرنے کی توفیق بہت جلدی ہوتی ہے، کیونکہ حق کو قبول کرنے میں زیادہ تر رکاوٹ دنیا کی محبت ہوتی ہے، آج بھی کتنے لوگ ہیں جو محض حق کو دنیا کے مفاد کیلئے چھوڑتے ہیں، جیسے ہمارے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ اکثر و بیشتر نوکری اور چھوکری (لڑکی) کے شوق میں لوگ مرزائی ہوتے ہیں، اور اس طرح سے مالی مفاد حاصل کرنے کیلئے، لوگ عیسائی ہوتے ہیں۔ مال کی محبت اور دنیا کی محبت ہے جو انسان کو حق سے محروم کرتی ہے، حق کو قبول کرنے سے روکتی ہے، اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی عادت یہ علامت ہے اس بات کی کہ دل میں مال کی محبت نہیں ہے جب مال کی محبت نہیں ہے تو ان کو مالی مفاد کی قربانی میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

اہل حق بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں:۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ یہ بھی ان کے بارے میں ہے گویا کہ يَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ کی تفصیل ہے کہ اگر ان کے سامنے کوئی آدمی بے ہودہ بات کرتا ہے، لغوبات یہ سنتے ہیں، تو اس سے منہ موڑ جاتے ہیں، یہ ہمیشہ قاعدہ ہوتا ہے اگر آپ بھی کہیں اہل باطل میں پھنس جائیں تو اہل باطل آپ کو چھیڑنے کیلئے مختلف قسم کی باتیں کریں گے......! طعن و تشنیع، مذاق اڑانا، بس میں بیٹھے ہوئے بعض اوقات لوگ اس قسم کی باتیں چھیڑنے کی کوشش کرتے ہیں، مولوی کا مذاق اڑانا شروع کر دیں گے تا کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ باتوں میں متوجہ ہوں، بحث ومباحثہ چلے کوئی وقت اچھا گزر جائے، وقت بازی کیلئے لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے، چھیڑ چھاڑ کی، تو جب یہ لغو قسم کی بات سنتے ہیں تو اعراض کر جاتے ہیں، اور انہیں کہہ دیتے ہیں بھئی تمہارے لئے تمہارے عمل، ہمارے لئے ہمارے عمل، جو کچھ ہم نے اختیار کر رکھا ہے، اس کی ذمہ داری ہم پر ہے، جو کچھ تم اختیار کئے بیٹھے ہو اس کی ذمہ داری تم پہ ہے، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ تم پر سلام ہو یعنی ہمارا پیچھا چھوڑ دو یہ سلام سلام متارکت ہے۔

جاہلوں سے زبانی نہیں مگر عملی اعراض ہو:۔

جس طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں بھی آیا تھا ہمارا سلام ہو لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ یہ زبان سے

کہنا ضروری نہیں ہوتا، یعنی اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے، زبان سے کہتے ہیں کہ بھئی سلام ہو تم پر اور عمل ان کا یہ بتاتا ہے کہ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے کیونکہ زبان سے اگر یہ اظہار کیا جائے کہ بھئی تم تو جاہل ہو اس قسم کے اعتراضات کرتے ہو جاہلوں کے ساتھ اُلجھنا ہمارا کام نہیں ہے، یہ بات اُلٹا ان کے ساتھ الجھاؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہاں مطلب یہ ہے کہ سلام کر کے گزر جاؤ اور اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دو......! کہ جاہلوں سے اُلجھنا ہمارا کام نہیں ہے، ہم ان کے ساتھ اُلجھ کے اپنا وقت کیوں ضائع کریں......! تو یہ تعریف تھی ان لوگوں کی جنہوں نے حق کو قبول کیا، اور ان کے ذکر سے مشرکین کے دماغ پر یہ اثر ڈالنا مقصود ہے کہ دیکھو......! جو پہلے سے ہی کتاب کا علم رکھنے والے ہیں، اور وہ حق پرست ہیں ان کے دل میں کوئی دنیا کی محبت نہیں، یہی قرآن جب ان کے سامنے پیش کیا گیا، تو وہ سمجھ گئے کہ یہ تو وہی کتاب ہے جس کے ہم منتظر تھے، اور پہلی کتابوں میں اس کا ذکر ہے، تو انہوں نے کس طرح لپک کے اس کو قبول کر لیا، اور آگے ان کے تعریفی کلمات ذکر کر دیئے گئے۔

ابوطالب کی آپ ﷺ کے ساتھ ہمدردیاں:۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یہ سرورِ کائنات ﷺ کیلئے ایک تسلی ہے حضور ﷺ کے حقیقی چچا ابوطالب جو کہ آپ ﷺ کے سرپرست اور متولی تھے، آپ کی عمر تقریباً آٹھ سال کی تھی جس وقت کہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب فوت ہو گئے تھے، اور آٹھ سال کی عمر میں سرورِ کائنات ﷺ ابوطالب کی سرپرستی میں آ گئے، ابوطالب نے اپنے اس بھتیجے کو اولاد کی طرح پالا اور ہر قسم کی ان کی کفالت کی، جوان ہونے کے بعد اپنی سرپرستی میں ان کی شادی کروائی، کاروبار میں ان کو ساتھ شریک کیا تجارتی سفر میں گئے، سرورِ کائنات ﷺ نے جب اعلانِ نبوت کیا تو سارے قریش مخالف ہو گئے، لیکن ابوطالب ہمدرد تھے، اور قریش کی مخالفتیں مول لیں، حتیٰ کہ جب وہ موقع آیا جب سارے مشرکین نے اتحاد کر لیا تھا، کہ ان کا بائیکاٹ کر دیا جائے جو حضور ﷺ کے ساتھ ہیں تو تین سال تک ساری برادری نے بائیکاٹ کیا، تو حضور ﷺ کے ساتھ ابوطالب بھی شریک تھے، جس کو آج کل کے محاورے میں آپ کہہ لیں کہ حضور ﷺ کی محبت میں تین سال تک جیل کاٹی کیونکہ ایک علاقے میں محصور جو ہو گئے تھے نہ کوئی خرید و فروخت کرے، نہ کوئی شادی بیاہ کرے، نہ کوئی ملے ملائے، نہ کوئی بولے، تو کیا یہ جیل سے کم حالات ہیں؟ شعب

ابی طالب کے اندر بند ہو کر رہ گئے اپنے علاقے کے اندر کوئی ان کے ساتھ واسطہ نہیں ڈالتا تھا فقر و فاقہ جو مصیبتیں تھیں برداشت کیں تین سال تک حضور ﷺ کے ساتھ اس مصیبت میں شریک رہے اور اپنی اولاد میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بھی کہا مسلمان ہونے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے عقیل اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے عقیل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں وہ پہلے مسلمان نہیں تھے، بعد میں مسلمان ہوئے تھے، یہ ساری کی ساری مصیبتیں اٹھائیں اور نبوت کے بعد بھی تقریباً دس سال تک حضور ﷺ کا ساتھ انہوں نے دیا، نبوت کے دسویں سال جا کے ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔

ابوطالب کا آخری وقت اور اس پر حضور ﷺ کا کلمہ پیش کرنا:۔

اور جب ان کی وفات ہونے لگی ہے اس وقت حضور ﷺ ان کے پاس گئے، کلمہ انہوں نے نہیں پڑھا تھا، مسلمان نہیں ہوئے کافر رہتے ہوئے حضور ﷺ کے ہمدرد تھے، مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں ابوجہل اور دوسرے بھی بیٹھے ہیں یعنی اس وقت میں سارے کے سارے موجود تھے حضور ﷺ بھی موجود ہیں آپ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ چچا کلمہ پڑھ لیں......! ایک دفعہ ہونٹ ہلا دو اس کلمے کے پڑھنے کے ساتھ میں تمہارے ہونٹ ہلتے دیکھ لوں تاکہ میں اللہ کے سامنے تمہاری سفارش کر سکوں......! یہ ابوجہل وغیرہ جتنے دوسرے بیٹھے تھے وہ دوسری طرف متوجہ کرتے تھے کہ دیکھ ابوطالب......! کہیں آخری وقت میں اپنے آباء واجداد کا دین نہ چھوڑ دینا، اِدھر سے وہ زور لگا رہے تھے، اُدھر سے حضور ﷺ ترغیب دے رہے تھے۔

ابوطالب کا حضور ﷺ کو جواب:۔

لیکن ابوطالب نے آخری آخری بات جو کہی وہ یہ کہی کہ اے بھتیجے......! میں کلمہ پڑھ کے تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں یہ کہیں گی کہ آخری وقت میں ابوطالب ڈر کے بھتیجے کا کلمہ پڑھ گیا، ① یہ قریش کی عورتیں طعنے دیں گی گویا کہ یوں کہا اِخْتَرْتُ النَّارَ عَلَى الْعَارِ میں آگ تو برداشت کر سکتا ہوں لیکن یہ عار برداشت نہیں کر سکتا اور آخری بات یہ کی کہ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ② میں اپنے باپ عبدالمطلب کے طریقے پر ہی جا رہا ہوں، یہ آخری فیصلہ ابوطالب نے دیدیا عار نہیں برداشت کر سکتا کہ عورتیں کہیں

① دیکھئے تفسیر مظہری۔ اور صحیح ابن حبان ج ۱۴ ص ۱۶۷ میں ہے یَا ابْنَ اَخِیْ لَوْلَا اَنْ تُعَیِّرَنِیْ قُرَیْشٌ لَاَقْرَرْتُ عَیْنَیْكَ بِهَا اور درمنثور ج ۶ ص ۴۲۹ سورۃ قصص کی اسی آیت کے تحت ابوسہل کے حوالے سے ہے لَا یُعَیِّرُنِیْ نِسَاءُ قُرَیْشٍ بَعْدِیْ اِنِّیْ جَزِعْتُ عِنْدَ مَوْتِیْ

② بخاری ج ۱ ص ۱۸۱، ج ۱ ص ۵۴۸، ج ۲ ص ۷۰۳، ج ۲ ص ۸۹۳، مسلم ج ۱ ص ۴۰

گی کہ آخر وقت میں اس نے اپنے بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا، لہٰذا میں آگ تو برداشت کرسکتا ہوں مگر یہ عار نہیں، اس وقت حضور ﷺ مایوس ہو کر وہاں سے روتے ہوئے اٹھے، اللہ تعالیٰ نے پھر یہ تسلی دی کہ ہدایت دینا، کسی کے قلب میں ایمان ڈال دینا، یہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں، اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت پانے والے ہیں کون اس قسم کی اہلیت قابلیت رکھتے ہیں جن کے قلب کے اندر ایمان ڈال دیا جائے، آپ ﷺ اس بارے میں پریشان نہ ہوں۔

ابوطالب کے متعلق اہل السنۃ والجماعت کا مسلک:۔

اس لئے اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے، روایات صحیحہ کے اندر جو آیا ہوا ہے کہ ابوطالب دنیا سے بغیر ایمان کے گیا، کفر کی حالت میں اس کا خاتمہ ہوا۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جہنم کے اندر جتنے لوگ ہوں گے ان سب میں سے کم عذاب جو ہے وہ ابوطالب کو ہوگا، کیونکہ اس نے سوائے اس کے ایمان قبول نہیں کیا، باقی کوئی عداوت حضور ﷺ کے ساتھ نہیں کی، محبت میں وقت گزارا، محبت خیر خواہی ہمدردی سب کچھ کی ہے، لیکن ایمان سے محروم رہا تو جنت میں نہیں جائے گا، جہنم سے نکلے گا نہیں، لیکن حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کے ساتھ حُسن سلوک کی برکت سے اتنا ہوگا، کہ جہنم کے اندر اس کا عذاب سارے جہنمیوں سے اَخَفّ اور اَھْوَن ہوگا جس کی تفصیل یہ ذکر کی گئی کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس کے پاؤں میں صرف آگ کی دو جوتیاں ہوں گی۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ صرف ٹخنوں تک وہ آگ میں ہوگا باقی سارا بدن اس کا آگ سے بچا ہوا ہوگا① لیکن پاؤں میں آگ کی جوتیاں اس کا وہی مطلب ہے کہ ٹخنوں تک آگ میں ہوگا، اس کے اثر سے اس کا دماغ اس طرح سے کھولتا ہوگا، جیسا کہ ہانڈی ابلتی ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ جتنا سخت عذاب مجھے ہے شاید اتنا سخت عذاب کسی کو نہیں، یہ تفصیل احادیث میں موجود ہے اور جب ابوطالب مرے تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کے حضور ﷺ کو اطلاع دی ان لفظوں کے ساتھ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اِنَّ عَمَّكَ الضَّالَّ قَدْمَاتَ ② یا

---

① صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۴۸

② تفسیر الماتریدی ج ۲ ص ۳۵۱/ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۴/ مسند احمد ج ۱ ص ۵۱۸/ مصنف عبدالرزاق ج ۶۶ ص ۳۹/ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۰/ سنن ابی داؤد باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک/ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۱۵۰/ سنن نسائی باب مواراۃ المشرک/ مسند ابی یعلیٰ ج ۱ ص ۳۳۵

رسول اللہ! آپ کا گمراہ چچا مر گیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا جاؤ اس کو جا کر مٹی میں چھپا دو......! جس طرح سے دفن کرنے کی عادت ہے، یعنی اسلامی طریقے سے غسل کفن اس طرح تو نہیں کیا گیا، نہ قبر کے اندر سنت طریقے کی رعایت، نہ کفن دفن میں، تو ان کی قبر اس احاطے میں ہے جو جنت المللاء کا پرانا احاطہ ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی ادھر ہی ہے اور اس جگہ کو حکومت نے محصور کر کے دیوار بنا کے قفل لگا کر مقفل کیا ہوا ہے، چونکہ رافضی شیعہ جو ہیں یہ ابو طالب کے ایمان کے قائل ہیں چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ہیں اور یہ وہاں جا کر کچھ گڑ بڑ کرتے تھے، جس کی بناء پر حکومت نے اس حصے کو مقفل کر دیا ہے، وہاں کوئی آ جا نہیں سکتا۔ ویسے ایک پھاٹک میں سے وہ قبور نظر آتی ہیں، اسی احاطے میں حضور ﷺ کے صاحبزادے جو مکہ معظمہ میں فوت ہوئے ان کی قبریں ہیں، اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی وہیں ہے، تو اس طرح سے ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، تو یہ آیت حضور ﷺ کے لئے تسلی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کہ جس کو تو چاہے اس کو ہدایت نہیں دے سکتا، کہ جس کے متعلق چاہے اس کے دل میں ایمان ڈال دے، یہ تیرا کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مُوضِحُ القرآن میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے بارے میں بہت سعی کی، کہ یہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لیں، اس نے قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت اتری یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو کہ دل چاہتا ہو کہ فلاں مسلمان ہو جائے، ایمان لے آئے ہدایت پا جائے اور ایسا ضرور ہو کر رہے، تو یہ نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے آپ ﷺ کا کام صرف راستہ بتانا ہے آگے منزل مقصود تک کون پہنچتا ہے اور کون نہیں پہنچتا؟ یہ آپ ﷺ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے، اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق دے۔

ابو طالب کے کفر و ایمان کو خاص موضوع بحث بنانا غیر ضروری ہے:۔

تنبیہ: جو کچھ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے، اس سے زائد اس میں کلام کرنا اور ابو طالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنا لینا غیر ضروری ہے بہتر یہی ہے اس قسم کی غیر ضروری اور پُر خطر بحث میں کف لسان کیا جائے، (تفسیر عثمانی) بیان القرآن میں بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات لکھی

ہے اور حوالہ روح المعانی کا دیا ہے روح المعانی والے کہتے ہیں کہ صحیح احادیث سے اگر چہ یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک معلوم ہوتا ہے صحیح احادیث میں یہی مضمون آیا ہے جو کہ اوپر آیا ہے لیکن غیر ضروری طور پر ابو طالب کے ایمان کفر میں بحث کرنا ٹھیک نہیں عام گفتگو کے اندر۔ کیونکہ یہ تو صحیح ہے کہ اس شخص کو ایمان نصیب نہیں ہوا لیکن حضور ﷺ کے محبین میں سے ہے اور آپ کے ساتھ اس نے بہت اچھا برتاؤ کیا ہے تو بلا وجہ کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرنا خصوصاً ابو طالب کا برائی سے تذکرہ کرنا بلا وجہ بہتر نہیں ہے اور ہوسکتا ہے سرور کائنات ﷺ کیلئے ناگواری کا باعث ہو جائے اس لئے اس موضوع پر بلا ضرورت زیادہ گفتگو مناسب نہیں۔

گذشتہ رکوع کا خلاصہ:۔

اس رکوع کے شروع کی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین مکہ کی طرف اپنے قول کو مسلسل لگا تار اتارنے کا ذکر کیا تھا، اور ان لوگوں کو ایمان لانے کی ترغیب دی تھی، اور اس ترغیب کے ضمن میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا تھا، جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے، ان کی تعریف بھی تھی اور ان کی اچھی صفات کا اظہار بھی تھا، اور آگے حضور ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا تھا کہ ان کو ہدایت دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں، اس لئے آپ ﷺ اپنی دعوت دیتے رہیں، اس میں بھی ایک قسم کی سرزنش ہے، مشرکین کیلئے کہ جو دولت تمہاری طرف بھیجی گئی ہے، دور دور سے لوگ اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے آرہے ہیں، چنانچہ یہ اہل کتاب جن کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہوا ہے، اس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں، کہ یہ حبشہ سے کچھ لوگ آئے تھے، جو کہ عیسائی تھے، نصرانی تھے، انہوں نے سنا ان مسلمانوں سے جو یہاں سے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے، تھے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وہاں سے آئے، اور آکر انہوں نے حضور ﷺ سے گفت وشنید کی، اور آپ ﷺ سے قرآنِ کریم سنا، اور سنتے ہی ایمان لے آئے، اس بات کا اظہار کیا یہ تو بالکل ان پیش گوئیوں کے مطابق ہے، جو ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں، اور یہ واقعی اللہ کی طرف سے آئے ہیں، اور اس کے آنے سے پہلے ہی اس کو تسلیم کرنے والے تھے، اور ان کی اچھی صفات کا ذکر کیا گیا، کہ دور دور سے آنے والے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، یہ دولت تمہارے گھر آرہی ہے، اور تم اس سے نظریں چرائے ہوئے ہو، تنبیہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ادھر سے حضور ﷺ کو کہا جارہا ہے، کہ ان کو راہِ ہدایت پر لانا آپ کا کام نہیں، آپ ﷺ اپنی طرف سے دعوت دیتے رہیں، اللہ کو منظور ہوگا جس کے

اندر کوئی صلاحیت ہوگی، جو سمجھنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان ڈال دے گا، باقی آپ زبردستی کسی کو مومن نہیں بنا سکتے، خصوصیت کے ساتھ ابوطالب کے متعلق بھی ہے یہ بات جیسا کہ پہلے آپ کی خدمت تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

اہل مکہ کا احترام کیوں کیا جاتا تھا؟:۔

اس دعوت ایمانی کے بعد مشرکین مکہ کی طرف سے ایمان لانے میں جو رکاوٹ ہوتی تھی، جس قسم کے شبہات میں وہ مبتلا تھے۔ اگلی آیات میں ان کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے سے پہلے آپ یہ بات یاد رکھئے......! کہ مشرکین مکہ تمام اہل عرب کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں شخصیات کا احترام سارا عرب بھی کرتا تھا اس نسبت کی بناء پر ان کا مقام یہ تھا جو آج کی اصطلاح میں پیرزادوں کا اور شیخ زادوں کا ہوتا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس گھر کی تعمیر کی تھی بیت اللہ کی، اس کا احترام بھی تمام عرب کے دل میں تھا اور ہر سال یہ لوگ حج کرنے کیلئے آتے تھے اور اس کے اردگرد کا علاقہ مکمل طور پر تمام اہل عرب کے نزدیک محرم تھا اس میں لڑنا قتل وقتال کرنا وہ لوگ جاہلیت میں بھی حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو اپنے باپ کا بھی قاتل مل جاتا تو وہ اس کے اوپر کسی قسم کی دست درازی نہیں کرتا تھا اس کے خلاف مشتعل نہیں ہوتا تھا اتنا احترام اس بیت کا تمام عرب کے قلوب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا تھا تو یہ مشرکین مکہ اس گھر کے مجاور تھے تو یہ دوسری عظمت حاصل ہوگئی کہ جو بیت سب عرب کے نزدیک محترم ہے یہ قوم مشرکین مکہ اور قریش یہ اس کے متولی سمجھے جاتے تھے اور اس کے مجاور تھے یہ ایک مستقل وجہ تھی پھر اس کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ نے تمام عرب سے اپنے تعلق استوار کئے ہوئے تھے اور ان تعلقات سے فائدہ اٹھاتے تھے اپنی تجارت میں گرمیوں کے موسم میں یہ شام کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے۔

سردیوں کے موسم میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور یہی تجارت ان کیلئے ذریعہ گزران تھی کیونکہ مکہ کے علاقہ میں نباتات اور پیداوار نہیں ہے ان کا گزارا تجارت پر تھا ساری دنیا کا سامان یہاں سمٹ کے آتا تھا اور یہاں کی چیزیں بکتی تھیں اور یہ سامان اٹھا اٹھا کے یمن کے علاقے میں پہنچاتے باوجود اس بات کے کہ سارے عرب کے اندر غارت گری تھی لوٹ مار تھی ڈاکہ زنی تھی لیکن ان مشرکین مکہ کا سب احترام کرتے تھے ان کے قافلوں کے ساتھ

کوئی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا ایک تو وہی ان کی شیخ زادگی پیرزادگی اس کا باعث تھی دوسرے بیت اللہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے ان کا احترام تھا اور تیسرے ان لوگوں نے باہر تعلقات استوار کر رکھے تھے اور ان تعلقات کی نوعیت یہ تھی کہ ہر قبیلے کا ایک بت انہوں نے بیت اللہ کے اندر رکھا ہوا تھا اور اس بت کی وجہ سے وہ قبیلہ یہاں آنے پہ مجبور تھا آتے تھے زیارت کیلئے اور مشرکین بھی چونکہ ان کے بت کا احترام کرتے تھے اس لئے یوں بھی گویا کہ مذہبی طور پر باہر ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا تو یہ جو تین سو ساٹھ بت ① مشہور ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کے اردگرد رکھے ہوئے تھے یہ صرف قریش کے نہیں تھے بلکہ اردگرد کے قبائل جس قسم کے بتوں کو پوجتے تھے وہ بت بھی انہوں نے یہاں رکھے ہوئے تھے تو گویا کہ مکہ معظّمہ کو مذہبی مرکزیت حاصل تھی تمام قبائل کے نزدیک اور قیادت اس کی مشرکین مکہ کر رہے تھے یہ پوزیشن تھی ان کی اس وقت۔

سرداران مشرکین مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجوہات:۔

تو جس وقت سرورِ کائنات ﷺ نے توحید کی آواز اٹھائی، اور بتوں کی مخالفت کی، کہ اللہ کے علاوہ جتنے اِلٰہ بنا رکھے ہیں، ان سب کو چھوڑ دو......! اور صرف اللہ کو پوجو......! تو مشرکین مکہ کے جو قائدین تھے، ابوجہل، ابولہب، اور اس طرح کہ جتنے بھی لوگ تھے جن کو قیادت حاصل تھی، وہ یہاں ایک مشکل محسوس کرنے لگ گئے، وہ کہنے لگے کہ یہ بات جو ہمارے سامنے کہی جا رہی ہے، اگر ہم اس کو قبول کرتے ہیں تو یہ ہمارے آباؤ اجداد کے طریقے کے بھی خلاف ہے، ہم اپنے آباؤ اجداد کو جہنمی کس طرح قرار دے سکتے ہیں؟ اس طریقے کے بھی خلاف اور دوسری بات یہ ہے کہ ہماری دنیاوی زندگی کیلئے بھی موت کے مترادف ہے، اور یہ مختلف قبیلوں کے بت ہم نے سنبھال رکھے ہیں، جن کی بناء پر ہمیں سارے ملک میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ہم ان بتوں کو توڑ دیں، یہاں سے نکال دیں اور ان لوگوں کو گمراہ کہنا شروع کر دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یکدم سارا عرب ہمارے خلاف ہو جائے گا، اور ہمارے تجارتی راستے پُر امن نہیں رہیں گے، اور لوگ ہمیں لوٹ لیں گے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جب ہم مرکز میں رہتے ہوئے سب قبائل کی مخالفت کریں گے، تو سارے قبائل متحد ہو کے، ہمیں اس مرکز سے نکال کر خود مرکز پہ غالب ہو جائیں گے، تو مکہ معظّمہ پر وہ قابض ہو جائیں گے، ہمیں اٹھا کر باہر کر دیں گے ہم اکیلے سارے عرب کا مقابلہ کس طرح سے کریں گے؟ یہ خطرات تھے جو وہ لوگ محسوس کرتے تھے کہ اس دعوت توحید کو

① بخاری ج ا ص ۳۳۶ باب ھل تکسر الدنان، مسلم ج ۲ ص ۱۰۴

قبول کرنے کے بعد ہماری زندگی کس طرح سے ہوگی؟ ہماری تو معیشت تباہ ہو جائے گی تجارت برباد ہو جائے گی، اور خود ہمارا مرکز جو ہے یہ خطرے میں پڑ جائے گا، سب قبیلوں کے ساتھ اگر مخالفت مول لیں تو سارے قبیلے اتفاق کر کے آئیں تو اپنے بتوں کو یہاں محفوظ کر لیں اور اگر ہم ان کی مخالفت کریں تو ہمیں یہاں سے نکال بھگائیں اور مرکز پر وہ قبضہ کر لیں......! یہ تو خطرہ ہی خطرہ ہے ہم اس دعوت کو قبول کر کے ساری دنیا کی مخالفت مول نہیں لے سکتے یہ خطرہ تھا جو اس زمانے کے قومی لیڈر محسوس کرتے تھے بالکل اسی طرح سے آج بھی جو قوم کی قیادت کرنے والے لیڈر ہیں ان کو جس وقت کہا جاتا ہے کہ تم اسلامی طریقے کو کامل و مکمل طریقے سے اپناؤ......! تو وہ اس قسم کی مشکلات محسوس کرتے ہیں کہ دنیا میں رہنا ہے، باہر کے ملکوں سے تعلقات ہیں باہر کے ملکوں سے لین دین ہے، ہم یکسر ساری چیزوں کو تبدیل کر کے رکھ دیں......! تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم ساری دنیا سے کٹ کر رہ جائیں تو دنیا میں ہم زندہ کس طرح سے رہیں گے؟ جو طور طریقہ اپنایا جا رہا ہے جس طرز کے اوپر دنیا چل رہی ہے، آخر ہم وقت کس طرح سے گزاریں گے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

کلمہ توحید کو قبول کرنے سے عرب وعجم تمہارا تابع ہوگا:۔

اور سرورِ کائنات ﷺ بار بار انہیں دعوت دیتے تھے، اور ان الفاظ کے ساتھ دعوت دیتے تھے کہ لا الہ الا اللہ پڑھ لو اس کے ساتھ تمہیں دنیا و آخرت میں کامیابی ہوگی، یہ ایک ایسا کلمہ ہے اگر تم اس کو قبول کر لو گے سارا عجم بھی تمہارے تابع ہو جائے گا، اور عرب پر بھی تمہاری حکومت ہوگی، ① ان لوگوں کی عقل یہاں تک نہیں پہنچتی تھی، وہ سمجھتے تھے اس مشرکانہ زندگی کے اندر ہماری خوشحالی ہے، اگر ہم اس مشرکانہ زندگی کو چھوڑیں گے، تو سارے عرب کے ساتھ تصادم ہوگا، تجارت برباد ہو جائے گی، اور یہ مرکز بھی ہمارا نہیں رہے گا، وہ اس توحید کے قبول کرنے کو اپنی موت سمجھتے تھے، اور سرورِ کائنات ﷺ ان کے سامنے یہ کہہ رہے تھے کہ اسی میں تمہاری زندگی ہے، اور اسی میں تمہاری برتری ہے، اگر اس کلمے کو تم قبول کر لو گے تو عرب وعجم سب تمہارے تابع ہو جائیں گے، اور تمہاری حکومت قائم ہو جائے گی، یہ تھی ذہنی کشاکشی، جو مشرکین کے ذہنوں میں پیدا ہو گئی تھی، اور وہ اس کو قبول کرنے میں یہ خطرات محسوس کر رہے تھے، اور اس وقت ان کو جو خوشحالی حاصل تھی جو راحت و آرام حاصل تھا اس کو وہ قربان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب یہ نقشہ بن گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے اس شبہ کو ان آیات میں زائل کرتے ہیں پہلے تو ان

---

① ترمذی ج ۲ ص ۱۵۸

کے شبہ کا ذکر ہے کہ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم ہدایت کے متبع ہو گئے، اتباع کر لی یعنی جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اگر ہم نے اس بات کو مان لیا نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا تو ہم تو اچک لیے جائیں گے اپنے علاقے سے ہمیں یہاں رہنے کون دے گا؟ ہم یہاں زندگی کس طریقہ سے گزاریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ انہیں کہتے ہیں کہ تم ذرا سوچو تو سہی......! یہ علاقہ جس کو حرم کہا جاتا ہے جس میں لوگ لڑنا حرام سمجھتے ہیں، ان کی فطرت کے اندر یہ بات پڑی ہوئی ہے کہ یہ اس کا احترام کرتے ہیں۔

مکہ کو حرم کس نے بنایا؟:۔

تو اس کا حرم ہونا، امن والا ہونا کیا یہ تمہاری تدبیروں تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے؟ یا اللہ نے بنایا ہے؟ اور اس بیت اللہ کی مجاورت کی وجہ سے لوگ تمہارا احترام کرتے ہیں تو یہ اللہ کی پیدا کردہ بات ہے یا تمہاری تدبیروں کا نتیجہ ہے؟ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس اللہ نے یہ گھر بنایا، جس کے گھر کی برکات تم حاصل کر رہے ہو، اور جس نے اس کو حرم آمن بنایا، اس کی بغاوت میں تم اپنی زندگی سمجھ رہے ہو......! اور اس کی اطاعت میں اس کی عبادت میں اور اس کی توحید میں تم اپنا زوال سمجھ رہے ہو؟ کتنی الٹی بات ہے چنانچہ آنے والے وقت نے بتا دیا کہ واقعی قریش نے اس کلمے کو قبول کیا تو ان کو ساری دنیا میں برتری حاصل ہوئی، سو سال بھی نہیں گزرا تھا کہ یہاں سندھ تک ان کی حکومت ہوئی، بڑا حصہ دنیا کا جو تھا وہ سارا ان کے قبضہ میں آیا۔ سارا عرب بھی ان کے قبضہ میں آ گیا، اور عجم پر بھی ان کی حکومت ہو گئی، حضور ﷺ کی بات صحیح نکلی کہ اس کلمہ کو قبول کرنے سے تمہیں دنیا میں بھی برتری حاصل ہو گی، اور جو خدشات مشرکین محسوس کرتے تھے وہ غلط نکلے۔

جب سب نعمتوں کا حصول اللہ کی وجہ سے ہے تو پھر اسی کی عبادت کرو:۔

تو یہاں اللہ تعالیٰ پہلے تو انہیں یہی کہتے ہیں کہ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا کیا ہم نے ان کو ٹھکانہ نہیں دیا امن والے حرم میں يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ اس کی طرف ہر چیز کے ثمرات کھینچے جا رہے ہیں تو رزق کی وسعت یہ سب اس بیت کی وجہ سے ہے، جیسا کہ تیسویں پارے میں ایک چھوٹی سی سورت ہے اس میں یہی نقشہ کھینچا گیا ہے قریش کو یہاں ایمان کی دعوت دی گئی فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں خوف سے امن دیا اور بھوک میں تمہیں کھانا دیا،

تمہاری بھوک کے ازالے کے طور پر تمہیں کھانا دیا، اور تمہارے خوف کے ازالے میں امن دیا، یہ اس رب بیت کا عطیہ ہے، تمہیں چاہیے کہ اس رب بیت کی عبادت کرو......! تو یہاں بھی وہی بات ہے کہ اس امن والے حرم میں تمہیں ٹھکانہ دینے والے اللہ ہیں اور تمہاری طرف رزق کھینچا کھینچا چلا آ رہا ہے، یہ سب اللہ کی نعمت ہے تو تم مشرک بن کے سمجھتے ہو کہ ہمیں کھانے کو نہیں ملے گا اور توحید اختیار کرنے کی صورت میں سمجھتے ہو کہ ہم بھوکے مر جائیں گے یہ بھی ایک جاہلانہ ذہنیت ہے۔

دین دشمن لوگوں کے شبہات:۔

جس طرح سے کبھی کبھی آپ حضرات کے سامنے بھی لوگ تذکرہ کرتے ہوں گے سکولوں میں پڑھو......! کالجوں میں پڑھو......! یونیورسٹیوں میں جاؤ......! اور یہ تہذیب نو کا راستہ اختیار کرو......! تم دنیا میں عزت دار کہلاؤ گے......! تمہیں نوکریاں ملیں گی، کھانے کو ملے گا، تمہارا معیار زندگی اونچا ہوگا، اور یہ دین پڑھ کے، قرآن پڑھ کے، کیا ملے گا؟ بھوکے مرو گے کھاؤ گے کہاں سے؟ یہ شبہات آج بھی لوگ ڈالتے ہیں ان جاہلوں کے دماغ میں یہ بات نہیں آتی کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ سے باغیانہ زندگی گذار کے تم عزت حاصل نہیں کر سکتے:۔

اگر بات کرنے والے مومن ہیں ان کا اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان ہے۔ تو ان سے ایک بات پوچھی جا سکتی ہے (اگر کافر اس قسم کی بات کہے تو اسے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، اس کے ساتھ بات کا انداز اور ہوگا) لیکن اگر کوئی اللہ پہ ایمان رکھنے والا بات کرتا ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ عزت ذلت رزق روزی سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اس سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ بھئی کیا بات ہے؟ اللہ سے باغیانہ زندگی گزار کے تم سمجھتے ہو کہ عزت بھی ملے گی، رزق بھی ملے گا، تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر کے انسان رزق اور عزت دونوں سے محروم ہو جائے گا؟ پھر تمہارے ایمان کا مقام کیا رہا، کہ اگر کوئی شخص دنیا کیلئے کھپے تو تم سمجھتے ہو......! اس کی زندگی کامیاب ہے، اور اگر کوئی اللہ کے دین کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دے تو تم سمجھتے ہو اس کی زندگی ناکام ہے، تو مومن کے منہ سے یہ بات جچتی نہیں ہے، تو واقعہ یہی ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو دین کیلئے وقف کرتے ہیں، اور اللہ کیلئے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں، اپنی صلاحیتیں دین کیلئے استعمال کرتے ہیں تو دنیا میں بھی اللہ ان کو عزت دیتا ہے، ان کی حکومت اگر

ظاہری طور پر اس ملک پر نہیں ہوتی اور ان کے ہاتھ میں تھانیدار کی طرح ڈنڈا نہیں ہوتا، یا دوسرے آفیسروں کی طرح برتری قانونی طور پر حاصل نہیں ہوتی۔

تو واقعہ یہ ہے کہ دلوں کے اُوپر حکومت انہیں لوگوں کی ہوتی ہے، لوگ ان کی عزت کرتے ہیں، تو تہہ دل سے کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں، تو خلوص کے ساتھ کرتے ہیں، تھانیدار کا یا کسی افسر کا احترام کرتے ہیں، تو احترام ان کے ڈنڈے کے خوف سے ہے یا اس قانون اور اختیارات کی وجہ سے جو ان کو حاصل ہیں کل کو یہ معزول ہو جائیں یا ریٹائرڈ ہو جائیں تو پھر دیکھو......! ان کا احترام باقی رہتا ہے؟ وزراء آتے ہیں تو دیکھو......! کس طرح سے لوگ ان کے آگے پیچھے دمیں ہلاتے پھرتے ہیں، لیکن اگلے دن وہ اگر وزارت سے معزول ہو جاتے ہیں تو دکانوں پر گاجریں مولیاں خریدتے پھرتے ہیں کوئی ان کو سلام کرنے والا نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزت و احترام ان کا نہیں، بلکہ ان کو جو عارضی طور پر اختیار حاصل ہوا اس کا احترام ہے۔

اہل اللہ کا احترام لوگ خلوصِ دل سے اور ہمیشہ کرتے ہیں:۔

اور اس کی بجائے اہل اللہ کو جو اللہ تعالیٰ عزت و احترام دیتے ہیں، وہ بغیر کسی ظاہری خوف اور خطرے کے دیتے ہیں، اس لئے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں احترام کرتے ہیں، خلوص سے کرتے ہیں تو صحیح معنی میں عزت وہی ہے، جو اللہ والوں کو اللہ کا نام لینے والوں کو، اور اللہ کے دین کا کام کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے، چاہے ان کی عزت کرنے والے گنتی کے لوگ ہوں، لیکن ہوں گے خلوص سے احترام کرنے والے اور ان افسروں کا احترام اس طرح سے ہوتا ہے جس طرح سے بھری مجلس کے اندر کہیں سے سانپ نکل آئے، تو آپ سارے اٹھ کے کھڑے ہو جائیں گے اور سانپ یہ سمجھے کہ شاید یہ سارے میرے احترام کی وجہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں، لیکن آپ جانتے ہیں یہ احترام کی وجہ سے نہیں یہ خوف اور خطرے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ ساتھ جوتے کی تلاش بھی ہوتی ہے کہ موقع ملے تو اس کا سر کوٹیں، تو حکام وقت کے ساتھ انسان کے جذبات ایسے ہی ہوتے ہیں، کہ ڈرتا ہوا ان کا احترام بھی کرتا ہے لیکن ٹانگ کھینچنے کیلئے بھی تیار بیٹھا ہوتا ہے، اور اس کی بجائے اللہ والوں کو جو عزت ملتی ہے وہ بالکل خلوص کے ساتھ لوگ ان کی عزت و احترام کرتے ہیں، تو صحیح معنی میں اگر عزت ہے دنیا میں تو طاعت اور عبادت میں ہے، یہ مشرکانہ اور جاہلانہ ذہن ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ ہمیں دنیا کے اندر برتری عزت عظمت ہمیں اپنے

غلط طریقے کی بنا پر حاصل ہے، اگر ہم صحیح طریقہ اختیار کریں گے تو ہماری یہ خوشحالی ختم ہو جائے گی تو یہ مشرکانہ اور جاہلانہ ذہن ہے تو اللہ تعالیٰ یہاں یہی کہتے ہیں، کہ کیا ہم نے ان کو ٹھکانہ نہیں دیا امن والے حرم میں۔ کھینچ کے لائے جاتے ہیں اس حرم کی طرف ہر چیز کے ثمرات، اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ یہ بے علمی کے طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ خوشحالی ہمارے مشرکانہ طریقے کا نتیجہ ہے، حالانکہ علمی بات، صحیح بات کون سی ہے؟ جو علمی دلیل کے ساتھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ عطیہ ہے ان کی مشرکانہ تدبیریں یا ان کے رویوں کا اثر نہیں ہے۔

اللہ کی بات قبول نہ کی جائے تو یہ خوشحالی کام نہیں آتی:۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ کا یہ مفہوم ہے یعنی یہ بے علم ہیں کہ یہ ہمارے عقائد کا نتیجہ ہے، یہ بات نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن والا حرم دیا ہے ہر چیز کے ثمرات تمہیں پہنچائے جا رہے ہیں رزق کے طور پر تو توحید اختیار کرنے سے یہ نعمت تم سے چھن نہیں جائے گی۔ اگلی بات......! اگر تم اپنی اس خوشحالی پر نازاں ہو تو تم تاریخ سے آنکھیں بند نہ کرو......! اور اس خطرے کو مول نہ لو تم جو یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ ہمیں حاصل ہے یہ کسی طرح سے زائل ہونے والا نہیں ذرا پیچھے مڑ کر دوسری قوموں کا حال دیکھ لو......! وہ بھی اپنے وقت میں اسی طرح سے خوشحال تھیں، انہوں نے بھی اپنے اپنے وقت میں تجارت کے جال پھیلا رکھے تھے، لیکن انہوں نے جب اللہ کی آئی ہوئی بات قبول نہ کی تو ان کی یہ خوشحالی کسی کام نہ آئی، بلکہ وہ تباہ و برباد ہو گئے باقی تمہیں جو ڈھیل دی جا رہی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے، اللہ کی عادت ہے جب تک پوری طرح سے اتمام حجت نہ ہو جائے، سمجھانے کیلئے رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک کسی قوم کو کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے، اور اب تم پہ اتمام حجت ہو گیا ہے، اب تاخیر کی گنجائش نہیں ہے، اگر اب بھی تم نہیں سمجھو گے تو پھر تم بھی دوسری قوموں کی طرح برباد کر دیئے جاؤ گے، تمہاری طرح اکڑنے والے اترانے والے بہت گزرے ہیں اور ان کو بڑی خوشحالی حاصل تھی، لیکن جب انہوں نے باغیانہ زندگی نہیں چھوڑی، اور اللہ کے رسول کی بات پر کان نہیں دھرا تو وہ تباہ ہو گئے، گویا کہ یہ بھی ان کی تفہیم کی جا رہی ہے، تاریخی واقعات کی طرف متوجہ کر کے جن کو وہ کسی درجے میں سنے بیٹھے تھے اور اپنے تجارت کے سفروں میں، ان کے مقامات پر سے گزرتے تھے، ادھر متوجہ کیا کہ اپنے وقت میں یہ لوگ بھی خوشحال تھے اسی طرح سے انہوں نے بھی اپنے رزق کی فراوانی کے اسباب پیدا کئے ہوئے تھے لیکن جب اللہ کی گرفت میں آئے تو یہ چیزیں

ان کے کام نہ آئیں۔

اپنی معیشت پر اترانے والی کتنی بستیاں ہلاک کردی گئیں:۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں جو اپنی معیشت پر اترا رہی تھیں بَطِرَتْ اترائے اپنی معیشت کے سبب سے اور انہوں نے اپنی معیشت کی ناشکری کی اللہ تعالیٰ نے ان کو جو معیشت دے رکھی تھی پہلے عرض کیا تھا کہ بَطِرَتْ کے اندر كَفَرَتْ والا معنی متضمن مان لیا جائے تو بھی مفہوم صحیح ہے اور معیشت کے اوپر حرف جار مان لیا جائے اَیْ بَطِرَتْ فِیْ مَعِيشَتِهَا جو اپنی معیشت کے سبب سے اکڑنے اور اترانے لگ گئے تو بھی مفہوم صحیح ہے (روح المعانی) فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ ، فَتِلْكَ کے ساتھ اشارہ کیا جارہا ہے کہ یہی ہیں ان کے ٹھکانے تمہارے سامنے جو آباد نہیں ہوئے مگر تھوڑے سے۔ تھوڑے سے کا مطلب بھی دو طرح سے آپ کی خدمت میں عرض کردیا تھا۔ کہ اکثر بستیاں ویران ہوگئیں وہاں کوئی آبادی نہ ہوئی کوئی کوئی بستی آباد وہ بھی تھوڑی سی جیسے مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيدٌ ① دو قسمیں ذکر کردی گئی تھیں کہ بعضی تو بالکل ہی برباد ہوگئیں تھیں اور بعضی ان میں سے قائم بھی رہیں۔ یا قَلِيلًا کا معنی یہ ہے کہ ان میں آبادی نہیں ہوئی مگر تھوڑے سے وقت کیلئے اور یہ تھوڑا سا وقت ایسے ہی ہے جیسے کوئی قافلہ جارہا ہو تو وہاں اپنا پڑاؤ کرلے یا کوئی سیاح قسم کے لوگ دیکھنے کیلئے جائیں یا چرواہے اور گدڑیئے اپنے جانوروں کو چراتے ہوئے تھوڑی دیر کیلئے وہاں ٹھہر جائیں۔ ورنہ جتنی آبادی تھی سب ختم ہوگئی ان کا سارا کروفر دھرا رہ گیا۔ یہ تاریخی واقعات کی طرف ان کو متوجہ کرکے ان کا دماغ سیدھا کیا جارہا ہے وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ہم ہی وارث ہیں یعنی وہ سارے برباد ہوگئے پیچھے ہم ہی رہ گئے اور تمہیں برباد کیوں نہیں کیا جارہا؟ اور ڈھیل کیوں دی جارہی ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا طریقہ پسند ہے بلکہ اللہ کی رحمت کی بناء پر تمہیں ڈھیل دی جارہی ہے کہ ہماری عادت یہی ہے کہ جب تک ہم بستیوں کے مرکز میں رسول نہ بھیج دیں اور پوری طرح سے اتمام حجت نہ کریں اس وقت تک اس پر عذاب نہیں بھیجا کرتے اسی عادت کے مطابق اب تمہارے پاس رسول آ گیا حق واضح کردیا گیا ہے اب اگر نہیں مانو گے تو تمہارا نمبر بھی لگے گا وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى اور نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو جب تک کہ نہ بھیج دے ان کے مرکز میں رسول جو تلاوت کرے ان پر ہماری آیتیں اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر اس حال میں کہ وہ ظالم ہوں جب وہ حقوق اللہ حقوق العباد کو تلف

① پارہ نمبر ۱۲: سورۃ ھود: آیت نمبر ۱۰۰

کرتے ہیں تبھی ان کے اوپر عذاب آیا کرتا ہے۔

سامانِ دنیا میں مگن ہوکر آخرت سے غفلت نہ برتو:۔

اگلی بات وہ بھی اسی تفہیم کے انداز میں کہی جارہی ہے دنیاوی ساز وسامان میں مگن ہوکر آخرت سے غفلت نہ برتو ہم تمہیں تمہارے نفع کی بات کہہ رہے ہیں یہ تو آنکھوں کے سامنے ہے کہ دنیا کی زندگی چندروزہ ہے اس میں تو ہمیشہ رہنے کے کوئی خواب ہی نہیں دیکھ سکتا کہ میں نے ہمیشہ رہنا ہے اگر کوئی کہے ہمیشہ رہنا ہے تو یہ اس کے دماغ کی خرابی ہے جس کو کوئی دوسرا شخص تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں چندروزہ زندگی ہے چندروزہ نفع ہے اس کے مقابلے میں جو آخرت آنے والی ہے وہ بہت دراز ہوگی کبھی ختم نہیں ہوگی کیت اور کیفیت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے دنیا کی زندگی سے۔ تو تم نادان نہ بنو......! اس چندروزہ زندگی کے عیش وعشرت میں پڑکر آخرت کو برباد نہ کرو......! آخرت کی فکر کرو......!

دنیاوی زندگی کی مثال:۔

آخرت کی زندگی اچھی ہوگئی تو ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر وہی بات ہے ایک آدمی خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ تخت شاہی پہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کو ہر طرح سے عزت وراحت حاصل ہے اور جس وقت آنکھ کھلتی ہے تو آنکھ کھلنے کے بعد دیکھتا ہے کہ جیل میں پڑا ہوا ہے لوگ ڈنڈے لے کر اس کے اوپر کھڑے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت اس کے اوپر ہے تو وہ خواب دیکھ کر خوش ہوگا؟ تو دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اتنی ہے جتنا کہ آپ اپنی زندگی میں ایک رات یا چند لمحے کوئی خواب دیکھ لیں......! پھر خواب میں جو چند لمحے گزرے ہیں اس کو پھر بھی آپ کی زندگی سے کوئی نہ کوئی نسبت ہے کیونکہ وہ بھی محدود۔ یہ بھی محدود اگر ایک گھنٹہ آپ نے خواب کی لذت لی ہے تو آپ کی زندگی کا سُوواں حصہ نہیں تو چلو ہزارواں حصہ ہوگا یا لاکھواں حصہ ہوگا اس سے زیادہ تو نہیں ہے......! اگر آپ کی زندگی چند ہزار گھنٹے ہے تو وہ جو ایک گھنٹہ آپ نے خواب میں لذت لی تھی وہ ہزارواں حصہ ہوگیا اگر چند لاکھ گھنٹے ہے تو ایک گھنٹہ جو آپ نے خواب میں لذت لی تھی تو وہ آپ کی زندگی کا لاکھواں حصہ ہوگیا اس سے آگے تو آپ نہیں جاسکتے تو جس طرح خواب کی لذت اس زندگی کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں اسی طرح سے دنیاوی زندگی میں آپ راحت وآرام سمجھ رہے ہیں یہ بھی ایک قسم کا خواب ہے مریں گے تو آنکھیں کھلیں گی

جس طرح سے حضرت سفیان ثوری کا قول ہے اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَإِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا ① لوگ سوئے ہوئے ہیں ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جس وقت یہ مرجائیں گے موت کے ساتھ آنکھ کھلے گی تو پھر پتہ چلے گا کہ دنیاوی زندگی ایک خواب تھی تو اس لذت کے پیچھے پڑ کے اس راحت کے پیچھے پڑ کے تم اپنی آخرت کو کیوں برباد کرتے ہو؟ یہ بھی ایک تفہیم ہے وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جو کچھ بھی تم دیدیئے گئے ہو یہ دنیاوی زندگی ہے اس کی زینت کا سامان ہے اور رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور زیادہ اور باقی رہنے والا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سوچتے نہیں؟

دین دشمن لوگوں کے شبہات:۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا یعنی نتیجے کے اعتبار سے وہ لوگ اچھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے اعتبار سے آخرت کی کامیابی حاصل کرلیں......! اور جو لوگ دنیا میں تو راحت و آرام میں رہے پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ گرفتار کرکے لائے جائیں اور ذلت کی زندگی ان کو نصیب ہو تو کیا وہ اچھا آدمی ہے؟ کیا پھر وہ شخص کہ جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا اچھا وعدہ پھر وہ اس کو ملنے والا ہے یعنی وعدے سے ملاقات کرنے والا ہے، وعدے کے مطابق اس کو وہ چیز حاصل ہونے والی ہے کیا وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے اچھا وعدہ کیا اس شخص کی طرح ہے؟ جس کو ہم نے دنیا میں تھوڑا سا نفع پہنچایا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کئے ہوؤں میں سے ہوگا، پکڑ کے لایا جائے گا جس طرح کہ مجرم لایا جاتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ تو تم بھی اس طرح سے دنیاوی زندگی کے اوپر ناز کرکے فخر کرکے اپنی آخرت کو برباد نہ کرو آخرت کی ذلت کا استحضار کرو......! اس کو سوچو......! اور دوسری بات ان کے ذہن میں یہ بھی آسکتی تھی کہ انہوں نے جو اِلٰہ بنا رکھے تھے ان کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کارساز ہیں اوّل تو آخرت ہوگی ہی نہیں اگر آخرت آ بھی گئی تو ہمارے بڑے ہمارے آباؤ اجداد میں جو بڑے گزرے ہیں یا جن کو ہم نے پوجا ہے جنات ہوگئے دوسرے ہوگئے یہ اس وقت ہماری سفارش کریں گے سفارش کرکے ہمیں بچالیں گے......! اپنے ان نظریات کی بناء پر بھی وہ کچھ جَرِی تھے اور حضور ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے یہ سہارے انہوں نے تجویز کرر کھے تھے۔

اگلی آیات کا حاصل رکوع کے آخر تک جن کا ترجمہ عرض کردیا تھا یہی بتلاتا ہے کہ یہ تمہارے مشرکانہ

① حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج ۷ ص ۵۲ لابی نعیم الاصبہانی م ۴۳۰ھ

نظریات بالکل باطل ہیں ان کے اندر کوئی اصلیت نہیں جن کو تم نے اپنے سہارے بنا رکھا ہے یہ نہ دنیا میں کام آئیں گے نہ آخرت میں کام آئیں گے بلکہ آخرت میں جس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوؤ گے تو یہی لوگ تمہارے خلاف شہادتیں دیں گے اور تم سے لاتعلقی کا اعلان کریں گے اور کسی قسم کے کام نہیں آسکیں گے اس بات کو بھی تم سوچو یہ سہارے جو تم نے بنالئے ہیں ان کی پوزیشن ایسے ہی ہے جیسا کہ اگلی سورت میں آئے گا سورۃ عنکبوت میں کہ بیت العنکبوت یہ ایسے ہیں جیسے مکڑی کا جالا ہے اور تمام چیزوں سے کمزور مکڑی کا جالا ہوتا ہے تمہارے سہارے بھی اسی طرح سے ہیں جیسے مکڑی کا جالا ہے اگلی آیات کا حاصل یہی ہے کہ آخرت میں مشرکین کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اور مشرکین کے شرکاء کی جو ذلت نمایاں ہونے والی ہے اگلی آیات میں اس کا ذکر ہے جس دن کہ اللہ تعالیٰ ان کو آواز دے گا کہ کہاں ہیں وہ شرکاء جن کو تم میرے شرکاء سمجھا کرتے تھے تَزْعُمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے کہیں گے وہ لوگ جن پر بات ثابت ہوگئی یہاں سے ان کے وہ شرکاء مراد ہیں یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کی کلام کا رجحان مشرکین کی طرف ہے لیکن بول پڑیں گے شرکاء کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ اب یہ بات ہم پر ہی ڈالیں گے تو وہ بول پڑیں گے کہ اے ہمارے پروردگار......! حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یعنی ان پر جہنم میں جانے والی بات صادق ہوگئی عذاب والی بات ثابت ہوگئی۔

شیطان اپنے ماننے والوں کو قیامت کے دن کس طرح آنکھیں دکھائے گا؟:۔

وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بھٹکایا، جن کو ہم نے بہکایا، بہکانے کا ہم اقرار کرتے ہیں اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا پھر یہ بہک گئے جس طرح سے ہم بہکے کیا مطلب......! کہ جس طرح سے ہم اپنے اختیار کے ساتھ غلط راستے پر چلے تھے یہ بھی اپنے اختیار کے ساتھ چلے ہیں، ہمارا کام تو صرف ان کو اشارہ کرنا یا وسوسہ ڈالنا تھا باقی اس کو قبول کرنا غلطی میں پڑنا یہ ان کے اپنے اختیار سے تھا۔ پیچھے میں نے شیطان کی تقریر کا حوالہ دیا تھا وہاں یہ تھا کہ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ میں نے تمہیں دعوت دی تھی تم نے میری بات مان لی فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مجھے کیوں ملامت کرتے ہو......! اپنے آپ کو ملامت کرو......! ایک طرف اللہ کے وعدے تھے جو بالکل سچے تھے ایک طرف میں تمہیں چکمے دیتا تھا وعدے کرتا تھا جو کہ بالکل جھوٹے تھے تم نے اللہ کے وعدوں پر اعتماد نہیں کیا میرے وعدوں کے پیچھے لگ گئے تو لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنے آپ کو ملامت کرو......! مجھ پہ کیا

ملامت کرتے ہو میں نے تو تمہیں بلایا تھا صرف دعوت دی تھی تم نے میری بات مان لی مَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ ① مجھے تم پر کوئی تسلط تو حاصل نہیں تھا کہ زبردستی اس راستے پہ چلا دیا وہاں شیطان اپنے ماننے والوں کو یوں آنکھیں دکھائے گا اور اس طرح سے ان کے سامنے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دے گا ذمہ داری ان پہ ڈال دے گا تو یہاں بھی اسی طرح سے ہے اَغۡوَیۡنَا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں سے شیاطین مراد ہیں جنہوں نے واقعی انسانوں کو گمراہ کرنے میں حصہ لیا وہ وہاں اعتراف کریں گے یہاں اولیاء انبیاء فرشتے مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اولیاء انبیاء فرشتے کبھی بھی اغواء نہیں کرتے کسی کو گمراہی میں نہیں ڈالتے اس لئے یہاں اقرار کرنا کہ ہم نے ان کو گمراہ کیا یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہاں سے اولیاء انبیاء فرشتے مراد نہیں ہیں چاہے مشرکین کے معبودوں میں وہ بھی ہوں لیکن مشرکین مکہ زیادہ تر بہکے تھے تو شیطانوں کے ہاتھوں بہکے تھے یہاں اولیاء انبیاء فرشتے مراد نہیں لئے جا سکتے۔

مشرکین بدحواسی میں اپنے شرکاء کو پکاریں گے:۔

تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہم تیری طرف تبرّی کا اظہار کرتے ہیں ان سے۔ یعنی ان سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں تیری طرف متوجہ ہوتے ہوئے مَا کَانُوۡۤا اِیَّانَا یَعۡبُدُوۡنَ یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ اپنے خیالات اپنے نفس اور اپنی شہوات کے پجاری تھے اپنی خواہشات کی وجہ سے گمراہ ہوئے پھر ان سے کہا جائے گا کہ بلاؤ......! اپنے شرکاء کو مشرکین بدحواسی میں انہیں پکاریں گے لیکن شرکاء انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور یہ سب مل جل کے عذاب کو دیکھ لیں گے پھر ان کے دل میں تمنائیں اٹھیں گی کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس وقت ہم دنیا میں سیدھے رستہ پر چلنے والے ہوتے اور جس دن اللہ انہیں آواز دے گا اور پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا تو سب خبریں ان کے اوپر چھپ جائیں گی واقعات ان سے مخفی ہو جائیں گے ان کو کچھ یاد نہیں آئے گا کہ ہم کن کن دلیلوں سے انبیاء سے الجھا کرتے تھے اور کیا کیا ہم انبیاء کے جواب میں کہا کرتے تھے اور ایسی بدحواسی کا عالم ہوگا کہ ایک دوسرے سے سوال بھی نہیں کر سکیں گے ایسے وقت میں جس شخص نے توبہ کی ہوگی ایمان لایا ہوگا دنیا میں نیک عمل کئے ہوں گے یہ لوگ کامیاب ہونے والے ہیں تو اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰہُ جس طرح یہاں اللہ نے دو گروہ دکھائے تھے کہ ایک گروہ کے ساتھ اللہ کا وعدہ اچھا ہے نتیجتاً وہ اس وعدے پہ پہنچے گا اور دوسرا شخص جو ہے وہ دنیا میں عیش و عشرت سے زندگی

① پارہ نمبر ۱۳: سورۃ ابراہیم: آیت نمبر ۲۲

گزار گیا آخرت میں ذلیل ہوگا تو یہ آگے جا کے انہیں کی کچھ تفصیل کر دی۔

کسی کو اختیار نہیں کہ اللہ کے لئے کوئی چیز پسند کرے:۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ان آیات کا تعلق بھی ردشرک کے ساتھ ہے اللہ ہی خالق ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہی پسند کرتا ہے جس کو چاہے جو مرتبہ دیدے یہ اس کے اختیار میں ہے یا احکام میں سے جو حکم اللہ تعالیٰ پسند کرے وہی حکم دیتا ہے کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ مخلوق کیلئے کچھ پسند کرلے کہ یہ طرزِ زندگی اچھا ہے اور یہ طرزِ زندگی اچھا نہیں ہے یہ اختیار کرنا اور پسند کرنا یہ بھی اللہ کا کام ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو پسند کر لینا اور اس کو کوئی فضیلت دے دینا یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے ان لوگوں کیلئے کوئی اختیار نہیں کہ خود کسی کو فضیلت دیدیں یا خود کوئی احکام جاری کردیں اللہ کے علاوہ کسی کیلئے کوئی اختیار نہیں اللہ پاک ہے بلند و برتر ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے۔ آگے آ گیا کہ علم میں بھی یکتا ہے جس طرح سے خالق ہونے میں یکتا امر ہونے میں یکتا اس طرح علم میں بھی اس کا کوئی مقابل نہیں بے شک تیرا رب جانتا ہے اس چیز کو جن کو ان کے دل چھپاتے ہیں اور جن کو ظاہر کرتے ہیں وہی اللہ ہے کوئی معبود نہیں اس کے علاوہ اسی کیلئے حمد ہے۔ کمالات میں ہر قسم کے کمالات آ گئے۔ دنیا و آخرت میں تعریف کا مستحق وہی ہے جیسے آخرت میں بھی جنتی جس وقت اپنی جگہ بیٹھیں گے اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کریں گے تو آخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ① ان کی اس مجلس میں آخری آخری گفتگو یہی ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو رب العالمین ہے اور دنیا میں بھی سمجھدار لوگ اسی طرح سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں۔

وَلَهُ الْحُكْمُ: اسی کیلئے حکم ہے حکم دینا کسی اور کے اختیار میں نہیں ہے وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی کی طرف ہی تو سب لوٹائے جاؤ گے اس کی سلطنت اتنی وسیع ہے کہ کوئی مجرم اس کی سلطنت سے نکل کر کسی طرف بھاگ نہیں سکتا۔ لے دے کے آئے گا اسی کے پاس۔

اللہ کی قدرت اور احسانات:۔

آگے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احسانات کا تذکرہ ہے کہ آپ انہیں کہیے کہ تم بتلاؤ، کیا دیکھا تم نے؟ یہ محاورے کے طور پر لفظ استعمال ہوتا ہے تو ترجمہ یوں کر دیا جاتا ہے کہ بتلاؤ تم، اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات بنا دے ہمیشہ

① پارہ نمبر ۱۱: سورۃ یونس: آیت نمبر ۱۰

ہمیشہ قیامت کے دن تک تو کون اِلٰہ ہے اللہ کے علاوہ جو تمہارے پاس روشنی لے آئے؟ کیا تم سنتے نہیں؟ یا بتلاؤ......! تم پر دن کو دائماً بنادے قیامت کے دن تک۔کون معبود ہے اللہ کے علاوہ جو تمہارے پاس رات کو لے آئے......! کہ جس میں تم سکون اختیار کرلو......! کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ کہ یہ اللہ کی رحمت ہے اس نے اپنی رحمت کی وجہ سے تمہارے لئے یہ رات اور دن بنادیئے تا کہ تم رات میں سکون حاصل کرو تا کہ تم دن میں اللہ کا فضل تلاش کرو......! اور تا کہ تم اللہ کے شکر گزار رہو وَیَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے گا پھر کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شرکاء سمجھا کرتے تھے اور اٹھائیں گے ہر جماعت سے ایک گواہ اس گواہ سے مراد نبی ہے نبی کو لائیں گے وہ آ کرامت کے خلاف گواہی دے گا کہے گا کہ میں نے تو ان کو سب کچھ پہنچایا لیکن انہوں نے مانا نہیں نَزَعۡنَا نَزَعَ کھینچنا اس جماعت میں سے ایک شہید نکال کھڑا کریں گے یہ مفہوم ہوگا اس کا پھر ہم کہیں گے کہ لے آؤ تم اپنی دلیل یعنی یہ مشرکین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے طور طریقے کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل لے آؤ......! فَعَلِمُوۡٓا پھر ان کو اچھی طرح سے پتہ چل جائیگا کہ حق اللہ کیلئے ہے۔اور گم ہو جائیں گی ان سے وہ سب باتیں جن کو وہ تراشا کرتے تھے جس قسم کی دلیلیں دیا کرتے تھے نظریات بنایا کرتے تھے سب گم ہو جائیں گے اور ان کیلئے کوئی نظریہ کوئی دلیل کارگر نہیں ہوگی۔

اِنَّ قَارُوۡنَ كَانَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰى فَبَغٰى عَلَيۡهِمۡ وَ اٰتَيۡنٰهُ مِنَ

بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، پھر وہ باغی ہوگیا ان کے خلاف

الۡكُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوۡٓاُ بِالۡعُصۡبَةِ اُولِى الۡقُوَّةِ اِذۡ قَالَ لَهٗ

اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے کہ اس کی چابیاں البتہ تھکا دیتی تھیں قوت والی جماعت، یاد کیجئے! اس وقت کو جب کہا قارون کو

قَوۡمُهٗ لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡفَرِحِيۡنَ ﴿۷۶﴾ وَ ابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮكَ

اس قوم نے کہ اترا مت۔ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۷۶﴾ تلاش کر تو آخرت کا گھر

اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ وَ لَا تَنۡسَ نَصِيۡبَكَ مِنَ الدُّنۡيَا وَ اَحۡسِنۡ

اس چیز میں جو اللہ نے تجھے دی اور نہ فراموش کر تو اپنا حصہ دنیا سے، اور احسان کر

كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ وَ لَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ اِنَّ

جس طرح سے اللہ نے تیری طرف احسان کیا، اور زمین میں فساد نہ مچا، بے شک

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ

اللہ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ﴿۷۷﴾ کہا اس نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ دیا گیا ہوں میں مال و دولت علم پر

عِنۡدِىۡ اَوَلَمۡ يَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنَ

جو میرے پاس ہے، کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اس سے قبل جماعتوں میں سے ایسے لوگوں کو

الۡقُرُوۡنِ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّاَكۡثَرُ جَمۡعًا وَلَا يُسۡئَلُ

جو زیادہ سخت تھے اس کے مقابلے میں از روئے قوت کے اور زیادہ تھے از روئے جماعت کے اور نہیں پوچھے جائیں گے

عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ فِىۡ زِيۡنَتِهٖ

اپنے گناہوں کے متعلق مجرم لوگ ﴿۷۸﴾ پس نکلا وہ قارون اپنی قوم پر اپنی زینت میں،

قَالَ الَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا يٰلَيۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ

کہا ان لوگوں نے جو دنیا کی زندگی کا ارادہ کرتے تھے، اے کاش! ہمارے لئے مثل اس چیز کے ہو جو دیا گیا

اُوۡتِىَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ ۝۷۹ وَقَالَ الَّذِيۡنَ

قارون بے شک یہ البتہ بہت ہی خوش نصیب ہے ۝۷۹ اور کہا ان لوگوں نے

اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ

جو علم دیئے گئے تھے، ارے تمہارا ستیاناس ہو اللہ کا ثواب بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لائے

صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰٮهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ ۝۸۰ فَخَسَفۡنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ

اور نیک عمل کرے۔ نہیں دیئے جاتے یہ خصلت مگر مستقل مزاج لوگ ۝۸۰ ہم نے اس کو اور اس کی حویلی کو زمین میں دھنسا دیا،

الۡاَرۡضَ ۚ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنۡ فِئَةٍ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۖ

پس نہیں تھی کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ کے علاوہ

وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُنۡتَصِرِيۡنَ ۝۸۱ وَاَصۡبَحَ الَّذِيۡنَ تَمَنَّوۡا مَكَانَهٗ

اور نہ وہ خود بدلہ لینے والوں میں سے تھا ۝۸۱ ہو گئے وہ لوگ جو تمنا کرتے تھے اس کے مرتبہ کی

بِالۡاَمۡسِ يَقُوۡلُوۡنَ وَيۡكَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ

کل کہنے لگے ارے بات تو گویا یوں ہے کہ اللہ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے

مِنۡ عِبَادِهٖ وَيَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ

اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے، اگر نہ ہوتا اللہ کا احسان ہم پر تو ہمیں بھی اسی کے ساتھ دھنسا دیتا

وَيۡكَاَنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۸۲

ارے بات تو یوں ہے کہ کافر لوگ فلاح نہیں پا سکتے ۝۸۲

تفسیر

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى : بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا بلکہ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا خاندان بھی ایک رشتہ داری بھی قریبی تھی۔ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ : عَلَيْهِمْ کی ضمیر قوما کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ قوما معنیٰ جمع ہے پھر وہ باغی ہوگیا ان کے خلاف یا وہ ظلم کرنے لگ گیا ان پر وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ کنوز کنز کی جمع ہے کنز کہتے ہیں اس دولت کو جو زمین میں گاڑ کر رکھی ہو پرانے زمانے میں چونکہ بینک تو ہوتے نہیں تھے کہ بینک میں جمع کرادیں تو لوگ اکثر و بیشتر اپنا خزانہ زمین میں دبا کر رکھ دیتے تھے جس کو دفینہ کہتے ہیں یوں بنالیا کرتے تھے۔ حاصل ترجمہ خزانہ ہی ہے ہم نے اس کو اتنا خزانہ دیا مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ یہ ما مفعول بہ ثانی ہے اٰتَيْنٰهُ کا اور مِنَ الْكُنُوْزِ یہ ما کا بیان ہے اس لئے مِنَ الْكُنُوْزِ کو ما کے ساتھ جوڑ کے ترجمہ کیا گیا ہے ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے کہ اس کی چابیاں البتہ تھکا دیتی تھیں بوجھل کردیتی تھیں قوت والی جماعت کو عُصْبَةٌ جماعت کو کہتے ہیں۔

اور اُولِي الْقُوَّةِ قوت والی مَفَاتِحَهٗ یہ مفرد کی ضمیر لوٹ رہی ہے ما کے اعتبار سے چاہے اس کا مصداق کنوز ہے ہم نے اس کو دی تھی وہ چیز کہ بے شک اس چیز کی چابیاں البتہ تھکا دیتی تھیں قوت والی جماعت کو یعنی ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے جن کی چابیاں ایک قوت والی جماعت کو بوجھل کر دیتی تھیں۔ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ قابل ذکر ہے وہ وقت یا یاد کیجئے اس وقت کو جب کہا قارون کو اس کی قوم نے لَا تَفْرَحْ فَرِحَ يَفْرَحُ خوش ہونا، لیکن ایک خوش ہونا ہوتا ہے شکر کے اعتبار سے اور ایک خوشی ہوتی ہے تکبر کے ساتھ یہاں تکبر والی خوشی مراد ہے جس کو اُردو میں اترانا کہتے ہیں۔ اترا مت بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اترانے کا یہ مفہوم ہے کہ فخر اور تکبر کے طور پر کسی چیز پر پھولے نہ سمانا یہ ہے اترانا اور ایک ہے شکر کے طور پر یعنی فرح بطر فرح شکر دونوں طرح سے آتا ہے۔ اترا مت بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ طلب کرتو، تلاش کرتو، آخرت کا گھر اس چیز میں جو اللہ نے تجھے دی یعنی اس مال و دولت کو آخرت کی آبادی کیلئے خرچ کر وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اور نہ فراموش کر تو اپنا حصہ دنیا سے یعنی اپنا حصہ دنیا سے

آخرت کی طرف لے جانا فراموش نہ کر کیونکہ مال ودولت کا حصہ آخرت میں وہی ہے جس کو انسان آخرت کی طرف منتقل کر دے۔

باقی جو کچھ جمع کر کے رکھتا ہے وہ تو پیچھے ورثا کا حصہ ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدم زاد کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ اسکا مال تو وہی ہے جس سے اس نے دنیا میں فائدہ اٹھالیا جیسے پہن لیا تو اس کو بوسیدہ کر دیا کھالیا تو اس کو فنا کر دیا اور جو اگلے جہان کیلئے بھیج دیا وہ ہے۔① نہ بھول تو اپنے حصہ کو دنیا سے وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ اللہ کی مخلوق پر احسان کر احسن کا متعلق محذوف ہے اللہ کی مخلوق پر احسان کر جس طرح سے اللہ نے تیری طرف احسان کیا وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اور زمین میں فساد نہ مچا شرارت نہ مچا۔ نہ طلب کر تو فساد زمین میں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو شرارت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ دیا گیا ہوں میں ہ ضمیر وہی جو ما پیچھے گزرا ہے جس کا مصداق ہم نے خزانوں کو بنایا تھا سوائے اس کے نہیں میں دیا گیا ہوں مال و دولت علم پر جو میرے پاس ہے یعنی میرے پاس ایک علم ہے اس علم کی بناء پر میں یہ مال و دولت دیا گیا ہوں شروع میں یہ جو لفظ آیا تھا اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ اس کا متعلق وہیں ہم نے محذوف نکال لیا تھا اُذْكُرْ یا اِيْذْكَرْ ذکر کیجئے اس وقت کو یاد کیجئے اس وقت کو جب قوم نے یہ کہا تھا اور اگر آپ اُس اِذْ کو آپ اس قَالَ کے متعلق کرنا چاہیں گے۔ تو بھی بات ٹھیک ہے قارون نے یہ بات کب کہی؟ جب اسے قوم نے یہ نصیحت کی۔

اس طرح سے یہ عبارت ساری کی ساری مسلسل ہو جائے گی جب قوم نے یہ نصیحت کی تو قارون نے یہ بات کہی کہ مجھے تم کیا اللہ کے احسان یاد دلاتے ہو؟ کیا اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کا کہتے ہو؟ یہ تو میں نے اپنی قابلیت سے کمایا ہے یہ اللہ کا فضل نہیں ہے۔ دیا گیا ہوں میں یہ مال و دولت علم کی بناء پر جو میرے پاس ہے اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اس سے قبل جماعتوں میں سے ایسے لوگوں کو جو زیادہ سخت تھے اس کے مقابلے میں از روئے قوت کے اور زیادہ تھے از روئے جماعت کے مِنَ الْقُرُوْنِ یہ من کا بیان ہے۔ زیادہ تھے از روئے قوت کے یعنی ان کے پاس قوت بھی زیادہ تھی مالی قوت، بدنی قوت، جماعت بھی ان کے ساتھ زیادہ تھی ایسے لوگوں کو بھی اللہ نے ہلاک کر دیا وَلَا يُسْئَلُ

① دیکھیے مشکوۃ ج ۲ص ۴۴۰ بحوالہ مسلم

عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ اور نہیں پوچھے جائیں گے اپنے گناہوں کے متعلق مجرم لوگ یعنی تحقیق کرنے کیلئے
مجرموں سے پوچھ گوچھ کی ضرورت نہیں ہوگی ان کے جرموں کی فہرست اللہ کے علم میں پہلے ہی ہوتی ہے مجرموں
سے ان کے جرموں کے متعلق پوچھا ہی نہیں جائے گا یعنی ان کے جرم واضح ہوں گے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں
ہوگی اللہ کے علم میں سب کچھ ہے فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ پس نکلا وہ قارون اپنی قوم پر اپنی زینت میں
فِيْ زِيْنَتِهٖ یہ خرج کی ضمیر سے حال واقع ہورہا ہے اَیْ مُتَزَيِّنًا خوب سج دھج کے ساتھ وہ اپنی قوم پہ نکلا اپنا کروفر
دکھانے کیلئے اپنی شان وشوکت دکھانے کیلئے مزین ہوکر نکلا وہ اپنی قوم پر اپنی زینت میں قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کہا ان لوگوں نے جو دنیا کی زندگی کا ارادہ کرتے تھے يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اے کاش!
ہمارے لئے مثل اس چیز کے ہو جو دیا گیا قارون اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ بے شک یہ البتہ بہت ہی خوش نصیب ہے
بڑے نصیبے والا ہے یعنی اس کے اسی ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کے جن لوگوں کا ارادہ اس دنیاوی کا زندگی کا تھا وہ بول پڑے
اور یوں ان کے دل سے یہ تمنا اٹھنے لگ گئی کہ کاش ہمیں بھی اس جیسی چیز دے دی جاتی جو قارون دیا گیا بے شک وہ
قارون البتہ بہت بڑے نصیبے والا ہے حظ کا معنی حصہ ہے یعنی بڑی قسمت والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور کہا ان لوگوں نے جو علم دیئے گئے تھے وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ ویل
خرابی کو کہتے ہیں اور یہ منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے اَیْ اَلْزَمَكُمُ اللّٰهُ وَيْلَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری بربادی
تمہاری خرابی تم کو لازم کردے یہ ہوتا ہے اس کا مفہوم اور اصل یہ بددعا ہے ہلاکت کیلئے کہ تم پر بربادی پڑے تم ہلاک
ہوجاؤ اور پھر یہ ویل کا لفظ محاورتاً تنبیہ کیلئے بھی آجاتا ہے کہ کسی کو تنبیہ کرنی ہو ایسے موقع پر قطع نظر اس سے کہ یہ بددعا
ہے آپ دیکھیں گے کلام عرب میں یہ لفظ اکثر تکیہ کلام کے طور پر بولتے ہیں اگرچہ بددعا کرنی مقصود نہیں ہوتی پھر
بھی عادت ہے۔ ورنہ اصل یہ بددعا کیلئے ہے اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری خرابی لازم کردے۔ چمٹا دے اللہ تعالیٰ تمہیں
تمہاری بربادی۔ مفہوم لفظی اس کا یہ ہے کہا ان لوگوں نے جو علم دیئے گئے وَيْلَكُمْ

اس کا مفہوم ہمارے محاورے کے اعتبار سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو لفظ بولا ہے وہ زیادہ واضح ہے کہا
ان لوگوں نے جو علم دیئے گئے تمہارا ستیاناس ہو اللہ کا ثواب بہتر ہے اس شخص کیلئے جو ایمان لائے اور نیک عمل
کرے وَلَا يُلَقّٰهَآ اور نہیں دیا جاتا یہ ھا کی ضمیر خصلت کی طرف ہے یعنی اہل علم کی خصلت ہے۔ یہ ہے اہل علم والی

ذہنیت جو دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کے للچائے نہیں ان کی رال نہیں ٹپکی اللہ کی طرف سے نیکی کے بدلے میں جو ثواب ملتا ہے وہ اس دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ سے بہتر ہے۔ نہیں دیے جاتے یہ خصلت مگر مستقل مزاج لوگ صبر کرنے والے لوگ۔ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ پھر ہم نے دھنسا دیا اس کو اور اس کی حویلی کو الارض یہ خسفنا کا مفعول ہے ہم نے اس کو اور اس کی حویلی کو زمین میں دھنسا دیا اس کی کوٹھی کو زمین میں دھنسا دیا فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ پس نہیں تھی کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی فِئَةٍ چونکہ معناً جمع ہے اس لئے یَنْصُرُوْنَ جمع کا صیغہ ہے یعنی نہیں تھی اس کیلئے کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ کے علاوہ اور نہ وہ خود بدلہ لینے والوں میں سے تھا وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ ہوگئے وہ لوگ جو تمنا کرتے تھے اس کے مرتبے کی کل بِالْاَمْسِ امس کل کو کہتے ہیں لیکن یہاں گذشتہ زمانہ مراد ہے ضروری نہیں کہ جس دن یہ بات ہوئی تھی اس سے متصل پچھلے کل کے اندر انہوں نے یہ بات کہی ہو یعنی گذشتہ زمانے میں جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کرتے تھے جن کا ذکر پیچھے آیا تھا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ہوگئے وہ لوگ جو گذشتہ زمانے میں اس جیسے ہونے کی تمنا کرتے تھے کہنے لگ گئے یَقُوْلُوْنَ اس کا تعلق اَصْبَحَ کے ساتھ ہے چونکہ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ یہ اَصْبَحَ کا فاعل (جو ترکیب میں اسم ہے) ظاہر آ گیا اس لئے صیغہ مفرد کا ہے یَقُوْلُوْنَ میں ضمیر ہے اس لئے صیغہ جمع کا ہے جو لوگ گذشتہ زمانے میں اس جیسے ہونے کی تمنا کرتے تھے وہ کہنے لگ گئے وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ وَیْ یہ بھی لفظ تعجب کے اظہار کیلئے ہیں جیسے ہم ہائے یا اس قسم کا لفظ بولتے ہیں۔ اوہو یہ تو بات یوں نکلی یہ ہمارے محاورے میں لفظ استعمال ہوتا ہے۔

جب انسان اپنے نظریئے اپنے خیال کے خلاف کسی کی حقیقت کو دیکھتا ہے کہ ہم تو یوں سمجھ رہے تھے اور ظاہر ہوگیا اس کے خلاف تو ایسے موقع پر ہائے ہائے اوہو کے لفظ ہم بولا کرتے ہیں تو وَیْ اسی قسم کے الفاظ کیلئے ہے وَيْكَاَنَّ اب اس کا مفہوم یہ ہوگا ارے یہ بات تو گویا یوں ہے کہ اللہ کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے یعنی ہم یہ سمجھے تھے یہ قارون کی مقبولیت کی دلیل ہے یہ تو بہت خوش نصیب ہے رزق کی فراوانی کا مل جانا مال و دولت کا مل جانا ہم سمجھتے تھے کہ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ یہ تو بہت ہی نصیبے والا ہے ارے بات تو یوں نکلی کہ اللہ جس کیلئے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے رزق تنگ کرتا ہے۔ کشادہ رزق مل جانا یہ اللہ

کے ہاں مقبولیت کی علامت نہیں ہے اگر مقبول ہوتا تو آج اللہ کے عذاب کی گرفت میں کیوں آجاتا یہ حیرت اور حیرانی کا اظہار کر رہے تھے جو کل اس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے آج ان کی زبان کے اوپر یہ لفظ جاری ہو گئے۔ ارے بات تو گویا کہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کیلئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا اگر نہ ہوتا اللہ کا احسان ہم پر تو ہمیں بھی اسی کے ساتھ ہی دھنسا دیتا۔ یعنی ہم نے اپنی طرف سے تو کوئی کمی نہیں کی ہم تو چاہتے تھے کہ قارون جیسے بن جائیں یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہم پر گرفت نہیں کی ورنہ خواہش اور ارادے کے اعتبار سے دل کی تڑپ کے اعتبار سے تو ہم بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ اگر نہ ہوتا اللہ کا احسان ہم پر تو وہ ہمیں دھنسا دیتا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ارے بات تو یوں ہے کہ کافر لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔ وَیْ یہ تعجب کے اظہار کے لئے ہے كَاَنَّ گویا کہ کے معنی میں ہوتا ہے كَاَنَّ زَيْدًا اَسَدٌ گویا کہ زید شیر ہے۔

مشرکین مکہ کے توہمات کا ازالہ:۔

یہ رکوع جس کا آپ کے سامنے ترجمہ کیا گیا ہے اس میں واقعہ ذکر کیا گیا ہے قارون کا۔ قارون کے اس واقعہ کو ماقبل کے ساتھ واضح ربط ہے، وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ ذکر کیا تھا پیچھے کہ مشرکین مکہ ایمان لانے سے رکاوٹیں محسوس کر رہے تھے یہاں ان رکاوٹوں کا ذکر کر کے، ان کے توہمات کا ازالہ کیا گیا ہے درمیان میں ان کیلئے وعید تھی، کہ اس وقت تم خوشحال ہو اپنے آپ کو تم خوشحال سمجھتے ہو، اور اس خوشحالی کی بناء پر تم اکڑ رہے ہو اور تمہیں ڈر یہ لگ رہا ہے کہ اگر تم نے اللہ کے حکم کو مان لیا تو تمہاری یہ خوشحالی ختم ہو جائے گی اور تمہاری تجارت بند ہو جائے گی کاروبار کو نقصان پہنچے گا قیادت و سیادت جو تمہیں عرب میں حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گی تو اپنی خوشحالی کے اوپر اترانا اکڑنا فخر کرنا غرور کرنا اپنے مال و دولت کی بناء پر اللہ کے حکم کو نہ ماننا اور یہ خطرہ محسوس کرنا کہ اگر ہم مانیں گے تو ہماری دولت کو زوال آجائے گا یہی چیز تمہیں ہلاکت کی طرف لے کے جا رہی ہے یہ تمہارے جذبات و خیالات یہ اچھے نہیں ہیں یہ بربادی کا باعث ہیں اس کا نمونہ اجمالی طور پر ذکر کر دیا تھا وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا کہ پچھلی تاریخ سے سبق لو کہ کتنے لوگ خوشحال تھے اور اپنی معیشت کے اوپر اکڑتے تھے فخر و غرور کرتے تھے لیکن ہم نے ان کا نام و نشان مٹا دیا تو یہ تمہاری مال و دولت اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی جب اللہ کی طرف

سے گرفت آجائے۔تو وہ ایک اجمالی حوالہ تھا۔

مشرکین مکہ کی عبرت کیلئے قارون کا تذکرہ:۔

اب خصوصیت کے ساتھ ایک سیٹھ اور ایک سرمایہ دار کا واقعہ مشرکین مکہ کو سنایا جارہا ہے کہ آج تم اگر اپنی اس دولت کے اوپر ناز کرتے ہو تو اس دولت مند کا نتیجہ دیکھ لو......! جس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف شرارت مچائی تھی تو آخر اس کی دولت اور اس کی پارٹی اس کے کچھ کام نہ آئی قارون کو آج کے محاورے میں ہم سیٹھ کہہ سکتے ہیں یا بہت بڑا سرمایہ دار یہودی سرمایہ دار کی مثال ہے قارون کون تھا؟ یہ قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا، بلکہ روایات کے اندر واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، بنی اسرائیل میں سے تھا موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا۔

سیاسی لوگوں کا طرزِ عمل:۔

لیکن قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل فرعونیوں کے غلام تھے اصولاً تو یہ بھی غلام تھا لیکن یہ اہل حکومت کی عادت ہوتی ہے غلام قوموں میں سے بعض افراد کو جو قومی غدار قسم کے ہوتے ہیں ان کو منتخب کر لیتے ہیں اور اپنے دربار میں ان کو جگہ دیتے ہیں اور ان کے ذریعے سے پھر اس قوم کے اوپر ظلم وستم کیا کرتے ہیں قوم کے افراد کو قوم کے خلاف استعمال کرتے ہیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سیاسی لوگوں کا پرانا طرز ہے۔آپ کو اپنے ملک کے حالات معلوم ہیں کہ جس وقت انگریز کی یہاں حکومت تھی تو انگریز اکیلا تو سارے ملک کو قابو نہیں رکھ سکتا تھا پھر وہ ہندوؤں میں سے بھی سکھوں میں سے بھی مسلمانوں میں سے بھی اس نے وہ افراد چن لئے جو تھے تو غلام قوم کے لیکن ان کو اپنے ساتھ ملا لیا اپنا وفادار بنا لیا وفادار بنا کے ان کے اوپر عہدوں کے دروازے کھول دیئے بڑے بڑے عہدے ان کو دیئے بڑی بڑی جائیدادیں دیں یہ بڑے بڑے نواب اور بڑے بڑے جاگیردار اس وقت تک جو دنیا میں موجود ہیں ہندوستان میں پاکستان میں یہ سارے کے سارے انگریزوں کے وظیفہ خوار ہیں اور یہ انگریزوں کے وفادار تھے تو یہ صلے ان کو وفاداریوں کی بناء پر ملے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے غدار اور انگریز کے وفادار:۔

آپ پڑھیں گے اپنے حضرات کی کتابوں میں کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے زمانے میں ایک ریشمی رومال کی تحریک اُٹھی تھی، ایک ریشمی رومال بنایا گیا تھا، اس کے ایک پیغام تھا جو کہ اس کی بنتی

کے اندر یوں داخل تھا کہ اگر انسان ویسے دیکھے تو سمجھتا ہے کپڑا ہے اس طرح سے مخفی طور پر وہ پیغام یہاں ہندوستان میں پہنچانا مقصود تھا مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ترکوں کے ساتھ مل کر افغانستان میں مل ملا کر انگریزوں کے خلاف ایک گٹھ جوڑ کیا تھا مقصد یہ تھا کہ اندر سے عوام باغی ہو جائیں اور باہر سے یہ طاقت حملہ کر دے اور انگریز کو نکال باہر کریں گے یہ ایک لمبا چوڑا پروگرام تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اسی پروگرام کے سلسلے میں ہندوستان سے عرب میں گئے تھے اور وہاں ترکوں کے ساتھ یہی گفتگو کرنی مقصود تھی اور مولانا عبید اللہ سندھی یہ حضرت شیخ الہند کے دست راست تھے وہ افغانستان ادھر اُدھر اسی سلسلے میں پھر رہے تھے۔ ایک خاص پیغام لکھ کر یہاں کی عوام تک پہنچانا مقصود تھا اور اپنے ہم نواؤں تک بھی اپنے کارکنوں کے ذریعے ہی اشاعت کرنی تھی کہ ایک خاص موقع متعین کر کے ہندوستان کے عوام کو باغی کر دیا جائے یہ اندر سے گڑبڑ مچا دیں اور یہ طاقت باہر سے حملہ کر دے گی پھر انگریز یہاں ٹھہر نہیں سکتا انگریز یہاں سے نکل جائے گا ملک آزاد ہو جائے گا یہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنے ایک شاگرد کو دے کر بھیجا تھا وہ بے ایمان ہو گیا اس نے آ کے وہ چٹھی جو تھی وہ پیغام یہاں حکومت کو پہنچا دیا نشاندہی کر دی۔

اب نام تو اس کا کتاب میں لکھا ہو انہیں اخباروں میں بھی آتا رہتا ہے کہ اس کو اس صلے میں ملتان کے علاقے میں بہت بڑی جاگیر ملی گویا کہ ملتان کے علاقے کے زمین داروں میں سے کوئی ایسا خاندان ہے جن کے مورث اعلیٰ نے یہ قومی غداری کی تھی اور اس کے صلے میں اس کو مربعے ملے اور اس طرح سے جو بھی حکومت کی حمایت کرتا تھا لوگوں کو جہاد سے روکے اور لوگوں کو حکومت کا فرمانبردار بنانے کی کوشش کرتا تو حکومت ان کے اوپر بڑی نوازشات کرتی اور بڑے انعامات دیتی تھی اٹھارہ سو ستاون (۱۸۵۷) میں جب ہندوستانیوں نے اجتماعی طور پر انگریزوں کے خلاف بغاوت کی تھی اور جہاد شروع ہو گیا تھا اور بہادر شاہ ظفر سے دوبارہ بادشاہی کا اعلان کروا لیا تھا تو تھانہ بھون مرکز تھا ہمارے اکابر حاجی امداد اللہ صاحب اس وقت ہندوستان میں تھے تھانہ بھون میں رہتے تھے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہ سارے حاجی امداد اللہ کے ساتھ تھے انہوں نے حاجی امداد اللہ کو امیر جہاد بنایا اور ان کے ہاتھ کے اوپر جہاد کی بیعت کر کے انگریز کے خلاف جہاد شروع کیا جس وقت جہاد کا مشورہ ہو رہا تھا اس وقت حاجی امداد اللہ صاحب کے بھائی مولانا محمد وہ بھی تھانہ بھون کے ہی تھے۔

مولانا محمد تھانوی انہوں نے اس کی مخالفت کی کہنے لگے نہیں یہ جہاد کا موقع نہیں ہے جہاد نہیں کرنا چاہیے

کیونکہ ہمارے پاس اتنی قوت نہیں کہ ہم انگریز کا مقابلہ کرسکیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنا قومی نقصان کر بیٹھیں انہوں نے خلوص کے ساتھ مخالفت کی یعنی یہ نہیں کہ اندر سے انگریز سے ملے ہوئے تھے یعنی کسی مسئلے میں جس طرح سے اختلاف ہو جاتا ہے کہ اس موقع پر اس طرح کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟

باہر سے آنے والی حکومت کے جذبات کیا ہوتے ہیں؟:۔

اس طرح مولانا محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا وہ اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے وہ کہتے تھے لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ① یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے ہمارے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم مقابلہ کریں نتیجہ چاہے یہی نکلا کہ واقعی اس جہاد کے نتیجے میں وہ انگریز جو تھا وہ غالب آ یا اور ہماری قوم کو بہت نقصان پہنچا اور اندر اندر تحریک آخر چلتی رہی وہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن مولانا محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جس طرح سے محسوس کرتے تھے اس وقت واقعی انگریز کو غلبہ ہوا ہم اس کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوسکے یہ اختلاف انہوں نے خلوص کے ساتھ کیا تھا یہ نہیں کہ انگریز کے ساتھ ملے ہوئے تھے لیکن بتانا یہ چاہتا ہوں کہ جس وقت باہر کی حکومت آیا کرتی ہے تو اس کے جذبات کس طرح سے ہوا کرتے ہیں؟ کہ جو بھی اس کی حمایت کرے یا جس کی باتوں سے اس کی حمایت نکلتی ہو اس کے اُوپر نوازشات ہوتی ہیں، جس وقت انگریز پوری طرح سے قابو پا گیا تو بارہ گاؤں پورے کے پورے انگریز نے عطیے کے طور پر مولانا محمد تھانوی کی طرف پروانہ بھیجا اس انعام میں کہ آپ نے جہاد میں شرکت نہیں کی اور لوگوں کو جہاد سے روکنے کی کوشش کی تو جس وقت بارہ گاؤں کا پروانہ مولانا تھانوی کے پاس پہنچا تو انہوں نے کاغذ پکڑا اور پکڑ کر ان کے سامنے پھاڑ دیا اور ایک طرف کو پھینک دیا اور کہا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے یہ فتویٰ تمہاری حمایت میں دیا تھا میرے تو علم کا تقاضا تھا میری تو سمجھ میں بات اسی طرح سے آئی تو انگریز کا انعام قبول نہیں کیا کاغذ پھاڑ کے پھینک دیا۔ بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ حکومتیں جو ہیں غلام قوموں میں سے اس قسم کے افراد کو بڑا نوازتی ہیں۔

قارون کی پوزیشن بنی اسرائیل میں کیا تھی؟:۔

تو یہ قارون کی پوزیشن بھی بنی اسرائیل میں یہی تھی کہ سرمایہ دار کہاں سے بن گیا؟ بنی اسرائیل کے اندر

① پارہ نمبر ۲: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۹۵

جبکہ سارے کے سارے بنی اسرائیل غلام تھے اس کے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آ گیا؟ تو اصل بات یہ ہے کہ یہ فرعون کا ہم نوا تھا اور فرعون نے اس کو بنی اسرائیل میں سے چنا ہوا تھا اور اس کے ذریعے سے وہ بنی اسرائیل کے اوپر ظلم کرتا تھا اور اس کو اپنے ساتھ ملا رکھا تھا یہی وجہ ہے قرآن کریم میں جہاں کہیں ذکر آتا ہے تو فرعون ھامان قارون تینوں کا اکٹھا ذکر آتا ہے فرعون کے بعد ھامان وزیر اعظم تھا دوسرا یہ قارون اس کا دست راست تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھا بنی اسرائیل میں سے لیکن قومی غدار ہونے کی حیثیت سے فرعون کے ساتھ ملا ہوا تھا اور فرعون کے ساتھ مل کر بنی اسرائیل کی مخالفت کرتا تھا اور فرعون کے احکام کو بنی اسرائیل کے اوپر نافذ کرتا ان کے اوپر ظلم وستم کا ذریعہ بنا ہوا تھا اس طرح سے فرعون نے پھر اس کو جاگیریں دی ہوئی ہوں گی جائیدادیں دی ہوئی ہوں گی عہدے دیئے ہوں گے خزانوں سے اس کو مدد ملتی ہوگی جس سے اس نے بہت بڑا سرمایہ اکٹھا کرلیا لیکن تھا اسرائیلی جس وقت اسرائیلی قوم نکلی تھی ممکن ہے یہ بھی ساتھ ہی نکلا ہو قوم میں شامل ہونے کی بناء پر چاہے دل میں یہی ہو کہ کسی طرح سے قوم کے اندر پھوٹ ڈالے گا؟ جیسا کہ غداروں کا کام ہوتا ہے۔

بہر حال معلوم یہ ہوتا ہے کہ شامل یہ رہا ہے۔ سامری کی طرح بنی اسرائیل میں داخل رہا۔ فرعون کے غرق ہوجانے کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام مل گئے ان احکام میں سے ایک حکم زکوٰۃ بھی تھا اب یہ بہت بڑا سرمایہ دار تھا باقی قوم کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے زکوٰۃ دینے کیلئے کہا اللہ کے رستے میں دینے کیلئے کہا تو پہلے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی کتاب کے مطابق وعظ فرمائی ہوگی پھر جس طرح سے قاعدہ ہے باقی لوگ اس کو کہتے سنتے ہوں گے قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ باقی قوم کے افراد نے بھی کہا کہ دیکھ......! اللہ تعالیٰ نے تیرے پر احسان کیا ہے تو اس میں سے مخلوق پر احسان کر اور اس دولت سے آخرت کما اور دنیا سے اپنا نصیب آخرت کی طرف لے جانے کو فراموش نہ کر جتنا خرچ کرلے اللہ کے رستے میں اتنا تیرا حصہ آخرت میں پہنچ جائے گا اور تو یہ بغاوت اور سرکشی اختیار نہ کر یہ تیرے لئے اچھی بات نہیں ہے موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا ہوگا اور قوم نے بھی سمجھایا ہوگا۔

سرمایہ داروں کی ذہنیت قارون جیسی ہوتی ہے:۔

اب آگے اصل سرمایہ دارنہ ذہنیت ظاہر ہورہی ہے سرمایہ دار ہوتا ہی وہ ہے جس کی ذہنیت قارون جیسی ہو وہ کہتا ہے کہ ہر روز کیا میرے پیچھے لگے رہتے ہو کہ اللہ نے تجھے دیا اللہ نے تجھے دیا اللہ نے احسان

کیا۔ میں نے اپنی قابلیت سے کمایا؟ میں تجارت کے طریقے جانتا ہوں میرے پاس صنعت ہے میرے پاس یہ قابلیت ہے یہ قابلیت ہے میں نے اپنی قابلیت سے کمایا یہ میری محنت کی کمائی ہے اور یہ کیا ہر وقت کہتے رہتے ہو اس میں سے غریبوں کا حصہ ہے فقیروں کا حصہ ہے اس میں سے اللہ کے نام پر دے۔ یہ تو میں نے اپنی قابلیت سے کمایا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کی کونسی بات ہے؟ کہ تم مجھ سے مطالبہ کرتے رہتے ہو؟ یہ ہے اصل سرمایہ دارانہ ذہن۔

نیک لوگ دولت کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھتے ہیں:۔

ورنہ شرعی طور پر مذموم سرمایہ دار وہ نہیں ہوتا جس کے پاس پیسے ہوں۔ پیسے جتنے چاہے ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کی جائیدادوں کا حساب دیکھو......! حدیث کی کتابوں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جائیداد کا حساب جو ان کی وفات کے بعد لگایا گیا بخاری شریف میں پورے ایک صفحے کی روایت ہے پورا حساب درج ہے چھ کروڑ کی مالیت تھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جائیداد تھی اور وصیتیں ادا کرنے کے بعد قرضے ادا کرنے کے بعد ایک ایک بیوی کو بتیسواں حصہ ملا تھا اصول کے مطابق کیونکہ چار بیویاں تھیں آٹھواں حصہ چار سے تقسیم ہوگا تو بتیسواں حصہ آئے گا ایک ایک بیوی کے حصے میں بارہ بارہ لاکھ درہم آئے ① تو اندازہ کریں......! کتنی دولت تھی لیکن ان کو ہم آج کی اصطلاح میں سرمایہ دار نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ اس چیز کو اللہ کا عطیہ سمجھتے تھے اس کے اوپر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے جہاں کوئی قومی ضرورت پیش آ گئی وہاں خرچ کرنے میں پیچھے نہیں رہتے تھے جہاں کوئی شخصی ضرورت پیش آ گئی اس کی مدد کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے زکوٰۃ دیتے تھے صدقات دیتے تھے غریب پروری کرتے تھے مسکین پر شفقت کرتے تھے تو یہ تو جتنی دولت آتی چلی جائے اور آگے خرچ ہوتی چلی جائے اس دولت مند کے نمبر بڑھتے چلے جاتے ہیں جس طرح سے بجلی ایک طرف سے میٹر میں داخل ہو کر دوسری طرف سے نکلتی چلی جائے، آئی اور گئی لیکن نمبر بڑھتا چلا جاتا ہے اسی طرح سے یہ دولت ایک طرف سے آئی تو یہ حضرات بھی کماتے اور دوسری طرف کو نکالتے چلے جاتے اور اللہ کے ہاں درجے ان کے بڑھتے چلے جاتے یہ تو اللہ کا فضل

① بخاری ج ۱ ص ۴۴۲ باب برکۃ الغازی

ہے جس کو اللہ تعالیٰ دیدے یہ دولت مومن کیلئے بہت کام کی چیز ہے دنیا میں بھی خوشحال اور آخرت میں بھی خوشحال ان کو سرمایہ دار نہیں کہہ سکتے یہ آج کل کی اصطلاح میں سیٹھ نہیں ہیں۔

سرمایہ داروں کی وجہ سے جرائم پرورش پاتے ہیں:۔

سرمایہ دار وہ ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ میرا مال ہے میں نے کمایا ہے اس لئے میں اپنی مرضی کے مطابق خرچ کروں گا اس میں کوئی غریبوں کا حصہ نہیں اس میں کوئی قومی حصہ نہیں ہے اس لئے آپ کسی قومی ضرورت کیلئے میرے پر رعب نہیں ڈال سکتے میں اپنے ہاتھ کی کمائی دوسرے کو کیوں دوں؟ جس کا یہ ذہن ہو یہ ہوتا ہے سرمایہ دار۔ اور ایسے سرمایہ دار انسانیت کے دشمن ہیں، معاشرہ برباد ہوتا ہے تو انہی کی وجہ سے ہوتا ہے، جرائم پرورش پاتے ہیں تو انہیں کی وجہ سے پاتے ہیں۔ یہ ذہنی طور پر کشاکشی قارون کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور باقی بنی اسرائیل کے ساتھ شروع ہوگئی تو ایسے موقع پر آپ جانتے ہیں کہ سرمایہ دار جو ہوتا ہے اس کی پارٹی تو کچھ نہ کچھ بن ہی جاتی ہے دولت مند آدمی کے پیچھے جھولی چوگ لگ ہی جایا کرتے ہیں جن کو آج کل کی اصطلاح میں آپ چمچے کہتے ہیں پرانی اصطلاح کے اندر ان کو کاسہ لیس اور پلیٹیں چاٹنے والے کہتے ہیں کہ سرمایہ دار کھائے، کھانے کے بعد پیالے میں کچھ باقی ہوگا تو چاٹنے والے بہتیرے بیٹھے ہوتے ہیں یہ چاٹو قسم کے لوگ، یہ جھولی چوگ، یہ چمچے، یہ ہر بات میں ہاں میں ہاں ملانا اور ان کی شان وشوکت کو نمایاں کرنا جس زمین دار کے پاس جائیں گے آپ کو ایسے کاسہ لیس مل جائیں گے۔

اور سرمایہ داروں کے پیچھے تو اسی قسم کے کمینوں کی فوج ہوتی ہے اس نے بھی اپنی پارٹی بنالی اور اس حسد میں مبتلا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ھارون علیہ السلام یہ میرے بھائی ہیں میرے چچازاد ہیں ان کے پاس قیادت ہے ساری قوم کی۔ تو میں بھی آخر اسی خاندان کا ہوں میرے پاس سرمایہ بھی ہے ان کے پاس سرمایہ نہیں ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ یہ میرے پیچھے لگیں۔ تو یہ ذہنی کشاکشی ہے جو اس وقت شروع ہوئی اور پھر ایک عادت یاد رکھئے......! کہ مزاج انسانوں کا تقریباً پہلے سے ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ سرمایہ داروں پر جس وقت بھی اہل علم تنقید کریں اور ان کی برائیوں کے اوپر گرفت کریں تو سرمایہ داروں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی دولت کے بل بوتے پر پھر علماء کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں لوگوں کے سامنے وہ اپنا ٹھاٹھ باٹھ ظاہر کریں گے اور اہل علم کو جو ان پر تنقید کرنے والے ہیں کسی نہ کسی اعتبار سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے تا کہ لوگوں کے دل میں ان کی عزت اور عظمت نہ

رہے اور لوگ ان کے پیچھے نہ لگیں یہ سرمایہ داروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اہل علم کا گویا کہ کبھی ذکر خیر نہیں کریں گے جب کریں گے ایسے انداز میں کریں گے کہ ان کی کمزوریاں نمایاں کر کے ان پر ایسے طور پر تبصرے کہ لوگوں کے دل میں ان کی عزت نہ ہو۔ نہ لوگوں کے دل میں عزت ہوگی نہ لوگ ان کے پیچھے لگیں گے اور نہ وہ ہمارے اوپر گرفت کریں گے تو مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اس کشاکشی میں قارون نے یہ چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کسی طرح قوم میں رسوا کیا جائے اس طرح سے موسیٰ علیہ السلام پھر بولنے کے نہ رہیں ان کی زبان بند ہو جائے۔

قارون کی موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش:۔

تو اس نے ایک عورت کو تیار کیا اور اس عورت سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام جس وقت وعظ کہہ رہے ہوں (تورات میں یہ حکم آچکا تھا کہ زانی کی سزا رجم ہے) تو مجلس میں کھڑے ہو کر اٹھ کے پہلے یہ مسئلہ پوچھنا کہ زانی کی کیا سزا ہے؟ اور بعد میں پھر موسیٰ علیہ السلام پہ تہمت لگا دینا کہ آپ نے میرے ساتھ یوں کیا۔ یہ سکیم اس نے بنائی چنانچہ ایسے ہی ہوا جس وقت موسیٰ علیہ السلام وعظ کہہ رہے تھے تو اس عورت نے اٹھ کر ایسی بات کہہ دی تہمت لگا دی اس تہمت کا ذکر اور اس عورت کا موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح بات کرنے کا ذکر سورۃ احزاب کے آخری حصے میں بھی مفسرین نے کیا ہے ①

قارون کی سازش بے نقاب ہوگئی:۔

لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ② اے ایمان والو.....! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تھی پھر جو کچھ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا بے گناہ ہونا نمایاں کر دیا موسیٰ علیہ السلام کو بری قرار دیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے جو انہوں نے کہی تھی اس کے متعلق دو واقعات نقل کئے جاتے ہیں ایک وہاں نقل کریں گے ایک یہاں نقل کرتے ہیں کہ کس قسم کی بدزبانی قارون نے کروائی موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ نے اس کی صفائی دیدی جب یہ نوبت آئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کو اللہ کے غضب سے ڈرایا مجمع کے اندر اور کہا کہ صحیح صحیح بات بتادے کہ حقیقت کیا ہے؟ تو جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا غضب سے ڈرایا تو وہ عورت جو تھی اس کے اوپر ہیبت طاری ہوگئی اور اس نے صحیح بات کہہ دی کہ مجھے یہ پٹی قارون نے پڑھائی ہے سازش پکڑی گئی جب پکڑی گئی۔

---

① دیکھئے مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۴ تفسیر مظہری وغیرہ

② پارہ نمبر ۲۲: سورۃ احزاب: آیت نمبر ۶۹

قارون اپنے مال سمیت ہلاک ہوا:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کیلئے بد دعا کی، کہ اس کے سمجھنے کی اب کوئی توقع نہیں رہی۔ یہاں تک کہ اب اس نے یہ جرأت کر دی تو اس بد دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے قارون کو بمع اس کے ساز و سامان کے اور بمع اس کی پارٹی کے زمین میں دھنسا دیا زمین نے منہ کھولا اور ان کو نگل گئی جس طرح سے کوئی زلزلہ آتا ہے اور زمین پھٹتی ہے عمارتوں کی عمارتیں زمین میں بیٹھ جاتی ہیں اسی طرح سے قارون بھی اپنے ساتھیوں سمیت غرق ہو گیا۔ اس قسم کا واقعہ جو پیش آیا کرتا ہے تو قوم آباد سارا شہر آباد تو ایک ہی شخص پر جو اس قسم کی واردات ہوتی ہے یہ علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ یہ اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ علامت ہے اس بات کی کہ نبی کی بد دعا کے نتیجے میں اللہ کے عذاب کے طور پر یہ واقعہ پیش آیا ہے ورنہ اگر یہ اتفاقی زلزلہ ہوتا تو باقی قوم اس سے متاثر کیوں نہیں ہوئی؟ تو تب لوگوں کے ذہنوں میں آیا کہ مال و دولت چاہے کتنی ہی آ جائے جب اللہ کی گرفت آتی ہے تو نہ مال بچاتا ہے اور نہ اس کی پارٹی بچا سکتی ہے اور نہ پیچھے کڑ چھے۔ اس وقت کوئی کام نہیں آ سکتا جس وقت اللہ تعالیٰ کی گرفت آ جاتی ہے۔ اب اس کی اس دنیاداری کو مال کو یہاں ظاہر کرنے کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جلوس کا بھی ذکر کیا جس طرح سے کہ مالداروں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی شان و شوکت ظاہر کرنے کیلئے اپنے مدمقابل کو مرعوب کرنے کیلئے جلوس نکالا کرتے ہیں اس میں اپنی خوب کثرت بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کتنے لوگ ہیں......! تو اسی طرح سے قارون نے بھی کہیں قوم کے اوپر اپنی زیب و زینت کا مظاہرہ کیا۔

قارون اپنی ٹھاٹھ باٹھ دکھانے کیلئے نکلا:۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ جس کا مطلب یہ ہے کہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مزین ہو کر آیا آراستہ پیراستہ ہو کر وہ اپنی قوم پہ نکلا جس میں اس کی دولت کا مظاہرہ بھی تھا اور اس کی قوت و کثرت کا مظاہرہ بھی تھا اور جو اس کے پیچھے کڑ چھے تھے وہ بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ جس وقت یوں کسی کا مظاہرہ ہوا کرتا ہے تو آپ جب چاہیں دیکھ لیں......! آج بھی کیفیت یہی ہے کوئی سیاسی جماعت اپنی قوت اور شدت کا مظاہرہ کرنے کیلئے کوئی شان و شوکت ٹھاٹھ باٹھ دکھاتی ہے تو اس کا بھی کمزور لوگوں پر اثر پڑتا ہے جیسا کہ دولت مند لوگ شادیوں کے موقع پر اپنی ٹھاٹھ باٹھ ظاہر کرتے ہیں اچھے لباس اچھے حالات اچھی سواریاں اچھے زیورات سے اپنی ٹھاٹھ باٹھ دکھاتے ہیں تو اس

وقت جو کمزور لوگ ہوتے ہیں ان دیکھنے والوں کی رال ٹپک پڑتی ہے جن کے سامنے صرف دنیا ہے آخرت ہے ہی نہیں تو وہاں بھی ایسے ہی ہوا جس وقت قارون نکلا اپنے ٹھاٹھ باٹھ میں تو جو لوگ دنیا کا ارادہ کرتے تھے وہ دیکھ کر کہنے لگے، ان کی رال ٹپکی، دل کے اندر حرص آیا کہ اے کاش......! ہمارے لئے بھی یہی مال و دولت ہوتا جو کچھ قارون کے پاس ہے یہ تو بڑا خوش نصیب آدمی ہے۔

دنیا دار ہونے کی علامت:۔

جس طرح کوئی کار والا آپ کے پاس سے گزرے آپ پیدل جا رہے ہوں اور وہ آپ کے پاس سے شوں کر کے مٹی اڑاتا ہوا گزر جائے تو آپ کے دل میں خیال آئے گا کہ کیا ہی اچھا ہوتا ہمارے پاس بھی کار ہوتی ہم بھی اسی طرح سے چلتے۔ کسی کی کوٹھی کے پاس سے آپ گزریں تو آپ کہیں گے کس طرح سے اس کی کوٹھی ہے کیسی مزین کیسی کشادہ اچھے باغیچے والی ایسی ہمارے پاس بھی ہوتی؟ تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ آپ دنیا دار ہیں اور آپ کے دل کے اندر دنیا کی طلب ہے دنیا دار ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ انسان کے پاس دنیا ہو جب دنیا کی محبت قلب کے اندر ہے اور دنیا کی طلب قلب کے اندر ہے تو خود دنیا دار ہے۔ کسی دولت مند کو دیکھ کر اور کسی ٹھاٹھ باٹھ والے کو دیکھ کے یوں دل میں جذبات آنے لگ جائیں ہم بھی ایسے ہوتے، یہ بڑا خوش نصیب آدمی ہے یہ علامت ہے اس بات کی کہ انسان کے خود کے دل میں دنیا کی محبت ہے چنانچہ اس قسم کے لوگوں کے دل میں یوں ہی خیال آیا اور انہوں نے اپنی زبانوں سے یوں اظہار کر دیا۔

اہل علم کا طرز عمل:۔

آگے آ گئی علم والوں کی بات اس قوم میں جو علم والے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں منجھے ہوئے لوگ، اچھے لوگ جن کی توجہ آخرت کی طرف تھی جو دنیا کے فنا ہونے کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے انہوں نے ان کو کہا جو للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے تھے وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ تمہارا ستیاناس ہو تم اس کی ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر متاثر ہو رہے ہو یہ کوئی چیز طلب کرنے کی نہیں نیکی کے بدلے میں جو کچھ اللہ کی طرف سے آخرت میں ملے گا وہ اس سے بھی بہتر ہے دنیا کے اوپر تم رال نہ ٹپکاؤ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کے عنوان سے۔ یہ ہے آپ کو اصل میں سمجھانے کی بات کہ یہ وہ لوگ تھے جو علم دیئے گئے اور پہلے گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یہاں سے فرق معلوم ہو گیا کہ صحیح معنوں میں اہل علم وہ ہوا کرتے ہیں جو دنیا داروں کی ٹھاٹھ باٹھ دیکھ

کے کبھی حرص میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ہائے کاش ہم یوں ہوتے......! حقیقتاً علم والے وہ ہوا کرتے ہیں کہ جن کے سامنے ہمیشہ آخرت کا تصور ہوتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ پھٹے ہوئے کپڑے ہوں کوئی حرج نہیں، خشک روٹی ہو کوئی حرج نہیں، کوٹھیوں کی بجائے جھونپڑیوں میں رہ لیں گے کوئی حرج نہیں۔ حرام طریقے سے دولت کما کے یہ عیش و عشرت کرنا ہمارا کام نہیں ہمارے نزدیک طریقہ وہ اختیار کرنا چاہیے جس سے آخرت آباد ہو تو جس کا یہ جذبہ ہو جو اس انداز سے سوچتا ہے صحیح معنی میں اہل علم میں سے یہ ہے اور جس کے دل میں ہو کہ یار ملنی چاہیے جس طریقے سے بھی دولت ہمیں ملے۔ فلانے نے قوم کی غداری کی اور وہ یوں بن گیا یعنی مال والا اور فلانے شخص نے فلاں طریقہ اپنایا اگرچہ غلط ہے، لیکن اس کی ٹھاٹھ کی زندگی نصیب ہوگئی جو دنیا کے عیش و عشرت کیلئے حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے یہ دنیادار ہوتے ہیں، یہ اہل علم میں سے نہیں۔

علم کی دو قسمیں:۔

تو اس سے آپ لوگ فرق کر سکتے ہیں کہ علم قلب کے اندر اثر انداز کب ہوتا ہے؟ جیسا کہ مشکوٰۃ ① میں حضرت حسن بصری کا قول ہے علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم فی القلب۔ اور دوسرا علم علی اللسان یعنی ایک علم زبان پہ ہوتا ہے ایک علم قلب میں ہوتا ہے اور جو علم قلب میں ہے وہی علم نافع ہے اور جو علم زبان پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہے بنی آدم پر اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بنی آدم کو پکڑے گا اب آپ کے پاس علم علی اللسان ہے یا علم فی القلب ہے تو اس کی علامت یہاں سے معلوم ہوتی ہے کہ علم فی القلب تب ہوگا جس وقت انسان آخرت کی طرف توجہ رکھے اور دنیا کی ٹھاٹھ باٹھ کے اوپر نہ مرے اور دنیاداروں کو دیکھ کے اس کو خیال نہ آئے کہ یہ خوش نصیب ہے بلکہ دنیادار جو اللہ کے نافرمان ہیں حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے ان کو دیکھ کے آپ کو افسوس آئے کہ یہ کتنے بدنصیب ہیں کہ چند دن عیش عشرت کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر رہے ہیں ان کے بدنصیب ہونے کا خیال آئے ان کے خوش نصیب ہونے کا خیال نہ آئے تب تو علم آپ کے قلب کے اوپر اثر انداز ہے اور اگر ان کو دیکھ کے آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ یہ بڑے خوش نصیب ہیں ہم تو ان کے مقابلے میں کچھ نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے قلب کے اندر علم کی محبت نہیں بلکہ دنیا کی محبت ہے ہاں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی جیسے میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

① مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۳۷

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اسی قسم کے مالدار لوگ بھی ہر زمانے میں ہوتے ہیں جو حلال کماتے ہیں حرام کی آمیزش نہیں کرتے اور حلال کما کے دولت اکٹھی کرتے ہیں لیکن قومی ضرورتوں میں مذہبی ضرورتوں میں اپنے اقارب رشتہ داروں میں سب میں خرچ کرتے ہیں اسلام اور برادری کے حقوق ادا کرتے ہیں اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کی ان کو توفیق ہوتی ہے اس قسم کے مال و دولت والے کے سامنے آجانے کے بعد دل میں خیال آنا کہ ہمارے پاس بھی دولت ہوتی ہم بھی اللہ کے رستے میں یوں خرچ کرتے یہ ٹھیک ہے۔

دو قسم کے آدمی قابل رشک ہیں:۔

حدیث شریف میں جیسے آتا ہے سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کے اوپر رشک کرنا چاہیے اور اُن جیسا بننے کی تمنا کرنی چاہیے لَاحَسَدَ اِلاَّ فِی اِثْنَتَیْنِ ① حسد نہیں مگر دو آدمیوں میں۔ حسد سے یہاں رشک مراد ہے دو آدمیوں پر رشک کیا کرو جب وہ تمہارے سامنے آئیں یعنی تمہارے دل میں تمنا ہونی چاہیے کہ ہم ایسے ہوں ایک رَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہو یَقْضِیْ بِہٖ وہ اسی علم کے مطابق فیصلے کرتا ہے یا اس علم و حکمت کو پھیلاتا ہے جب اس قسم کا کوئی آدمی سامنے آجائے، اہل علم جو علم کی نشر و اشاعت کرتا ہے تو تمہارے دل میں یہ ہوس اٹھنی چاہیے کہ کاش ہم بھی ایسے ہوتے......! اور ایک اٰتَاہُ مَالاً فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے پھر اس کو حق پہ خرچ کرنے کی توفیق دی ہے ایسے مالدار کو دیکھ کر اگر دل میں خیال آئے کہ اگر ہمارے پاس مال ہوتو ہم بھی اللہ کے رستے میں اسی طرح خرچ کریں، ان جیسا بننے کی خواہش کی جا سکتی ہے یہ اللہ کے نیک بندے ہیں ان پر اللہ کا فضل ہے، باقی جو حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر دولت کو اکٹھا کرتے ہیں اور عیش و عشرت میں دولت کو خرچ کرتے ہیں ان کی طرف دیکھ کے اگر ان کے خوش نصیب ہونے کا خیال آئے تو آپ دنیادار ہیں دیندار نہیں ہیں قرآن کریم کی یہ آیت یہی بتاتی ہے۔ تو جو اہل علم تھے انہوں نے متوجہ کیا اور کہا کہ اللہ کی طرف سے جو ثواب ملتا ہے وہ بہتر ہے لیکن یہ اللہ کی طرف سے ثواب کن کو ملے گا؟ جو ایمان لائیں گے......! اور نیک عمل کریں گے اور جب پھر قارون کے اوپر بربادی آئی تو یہی لوگ جو کل اس جیسے بننے کی تمنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کاش......! ہمیں وہ چیز مل جائے جو قارون کے پاس ہے وہ تو بڑا خوش

① سنن ابن ماجہ باب الحر/مشکوٰۃ ص ۳۲

نصیب ہے وہی پھر ہاتھ ملنے لگ گئے آنکھیں کھل گئیں کہنے لگے اوہو ہم تو سمجھتے تھے کہ بڑا خوش نصیب ہے۔

وَیۡکَاَنَّ ارے بات تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ رزق کا فراوانی کے ساتھ مل جانا یہ کوئی خوش نصیبی کی بات نہیں ہے...... اہم تو سمجھتے تھے یہ بڑا خوش نصیب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے یہ تو اللہ کی طرف سے اپنی تقسیم ہے کسی بھی مالدار کو دیکھ کے سمجھ لینا کہ یہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ یہ غلط ہے اور پھر ان کو اپنی اس تمنا پر افسوس ہونے لگا کہ یہ تو ہماری بڑی غلطی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت ہی احسان فرمایا کہ ہم پہ گرفت نہیں کی ورنہ دل کے اعتبار سے تو ہم بھی قارون کے ساتھی بن گئے تھے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں بھی اسی قارون کے ساتھ دھنسا دیتا لیکن اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بچالیا پھر آنکھیں کھل گئیں ان لوگوں کی اس واقعہ کو دیکھ کے۔ اللہ تعالیٰ جو یہاں مشرکین مکہ کو یہ واقعہ سناتا ہے اس لئے سناتا ہے کہ تم اتنے بڑے سیٹھ نہیں ہو جتنا بڑا قارون تھا تمہیں اتنی دولت حاصل نہیں جتنی قارون کو حاصل تھی وہ بھی دولت کے ناز پر موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتا تھا ان کے خلاف پارٹی بنائے ہوئے تھا لیکن جب اللہ کی گرفت آئی تو جو بات قارون کو اس کی زندگی میں سمجھائی جارہی تھی جو قارون کہتا تھا کہ مجھے تو اپنی قابلیت کی بناء پر ملا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بات کہی گئی تھی کہ کیا اس کو پتہ نہیں کہ اس سے پہلے کتنے لوگ تھے جو اس سے زیادہ قوت والے تھے اس سے زیادہ کثرت والے تھے اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

کوئی آدمی دنیا بھی اپنی استعداد سے نہیں کمایا کرتا:۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ پہلے بھی ایسے سرمایہ دار آئے تھے جو سمجھتے تھے کہ ہم نے اپنی قابلیت سے کمایا اور اللہ کا فضل نہیں ہے اگر اپنی قابلیت کے ساتھ کمایا ہوتا تو اس کو باقی رکھنے پر بھی قادر ہوتے لیکن جب اللہ چھیننے پہ آجائے تو کوئی روک نہیں سکتا تو سمجھو کہ دولت دینا بھی اللہ کا کام ہے اور کوئی شخص اپنی استعداد سے نہیں کمایا کرتا اور اگر ظاہری طور پر استعداد قابلیت ذریعہ بنتی ہے تو سوچیں کہ یہ استعداد کس کی دی ہوئی ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ماں کے بطن سے پاگل پیدا کر دیتا مجنون پیدا کر دیتا تمہارے دماغ میں بھیجا نہ ڈالتا تو کیا تم دنیا میں کما سکتے تھے؟ اور اگر ہاتھ تمہارے نہ ہوتے یا اپاہج بنا دیتا تو کیا تم ہاتھوں سے کوئی محنت کر سکتے تھے؟ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں معذور پیدا کر دیتا تمہیں اندھا یا گونگا یا بہرا پیدا کر دیتا کیا دنیا کے اندر اس قسم کے بچے نہیں دیکھے جو ماں کے بطن سے ہی استعداد سے

خالی ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کس طرح سے معذوری اور مجبوری کی گزارتے ہیں تو اس لئے اگر کوئی شخص اپنی ان ظاہری استعدادوں سے کماتا ہے اور چاہے محنت آپ کرتے ہیں لیکن محنت کی توفیق اللہ دیتا ہے تو یہ ہے اصل اسلامی ذہنیت ہے تو یہ اللہ تعالیٰ بتارہے ہیں کہ جب اس پر پکڑ آئی تو اس کی دولت کام آئی نہ پارٹی کام آئی۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا

یہ آخرت کا گھر، قرار دیتے ہیں ہم اس کو، ان لوگوں کے لئے جو زمین میں

فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

بلندی کا ارادہ نہیں کرتے نہ فساد کا ارادہ کرتے ہیں، اور اچھا انجام ہے متقین کے لئے ﴿۸۳﴾

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو کوئی اچھی بات لے کر آئے گا پس اس کے لئے اس سے بہتر ہوگی اور جو کوئی بُری حالت لے کر آئے گا،

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا

پس نہیں بدلہ دیئے جائیں گے جنہوں نے بُرائیاں کیں مگر وہی

يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى

جو وہ کرتے ہیں ﴿۸۴﴾ بے شک وہ جس نے تیرے پہ قرآن کو متعین کیا البتہ لوٹانے والا ہے آپ کو

مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ

معاد کی طرف آپ کہہ دیجئے میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت لے کے آیا اور جو کوئی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ

صریح گمراہی میں ہے ﴿۸۵﴾ اور تو امید نہیں رکھتا تھا کہ تیری طرف کتاب اتاری جائے گی

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

مگر یہ کتاب کا ملنا تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے ہے پس تو کافروں کے لئے پشت پناہ نہ بننا ﴿۸۶﴾

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ

ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ کی آیات سے بعد اس کے کہ اتار دی گئیں آپ کی طرف، اور آپ بلائیں

اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ
اپنے رب کی طرف دعوت دیتا رہ اور مشرکوں میں سے نہ ہونا﴿۸۷﴾ اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ نہ پکارنا،
اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ
کوئی معبود نہیں مگر وہی۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے
لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾
اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۸۸﴾

تفسیر

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا قرار دیتے ہیں ہم اس آخرت کے گھر کو، ان لوگوں کیلئے جو زمین میں بلندی کا ارادہ نہیں کرتے نہ فساد کا ارادہ کرتے ہیں وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ اور اچھا انجام ہے متقین کیلئے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا جو کوئی اچھی بات لے کر آئے گا پس اس کیلئے اس سے بہتر ہوگی، یعنی جتنی وہ اچھائی لے کر آئے گا اس سے بہتر اس کو جزا ملے گی وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ اور جو کوئی بُری حالت لے کر آئے گا فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ پس نہیں بدلہ دیئے جائیں گے، وہ لوگ جنہوں نے بُرائیاں کیں اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ مگر وہی جو وہ کرتے تھے۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ بے شک وہ جس نے تیرے پہ قرآن کو متعین کیا، یعنی قرآن کی تبلیغ متعین کی، قرآن کی تلاوت متعین کی، قرآن کے اُوپر عمل کرنا متعین کیا یعنی جس نے آپ پر قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے۔

یہ حاصل مفہوم ہے، ورنہ اصل ترجمہ ہے کہ بے شک وہ جس نے تیرے اُوپر قرآن کو متعین کیا ہے، لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ البتہ لوٹانے والا ہے آپ کو معاد کی طرف، مَعَادٍ ظرف کا صیغہ ہے عَادَ یَعُوْدُ سے، لوٹنا معاد، لوٹنے کی جگہ، لوٹنے کا ٹھکانہ اس لئے ہم آخرت کو معاد کہتے ہیں معاد کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ کی طرف سے آئے اللہ کی طرف ہی لوٹ کے جائیں گے اصل ٹھکانہ ہمارا وہی ہے۔

اب یہاں معاد سے کیا مراد ہے؟ تفسیروں میں دو باتیں لکھی ہیں، یا تو معاد سے مکہ مکرمہ مراد ہے جو حضور ﷺ کا اصل وطن ہے، یاد ہوگا شروع سورت میں آپ سے عرض کیا تھا کہ یہ سورت ہجرت کے موقع پر اتری تھی تو گویا کہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے وطن کی طرف لوٹائے گا آپ اسی طرح سے کامیاب اپنے وطن کی جانب آئیں گے، جس طرح سے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی گود سے موسیٰ علیہ السلام گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ ① ہم موسیٰ کو تیری طرف لوٹائیں گے جس طرح اللہ کا وہ وعدہ سچا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ آپ سے بھی وعدہ کرتے ہیں کہ آپ اپنے وطن کی طرف لوٹیں گے اور یہ وعدہ بھی سچا نکلا۔ آنے والی تاریخ نے بتا دیا کہ حضور ﷺ دوبارہ اسی وطن میں آئے اور بڑی شان و شوکت سے آئے تو اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا تو معاد سے مکہ معظمہ بھی مراد لیا گیا ہے گویا کہ یہ وعدہ ہے اسی قسم کا جس طرح کا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کیا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا حضور ﷺ واپس مکہ مکرمہ میں آئے یہ علیحدہ بات ہے کہ پھر اپنی مرضی سے سکونت مدینہ منورہ میں رکھی ورنہ وہ جگہ آپ کو واپس مل گئی تھی۔ یا پھر معاد سے مطلقاً اچھا انجام مراد ہے کہ آج اگرچہ آپ مغلوب نظر آتے ہیں کافروں نے تنگ کر کے آپ کے وطن سے آپ کو نکال دیا اور آپ بظاہر بے سہارا، مال و دولت سے خالی مہاجر بن کر نکل رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کا انجام بڑا اچھا کرے گا دنیا و آخرت میں آپ کو اچھے انجام کی طرف لوٹائے گا اس عام مفہوم کے اندر پھر مکہ کی طرف لوٹنا بھی ہو سکتا ہے اور دنیا و آخرت میں ہر کامیابی بھی اس کا مصداق بن سکتی ہے قُلْ رَّبِّیْٓ آپ کہہ دیجئے میرا رب خوب جانتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى جو ہدایت لے کے آیا وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور جو کوئی صریح گمراہی میں ہے وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اور تو امید نہیں رکھتا تھا کہ تیری طرف کتاب اتاری جائے۔ تجھے تو کوئی توقع بھی نہیں تھی کیونکہ جس شخص نے نبی بنا ہوتا ہے۔ اس کو پہلے سے یہ تمنا خواہش نہیں ہوتی کہ اسے نبی بنا دیا جائے اور نہ وہ اس رستے میں نبی بننے کیلئے کوئی محنت کیا کرتا ہے کیونکہ یہ کسبی چیز تو ہے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے موہبت اور عطیہ ہے جو بغیر کسب کے ملتا ہے۔

جیسا کہ پیچھے گزرا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری عطا کر دی۔ اس طرح سے حضور ﷺ کو بھی کوئی پتہ نہیں تھا کہ مجھے کتاب ملنے والی ہے آگے سورۃ شعراء میں آئے گا مَا كُنْتَ

---

① سورۃ قصص: آیت نمبر ۷: پارہ نمبر ۲۰

تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ ① تجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے ایمان کیا ہوتا ہے یہ اللہ نے اپنی طرف سے فضل فرما کر ایک نور دیدیا۔ تو امید نہیں رکھتا تھا کہ تجھ پر کتاب ڈالی جائے گی اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ مگر یہ کتاب کا ملنا تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے ہے اُلۡقِیَ اِلَیۡکَ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ہم نے تجھے یہ کتاب دی تیرے رب کی طرف سے مہربانی کی وجہ سے فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَہِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ پس تو کافروں کیلئے پشت پناہ، مددگار نہ بننا اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کی مرضی کے مطابق آپ کسی حکم کو چھپالیں کسی حکم میں تبدیلی کردیں اس قسم کی کوئی بات کر کے کافروں کے مددگار نہ بنیں یہ بظاہر خطاب حضور ﷺ کو ہے حقیقت میں ان کافروں کو مایوس کرنا مقصود ہے جو حضور ﷺ کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنے ساتھ کرنا چاہتے تھے کہ آپ یہ وعظ توحید کی چھوڑ دیں شرک والے دین کے حامی بن جائیں جن کے دلوں میں یہ تمنا تھی تو ان کو مایوس کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدت سے منع کیا جارہا ہے کہ آپ کافروں کے پشت پناہ، مددگار نہ بنیں یعنی ان کی مرضی کے مطابق نہ چلیں اور ان کے کہنے کی بناء پر دین کے کسی حکم کو چھوڑیں نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی کریں۔

وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ اس کا بھی یہی مفہوم ہے لَا یَصُدُّنَّ جمع کا صیغہ ہے مؤکد ہے ہرگز نہ روکیں آپ کو یہ مشرک اللہ کے احکام سے اللہ کی آیات سے بعد اس کے کہ تیری طرف اتار دی گئیں وَادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ اپنے رب کی طرف دعوت دیتا رہ وَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ اور مشرکوں میں سے نہ ہونا اس جماعت میں کبھی شامل نہ ہونا یہ تاکیدیں آپ کو کی جارہی ہیں مایوس ان کو کرنا مقصود ہے کہ ان سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ ہمارے ساتھ شامل ہوجائیں گے جبکہ اللہ کی طرف سے ان کو بار بار تاکید کی جارہی ہے وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ نہ پکارنا یعنی نہ تو پکار اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ کوئی معبود نہیں مگر وہی کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ باقی رہنے والی اسی کی ذات ہے باقی ہر چیز فانی ہے لَہُ الۡحُکۡمُ اسی کیلئے حکم ہے وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے حکم دینا بھی اسی کے لئے ہے اور آخر میں مرجع بھی اسی کی طرف ہے آخر میں توحید کی تاکید آ گئی شرک کی مذمت آ گئی جو حاصل ہے ہر سورت کا اور اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں اسی کی تاکید فرماتے ہیں۔

① پارہ نمبر ۲۵: سورۃ شوریٰ: آیت نمبر ۵۲

سُورَةُ

العَنكَبُوت

مَكِّيَّة

آیاتها ۶۹ ۲۹ سُوۡرَةُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ رکوعاتها ۷

سورۂ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی اس میں اُنہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ

الٓمّٓ ① کیا لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ انہوں نے اٰمَنَّا کہہ دیا اور وہ

لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ

آزمائے نہیں جائیں گے ② البتہ تحقیق آزمائش میں ڈالا ہم نے اُن لوگوں کو جو ان سے پہلے گذرے ہیں پھر البتہ ضرور جانے گا

اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ اَمۡ حَسِبَ

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو سچے ہیں اور البتہ ضرور جانیگا اُن لوگوں کو جو جھوٹے ہیں ③ کیا سمجھ لیا ہے

الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۞

انہوں نے جو بُرے بُرے اعمال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، بہت بُرا فیصلہ کرتے ہیں وہ لوگ ④

مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ

جو شخص اللہ سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ تو آنے والا ہے اور وہ

السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۞ وَمَنۡ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ ؕ

سننے والا اور جاننے والا ہے ⑤ جو کوئی اللہ کے راستہ میں کوشش کرتا ہے تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کوشش کرتا ہے اپنے لئے،

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

اللہ تو سارے جہانوں سے بے نیاز ہے ⑥ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ

ضرور ہم ان سے دور ہٹادیں گے اُن کی بُرائیاں اور البتہ ضرور دیں گے ہم ان کو بہترین بدلہ

الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

اس عمل کا جو وہ کیا کرتے تھے ۞ تاکید کی ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق

حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

اچھا برتاؤ کرنے کی، اگر وہ تیرے پہ زور ڈالیں تاکہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے اس چیز کو جسکا تجھے کوئی علم نہیں،

فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر ان کا کہنا نہیں ماننا، میری طرف تم سب کا لوٹنا ہے پھر میں خبر دوں گا ان کاموں کی جو تم کرتے تھے ۞

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِيْنَ ۝

وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں البتہ ہم ضرور داخل کریں گے ان کو اچھے لوگوں میں ۞

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ

اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پہ ایمان لے آئے اور جب ان کو ایذاء دی جاتی ہے اللہ کے راستہ میں،

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

تو لوگوں کے فتنے کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتے ہیں، پھر اگر اللہ کی طرف سے کوئی مدد آجائے

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ

تو پھر یہ لوگ کہیں گے ہم تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ تعالیٰ جانتا نہیں ان باتوں کو جو جہان والوں

الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

کے دلوں میں ہے ۞ البتہ ضرور جانے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور ضرور جانے گا منافقین کو ۞

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِيۡلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ
کہاان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیاان لوگوں سے جوایمان لے آئے تم ہمارے طریقہ کی اتباع کرو، البتہ ہم ضرور اٹھالیں گے
خَطٰيٰكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِيۡنَ مِنۡ خَطٰيٰهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ اِنَّهُمۡ
تمہارے گناہ۔ نہیں یہ اٹھانے والے ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی، یہ
لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ
جھوٹ بول رہے ہیں ﴿۱۲﴾ البتہ ضرور اُٹھائیں گے یہ لوگ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی
وَلَيُسۡـئَـلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع
اورالبتہ ضرور پوچھے جائیں گے ان باتوں کے متعلق جو یہ جھوٹی تراشا کرتے تھے ﴿۱۳﴾

سورت کا تعارف اور اس کے مضامین:۔

سورۃ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی اس کی ۶۹ آیتیں ہیں ۷ رکوع ہیں مکہ معظمہ کی زندگی کے آخر دور کی یہ سورت ہے، جس وقت مشرکین کی طرف سے ایمان قبول کرنے والوں پر بہت تشدد ہو رہا تھا، اور اس کے نتیجے میں اہل ایمان مجبور ہو رہے تھے، اپنا علاقہ چھوڑ کر دوسرے علاقے کی طرف جانے کیلئے، اس سورت میں زیادہ تر اہل ایمان کو مصیبتیں سہنے اور برداشت کرنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے، اور ان مصیبتوں پر تسلی بھی دی گئی ہے، کہ اللہ کے راستے میں مصیبتیں اٹھانا تمہاری خصوصیت نہیں، پہلے بھی جو لوگ ایمان لائے تھے، کفار کی طرف سے ان کو بھی تکلیفیں پہنچی تھیں اور اللہ کے رستے میں تو تکلیفیں پہنچتی ہی ہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ مصیبتیں برداشت کرو اور صبر کرو ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سارے راستے کھول دے گا۔ سورۃ کے آخری حصہ میں ہجرت کی ترغیب آئے گی اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کرنے کیلئے کہا جائے گا اور ابتدائی آیات بھی اسی مضمون پر مشتمل ہیں درمیان میں امم سابقہ کے کچھ واقعات نقل کئے جائیں گے۔ صحابہ کرام ؓ کو سنایا جائے گا کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام جو آئے تھے ان کے ساتھ کفار نے کیا معاملہ کیا......! اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ کفار نے

کیا معاملہ کیا آخرانجام انہیں کا اچھا ہوا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی۔ نام اس سورت کا ماخوذ ہے کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ سے یعنی وہیں سے سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔

تفسیر

الٓمّٓ حروف مقطعات میں سے ہے اور ایسے حروف آپ کے سامنے کئی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان کو حروف مقطعات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جوڑ کر نہیں پڑھے جاتے بلکہ الگ الگ الف، لام، میم علیحدہ علیحدہ ان کو پڑھا جاتا ہے، اسی طرح سے کہ آپس میں ان کی ترکیب نہیں ہے اس لئے ان کو مقطعات کہتے ہیں اور یہ متشابہات میں داخل ہیں اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ ان حروف سے اللہ کی جو مراد ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور بعض مفسرین اسے سورۃ کا نام قرار دیتے ہیں کہ عنکبوت بھی اس کا نام ہے اور الٓمّٓ یہ بھی اس کا نام ہے۔

قبولِ دین کے بعد قربانیاں دینی پڑتی ہیں:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا کیا لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے.....! اتنی بات پر کہ انہوں نے اٰمَنَّا کہہ دیا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ البتہ تحقیق آزمائش میں ڈالا ہم نے ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے ہیں فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا پھر البتہ ضرور جانے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ اور البتہ ضرور جانے گا ان لوگوں کو جو کہ اظہار ایمان میں جھوٹے ہیں یہ تمہیدی آیات ہیں گویا کہ عنوان متعین کر دیا گیا۔ ایمان قبول کر لینے کے بعد جس وقت کفار کی طرف سے سختیاں ہوتی تھیں تو آخر انسان مصیبتوں اور سختیوں میں گھبراتا ہے سختیوں اور مصیبتوں کے سہنے برداشت کرنے پر آمادہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان لا کر جنت حاصل کرنے کی تمنا یہ کوئی ایسا سستا کام نہیں ہے کہ تم نے بس لا الہ الا اللہ پڑھ لیا بس اب ایک آسان راستے کے ذریعے تم اپنی منزل پہ پہنچ جاؤ گے ایسی بات نہیں ہے یہ بڑا کٹھن راستہ ہے اور اللہ کا دین قبول کر لینے کے بعد انسان کو بہت ساری قربانیاں دینی پڑتی ہیں یوں نہ سمجھو.....! کہ کلمہ پڑھ لیا بس اب ہم چھوٹ گئے دنیا میں بھی ہمارے لئے خوشحالی اور آخرت میں بھی ہمارے لئے خوشحالی ہوگی۔

ایسی بات نہیں ہے پچھلی تاریخ کے واقعات اس بات پر شاھد ہیں کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اللہ نے ان کے اوپر مصائب ڈالے مختلف قسم کی آزمائشوں کے اندر ان کو ڈالا گیا ہر طریقے سے ان کو جانچا گیا جس سے

مقصد یہ ہے کہ دنیا کے اندر بھی ظاہر ہو جائے یہ آپ کے سامنے پہلے بھی بات عرض کی گئی تھی کہ اس میں اللہ کی طرف نسبت ہے تا کہ اللہ جان لے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی جانتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نمایاں طور پر ظاہر کرنا مقصود ہے، تا کہ تم بھی جان لو کہ یہ دو قسمیں ہیں، تو یہاں ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، کہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ جان لے، تا کہ تمہیں بھی علم ہو جائے کہ کون تو ایمان لانے میں سچا ہے اور کون ہے کہ جس نے صرف زبان سے تو کہہ دیا ہے، لیکن دل سے مخلص مومن نہیں یہ جانچ پڑتال مصائب کے ذریعے سے ہوتی ہے جتنا فتنہ ہوگا جتنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے اتنا ہی خلوص نمایاں ہوتا ہے کہ کون اس کلمہ پڑھنے میں سچا ہے اور اس کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہے اور کون جھوٹا ہے کہ زبان سے تو کہتا ہے لیکن جب اللہ کے نام پر پٹنے کی باری آتی ہے تو پھر میدان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی ایک صحابی کو تسلی:۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سرورِ کائنات ﷺ اپنی چادر سرہانے رکھ کر بیت اللہ کے سائے میں سو رہے تھے اتنے میں ایک صحابی آ گئے وہ مشرکین کے ہاتھوں کچھ پریشان تھے تو آ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ ان مشرکین کیلئے بددعا کر دیجئے......! یہ تو بہت سختی کرتے ہیں یعنی اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مشرکین سے تکالیف پہنچنے کی وجہ سے گھبرایا ہوا تھا تو حضور ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے، فرمانے لگے کہ تم پر کیا سختیاں ہوئیں، تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان کے اوپر اس سے زیادہ سختیاں ہوئیں، پھر دو باتیں حضور ﷺ نے بیان فرمائیں کہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص ایمان قبول کرتا تو کافر اس کو پکڑ کر اس کے سر پر آری رکھتے اور سر سے لیکر دو ٹانگوں کے درمیان تک ان کو آری سے چیر دیتے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ لوہے کی کنگھیاں لوہے کے دندانے لے کر زندہ انسان کے اوپر پھیرتے اور اس طرح سے اس کا سارا چمڑا نوچ لیا جاتا تھا یہ سختیاں بھی ان کو ایمان سے نہیں پھیر سکیں اور تم ابھی گھبرا گئے؟ تم پر تو وہ سختیاں آئی ہی نہیں جو کہ پہلے لوگوں پر آئی تھیں آریوں کے ساتھ وہ چیرے گئے لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ وہ ادھیڑے گئے تم جلدی مچا رہے ہو ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ دے گا اور یہ ساری کی ساری مصیبتیں دور ہو جائیں گی ①، اس قسم کے واقعات بیان کر کے حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کا

① مشکوٰۃ ص ۵۲۴ عن خباب بن الارتؓ صحیح البخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام

حوصلہ بڑھاتے تھے، کہ اس راستے میں یہ مصیبتیں سہنی پڑیں گی صبر کرو......! اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر توکل رکھو......! کہ ایک نہ ایک دن یہ ساری مصیبتیں ٹل جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا مقصد؟:۔

تو اس پہلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اٰمَنَّا کہنے سے ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے، اور تمہیں کامیابی کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا، ایسا نہیں ہوگا، بلکہ آزمائے جاؤ گے فتنے میں ڈالے جاؤ گے ہم نے پہلے بھی اسی طرح لوگوں کو آزمایا اور فتنے میں ڈالا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا یہ علم لوگوں کے سامنے بھی ظاہر ہو جائے کہ ان میں بعض سچے ہیں اور بعض جھوٹے ہیں سچے جو ہیں وہ ممتاز ہو جائیں اور جھوٹے مصیبتوں کے اندر اپنا حوصلہ چھوڑ دیتے ہیں اور کافروں کی مرضی کے مطابق وہ پھسل جاتے ہیں ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے، تاکہ جان لے اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر، یعنی یہ واقعہ پیش آیا ہوا اللہ تعالیٰ جان لے، ایک اللہ کا جاننا ہے، کہ ایسا ہوگا، اور ایک اللہ کا جاننا ہے، کہ ایسا ہو گیا تو ایسا ہو گیا کے طور پر جاننا مقصود ہے جو کہ ظاہر ہونے کے بعد ہی ہوگا پھر ضرور جانے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو سچے ہیں یعنی اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔

اور البتہ اللہ تعالیٰ ضرور جانے گا ان لوگوں کو جو کہ جھوٹے ہیں جن کو آپ وعظ میں کہتے ہیں دودھ پینے والے مجنوں۔ کہ جب خون دینے کیلئے کہا جائے تو ان کا پتہ اسی وقت چلتا ہے ورنہ تو ہر کوئی مجنون ہے واقعہ مشہور ہے لیلیٰ و مجنون کے قصے میں یعنی عشق کی باتیں سمجھانے کیلئے اور محبت کی باتیں سمجھانے کیلئے یہ امام مذہب ہیں جس طرح ہر فن کے اندر اس کے امام کے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں تو عشق مجازی جو ہے یہ عشق حقیقی کیلئے ایک آئینہ ہے تو محبت کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟ عشق کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟ تو یہ سمجھانے کیلئے انہیں عشاق کے واقعات دلیل بنتے ہیں تو یہ مجنوں جو تھا اس کا اصل نام قیس ہے، مجنون کا معنی تو دیوانہ ہے، اور یہ لیلیٰ کی محبت میں دیوانہ تھا، اور لیلیٰ کو بھی اس کا علم تھا، یہ کہیں باہر جنگل میں ٹھہرا ہوا تھا، جس طرح سے واقعہ بیان کیا کرتے ہیں، کہ لیلیٰ دودھ بیچا کرتی تھی اور راستے میں ایک اور مصنوعی مجنون بن کر بیٹھ گیا اور جو خادمہ دودھ لے کر جاتی اس سے وہ دودھ لیکر پیتا رہتا اور جو اصل مجنون تھا وہاں تک وہ دودھ پہنچتا ہی نہیں تھا کئی دن جو گزرے تو لیلیٰ نے سوچا کہ کیا بات ہے مجنون کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آ رہا؟ یہ دودھ جاتا ہے اور وہ چپ کر کے پیالہ پی کر واپس کر دیتا ہے نہ کوئی

محبت کا پیغام نہ کوئی بات اس طرح سے تو یہ بات نہ ہوئی اس کو شک پڑ گیا تو اس نے اس دودھ لے جانے والے سے کہا کہ لیلیٰ کہہ رہی تھی کہ اس میں اپنا خون ڈال کر واپس کرو......! تو جس وقت وہ دودھ لے کر گئی اور دودھ راستے والے مصنوعی مجنوں نے پی لیا تو خادمہ نے کہا کہ لیلیٰ کہہ رہی تھی کہ اس میں اپنا خون ڈال کر بھیجنا تو کہتا ہے کہ خون دینے والا تو آگے بیٹھا ہے ہم تو دودھ پینے والے ہیں تو محبت کا دعویٰ کر کے صرف دودھ پینا ہی نہیں ہوتا، بسا اوقات خون بھی دینا پڑتا ہے، تب پتہ چلتا ہے کہ دودھ پینے والا کون ہے؟ اور خون دینے والا کون ہے یہ واقعات اور مصائب بھی ہوا کرتے ہیں تو دوستیوں یاریوں کی پہچان انہیں واقعات سے ہوا کرتی ہے کہ کون وفادار ہے؟ اور کون بے وفا ہے؟ تو اگر اللہ کی دوستی کا دم بھرتے ہو اور اس کے رسول سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو ان کیلئے ماریں بھی کھانی پڑیں گی گھبرا کیوں جاتے ہو؟ اسی پر آمادہ کرنا مقصود ہے اس آیت کا حاصل یہی ہے۔

اہل ایمان کو ستانے والوں کو اللہ کی طرف سے ڈانٹ:۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ یہ ان تنگ کرنے والوں کو تھوڑی سی ڈانٹ پلائی ہے یعنی مسلمانوں کو تنگ کرنے والے مشرکین، کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں جو بری بری حرکتیں کرتے ہیں برے اعمال کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا وہ ہم سے سبقت لے جائیں گے اور پکڑے نہیں جائیں گے سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں وہ لوگ۔ یعنی ان کا اگر خیال ہے کہ وہ اسی طرح گڑ بڑ کرتے رہیں گے برائیاں کرتے رہیں گے ہم ان کو پکڑ نہیں سکیں گے تو یہ ان کا خیال بہت برا خیال ہے یہ ایک دن ہماری گرفت میں آ جائیں گے یہ ان دشمنوں کو تھوڑی سی ڈانٹ پلائی ہے جو کہ اہل ایمان کو پریشان کرتے تھے۔ السَّیِّاٰتِ یعنی الاعمال السَّیِّاٰتِ اس کا موصوف جو ہے یہ اعمال ہے کیا انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ برے برے جو اعمال کرتے ہیں ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔ ہم سے سبقت لے جانے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم ان کو پکڑنا چاہیں وہ آگے بھاگ جائیں اگر ان کے دل میں یہ خیال ہے کہ ہم ایسے ہی کرتے رہیں گے تو سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ تو یہ انہوں نے بہت برا فیصلہ کیا۔

کسی کا کوئی حال اللہ سے مخفی نہیں:۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یہ پھر وہی ایمان والوں کیلئے تسلی ہے جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے آگے جزا اس کی محذوف ہے فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ اس جزا کے اوپر دال ہے معنی یوں ہوا کہ جو کوئی اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اس کو اللہ کی رضا کیلئے تکلیفیں سہنی چاہیں کیوں اس لئے کہ اللہ کا وعدہ تو آنے والا ہے وعدے کے مطابق ملاقات تو ہو جائے گی پھر جب اللہ تعالیٰ کیلئے ماریں کھائی ہوں گی تو پھر اللہ تعالیٰ وہاں پٹنے والوں کو نواز دیں گے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم اللہ سے ملنے والے ہیں انہیں اللہ کے رستے میں تکلیفیں اٹھانی چاہئیں بے شک اللہ تعالیٰ کا متعین کیا ہوا وقت البتہ آنے والا ہے وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے تو یہ ایک عاشق کیلئے بہت بڑی قوت کی بات ہوتی ہے کہ جس کیلئے ہم یہ مصیبت اٹھا رہے ہیں سب کچھ اس کو پتہ ہے کہ میرے رستے میں یہ پٹ رہے ہیں اگر ہم اپنی زبان سے کوئی ہائے کہتے ہیں تو وہ سنتا ہے کہ واقعی میری وجہ سے ان لوگوں کی چیخیں نکل رہی ہیں اور ایک عاشق کیلئے یہ بہت بڑی تسلی کی بات ہوتی ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سننے والا جاننے والا ہے کسی کی کوئی بات اللہ سے مخفی نہیں اور کسی کا کوئی حال اللہ سے مخفی نہیں۔

راہِ خدا میں مصیبتیں برداشت کرنا اپنا ہی فائدہ ہے:۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ، جَاهَدَ مُجَاهَدَةً اللہ کے رستے میں مشقت برداشت کرنا جہاد کا یہی معنی ہوا کرتا ہے مجاہدہ اور جہاد ایک ہی چیز ہے باب مفاعلہ اس کا مصدر قتال بھی آیا کرتا ہے مقاتلہ بھی۔ جو کوئی اللہ کے رستے میں کوشش کرتا ہے تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کوشش کرتا ہے اپنے لئے ہی تمہارا اپنا ہی اس میں فائدہ ہے میرا تو اس میں کوئی فائدہ نہیں میرے رستے میں اگر کوشش کرو گے میرے لئے اگر مصیبتیں برداشت کرو گے اس میں فائدہ تمہارے ہی لئے ہے اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اللہ تو سارے جہانوں سے بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج کسی کا ضرورت مند نہیں یہ بھی ایک برانگیختہ کرنے کا طریقہ ہوتا ہے ایک تسلی کا وہ انداز ہے کہ یہ آزمائش ہے اس میں پورا اترنے کی کوشش کرو اور اللہ سے تمہاری ملاقات ہونے والی ہے اور وہ وقت قریب آ رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبتوں پر بڑا اجر دے گا اور دوسرا طریقہ پختہ کرنے کا یہ ہوا کرتا ہے کہ مصیبتیں اگر اٹھا رہے ہو اس میں گھبرانے کی

کیا بات ہے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے ہمارا تو کوئی فائدہ نہیں اگر مصیبتیں نہیں اٹھاؤ گے اور دنیا کے اندر خوشحالی تلاش کرنا شروع کر دو گے تو اپنا نقصان کرو گے ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا اس لئے جتنی مشقت اٹھاؤ گے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔ جو کوئی مشقت اٹھاتا ہے سوائے اس کے نہیں مشقت اٹھاتا ہے اپنے نفس کیلئے بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے اللہ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں بھلا تم میرے رستے میں مصیبتیں اٹھا کر میرے پہ احسان جتلاؤ حالانکہ اس میں فائدہ تمہارا ہی ہے جو کچھ کرتے ہو تم اپنے لئے ہی کرتے ہو۔

ایمان اور عمل صالح کی برکت سے کفر و شرک کے زمانہ کی بُرائیاں معاف ہو جائیں گی:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ضرور ہم ان سے دور ہٹا دیں گے ان کی برائیاں یعنی ان سے جو چھوٹے موٹے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں وہ سب ایمان اور عمل صالح کی برکت سے دور ہٹا دیں گے کفر و شرک کے زمانے کی برائیاں ایمان سے معاف ہو جائیں گی اور آگے جب آپ کا قصد نیک عمل کرنے کا ہوگا نیک اعمال آپ کریں گے تو چھوٹے موٹے گناہ دنیا کے معاشرے کے اندر رہتے ہوئے آخر انسان کے ساتھ نفس ہے ماحول کی مجبوریاں ہوتی ہیں کہیں نہ کہیں انسان کا پاؤں پھسلتا ہے لغزش ہو جاتی ہے چھوٹے موٹے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اس طرح سے جس طرح کہ آپ صاف کپڑے پہن کر بازار میں نکلیں تو کہیں سے کوئی چھینٹا پڑ گیا کوئی گرد و غبار پڑ گیا تو یہ چھوٹے موٹے گناہ ہی سیات ہوا کرتے ہیں وہ نیکی کی برکت سے اللہ تعالیٰ معاف کرتے رہتے ہیں۔ ان کی برائیاں ان سے ہم دور ہٹا دیں گے۔

والدین کے دین کو چھوڑنا بھی امتحان ہے:۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ احسن کا لفظ جزا کی صفت ہے اور البتہ ضرور دیں گے ہم ان کو بہترین بدلہ اس عمل کا جو وہ کیا کرتے تھے یعنی جو عمل وہ کرتے تھے اس سے بہترین بدلہ ہم دیں گے۔ بہترین یوں ہو گیا کہ اس عمل کا صرف بدلہ ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دیں گے۔ اہل ایمان کیلئے جس قسم کے فتنے اور آزمائشیں پیش آ رہی تھیں ان میں سے ایک عظیم فتنہ یہ تھا کہ اگر کوئی بچہ اسلام قبول کر لیتا تو اس کے ماں باپ اس کو اپنا حق یاد دلا کے اس رستے سے روکنے کی کوشش کرتے یہ بھی انسان کی زندگی میں ایک امتحان ہے کہ آپ ایک نیکی کرنا چاہتے ہیں اور والدین اس نیکی سے روکتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ چیز تھی کہ اگر کوئی بچہ مسلمان ہو جاتا تو

والدین اس کو اپنا حق جتلاتے کہ دیکھو......! ہم تمہارے ماں باپ ہیں ہمارا کہنا ماننا تم پر فرض ہے یہ کونسا دین ہوا کہ تم ماں باپ کی نافرمانی کررہے ہو۔ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اس دین کو چھوڑ دو اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت والدین کی اطاعت ہے:۔

چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور وہ اپنی والدہ کے بے حد خدمتگار تھے ان کے ساتھ اس قسم کا واقعہ پیش آیا ان کی والدہ مشرکہ تھی جس وقت اس کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے نے تو اپنا دین چھوڑ دیا دوسرا دین قبول کرلیا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ دیکھو......! میں تمہیں اپنا حق معاف نہیں کروں گی اور اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گی جس وقت تک کہ تو اپنے سابق دین کی طرف نہ آ جائے اور نہ ہی پیوں گی مطلب یہ تھا جس کو آج کل کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ احتجاجاً اس نے بھوک ہڑتال کردی کہ میں بھوکی مرجاؤں گی اور یہ رسوائی ساری زندگی تیرے سر پہ رہ جائے گی کہ اس نے اپنی ماں کو بھوکا پیاسا ماردیا یا تو میرا کہنا مان اور اس دین کو چھوڑ دے اور اپنے سابق دین کی طرف واپس آ جا اور یہ بہت بڑا امتحان تھا جو سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سامنے آ گیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت آ گئی کہ والدین کا حق واقعی بہت زیادہ ہے لیکن اللہ کے مقابلے میں نہیں۔ والدین کی اطاعت اس وقت تک کرو جس وقت تک کہ ان کا حکم اللہ کے حکم کے مطابق ہو اللہ کی اطاعت کے تحت والدین کی اطاعت ہے اور اگر والدین کوئی اس قسم کا حکم دیدیں جو اللہ کے حکم کے خلاف ہے اللہ کی عبادت کے خلاف ہے اطاعت کے خلاف ہے تو تمہارے والدین اللہ کے باغی ہوگئے تو تم ان کی اطاعت کرو جو ان کا بھی مالک ہے یعنی تمہارے والدین بھی اس بات کے مکلف ہیں کہ اللہ کی اطاعت کریں اور تم بھی مکلّف ہو اس اللہ نے ہی تو حکم دیا ہے کہ والدین کا کہنا مانو اگر والدین ہی اللہ کے باغی ہوجائیں گے تو وہ اس بات کے حقدار نہیں کہ تم ان کی اطاعت کرو ہم نے اور ہمارے والدین نے مل کر اللہ کا کہنا ماننا ہے والدین کا حکم اگر اللہ کے حکم کے تحت ہو تو ہم مانیں گے ورنہ وہ اللہ کے باغی ہیں اور ہم باغی کا حکم نہیں مانتے۔

حدیث شریف میں صاف طور پر اعلان کردیا گیا کہ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ ① جہاں خالق کی نافرمانی پیش آئے وہاں کسی مخلوق کا کہنا ماننا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ مخلوق جو بھی ہو، چاہے ہمارا باپ ہو چاہے ہمارا

① مشکوٰۃ ص ۳۲۱/ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۴۵/ ترمذی باب لاطاعۃ/ مسند الشہاب القضاعی ج ۲ ص ۵۵ مطبوعہ بیروت

پیر ہو چکا ہے ہمارا استاد ہو اللہ کی مخلوق ہے اور وہ مخلوق ہونے کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت کی مکلف ہے اور اللہ نے ہمیں حکم دیا ہوا ہے کہ تم ان کا کہنا مانو اور اگر وہ نافرمان ہو جائیں سیدھے راستے سے پھر جائیں تو پھر وہ باغی ہو گئے تو اگر وہ اپنے بڑے کے باغی ہیں تو ہم چھوٹوں کو اپنا مطیع کس طرح سے رکھ سکتے ہیں؟ ہم تو ان کے بھی بڑے کی اطاعت کریں گے اس لئے ماں باپ کا حکم شریعت کے خلاف ہو تو ماننا جائز نہیں ہے اور اس بارے میں بچہ نافرمان نہیں سمجھا جائے گا بلکہ والدین کے اوپر ڈبل جرم ہو گیا کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں پھر دوسروں کو اللہ کی نافرمانی پر مجبور کر رہے ہیں اس بارے میں ماں باپ کا ڈبل جرم ہو گیا ایسے وقت میں ماں باپ کی نہ مانو......! بلکہ اس شخص کی مانو جو شریعت کے مطابق تمہیں بات بتاتا ہے ان آیات میں یہ ہدایت دی گئی گویا کہ اس فتنے سے بچنے کا راستہ بتا دیا گیا کہ تم اس کی پرواہ نہ کرو......! تمہارا باپ یہ کہتا ہے تمہاری ماں یہ کہتی ہے۔

چنانچہ سعد ابن ابی وقاص نے صاف اپنی ماں سے یہ کہہ دیا کہ تو کھا یا نہ کھا، پی یا نہ پی، زندہ رہ یا مر جا، تیری مرضی، میں تو اس دین کو چھوڑنے والا نہیں، چنانچہ جب وہ مایوس ہو گئی تو مایوس ہونے کے بعد اس نے کھانا پینا شروع کر دیا وہ سمجھ گئی کہ اس احتجاج سے کوئی اثر مرتب ہونے والا نہیں تو اس فتنے کا حل جو ہے وہ ان آیتوں کے اندر بتایا گیا ہے وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وصّٰی تاکیدی حکم دینا حُسْنًا سے مراد ہے عملاً ذا حُسْنٍ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے متعلق اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے یہ ہوا اس کا ترجمہ کہ تاکید کی ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق اچھا برتاؤ کرنے کی یعنی ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ وہ اچھا برتاؤ کرے یہ بنیادی چیز ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے ان کی بات ماننی چاہیے وَاِنْ جَاهَدٰكَ اگر وہ تیرے پہ زور ڈالیں تیرے خلاف جہاد کریں جاھد مجاھدۃ وہی لفظ ہے اگر وہ تیرے پہ زور ڈالیں لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ تا کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے اس چیز کو جس کا تجھے کوئی علم نہیں بے دلیل شریک ٹھہرائے یہ قید واقعہ کے مطابق ہے کہ جس کو بھی شریک ٹھہرایا جائے گا بے دلیل ہے والدین کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ فلانا شریک ہے اسے مانو اگر وہ تیرے پہ زور ڈالیں کہ تو شریک ٹھہرا میرے ساتھ ایسی چیز کو جس کے متعلق تیرے پاس کوئی علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا پھر ان کا کہنا نہیں ماننا لَا تُطِعْهُمَا پھر ان دونوں کی اطاعت نہ کرنا اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ میری طرف تم سب کا لوٹنا ہے فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر میں خبر دوں گا ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے تمہارے

ماں باپ بھی میرے پاس آنے والے ہیں اور تم بھی میرے پاس آنے والے ہو پھر ہر ایک کا کردار ہر ایک کا عمل اس کے سامنے آجائے گا لَا تُطِعۡهُمَا نہی آگئی کہ پھر ان دونوں کا کہنا نہ مانو اور شرک کے حکم میں ہی ہے ہر وہ بات جو شریعت کے خلاف ہے شریعت کے خلاف والدین کہیں تو اولاد کیلئے قطعاً ان کی اطاعت جائز نہیں وہاں ماں باپ کو سمجھانا چاہیے۔

اتباع علم کی ہے نسل ونسب کی نہیں:۔

دیکھیں......! اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو بھی یہی نمونہ بتایا کہ تم آباء آباء لگائے رکھتے ہو کہ ہم اپنے آباء کے طریقے پہ چلتے ہیں اور ادھر ابراہیم کی اولاد اور نسل ہونے پر فخر کرتے ہو کہ ہم تو ابراہیمی ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو ذرا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا یہ نمونہ بھی تو دیکھ لو کہ انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا کہ انہوں نے باپ کی تقلید کی تھی یا اتباع کی تھی یا باپ کو سیدھا رستہ دکھایا تھا سورۃ مریم کے اندر تفصیل آپ کے سامنے گزر گئی يٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ یَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِیۡۤ ① اے میرے باپ......! میرے پاس علم آگیا جو تیرے پاس نہیں ہے تو تجھے میری اتباع کرنی چاہیے جس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع تو علم کی ہے نسل نسب کی نہیں اگر باپ علم والا ہے تو تم اس کے پیچھے لگ جاؤ اگر بیٹا علم والا ہے تو باپ کو چاہیے کہ بیٹے کے پیچھے لگ جائے اتباع اصل کے اعتبار سے علم کی ہے اگر باپ علم والا ہے تو اولاد کو چاہیے کہ باپ کے پیچھے چلے وَّاتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ② جس طرح سے آگے آرہا ہے اور اگر باپ جاہل ہے بیٹا علم والا ہے تو باپ کو چاہیے کہ بیٹے سے پوچھ پوچھ کے چلے۔ کہ یہ کام کس طرح سے کرنا ہے کس طرح سے نہیں کرنا۔ اِلَیَّ مَرۡجِعُكُمۡ تم سب کا لوٹنا میری طرف ہے فَاُنَبِّئُكُمۡ میں تم کو خبر دوں گا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ جو تم کیا کرتے تھے وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِی الصّٰلِحِیۡنَ البتہ ہم ضرور داخل کریں گے ان کو اچھے لوگوں میں یعنی آخرت میں ان کا انجام اچھے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

انسان کی طرف سے جو مصیبت پہنچے وہ اللہ کے عذاب کی طرح نہیں:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ، مِنَ النَّاسِ یہ مِن تبعیضیہ ہے لوگوں میں سے بعض وہ ہیں، لوگوں میں

① پارہ نمبر ۱۶، سورۃ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۴۳، ص ۲۷۸
② پارہ نمبر ۲۱: سورۃ لقمان: آیت نمبر ۱۵

سے کوئی وہ ہے مَن چونکہ لفظ مفرد آ گیا مفرد کے طور پہ ترجمہ کریں تو بھی ٹھیک ہے اور معناً چونکہ جمع ہوتا ہے اس لئے جمع کے طور پر ترجمہ کرلیں تو آپ کی مرضی۔ بعضے بعضے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یوں کہتے ہیں لوگوں میں سے بعض ایسا آدمی ہوتا ہے جو کہتا ہے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے یعنی زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ اور جب اس کو ایذاء دی جاتی ہے اللہ کے رستے میں جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ تو لوگوں کے فتنے کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتا ہے زبان سے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہہ دیتے ہیں لیکن جب ان کو لوگوں کی طرف سے آزمائش پہنچتی ہے۔

یہاں فتنہ سے شرارت مراد ہے تکلیف مصیبت چونکہ ایک آزمائشی صورت ہے اس لئے اس کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا اس کو اللہ کے عذاب کی طرف سمجھ لیتے ہیں کیا مطلب؟ کہ اتنا گھبرا جاتے ہیں کہ جس طرح سے کوئی اللہ کی گرفت میں آ گیا ہو نکلنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ حالانکہ انسان کی طرف سے جتنی مرضی مصیبت پہنچے، وہ اللہ کے عذاب کی طرح نہیں کیونکہ اللہ کے عذاب میں انسان ایک دفعہ پھنس گیا تو کوئی اس کو چھڑا نہیں سکتا دنیا کے اندر کوئی شخص کتنی ہی بڑی مصیبت میں کیوں نہ آ جائے اس مصیبت سے چھوٹنے کے ہزاروں طریقے ہیں اور اگر کوئی راستہ بھی نہیں تو مر کر چھوٹ جائے گا یہ بات صحیح ہے کہ نہیں؟ یعنی کوئی دوست احباب تسلی دے سکتے ہیں، چھڑا بھی سکتے ہیں، مدد بھی کر سکتے ہیں اگر کوئی بھی راستہ نہیں مصیبت سے چھوٹنے کا تو موت کا، تو ایک راستہ متعین ہے کہ جب انسان مر گیا تو چھوٹ جائے گا لیکن اللہ کے عذاب سے کیسے چھوٹے گا؟ تو انسان کس طرح احمق بن کر لوگوں کی طرف سے پیش آمدہ مصیبت کی بناء پر کفر اختیار کر کے اللہ کے عذاب کو مول لے لے، یہ تو پھر وہ مثال ہو جائے گی چھوٹی چیز سے بچنے کیلئے بڑی چیز کو لے لیا، جس کا عربی میں محاورہ ہے کہ فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَعَدَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ ① بارش سے بچنے کیلئے بھاگے تھے، پرنالے کے نیچے آ کے کھڑے ہو گئے، تو دنیا میں اگر کوئی شخص تمہیں کفر اختیار کرنے کیلئے کہہ رہا ہے، پیٹ رہا ہے تمہیں باندھ رہا ہے، ایک تو یہ مصیبت ہے اور یہ مصیبت بدن تک ہی ہے، دل کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور اس مصیبت سے بچنے کیلئے بیسیوں راستے ہیں، اگر بالکل کوئی راستہ نہیں تو آخر مار کھاتے کھاتے مر جاؤ گے، مر کر چھوٹ جاؤ گے، مرنے کے بعد تو انسان انسان کو عذاب نہیں دے سکتا۔

---

① مجمع الامثال ج ۲ ص ۹۰ لابی الفضل النیسابوری م ۵۱۸ھ

اللہ کا عذاب بہت سخت ہے:۔

اور دوسری طرف کفر اختیار کرنے پر اللہ کا عذاب ہے تو انسان ان دنیاوی مصیبتوں سے بچنے کیلئے کفر اختیار کرے اور اللہ کی نافرمانی اختیار کرے تو دُنیا کی مصیبت سے بچا اور آخرت کا عذاب مول لے لیا، یہ کوئی نفع کا سودا نہیں، انسان کی مصیبت اللہ کے عذاب کی طرح نہیں، اللہ کا عذاب زیادہ سخت ہے، اس لئے اس عذاب سے بچنے کی کوشش کرے۔ اس عذاب سے بچنے کیلئے، اگر دنیا کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں تو حوصلہ رکھا کرو......! دونوں عذابوں میں سے اگر ایک عذاب اختیار کرنا پڑ جائے، ایک آخرت کا عذاب ایک دنیا میں لوگوں کی طرف سے مصیبت، تو لوگوں کی طرف سے مصیبت برداشت کرلو......! تو بعض لوگ وہ ہیں جو زبان سے تو اٰمنّا باللّٰہ کہہ دیتے ہیں، پھر جب تکلیف پہنچائے جاتے ہیں اللہ کے راستے میں تو لوگوں کے عذاب کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتے ہیں، یعنی ایسے حوصلہ چھوڑ دیتے ہیں، بے دست و پا ہو جاتے ہیں، گویا کہ اللہ کی طرف سے عذاب آ گیا، چھوٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

منافقین کا طریقہ:۔

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ: اب اندر اندر سے تو ہو گئے کافر، یعنی مل گئے کافروں کے ساتھ ان مصیبتوں کی وجہ سے، پھر اگر اللہ کی طرف سے کوئی مدد آ جاتی ہے، غلبہ ہو جاتا ہے، تو پھر یہ لوگ کہیں گے، اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ہم تمہارے ساتھ تھے یہ کمزور لوگوں کا کام ہے کہ جدھر سے تکلیف پہنچی اُدھر سے ڈھیلے ہو گئے اور جب دوسری طرف غلبہ نمایاں ہوا، تو ان کے ساتھ مل گئے، کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، جس طرح سے منافقین کا طریقہ ہے، اور اگر آ گئی مدد تیرے رب کی طرف سے تو البتہ لَيَقُوْلُنَّ ضرور کہیں گے یہ لوگ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ کیا اللہ تعالیٰ جانتا نہیں ان باتوں کو جو جہانوں کے دلوں میں ہے، عَالَمِیْنَ عَالَمْ کی جمع صدور صدر کی جمع جو تمام جہان کے لوگوں کے دلوں میں ہے، کیا اللہ تعالیٰ ان باتوں کو جانتا نہیں، کہ جب لوگوں کی طرف سے ذرا سی مار پڑی تھی، تو یہ اسلام سے کس طرح سے بددل ہو گئے تھے، کفر کی طرف مانوس ہو گئے تھے، کیا اللہ کو پتہ نہیں جو زبان سے کہہ کے دھوکہ دینا چاہتے ہیں، کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ البتہ ضرور جانے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں،

اور ضرور جانے گا منافقین کو یعنی ان واقعات اور مصیبتوں کے ذریعے جو انسان کے اُوپر بھیجی جاتی ہے، منافقین وہ جو زبان سے تو کہتے تھے آمَنَّا بِاللّٰهِ اور مصیبتوں کے اندر آ کے ڈھیلے ہو جاتے تھے، اور پھر جاتے ہیں پھر دوسرے وقت میں کہتے ہیں اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، اس قسم کا کردار تبھی تو نمایاں ہوگا، جب اللہ کی طرف سے آزمائش آئے گی، اور اگر اللہ کی طرف سے آزمائش نہ آئے، تو آپ جانتے ہیں کہ ہر کوئی اپنی جگہ مخلص بنتا ہے، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ یہ بھی ایک فتنے کی نشاندہی ہے جو گمراہ کرنے کیلئے کافروں کی طرف سے مومنوں کے سامنے پیش آتا تھا، اس کو یوں سمجھئے......! کہ بسا اوقات کوئی بڑا آپ کو اپنے طریقے پر چلانا چاہتا ہے، اور آپ ڈرتے ہیں کہ بھائی یہ طریقہ تو ٹھیک نہیں، اس میں تو ہم خسارے میں رہ جائیں گے، نقصان میں رہ جائیں گے، تو وہ آپ کا بزرگ یا بڑا آپ سے ہمدردی کرتے ہوئے کہتا ہے، کہ نہیں دیکھ میں تجھ سے زیادہ تجربہ کار ہوں میں دنیا اور زندگی کے نشیب و فراز کو جانتا ہوں، میرے کہنے کی بناء پر تو یہ کر لے جو نقصان ہوگا اس کا ذمہ دار میں ہوں چھوٹوں کے دماغ کے اوپر زور ڈالا جاتا ہے کہ یہ راستہ اختیار کر لو یوں کر لو اور اگر کسی قسم کا نقصان ہو گیا تو ذمہ دار ہم ہیں ہم پر اعتماد کریں ہم پر اعتماد کر کے ہمارے مشورے پر چل پڑیں یہ بھی ایک بہکانے کا طریقہ ہوتا ہے تو وہ بچے جو مسلمان ہو جاتے تھے تو ان کے والدین ان کو یوں بھی کہتے تھے یا ان کے بڑے یا ان کے مخلص دوست جن کو وہ سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ بھائی کیوں خواہ مخواہ اپنا آبائی دین چھوڑ رہے ہو برادری سے علیحدہ ہو رہے ہو گھروں میں فتنے ڈال رہے ہو تم اسی طریقے پر چلو باقی تم یہ جو کہتے ہو کہ اللہ کا عذاب ہوگا یوں ہوگا ووں ہوگا تو کچھ نہیں ہوگا ہم اس بات کے ذمہ دار ہیں اگر کوئی ایسی بات ہوگی تو تمہارے گناہ ہمارے سر۔ اس طرح سے بہکانے کی کوشش کرتے۔

بہکانے کے مختلف طریقے:۔

آپ اپنے حالات میں اگر غور کریں گے......! تو کسی کو پیچھے لگانے کا ایک یہ طریقہ بھی ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ آ جاؤ......! بھائی ہمارے ساتھ آ جاؤ......! اگر کوئی نقصان ہوا تو ذمہ داری ہم پہ دنیا کے اندر تو انسان ذمہ داری لے سکتا ہے، کہ میں آپ کو ایک تجارت کا طریقہ بتا دوں اور ذمہ داری اٹھا لوں کہ یہ نفع کا سودا ہے، لیکن آپ کو سو دو سو چار سو پانچ سو نقصان ہو گیا تو میں اپنی جیب سے بھر دوں، کہ لے بھئی......! تو نے میرے کہنے کی وجہ

سے یہ کام کیا تھا یہ تیرا نقصان ہوگیا اس کی تلافی میں کر دیتا ہوں، جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔

گمراہ کرنے والوں کو دُگنا عذاب ہوگا:۔

لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یوں نہیں ہوگا اس لئے کبھی ان کے بہکاوے میں نہ آنا، یہ سمجھ کے کہ اگر عذاب ہوا تو ہماری جگہ یہ اٹھالیں گے......! انہیں ان کو مستقل دوہرا عذاب ہوگا ایک خود گمراہ ہونے کا، دوسرا دوسروں کو گمراہ کرنے کا لیکن جو گمراہ ہوا اس کو اپنی سزا بھی بھگتنی پڑے گی اس لئے ان بوڑھوں کے پیچھے لگ کے غلطی نہ کر بیٹھنا......! کہ یہ کہتے ہیں کہ تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے، وہاں کوئی کسی کی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا، ایسا کہنے والوں پر دوہرا عذاب ہوگا، اور باقی جو ان کے پیچھے لگ گئے آخرت میں عذاب سے چھوٹے گا وہ بھی نہیں، اس میں بھی بسا اوقات چھوٹے بڑوں کے دباؤ اور ادب واحترام میں آ کے، ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں کہ چلو بھائی یہ کہہ جو رہا ہے، سمجھدار ہے، عقلمند ہے، تجربہ کار ہے، چاہے ہمیں بات سمجھ میں نہیں آتی، ہم اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں ذمہ داری جو لے رہا ہے، اگر کل کو کوئی گڑبڑ ہوگئی تو ہم انہیں کو پکڑیں گے، کہ بھئی تم ہی نے کہا تھا اب ہمیں اس مصیبت سے بچاؤ......! اور جب انسان کوئی ذمہ داری اٹھایا کرتا ہے تو پھر ایسے موقع پر کوشش کرتا ہے کہ میں اپنی ذمہ داری نبھاؤں تو یہ مغالطہ دینے کیلئے، کافر کوشش کرتے تھے، ان لوگوں کو کہ جو ایمان لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھنا کہیں، اس مغالطے میں نہ آ جانا یہ بھی ایک فتنہ ہے، جو ایمان سے روکنے کیلئے کافروں کی طرف سے پیش آ رہا ہے۔

کافروں کے قول کہ ”آپ کے گناہ ہم اُٹھالیں گے“ کی تردید:۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے، اتَّبِعُوۡا سَبِيۡلَنَا تم ہمارے طریقے کی اتباع کرو وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰيٰكُمۡ البتہ ہم ضرور اٹھالیں گے تمہارے گناہ وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِيۡنَ مِنۡ خَطٰيٰهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ نہیں ہیں یہ اٹھانے والے ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی، اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ یہ جھوٹ بول رہے ہیں جب موقع آئے گا تو گناہ کرنے والوں کے گناہ انہیں کے سر پر پڑیں گے جنہوں نے گناہ کیے، یہ جو کہتے ہیں کہ ہم اٹھالیں گے ایسا بالکل نہیں ہوگا یہ بات خلاف واقعہ ہے یہ دنیا کے معاملات پر آخرت کے معاملات کو نہ قیاس کرلینا، وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ البتہ ضرور اٹھائیں گے یہ لوگ اپنے بوجھ

وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی یعنی دوسروں کو بہکانے کا۔ ایسا کرنے والوں اور کہنے والوں پر تو دوہرا بوجھ پڑ جائے گا ایک اپنے کفر اور شرک کا اور دوسروں کو بہکانے کا بھی، لیکن جو گناہ کرنے والے ہیں چھوٹیں گے وہ بھی نہیں اس لئے اس دھوکے میں نہ آ جائیو۔ تو یہ بھی ایک فتنہ ہے ان فتنوں میں سے جو مسلمانوں کے سامنے پیش آتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ہدایات دیدیں، کہ البتہ ضرور اٹھائیں گے وہ اپنے بوجھ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ اثقال ثقل کی جمع ہے ثقل بوجھ کو کہتے ہیں، اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی وَلَيُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اور البتہ یہ ضرور پوچھے جائیں گے ان باتوں کے متعلق عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ جو یہ جھوٹی تراشا کرتے تھے جھوٹی باتیں جو بنایا کرتے تھے، ان کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیسے کہہ دیا تھا؟ کہ ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے، اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت تھا؟ ان باتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ

البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پس ٹھہرے ان میں نوح علیہ السلام ایک ہزار سال سوائے پچاس سال کے

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ

پھر ان (قوم) کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور کشتی والوں کو نجات دی،

وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا

اور ہم نے اس واقعہ کو جہان والوں کیلئے نشانی بنا دیا ﴿۱۵﴾ اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو

اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ

اور اس سے ڈرو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو ﴿۱۶﴾ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ

اللہ کے علاوہ بتوں کو، اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو، جن کو پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ

اللہ کے علاوہ وہ تمہارے لئے رزق کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، اللہ کے پاس رزق تلاش کرو

وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ

اسی کی عبادت کرو اور اسی کے شکر گزار رہو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۷﴾ اگر تم تکذیب کرتے ہو پس تحقیق

كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۸﴾

تم سے پہلی امتوں نے بھی جھٹلایا تھا، نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر صریح طور پر پہنچا دینا ﴿۱۸﴾

اَوَ لَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى

کیا نہیں دیکھتے یہ کہ کیسے شروع کرتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کو پھر اسی خلق کو لوٹائے گا، بیشک یہ بات اللہ پر

اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ
آسان ہے ﴿۱۹﴾ آپ کہہ دیجئے زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کیسے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کو شروع کرتا ہے
ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾
اور پھر اللہ ہی اٹھائے گا دوسری مرتبہ اٹھانا، بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۰﴾
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾
عذاب دے گا جس کو چاہے گا رحم کرے گا جس پر چاہے گا، اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے ﴿۲۱﴾
وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ
اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہیں ہے تمہارے لئے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾
اللہ کے علاوہ کوئی یار اور نہ مددگار ﴿۲۲﴾

تفسیر

آگے واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ان واقعات میں بھی یہی بات بتانی مقصود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں نے پہلے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں، اور پھر کیسا اچھا نتیجہ ان کے سامنے آیا؟ واقعات سُن کے انسان کا حوصلہ بڑھتا ہے کہ واقعی میں اس میدان میں اکیلا نہیں ہوں جو میرے اوپر یہ مصیبتیں آ رہی ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے پہلے بھی اسی طرح پریشان ہوئے، اور جنہوں نے مصیبتیں اٹھائیں آخر کامیاب وہی ہوئے ان واقعات سے یہ سبق ملتا ہے، بار بار چونکہ گزر چکے ہیں اس لئے سرسری طور پر دیکھ لیجئے......!

حضرت نوح علیہ السلام کا تعارف:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ: البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ ٹھہرے ان میں نوح علیہ السلام ایک ہزار سال، اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا سوائے پچاس سال کے۔ استثناء جس طرح سے

ہوا کرتا ہے، ہزار میں سے پچاس نکال کے، باقی کے اوپر حکم ہے، یعنی ساڑھے نو سو سال ٹھہرے۔
مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ٹھہرنا بحیثیت پیغمبر ہونے کے تھا چالیس سال کی عمر میں پیغمبری ملی ہو نبوت کا اظہار ہوا ہو اور پھر ساڑھے نو سو سال بحیثیت مبلغ ہونے کے ٹھہرے رہے تو یہ نو سو نوے سال ہو گئے اور پھر آ گیا طوفان، تو طوفان کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام کافی عرصہ زندہ رہے ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ساٹھ سال اور بعض تو کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ۔ تو یہ بھی ساتھ شامل کرلیا جائے، پھر بن جاتی ہے کل عمر حضرت نوح علیہ السلام کی ایک ہزار پچاس سال یا اس سے زیادہ تھی اور اس زمانے میں لوگوں کی عمریں بہت زیادہ تھیں، تو ساڑھے نو سو سال حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں میں تبلیغ کی۔ نتیجہ سامنے ہے فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ اس حال میں کہ وہ ظالم تھے فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور کشتی والوں کو نجات دی وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے اس واقعہ کو جہان والوں کیلئے نشانی بنایا جَعَلْنٰهَآ ھا ضمیر واقعہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ نوح علیہ السلام کو جو واقعہ پیش آیا مومنین کو کافرین کو جو واقعہ پیش آیا وہ لوگوں کیلئے ایک نشانی ہے۔

معبودانِ باطلہ بے اختیار ہیں:۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ قابل ذکر ہے وہ وقت جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ اللہ کی عبادت کرو......! اور اس سے ڈرو ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو......! اگر تمہارے پاس علم ہے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم پوجتے ہو اللہ کے علاوہ بتوں کو، اوثان وثن کی جمع ہے اور وثن بت کو کہتے ہیں عبادت کرتے ہو تم اللہ کے علاوہ بتوں کی وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو افک کہتے ہیں بدترین قسم کے جھوٹ کو اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ① سورۃ نور کے اندر بھی یہ لفظ آیا تھا جھوٹی باتیں گھڑتے ہو، اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے علاوہ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا، وہ تمہارے لئے رزق کا کوئی اختیار نہیں رکھتے یعنی تم اس لئے پوجتے ہو کہ وہ تمہیں بارش دیتے ہیں، تمہارے لئے رزق کا سامان مہیا

① پارہ نمبر ۱۸، سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۱۱

کرتے ہیں، یہ بات بالکل غلط ہے، یہ کچھ اختیار نہیں رکھتے فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ اللہ کے پاس رزق تلاش کرو وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ اسی کی عبادت کرو......! اور اسی کے شکر گزار رہو اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، جو نعمت اللہ کی طرف سے ملتی ہے اسے بتوں کی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ کرو......! جو کچھ ملتا ہے سب اللہ کی جانب سے ہے، اسی کی شکر گزاری کرو......! اور جو چیز مانگنی ہو وہ بھی اللہ سے مانگو، وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا اگر تم تکذیب کرتے ہو جھٹلاتے ہو، ایمان نہیں لاتے ہو۔

فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ پس تحقیق تم سے پہلی امتوں نے بھی جھٹلایا تھا قوم عاد اور قوم ثمود اس سے پہلے گزر چکی تھیں وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ نہیں ہے رسول کے ذمے مگر صریح طور پر پہنچا دینا کھول کھول بتا دینا ہر بات کی وضاحت کر دینا اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ یہ درمیان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کی یاد دہانی کیلئے اضافی آیت ہے، جو اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلام کے اندر بات آئی، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے تو اس لوٹائے جانے پر بھی مشرکین شک کرتے تھے، تو لوٹائے جانے کی وضاحت کرنے کیلئے آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنے انعامات کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آئے گا اور یہ آیات بھی آپ کے سامنے بارہا گزر چکیں۔

عقیدۂ آخرت کی مثال کے ذریعہ وضاحت:۔

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ شروع کرتا ہے پیدا کرنے کو؟ مخلوق کی ابتداء کس طرح سے ہوتی ہے؟ دیکھو......! فصل اگتی ہے اور سوکھ جاتی ہے اور انسان پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں اس طرح سے پیدا کرنا، ایک چیز کو ختم کرنا دوسری کو لانا یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جن کو دیکھ کے یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے؟ کیا نہیں دیکھتے؟ یہ کہ کیسے شروع کرتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کو پھر اسی خلق کو لوٹائے گا۔

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ بے شک یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اور یہ ابتداء پیدا کرنا دوبارہ، لوٹانا اللہ کے اُوپر آسان ہے، کوئی مشکل نہیں اور آپ کہہ دیجئے......! کہ چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو......! کیسے شروع کرتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کو؟ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو......! کیسے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کو شروع کرتا ہے، اور پھر اللہ ہی اٹھائے گا دوسری مرتبہ اٹھانا

یعنی پھر پچھلا اٹھانا یعنی دوبارہ اٹھانا بھی اللہ تعالیٰ ہی کرے گا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ عذاب دے گا جس کو چاہے گا رحم کرے گا جس پر چاہے گا وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔

اللہ کے معاملات میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں:۔

عذاب دے گا جس کو چاہے گا، رحم کرے گا، جس پر چاہے گا اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اللہ کے معاملات میں کسی دوسرے کو دخل دینے کی اجازت نہیں یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب دینا چاہے کوئی سفارش کر کے اس پر رحم کروالے، یا اللہ کسی کے اُوپر رحم کرنا چاہے، اور کوئی شکایت کر کے اس کو پکڑوا دے یہ بات نہیں، مَنْ یَّشَآءُ کا یہ معنی ہے ورنہ یہ معنیٰ نہیں کہ وہاں کوئی قاعدہ قانون بھی نہیں ہے جس کو چاہے گا پکڑ کر عذاب دے دے، جس پر چاہے رحم کرے یہ بات نہیں، پکڑنا بھی اللہ تعالیٰ کے اپنے ضابطے اور قانون کے تحت ہے جو رب نے بنایا ہے رحم کرنا بھی اس کے قانون کے تحت ہے جو اس نے بنایا ہے یہ جو ''جس کو چاہے گا'' لفظ آ رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا دخل نہیں، اللہ عذاب دینا چاہے کوئی دوسرا چھڑا لے ایسا نہیں ہو سکتا، اللہ رحم کرنا چاہے کوئی شکایت کر کے پکڑوا دے ایسا نہیں ہو سکتا، اس بارے میں اللہ تعالیٰ خود مختار ہے، تو اس میں اللہ تعالیٰ کے اختیار کو ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات میں کوئی دوسرا ٹانگ نہیں اڑا سکتا، وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ اور اس کی طرف تم پھیرے جاؤ گے وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے زمین میں، اور نہ آسمان میں، یعنی نہ زمین میں چھپ سکتے ہو، نہ آسمان پہ چڑھ کے کہیں گم ہو سکتے ہو، وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے علاوہ کوئی یار، اور نہ مددگار، ولی یعنی حمایت کرنے والا، نصیر یعنی مدد کرنے والا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآىِٕهٖٓ اُولٰٓىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓىِٕكَ

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اس کی ملاقات کا یہ لوگ مایوس ہیں میری رحمت سے اور یہی لوگ ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ

جن کیلئے عذاب الیم ہے ﴿۲۳﴾ اس کے علاوہ کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا کہ قتل کردو اسے

اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

یا جلادو اسے پھر اللہ نے اس کو نجات دی آگ سے اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

لانے والے ہیں ﴿۲۴﴾ ابراہیمؑ نے فرمایا اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم نے اللہ کے علاوہ اوثان اختیار کئے ہیں

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

دنیاوی زندگی میں آپس محبت کی وجہ سے اور قیامت کے دن تمہارا بعض بعض کا انکار کرے گا

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا

اور تمہارا بعض بعض پہ لعنت کرے گا تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارے لئے

لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ

کوئی مددگار نہیں ﴿۲۵﴾ ایمان لے آئے ابراہیم کیلئے لوط علیہ السلام کہا بے شک میں ہجرت کرنے والا ہوں

اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

اپنے رب کی طرف بے شک وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۲۶﴾ ہم نے عطاء کیا ابراہیمؑ کو اسحاق

وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ

اور یعقوب اور کردی ہم نے اسی ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے ابراہیم کو اس کا

اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾
اجر دنیا میں دیا اور بے شک وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہیں ﴿۲۷﴾
وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا
اور لوط علیہ السلام کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا بے شک تم آتے ہو بے حیائی کی طرف، نہیں
سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
سبقت لے گیا تم سے اس بے حیائی میں جہانوں میں سے کوئی بھی ﴿۲۸﴾ کیا تم آتے ہو
الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ
مردوں کے پاس اور قطع کرتے ہو راستے کو اور آتے ہو تم اپنی مجلس میں بُرائی کا ارتکاب کرتے ہوئے،
الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا
پس نہیں تھا قوم کا جواب مگر یہی کہ کہنے لگے تو لے آ
بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ
اللہ کا عذاب اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿۲۹﴾ لوط علیہ السلام نے کہا اے اللہ!
انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع
میری مدد کر ان فسادی لوگوں پر ﴿۳۰﴾

تفسیر

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وَلِقَآئِهٖٓ اور اس کی ملاقات کا، اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ یہ لوگ مایوس ہیں میری رحمت سے، جب اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے تو نتیجہ آخر میں یہ جا کر نکلے گا، وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اللہ کی ملاقات کا انکار کیا، یعنی اللہ کے احکام کے

بھی منکر ہیں، اور اللہ سے ملاقات کے بھی منکر ہیں یعنی آخرت کا عقیدہ نہیں رکھتے یہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہیں، وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور یہی لوگ ہیں جن کیلئے عذاب الیم ہے، یہ درمیان میں آیت آ گئی تذکیر آخرت کیلئے اور آخرت کا امکان ثابت کرنے کیلئے اللہ نے اپنی قدرت کی طرف متوجہ کیا۔

جب دلیل کا جواب نہ ہو تو باطل لڑنے پر آ جاتا ہے:۔

آگے وہی قصہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ انبیاء میں گزر چکی ہے ان کی قوم کا جواب نہیں تھا مگر یہی۔ کتنی دلیلوں کے ساتھ سمجھایا، ستاروں کے بارے میں گفتگو کی، پتھروں کی مورتیوں کے بارے میں گفتگو کی ان کے کردار کے بارے میں تبصرہ کیا، مگر نہیں تھا اس کی قوم کا جواب مگر یہی یعنی اس کے سوا قوم کے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا، وہی ڈنڈا وہی جاہلوں والا مکا، کہ جب دلیل کا جواب دلیل سے نہ ہو تو پھر لڑنے پہ آمادہ ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا کہ قتل کر دو! اسے۔ یا جلا دو! اسے۔ پھر آخر مشورہ جلانے کا ہوا تھا جیسا کہ سورۃ انبیاء میں تفصیل آئی فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ پھر اللہ نے اس کو نجات دی یہ واقعہ گزر چکا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں یعنی ایمان لانے والوں کیلئے نشانی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسی تکلیفیں اٹھائیں؟ کافر اپنا زور لگا کر اپنی سلطنت کے زعم میں کس طرح سے انہیں تکلیف پہنچانا چاہتے تھے انہیں ہلاک کرنا چاہتے تھے، آخر اللہ کی رحمت نے ان کی دستگیری کس طرح سے کی اس واقعہ میں نشانی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اس کا ترجمہ دیکھیں......! ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم نے اللہ کے علاوہ اوثان اختیار کئے ہیں اوثان وثن کی جمع تم نے بت اختیار کئے ہیں، اللہ کے علاوہ تم نے بت بنائے ہیں، کیوں اختیار کئے ہیں۔

قیامت کے دن کافر ایک دوسرے کو لعنت کریں گے:۔

مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیاوی زندگی میں آپس میں محبت کی وجہ سے، ایک ترجمہ یہ ہے کہ تم نے

بت اختیار کیۓ ہیں آپس میں دنیاوی محبت کی وجہ سے مطلب اس کا یہ ہے کہ کوئی معقول دلیل تو تمہارے پاس ہے
نہیں پچھلے اگلوں کی محبت میں آ کے اگلوں کے طریقوں پہ چلتے چلے جارہے ہیں بیٹے اپنے آباء کے ساتھ تعلق کی بناء
پر، محبت کی بناء پر جوطریقہ انہوں نے اپنایا یہ وہی کرتے چلے جارہے ہیں، یہ دنیاوی زندگی میں محبت کی وجہ سے ہے،
کہ تم نے اوثان کو اختیار کرلیا بتوں کو اختیار کرلیا ورنہ معقول دلیل تو تمہارے پاس ہے نہیں، آج ایک دوسرے کے
تعلق کی بناء پر محبت کی بناء پر ایک اللہ کے علاوہ دوسرے بت بناتے ہو، کل ایک دوسرے پر لعنت کرو گے پچھلے جو
ہیں وہ اگلوں پر لعنت کریں گے اور چھوٹے جو ہیں یہ بڑوں پر لعنت کریں گے، اور بڑے جو ہیں وہ چھوٹوں پر لعنت
کریں گے، جس طرح کہ قرآنِ کریم میں بارہا جہنم کے اندر کے واقعات سنا دیۓ گئے ہیں تابع جو ہیں وہ اپنے
متبوعین پر لعنت کریں گے۔

وَّیَلۡعَنُ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا کا نقشہ جو ہے کئی جگہ آیات میں ظاہر کیا گیا، کہ آج تو تم اس تعلقات کی بناء پر
بت پرستی میں لگے ہوئے ہو، لیکن یہ تعلقات دنیاوی حد تک ہیں اور کل جس وقت قیامت آجائے گی سب تعلقات
ختم ہوجائیں گے چھوٹے بڑے ایک دوسرے کے اوپر لعنت کریں گے، یہ تعلقات محبتیں وغیرہ سب ختم ہوجائیں
گی، یہ تو ہوگیا کہ آپس میں محبت دنیاوی زندگی کی وجہ سے اوثان کو اختیار کیا اللہ کے علاوہ۔

مشرکین کے پاس بت پرستی کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے:۔

یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے......! اس دوسرے مطلب کیلئے آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں......! جو
پچھلی سورت میں آپ کے سامنے ذکر کی تھی مشرکین مکہ نے قبائل کے ساتھ تعلق جوڑنے کیلئے ان کے بت جو
تھے، بیت اللہ میں اکٹھے کر رکھے تھے تو قبائلی تعلقات کی بناء پر تم نے بت پرستی کو اختیار کیا ہے، یعنی اس بت
پرستی کو آپس میں دنیاوی زندگی میں، محبت کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، کہ ایک ہی طریقہ ہو سب کا تاکہ سب کی آپس
میں محبت رہے اگر ہم بتوں کو نہیں پوجیں گے باقیوں سے تعلقات پھر ٹوٹ جائیں گے، قومی شیرازہ مجتمع رکھنے
کیلئے، محبت قائم رکھنے کیلئے تم نے یہ بت پرستی اختیار کی ہوئی ہے، ورنہ تمہارے پاس کوئی معقول دلیل نہیں، ہم
یوں کریں گے دوسرا یوں کرے گا تو آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، سوائے اس کے نہیں تم نے اللہ کے علاوہ
بتوں کو آپس میں محبت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

تو یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے، یعنی یہ اوثان تمہارے لئے محبت کا باعث بنے ہوئے ہیں، ایک ہے محبت کی بناء پر تم نے ان کو اختیار کر رکھا ہے، اور ایک ہے کہ ان کو اختیار کرنا تمہارا آپس میں محبت اختیار کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے، یعنی قومی شیرازہ بندی کیلئے تم نے اس طریقے کو اپنا رکھا ہے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر ہم اس طریقے کو چھوڑیں گے تو قوم میں پھوٹ پڑتی ہے، جیسے مشرکین مکہ نے ان سب بتوں کو سنبھالا ہوا تھا، تا کہ باقی قبائل کے ساتھ تعلقات اچھے رہیں یہ قومی شیرازہ بندی جس طرح ہوتی ہے، یہ مفہوم بھی اس کا ہوسکتا ہے تفسیر عثمانی میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سوائے اس کے نہیں، بنایا تم نے بتوں کو اللہ کے علاوہ آپس میں محبت کا ذریعہ دنیاوی زندگی میں اور قیامت کے دن تمہارا بعض بعض کا انکار کرے گا اور تمہارا بعض بعض پہ لعنت کرے گا تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مصائب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سبق:۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ایمان لے آئے ابراہیم کیلئے لوط علیہ السلام یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ دیکھیں اس میں سبق آ گیا......! کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کے ہاتھوں سے تنگ آئے اتنا تنگ آئے، اتنی مصیبتیں اٹھائیں کہ آخر وہ بھی علاقہ چھوڑنے کیلئے تیار ہو گئے، ان واقعات میں سبق ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھائے جا رہے ہیں، کہا بے شک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف، اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں کسی ایسے ملک کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، جہاں میں آزادانہ اپنے رب کی عبادت کرسکوں اور کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اللہ کی طرف ہجرت کر کے چلا گیا، اس کا یہی معنی ہوتا ہے اللہ کے راستے میں نکل گیا اور ایسی جگہ چلا گیا جہاں آسانی سے بیٹھ کر اللہ کی عبادت کر سکے اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بے شک وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

مصائب میں صبر پر ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں اجر اور آخرت میں وعدہ:۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ انہوں نے اپنی برادری چھوڑی علاقہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اولاد دی، کتنے بڑے بڑے خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے، ہم نے عطا کیا ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوب وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ اور کردی ہم نے اسی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نبوت اور

کتاب وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کا اجر دنیا میں دیا وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ اور بے شک وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

قوم لوط علیہ السلام کی بے حیائی:۔

بھیجا ہم نے لوط علیہ السلام کو، وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ جب کہا اس نے اپنی قوم کو بے شک تم آتے ہو بے حیائی کی طرف، مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ نہیں سبقت لے گیا تم سے اس بے حیائی میں جہانوں میں سے کوئی بھی۔ یہ سارے واقعات آپ کے سامنے گزر گئے قابل ذکر ہے وہ وقت کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا۔ بے حیائی بھی ایسی کہ نہیں سبقت لے گیا اس بے حیائی میں تم سے جہانوں میں سے کوئی بھی تم سے پہلے یہ حرکت کسی نے نہیں کی۔ تم نے اس کو قومی سطح پر اپنایا اور وہ کیا بے حیائی ہے اگلے لفظوں میں اس کی تفصیل ہوگئی اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَتَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس اتیان رجال سے مراد یہاں قضائے شہوت کیلئے آنا ہے کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس اور قطع کرتے ہو راستے کو اور وَتَاۡتُوۡنَ فِىۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ آتے ہو تم اپنی مجلس میں برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے نادی مجلس کو کہتے ہیں یعنی تم اپنی مجلس میں بیٹھ کر بھی برائی کا ارتکاب کرتے ہو، یہ تین باتیں آ گئیں اتیان رجال کا مفہوم تو آپ سمجھ گئے ہوں گے، کہ تم مردوں کے پاس آتے ہو قضائے شہوت کیلئے، دوسری بات ہے تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ اور راستہ قطع کرتے ہو، ڈاکہ زنی کی عادت ہے آنے جانے والوں کو لوٹتے ہو راستوں پہ بیٹھے رہتے ہو سامان بھی لوٹ لیتے ہو، اور اگر کوئی اس قسم کا ہوتا ہے جس سے تم قضائے شہوت کر سکو تو تم ان پہ قبضے کر لیتے ہو تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ کے اندر یہ مفہوم آ جائے گا اور ایک ہے تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ کا مفہوم ہے کہ تم فطری راہ کو قطع کرتے ہو یہ غلط راستہ تم نے اختیار کر لیا ہے اور جو فطری رستہ ہے عورت کے ساتھ قضائے شہوت کا، آگے نسل بڑھانے کا، جو فطری راستہ ہے اس فطری راستے کو تم نے قطع کر دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آگے قوم برباد ہو جائے گی، یہ معنی بھی تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ کا کیا گیا ہے، یا تو ڈاکہ زنی کرتے ہو، یا یہ ہے کہ فطری طریقہ جو تھا قضائے شہوت کا تم نے اس کو قطع کر دیا، تیسری بات کہ تم مجلس میں بیٹھ کر برائیوں کا ارتکاب کرتے ہو، اس بُرائی سے کیا مراد ہے؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ جرم قومی سطح پر شروع ہو گیا تھا، اس لئے وہ ایک دوسرے سے حجاب ہی کوئی نہیں کرتے

تھے، مجلسوں کے اندر بیٹھ کر بھی ایک دوسرے کے سامنے اس طرح کی حرکتیں کرتے تھے، اور اس قسم کی حرکتوں کا تذکرہ بھی مجلسوں میں کرتے تھے، اب بھی اگر بدمعاشوں کا ایک گروہ اکٹھا ہو جائے، اور اس قسم کی حرکت پر آمادہ ہو جائیں، تو ایک دوسرے سے حجاب کرنے کی کوشش نہیں کیا کرتے، اپنی مجلس کے اندر ہی بے غیرتی، بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے جس طرح سے آج کل مجلسیں ہوتی ہیں تاش کھیلنے کی، لغویات کی، فضولیات کی، شراب نوشی کی، حرام خوری کی، یہ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ کے اندر ساری باتیں آسکتی ہیں، مجلسوں میں بیٹھ کر تم بُرائیوں، منکرات کا ارتکاب کرتے ہو ورنہ یہ وہی بات ہے کہ ایک دوسرے کے سامنے لگے رہتے ہو، حجاب اور پردہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اس حد تک تمہاری بُرائی پھیل گئی ہے، اور تمہارے دل دماغ کے اندر رچ گئی ہے یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے چھپانے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔

قوم لوط علیہ السلام کی بدبختی:۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ: پس نہیں تھا قوم کا جواب اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ مگر یہی کہ تو لے آ اللہ کا عذاب اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تو سچوں میں سے ہے، اور یہی کسی قوم کی بدبختی ہوتی ہے، کہ سمجھنے کی بجائے اتنی ڈھٹائی پہ آ جائے قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ لوط علیہ السلام نے کہا اے اللہ......! ہماری مدد کران فسادی لوگوں پر۔

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ

اور جب آگئے ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر، کہنے لگے کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں، اس

هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ ۚ اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ۚۖ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِیۡهَا لُوۡطًا ؕ قَالُوۡا

بستی کے رہنے والوں کو، کیونکہ اس کے رہنے والے ظالم ہیں ﴿۳۱﴾ ابراہیمؑ نے کہا کہ اس میں لوطؑ بھی ہیں فرشتوں نے کہا

نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِیۡهَا ٝ وقفة لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ٭ۖ

کہ ہم خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہے ہم البتہ ضرور نجات دیں گے اس کو اور اسکے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے

كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ لَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ

وہ بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آگئے، لوطؑ انکی وجہ سے غمگین ہوگئے

بِهِمۡ وَ ضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ ٝ قف

اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے، اور فرشتوں نے کہا تو خوف نہ کر تو غم نہ کر

اِنَّا مُنَجُّوۡكَ وَ اَهۡلَكَ اِلَّا امۡرَاَتَكَ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾

بیشک ہم تجھے نجات دینے والے ہیں اور تیرے گھر والوں کو بھی سوائے تیری بیوی کے وہ پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ہے ﴿۳۳﴾

اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤی اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ

بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی والوں پر عذاب آسمان سے

بِمَا كَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدۡ تَّرَكۡنَا مِنۡهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوۡمٍ

بسبب اس کے کہ یہ نافرمانی کیا کرتے تھے ﴿۳۴﴾ البتہ چھوڑی ہم نے اس بستی کی طرف سے نشانی واضح ان لوگوں کیلئے

یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا

جو کہ عقل رکھتے ہیں ﴿۳۵﴾ مدین کیطرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، کہا شعیبؑ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو

اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾

اللہ کی، آخرت کے دن کی اُمید رکھو زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو ﴿۳۶﴾

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا پکڑ لیا ان کو زلزلے نے پس ہو گئے یہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے منہ گرے ہوئے ﴿۳۷﴾

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ

ہم نے عاد و ثمود کو بھی برباد کیا، ان کا ہلاک ہونا تمہارے لئے ان کے مکانات سے واضح ہے

الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

شیطان نے ان کے اعمال کو ان کیلئے مزین کیا تھا، ان کو صحیح راستے سے روکا تھا اور وہ سمجھدار لوگ تھے ﴿۳۸﴾

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

اور ہلاک کیا ہم نے قارون کو فرعون کو اور ھامان کو البتہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام انکے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا

مگر انہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا اور وہ ہم سے جیت نہ سکے ﴿۳۹﴾ ہم نے سب کو پکڑا

بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

ان کے گناہ کی وجہ سے، ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کے اوپر ہم نے حاصب (زوردار آندھی جو کہ کنکریاں برساتی ہے) بھیجی اور ان میں سے

اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ

بعضے وہ ہیں جن کو چنگھاڑ نے پکڑ لیا، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے

مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ

بعض وہ ہیں جن کو ہم نے پانی میں ڈبو دیا۔ اللہ ان کے اوپر ظلم کرنے والے نہیں لیکن یہ لوگ اپنے ہی نفس پر زیادتی

يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ

کرتے ہیں ﴿۴۰﴾ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے علاوہ کارساز اختیار کئے ہیں

الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ

مکڑی کے جالے کی سی ہے، مکڑی نے گھر بنایا ہے تمام گھروں میں سے کمزور ترین گھر مکڑی کا جالہ ہے،

الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

کیا ہی اچھا ہو کہ یہ اس بات کو جان لیں ﴿۴۱﴾ جن چیزوں کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ

تو اللہ تعالیٰ بیشک ان سب چیزوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۴۲﴾ یہ مثالیں ہیں ہم ان کو

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو مگر علم والے ﴿۴۳﴾ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا زمینوں کو اور آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

حق کے ساتھ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۴۴﴾

تفسیر

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ : اور جب آ گئے ہمارے فرشتے اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ابراہیم کے پاس بشارت لے کر قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ کہنے لگے کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس بستی والوں کو اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ بے شک اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں، یہ واقعہ بھی سورۃ ھود میں گزر گیا، کہ پہلے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت لے کر وہیں پھر یہ تذکرہ بھی کیا، اور اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ لوط علیہ السلام کی بستی مراد ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا اس میں لوط علیہ السلام بھی ہیں، اگر عذاب آ گیا تو انہیں بھی تکلیف پہنچے گی، قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا فرشتوں نے کہا کہ ہم خوب

جانتے ہیں جو اس بستی میں ہے، لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ہم البتہ ضرور نجات دیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ وہ بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے، وہ نجات نہیں پائے گی، وہ ہلاک ہونے والوں میں سے شامل ہوگی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور فرشتوں کی طرف سے تسلی:۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا: اور جب ہمارے رسول بھیجے ہوئے لوط کے پاس آ گئے، سِیْٓءَ بِهِمْ لوط علیہ السلام ان کی وجہ سے غمگین ہو گئے، وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے یہ دیکھ کر کہ یہ نوجوان ہیں، خوبرو ہیں، تو غم طاری ہو گیا، حالانکہ مہمان کو دیکھ کر انسان خوش ہوا کرتا ہے، اور یہاں ان کے غمزدہ ہونے کی وجہ یہی تھی کہ میں قوم کا مقابلہ کس طرح سے کروں گا؟ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ایسے خوبرو لڑکے آئے ہیں، وہ تو مجھ سے چھیننے کی کوشش کریں گے، تو میں اپنے گھر میں اپنے سامنے مہمانوں کی بے عزتی کس طرح برداشت کروں گا؟ ان کی وجہ سے تنگ دل ہو گئے وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اور فرشتوں نے کہا یعنی وہ جوان کے پاس آئے تھے کہ تو خوف نہ کر تو حزن نہ کر اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ بے شک ہم تجھے نجات دینے والے ہیں اور تیرے گھر والوں کو بھی سوائے تیری بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے، اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ بے شک ہم اتارنے والے ہیں بستی والوں پر عذاب آسمان سے بسبب اس کے کہ یہ نافرمانی کیا کرتے تھے وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً البتہ چھوڑی ہم نے اس بستی کی طرف سے نشانی واضح لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ان لوگوں کیلئے جو کہ عقل رکھتے ہیں نشانی واضح، یعنی مشرکین مکہ جب ملکِ شام کی طرف جایا کرتے تھے تو لوط علیہ السلام کی تباہ شدہ بستیاں اور ان کے آثار بھی اس وقت نمایاں تھے عقل رکھنے والے ان آثار کو دیکھ کے سمجھ سکتے ہیں، کہ اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ آخر کیا نکلا کرتا ہے......!

انبیاء اور اہلِ حق کی مخالفت کرنے والوں کا انجام:۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا: واقعات کی تفصیل آپ کے سامنے گزر چکی یہ مختصر اشارے ہیں ان واقعات کی طرف اور ربط پیچھے سے چلا ہی آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح سے اہل ایمان کو تسلی دے رہے ہیں کہ جہاد کے راستے میں مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، پچھلی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ والوں کو کیا کیا مصیبتیں پیش

آئیں......! انہوں نے کس طرح سے صبر واستقامت سے برداشت کیں، ان کا نتیجہ کیسے اچھا نکلا......! اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی آئی تھی اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا کہ ان بدکرداروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم سے چھوٹ جائیں گے یہ بُری بُری حرکتیں کرنے والے یہ سمجھے بیٹھے ہیں......! کہ ہم ان کو پکڑیں گے نہیں، اور جب ہم ان کو پکڑنے لگیں گے یہ ہم سے بھاگ کے آگے نکل جائیں گے، بہت بُرا سوچ رہے ہیں، اگر یہ ایسا سوچ رہے ہیں تو یہ ان بدکرداروں کے لئے تنبیہ تھی تو ان واقعات کے اندر زیادہ نمایاں پہلو یہی ہے، کہ ان بدکرداروں کو دکھایا جارہا ہے کہ ذرا پیچھے مڑکر دیکھو......! تاریخ میں کیسے کیسے واقعات ہیں اور اس قسم کی بُری حرکتیں کرنے والے، اہل حق کی مخالفت اور تنگ کرنے والے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے کیسے انجام سے دوچار ہوئے؟ یہ پہلو بھی ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے پیچھے قوم لوط کا ذکر تھا اب یہ مدین والے آ گئے۔

مدین کا تعارف:۔

وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا: مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام، مدین بن ابراہیم علیہ السلام جو حضرت ہاجرہ اور سارہ کے علاوہ تیسری بیوی جن کا نام قطورا لکھا ہے ان کے بطن سے تھے ① پھر ان کی اولاد سے جو قبیلہ آگے بڑھا، پھلا پھولا اس کو بھی مدین کہتے تھے، جو ان کا مرکزی شہر تھا، اس کا نام بھی مدین تھا تو یہاں اگر مدین سے قبیلہ مراد لے لیا جائے پھر تو کوئی محذوف ماننے کی ضرورت نہیں، مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اور اگر شہر مراد لیا جائے تو پھر اہل کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا، مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب:۔

فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَارۡجُوا الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ: یہ وہی عام بات ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مخاطبین سے پہلے کہا کرتے ہیں، کہا شعیب علیہ السلام نے اے میری قوم......! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور وَارۡجُوا آخرت کے دن کی امید رکھو......! توقع رکھو......! آخرت کے دن کی اور یہ جو توقع ہے اس میں دونوں پہلو ہوا کرتے ہیں، جس وقت آپ کسی بات پہ امید لگاتے ہیں اچھی بات پہ امید لگائیں تو اس میں خوشی کا پہلو ہوتا ہے، اور بُری بات کے پیش آنے کی امید ہو تو اس میں خوف وہراس کا پہلو ہوتا ہے، تو یہاں خوف وہراس والا پہلو ہے، اس لئے اس رجاء کے

① تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۹، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۰

اندر خوف والا معنیٰ ہے، حضرت شیخ تو ترجمہ کرتے ہیں کہ توقع رکھو پچھلے دن کی، اور بیان القرآن میں حضرت تھانوی عِشِیْہ نے ترجمہ کیا ہے کہ پچھلے دن سے ڈرو......! کہ انجام کیا سامنے آنے والا ہے، تو ڈرنے کا معنی اس لئے کیا گیا ہے، جب بُرے حالات سے توقع ہو تو خوف و ہراس کا باعث ہوتے ہیں، یوم آخرت سے ڈرو......! وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ مفسدین یہ حال مؤکدہ ہے زمین میں فساد مچاتے ہوئے نہ پھرو......! یعنی ایسے کام نہ کرو جن سے فساد پیدا ہوتا ہے، اور فساد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عدل و انصاف کے خلاف ہو تو آپ کے سامنے جو تفصیلی واقعات ان کے آئے تھے، کہ یہ قبیلہ کفر وشرک کے ساتھ ساتھ تجارت کی بد دیانتی کا بھی مرتکب تھا۔ کم تولنا کم ماپنا لوگوں کے حقوق غصب کرنا، اور آپ جانتے ہیں کہ یہ عادت عدل و انصاف کو تباہ کرنے والی ہے، جب قوم اس عادت کو اپنا لے گی، تو یقیناً فساد ہی ہوگا، حالات خراب ہی ہوں گے، اس میں حالات سدھرا نہیں کرتے، تو زمین میں فساد مچاتے ہوئے مت پھرو......!

اہل مدین کی تباہی:۔

فَکَذَّبُوۡہُ: حاصل یہ ہے کشاکشی چلتی رہی حضرت شعیب علیہ السلام سمجھاتے رہے تفصیل سورۃ اعراف میں ان کے واقعہ کی زیادہ آئی تھی، اور پھر سورۃ ہود میں بھی ذکر آیا تھا، حاصل اور نتیجہ یہ ہے فَکَذَّبُوۡہُ وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے سمجھانے سے سمجھے نہیں، انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی، انہیں جھوٹا کہا، کہ تم غلط کہتے ہو کہ ان باتوں کا انجام بُرا نکلے گا، یا یہ جو طریقہ ہم نے دین کے طور پر اپنایا ہوا ہے یہ ٹھیک نہیں، تمہاری باتیں ہی ٹھیک نہیں فَکَذَّبُوۡہُ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا فَاَخَذَتۡہُمُ الرَّجۡفَۃُ پکڑ لیا ان کو رجفہ نے رجفہ کا معنی ہے، زلزلہ کپکپی ان کو زلزلے نے پکڑ لیا فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ پس ہو گئے یہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے منہ گرے ہوئے، جثم جثوم گھٹنوں کے بل گرنا، مطلب یہ ہے کہ زلزلے سے مکانات کی تباہی ہو گئی، خود بھی اس میں دب کر مر گئے سارے۔

تزئین شیطانی:۔

وَعَادًا وَّ ثَمُوۡدَاۡ: حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو وَعَادًا وَّ ثَمُوۡدَاۡ یہ بھی اسی اَہۡلَکۡنَا کے مفہوم میں ہے وَاَہۡلَکۡنَا عَادًا وَّ ثَمُوۡدَا ہم نے عاد و ثمود کو بھی برباد کیا، وَقَدۡ تَّبَیَّنَ لَکُمۡ مِّنۡ مَّسٰکِنِہِمۡ مَسٰکِنِ

مسکن کی جمع ہے اور تبین کا فاعل جو ماقبل سے ہلاکت سمجھ میں آتی ہے، ان کا ہلاک ہونا تمہارے لئے ان کے مکانات سے واضح ہے، ان کے رہنے کی جگہ کو جا کر دیکھو...... ! ان کی بستیوں کو دیکھو۔ وہاں سے یہ بات تمہیں نمایاں طور پر معلوم ہوگی، کہ واقعی یہ قوم برباد ہوئی ہے، اِن کے رہنے کی جگہوں سے، ان کی رہائشوں سے، ان کے ٹھکانوں سے، ہلاکت واضح ہے۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کیا تھا، فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ اُن کو صحیح راستے سے روکا تھا وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ اور وہ سمجھدار لوگ تھے زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ جو کردار انہوں نے اپنا رکھا تھا جو بُرائیاں وہ کرتے تھے، وہ اپنے نزدیک ان کو بہت اچھا سمجھ رہے تھے، اور ان کے عقل فہم کے اندر شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی، کہ یہ فائدے کے کام ہیں مزین کرنے کا یہ معنی ہے کہ ان کو اپنے یہ اعمال اچھے لگ رہے تھے، دنیاوی مفاد ان میں تھا، کم تولتے، کم ماپتے، کسی سے لیتے تو زیادہ تول کر لیتے اور دیتے تو کم دیتے یہ کارروائیاں انہوں نے اختیار کر رکھی تھیں، اور اسی طرح بت پرستی کے کام انہوں نے جو اختیار کر رکھے تھے، وہ سب ان کو اچھے لگ رہے تھے، اور یہ سمجھایا جا رہا ہے قرآن کریم کے مخاطبین کو کہ آج تم اپنے جس کردار پر خوش ہو کہ ہم بڑے سمجھداری کے کام کر رہے ہیں بڑی عقلمندی سے کر رہے ہیں، اس میں قومی شیرازہ بھی مجتمع ہے اور ہر قسم کی عیش و عشرت ہے، اسی قسم کے جذبات ان لوگوں کے بھی تھے، اور یہ سب تزئین شیطانی ہے، کہ جس کام کا اچھا ہونا عقل و نقل سے ثابت نہ ہو اپنی خواہشات اور اپنی شہوات کے تحت انسان اس کو اچھا سمجھ رہا ہے، تو یہ تزئین شیطانی ہے، ان کی کارروائیوں کو ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لئے مزین کر رکھا تھا، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحیح راستے سے شیطان نے انہیں روک دیا تھا، وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ استبصار یہ وہی بصر مجرد سے۔ اِبصار افعال۔ استبصار دیکھنے اور سمجھنے کے معنی میں ہے، اَبْصَرَ آنکھوں سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں اور جس کے دل میں روشنی ہو سمجھدار ہو اسے بھی کہتے ہیں، اسی طرح سے مستبصر ہے۔

عقلمندی کسے کہتے ہیں؟

وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ: کا معنی ہے کہ سمجھدار لوگ تھے، یعنی یہ نہیں کہ دیوانے تھے، پاگل تھے، اُن کے بھیجے میں عقل نہیں تھی، اگر ایسے ہوتے تو دنیا کا کاروبار کس طرح سے چلاتے؟ تجارت میں بڑے ہوشیار تھے، اپنی زندگی میں بڑے سمجھدار تھے لیکن شیطان کے پنجے میں آ گئے، دین کے راستے میں آ کے وہ بے عقل ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ

نکلا کہ ساری کی ساری قوم تباہی میں جا پڑی، اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف دنیاوی طور پر ترقی کر لینا تمدن میں، معاشرت میں آگے نکل جانا، اچھے مکانات بنالینا، جس طرح سے عاد و ثمود کے قصے میں آپ کے سامنے آیا، مکانات بنانے میں، کوٹھیاں بنانے میں، محلات بنانے میں ان کی مثال پہلے نہیں تھی، لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ① شہروں میں ان کی مثل پیدا ہی نہیں کی گئی۔ اس طرح سے ان کو محلات بنانے کی بڑے بڑے پہاڑ تراش تراش کر مکانات بنانے کی عادت تھی، اور اس طرح تجارت میں مدین والے آگے نکل گئے تھے، تو تجارت میں آگے نکل جانا، اچھے محلات اور کوٹھیاں بنالینا، معاشی طور پر خوشحال ہو جانا، یہی صرف سمجھداری نہیں ہے، سمجھداری یہ ہوتی ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ نتیجہ کس کام کا آگے اچھا آرہا ہے؟ اگر ایک وقت میں انسان خوشحال ہو دوسرے وقت اللہ کی گرفت میں آجائے، اللہ کے عذاب میں آجائے تو سارا کمایا ہوا کچھ کام نہیں آتا، اور پھر پتہ چلتا ہے کہ ہم تو بے عقلی سے غلط راستے کو صحیح راستہ سمجھ رہے تھے، تو ہمارے ہاں بھی جس طرح بعض لوگوں نے سائنس میں ترقی کر کے، صنعت میں ترقی کر کے، اپنی دنیا کو خوب آباد کیا ہوا ہے، اور ان کے شہروں میں اگر آپ جائیں، ان کے ملک میں جائیں، تو آپ کو ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی نظر آتی ہے، ان کی ترقی کو دیکھ کے، ان کے کارناموں کو دیکھ کے آپ کہیں گے کہ بڑے عقلمند و سمجھدار لوگ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں اسی سمجھداری کی وجہ سے سائنسدانوں نے کائنات میں سے کیسے کیسے رموز تلاش کئے......! دنیا کے اندر کس قسم کی چیزیں ایجاد کر دیں، ہر طرف رونق پھیلی ہوئی ہے، لیکن جہاں دین کا معاملہ آتا ہے اس میں آ کے وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں، صرف ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کو جو دیکھتے ہیں یہ نہیں جان سکتے، کہ ان کے پس پردہ کیا ہے؟ نتیجے کو نہیں دیکھتے اس لئے ان کی یہ سمجھداری یہ عقلمندی، سمجھدار آدمی کے نزدیک جو اللہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور دین کی سمجھ رکھتا ہے، اس کو صحیح کامیابی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ صحیح کامیابی وہ ہے کہ جس کا نتیجہ اچھا نکلنے والا ہو، ورنہ ایسے سمجھدار جیسے یہ مدین والے سمجھدار تھے، عاد و ثمود سمجھدار تھے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا بھی برباد ہوئی اور آخرت کا بھی دائمی عذاب سامنے آ گیا، اور یہ پاگل پن ہے کہ ان کی اس قسم کی ترقیوں کو دیکھ کر سمجھ لینا کہ انہیں کا طریقہ ٹھیک ہے، جس طرح سے یہ کر رہے ہیں، اسی طرح ٹھیک ہے۔

---

① پارہ نمبر ۳۰، سورۃ نمبر ۸، آیت نمبر ۸۹

جس طرح کہ بعض مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے ہیں، وہ ان کی ترقیوں کو دیکھ کر یہی کہتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اللہ کے نزدیک یہی محبوب ہے، اللہ کے نزدیک یہی مقبول ہیں ان کو دنیا میں خوشحالی نصیب ہوگئی، یہ صحیح بات نہیں، اگر سمجھداری اسی بات میں ہے کہ قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم مدین کی طرح جنہوں نے تمدن میں معاشرت میں معیشت میں بڑی ترقی کی تھی، لیکن اس ظاہری دنیا میں پچھلے دن کو وہ جانچ نہیں سکتے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ تو ایسی سمجھداری کس کام کی؟

قابلِ عبرت واقعات کا بیان:۔

وَقَارُوۡنَ وَفِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ: اور ہلاک کیا ہم نے قارون کو فرعون کو اور ھامان کو ان کے واقعات بھی تفصیلاً آپ کے سامنے آگئے۔قارون دولت میں بہت زیادہ ممتاز تھا، وَاٰتَيۡنٰهُ مِنَ الۡكُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوۡٓاُ بِالۡعُصۡبَةِ ① ابھی پچھلی سورۃ کے آخری رکوع میں آپ کے سامنے گزرا تھا کہ مال کے ڈھیر اس نے لگا رکھے تھے، اور فرعون یہ وقت کا تاجدار تھا، عہدے اور مرتبے میں اس کی مثال اس وقت موجود نہیں تھی، کیونکہ ظاہری طور پر کسی ملک کا بادشاہ بن جانا اس ملک میں سب سے بڑا جاہ ہوتا ہے، اور فرعون کو وہ حاصل تھا اور مطلق العنان حاکم جس کے اُوپر کوئی کسی قسم کی پابندی لگانے والا موجود نہیں تھا، حکومت میں یہ سب سے آگے تھا اور ھامان یہ اس کا وزیر اعظم تھا، ملازمت میں سب سے بڑا عہدہ اسی کا تھا، ایک سرمایہ دار کی مثال نقل کردی، ایک بادشاہ کی مثال نقل کردی جو کہ مطلق العنان تھا، اور ایک ملازم کی مثال ذکر کردی، کہ اس کا بہت مقرب تھا، ملازم تھا، ان سب کو ہم نے ہلاک کردیا وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ یہ ساری مثالیں جو دی جارہی ہیں اس لئے کہ ہر شخص کسی نہ کسی شعبے میں اپنے آپ کو سمجھتا ہی ہے تو اگر وہ ملازم کے عہدے میں سب سے بڑا عہدیدار ہے، تو اس کو ھامان کی ہلاکت سامنے رکھنی چاہیے، اگر وہ ملک میں سب سے بڑا عہدیدار ہے جس طرح سے صدر مملکت لیکن آج کل اس دور کی مثال تو سامنے آہی نہیں سکتی، قوم ان کے اوپر مسلط ہوتی ہے قوم کے منتخب کردہ ہوتے ہیں، اور جب چاہے قوم ان کی ٹانگ کھینچ لے اس وقت کی جو بادشاہی تھی وہ ایسی نہیں تھی، وہ بادشاہ کیا تھے؟ وہ تو ملک میں رہنے والوں کیلئے اپنے آپ کو خدا کی جگہ رکھتے تھے......! اور ان کی رعایا ان کو ایسے ہی پوجتی تھی جس طرح کہ اللہ کو پوجا جاتا ہے، تو ان کی برتری اور ان کی ہیبت جس انداز کی ہوتی

① پارہ نمبر ۲۰، سورۃ نمبر ۲۸، آیت نمبر ۷۶

تھی، آپ اس وقت اندازہ نہیں کر سکتے، تو اپنے آپ کو کسی نہ کسی شعبے میں انسان داخل سمجھتا ہی ہے، تو یہ مختلف مثالیں جو دی جارہی ہیں اس لئے دی جارہی ہیں کہ ان کو دیکھ کر انسان عبرت حاصل کرے۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ البتہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے۔

مشرکین مکہ کو تنبیہ:۔

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ: یہ زمین میں متکبر ہو گئے، انہوں نے حق کو قبول نہ کیا، حق کے سامنے گردن نہ جھکائی، استکبار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ حق اور اہل حق کے سامنے یہ لوگ دبے نہیں، بلکہ اکڑ گئے، اور یہ ہم سے چھوٹنے والے نہیں، آگے اس کو اس آیت کے ساتھ جوڑ لیجئے......! جو شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی تھی کہ بدکرداریاں کرنے والے کیا یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے چھوٹ جائیں گے، چھوٹے تو ان کے بڑے بھی نہیں تھے، انہوں نے کہاں چھوٹنا ہے، کیا ان میں سے کوئی ہے جو کہ ان جیسا ہو؟ نہ انہوں نے تمدن میں وہ ترقی کی، جو عاد و ثمود نے کی ہوئی تھیں، ٹھیک ہے یہ اپنے آپ کو تجارت میں بڑا تاجر سمجھتے ہیں لیکن تجارت میں ان کی وہ ترقیاں نہیں جو مدین میں تھیں، اور اگر اپنی دولت پہ ناز کرتے ہیں تو اتنے بڑے دولتمند نہیں جیسا قارون تھا، اور ان کو ملک کے اندر اس قسم کا اقتدار حاصل نہیں جیسا فرعون اور ھامان کو حاصل تھا، تو چھوٹے تو وہ بھی نہیں، تو جو ہمارے مخاطب ہیں یہ کس باغ کی مولی ہیں......! آپ نے شعر سنا ہوگا، امین گیلانی کا جس پر وہ بیچارہ دھر لیا گیا

ہم نے الٹے تخت بڑے فرعونوں کے
میرے مخاطب! تُو کس باغ کی مولی ہے

یہاں تو اتنے بڑے بڑے فرعون دھر لئے گئے، بڑے بڑے سرمایہ داروں کو سانس لینے کا موقع نہیں ملا، اور اتنی بڑی حویلیوں والے عاد و ثمود اور اتنی بڑی تجارتوں والے اصحاب مدین جب ہم پکڑنے پہ آ گئے تو یہ نہیں چھوٹ سکے، تو تم کس کھیت کی مولی ہو؟ جو تم اپنے آپ کو اتنے غرور میں لئے ہوئے ہو، اور حضور ﷺ کی مخالفت کرتے ہو۔ اس فقرے کے ساتھ جڑ جانے کے ساتھ معلوم ہو گیا، کہ یہ سارے کے سارے واقعات اصل میں انہیں کو سنائے جا رہے ہیں۔

کہ جب ہم پکڑنے پہ آئیں گے تم بھی نہیں چھوٹ پاؤ گے۔

مکذبین انبیاء علیہم السلام کا انجام:۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ یہ جن کا ذکر آیا ہم نے سب کو پکڑا ان کے گناہ کی وجہ سے فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کے اُوپر ہم نے حاصب بھیجی، حاصب اتنی زوردار آندھی جو کہ کنکریاں برسانے والی بربادی لانے والی ہوا، اس سے قوم لوط مراد ہوسکتی ہے اور اس طرح عاد ثمود پر یونہی آندھی آئی تھی، وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ اور ان میں سے بعضے وہ ہیں جن کو صیحہ نے پکڑلیا، صیحہ چیخ چنگھاڑ کو کہتے ہیں، صَاحَ یَصِیْحُ چنگھاڑنا قرآنِ کریم میں تو لفظ یہی آیا ہے، اور مفسرین عام طور پر ذکر کردیا کرتے ہیں، کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، اور آکر اتنی سخت چیخ ماری کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے، یہ ایک صیحہ کی تاویل ہے ورنہ رعد و برق اس کا مصداق ہوسکتا ہے، آسمان کی طرف سے کڑک جس طرح سے بجلی چکا کرتی ہے، تو طوفان آتا ہے، یا جس وقت عذاب آیا تو عذاب آنے سے یہ لوگ چیخ و پکار میں لگ گئے، چیخ و پکار نے ان کو پکڑلیا۔ چیخ و پکار ایک عذاب کا عنوان ہے، یہ سب رونے دھونے لگ گئے چیخ و پکار نے ان کو پکڑلیا جو سب خوشیوں کے اندر مست تھے۔ ہر وقت ہنستے کھلکھلاتے تھے، ان کو ذرا بھی عیش و عشرت سے فرصت نہیں تھی، جب ہمارا ذرا سا اشارہ ہوا تو چیخیں نکل گئیں ان کی۔ اس طرح بھی آپ ترجمہ کرسکتے ہیں......! حاصل اس کا یہ ہے کہ ان پہ عذاب آیا ہو اور عذاب کی تعبیر صیحہ کے ساتھ ہے، جبرائیل علیہ السلام نے آکر جھڑک ماری ہو، اور یہ جھڑک برداشت نہ کرسکے ہوں اور ایک ہی جھڑک سے ان کے کلیجے پھٹ گئے ہوں، یہ بھی ہوسکتا ہے اور آسمان کی طرف سے کڑک رعد و برق آئے ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے، یا یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے عذاب آیا ہو، چیخیں نکل رہی ہوں سب کی اور سب کو چیخ و پکار نے پکڑلیا ہو، جس انداز سے بھی آپ ترجمہ کریں مراد عذاب ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ہم نے زمین میں دھنسادیا، وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ہم نے پانی میں ڈبودیا، تو ہر طرح سے عذاب آیا، کسی کے اُوپر آندھی آئی، کسی کے اُوپر زلزلہ آیا، کسی کے اُوپر طوفان آیا، کسی کو دریا میں غرق کردیا، کسی کو زمین میں دھنسادیا، زمین میں دھنسانے کی مثال آپ کے سامنے گزری قارون کی خَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ہم نے اس کے محل سمیت حویلی سمیت زمین میں دھنسادیا، یہ لفظ آپ کے سامنے آئے تھے، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ یہ سب ہماری

گرفت میں آئے، اللہ تعالیٰ ان کے اُوپر ظلم کرنے والے نہیں نہیں ہے اللہ کہ ان کے اوپر زیادتی کرے یعنی ہم نے ان کی کوئی حق تلفی نہیں کی اور نہ ان کے اوپر زیادتی کی۔

معذبین نے اپنے اُوپر خود ظلم کیا:۔

وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ: لیکن یہ لوگ اپنے ہی نفس پر زیادتی کرنے والے تھے اپنے حقوق انہوں نے خود تلف کئے اللہ کی نافرمانی کی اپنے اوپر ظلم کیا اس کا نتیجہ بھگتا تو یہ واقعات بیان کرنے کے بعد مشرکین مکہ کو ایک اور انداز سے جھنجوڑا جا رہا ہے، یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ دولت نے قارون کو نہیں بچایا، یہ تم نے دیکھ لیا اقتدار نے فرعون کو نہیں بچایا، اور یہ تم نے دیکھ لیے کہ بڑے بڑے منصب اور عہدے نے ھامان کو نہیں بچایا، بڑی بڑی حویلیوں اور محلات نے عاد و ثمود کو نہیں بچایا، بڑی بڑی تجارتوں نے اہل مدین کو نہیں بچایا۔

تمہارے شرکاء اور شفعاء کی مثال مکڑی کے جالے کسی ہے:۔

کہیں اس مغالطے میں نہ رہو......! کہ تمہاری یہ پتھر کی مورتیاں تمہارے یہ شرکاء، تمہارے یہ شفعاء وقت پہ کام آ جائیں گے، یہ کبھی بھی کام آنے والے نہیں، ان کی مثال بھی سن لو ان کی مثال ایسی ہے جیسے مکڑی کا جالا۔ یہ ہوا کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا یہ پہلے جو گزرے ہیں انہوں نے بھی اس قسم کے شرکاء شفعاء بنائے ہوئے تھے کسی نے کسی کو سمجھا ہوا تھا، کہ وقت پر کام آئے گا، اور کسی نے کسی کو سمجھا ہوا تھا، کہ وقت پہ کام آئے گا، لیکن جس وقت اللہ کا عذاب آیا تو سارے اس طرح اڑ گئے، جس طرح کہ آندھی سے تار عنکبوت اڑتی ہے، مکڑی کا جالا جس طرح سے اڑتا ہے جیسے مکان میں جالے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں، جتنے جانور اپنے گھر بناتے ہیں۔ یا تعمیر کرتے ہیں ان سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال دی کہ یہ جو شرک کے سہارے لئے بیٹھے ہیں، شفعاء جو بنائے بیٹھے ہیں یہ اس طرح سے ہے جس طرح سے مکڑی اپنے خیال سے قلعہ تعمیر کر لیتی ہے، لیکن جس وقت کوئی آفت آتی ہے تو ایک بچہ ایک تنکے کے ساتھ ہی سارے جالے کو اتار لیتا ہے، اس طرح سے یہ غلط فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں، یہ سہارے بھی کام آنے والے نہیں، آگے یہ بات کہی جا رہی ہے جیسے ان لوگوں کے کام نہیں آئے، ویسے تمہارے بھی کام نہیں آئیں گے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِیَآءَ: مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے علاوہ کارساز اختیار

کئے ہیں، كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ مکڑی کے جالے کی سی ہے اِتَّخَذَتْ بَيْتًا مکڑی نے گھر بنایا ہے وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ تمام گھروں میں سے کمزور ترین گھر البتہ مکڑی کا جالا ہے یعنی جتنے جاندار کیڑے مکوڑے، چرند پرند اپنے لئے رہنے کی کوئی جگہ بناتے ہیں ان سب میں کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ لوگ جان لیں......! ان کی سمجھ میں یہ بات آجائے......! کہ اللہ کے علاوہ جتنے بھی سہارے ہیں وہ سارے اسی طرح کے ہیں۔ جس طرح یہ مکڑی کا جالا ہے، وہ وقت پہ کام آنے والے نہیں۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ اس بات کو جان لیں......! لَوْ تمنائیہ جیسا کہ ہوتا ہے یا شرطیہ بنا کر یوں ترجمہ کر لیں اگر یہ لوگ جان لیں تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے پر اعتماد نہ کریں، اور اللہ ہی سے پناہ طلب کریں اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ، من شیٔ یہ ما کا بیان ہے جن چیزوں کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ بے شک ان سب چیزوں کو خوب جانتا ہے، یعنی ان کی مثال جو اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے مکڑی کے جالے کے ساتھ ان کی مثال دی گئی ہے، تو کوئی یہ نہ کہے کہ ان کی بہت تحقیر کر دی گئی، ضرورت سے زیادہ ان کی تحقیر میں مبالغہ کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہیں میں ان سب کی حقیقت جانتا ہوں، جب میں سب کی حقیقت جانتا ہوں، تو جو مثال میں نے دی ہے یہ صحیح ہے، جیسے آپ بھی کسی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں اس کو اچھی طرح سے جو میں کہہ رہا ہوں، صحیح کہہ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان چیزوں کو جن کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں۔ جب اللہ جانتا ہے تو اللہ نے حقیقت تمہارے سامنے نمایاں کر دی۔ کہ یہ وقت پہ کام آنے والی نہیں، وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اہل عقل وفہم کیلئے تردید شرک کی مثالیں:۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ: یہ مثالیں ہیں ہم ان کو لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں، واضح کرتے ہیں ہم ان مثالوں کو لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو مگر علم والے۔ جن کو کوئی علم ہوتا ہے، عقل وفہم ہوتا ہے، ان مثالوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں، اور ان مثالوں کو سمجھنے کا وہی مطلب کہ جو بات ان کے ذریعے سے سمجھائی جا رہی ہے وہی سمجھو......! اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید کیلئے یہ مثالیں بیان کی ہیں تو عقل والے کا کام ہے کہ ان مثالوں میں غور کر کے اس حقیقت کو سمجھے۔

آسمان وزمین کی تخلیق بے مقصد نہیں:۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ : اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا زمینوں کو اور آسمانوں کو حق کے ساتھ، مصلحت کے ساتھ، حکمت کے ساتھ، بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں، ایمان لانے والوں کیلئے نشانی ہے اس بات کی کہ جب خالق اللہ ہے، سمٰوٰت اور ارض کا اور زمین آسمان میں جو کچھ ہے، تو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا جاسکتا، سب سے بڑا استدلال خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے اس کی توحید پر پارہ نمبر ۴ میں ہے اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ عقل والوں کیلئے زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں نشانی ہے، اور ان نشانیوں میں سے بڑی نشانی یہی ہے کہ اس نشانی سے استدلال کر کے اللہ کی توحید کو سمجھے، اور دوسری نشانی اس میں یہ ہے کہ اس میں غور کرنے کے بعد انجام کو سوچو......! اللہ تعالیٰ نے اس کو مصلحت اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، یہ کوئی کھیل نہیں ہے، جس طرح سے کہ بچے کھیلتے ہیں تو مکان بناتے ہیں مٹی کے۔ جب فارغ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ 'ہتھاں نال بنایا سی تے پیراں نال ڈھایا سی'' تھوڑی دیر کیلئے دل بہلایا دل بہلانے کے بعد اس کے ٹکڑے کر کے چلتے پھرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وآسمان کھیل کے طور پر پیدا نہیں کئے، کہ اس کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں، ایسا نہیں بلکہ اس میں مصلحت اور حکمت ہے اس کا نتیجہ نکلنے والا ہے، چنانچہ عقل مندوں کا یہ حال نقل کرتے ہوئے سورۃ آل عمران کے آخر میں آیا تھا کہ وہ جب غور کرتے ہیں......! سوچتے ہیں......! تو سوچنے کے بعد اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے اللہ تو نے یہ مخلوق باطل پیدا نہیں کی، بلکہ بالحق پیدا کی ہے سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ① وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچتے ہیں، کہ اگر اس پیدا کرنے والے کے حقوق کو نہ پہچانا گیا، اور اس کی عبادت اور اطاعت نہ کی گئی تو آخر نتیجہ جہنم ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سامنے پکار اٹھتے ہیں کہ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے اللہ......! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچانا، تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی نتیجہ ضرور سامنے آنے والا ہے، اللہ نے اس کو بیکار پیدا نہیں کیا یہ مفہوم بالحق کے اندر موجود ہے۔ یہ نہیں کہ دنیا کے اندر انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ کھاتے پیتے رہیں عیش کرتے رہیں، ظالم عیش کرتے رہیں، مظلوم پستے رہیں، مرنے کے بعد سب برابر ہو جائیں، ایسی بات نہیں ہے بالحق کے اندر یہ پہلو

① پارہ نمبر ۴، سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۹۱

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

پڑھئے آپ اس کتاب کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز کو قائم رکھئے بے شک نماز

تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ

روکتی ہے بے حیائی سے اور برائی سے اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے

مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ

ان کاموں کو جو تم کرتے ہو ﴿۴۵﴾ نہ جھگڑا کیا کرو اہل کتاب کیساتھ مگر اس طریقے سے جو

اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ

بہتر ہے مگر جو ان میں سے ظالم ہیں اور تم کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز کے ساتھ جو ہماری طرف

اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اتاری گئی اور جو تمہاری طرف اتاری گئی، ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم اس کیلئے فرمانبردار ہیں ﴿۴۶﴾

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اور ایسے ہی اتاری ہم نے آپ کی طرف کتاب، پھر وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی

یُؤْمِنُوْنَ بِهٖۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖؕ وَ مَا یَجْحَدُ

اس پر بھی وہ ایمان لاتے ہیں، ان میں سے بھی بعض ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہیں انکار کرتے

بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ

ہماری آیات کا مگر کافر لوگ ﴿۴۷﴾ نہیں پڑھتے تھے آپ اس کتاب سے پہلے کوئی کتاب اور نہ

كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ

کسی کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، تب تو یہ باطل لوگ شک کرتے ﴿۴۸﴾ بلکہ

بھی موجود ہے، یہاں توحید کا سبق ہے اور جہاں رد شرک میں اس کا پہلو آتا ہے، تو اسی طرح سے آخرت کی طرف انتقال یہ بھی اس کائنات سے ایک سبق حاصل کرنے کی بات ہے۔

مثال سے نتیجہ اخذ کرنا اہل ایمان کا کام ہے:۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ: مومنین کا ذکر ایسے ہی کر دیا گیا جس طرح کہ پیچھے اہل علم کا ہے، کہ فائدہ اٹھانا انہیں کا کام ہے، ورنہ نادان آدمی کے سامنے جو علم وفہم سے کام نہیں لیتا اس کے سامنے دفتروں کے دفتر پھیلا دیں، گھنٹوں کے گھنٹے وعظ کہہ دیں اس کے سامنے کوئی چیز بھی نہیں ہے، اور علم فہم والوں کا کام ہوتا ہے جب کوئی مثال سامنے آئے تو اس کو سنیں، اور سننے کے بعد سوچیں......! اور نتیجہ اخذ کریں اور اسی طرح سے غور کرنا فائدہ اٹھانا نتیجے پہ پہنچنا یہ ان لوگوں کا کام ہے جو ایمان لا چکے ہیں، یا جو ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں، مومنوں کے اندر دونوں پہلو ہیں، کہ ایمان لانے والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یا وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جو واقعی اس استدلال کے ساتھ ایمان لانا چاہتے ہیں، نیک نیت ہیں، غور وفکر کے بعد کسی صحیح نتیجے پہ پہنچنا چاہتے ہیں، ان کیلئے تو بے شمار نشانیاں اس مخلوق کے اندر موجود ہیں، اور اگر کسی نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ میں نے تو ماننا ہی نہیں تو اس کے سامنے زمین کیا آسمان کیا سارے کے سارے بے نتیجہ ہیں، پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو حکمت کے ساتھ۔ اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ
یہ واشگاف آیتیں ہیں، ان لوگوں کے دلوں میں جو علم دیئے گئے ہیں اور نہیں انکار کرتے
بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ
ہماری آیات کا مگر ظالم لوگ ﴿۴۹﴾ اور انہوں نے کہا کیوں نہیں اتاری گئیں اس پر نشانیاں
رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾
اس کے رب کی طرف سے، آپ کہہ دیجئے! اس کے سوا کچھ نہیں کہ آیات اللہ کے پاس ہیں، میں تو کھول کھول کر ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾
اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ
کیا ان کیلئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جارہی ہے، بے شک
فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع
اس میں البتہ رحمت ہے اور نصیحت اُن لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں ﴿۵۱﴾

تفسیر

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ: مِنَ الْكِتٰبِ یہ ما کا بیان ہے اُتْلُ امر کا صیغہ تلاوت کر، پڑھیے! آپ اس کتاب کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ نماز کو قائم رکھیے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز روکتی ہے، بے حیائی سے اور برائی سے، وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے، وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ اور اللہ جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔

بحث ومباحثہ میں اچھا انداز اختیار کرو:۔

وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ: نہ جھگڑا کیا کرو، اہل کتاب کے ساتھ، مگر اس طریقے سے جو بہتر ہے، اہل کتاب سے جدال نہ کیا کرو...... ! مگر اس طریقے سے جو بہتر ہے اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ اس

استثناء کا مطلب یہ ہوسکتا ہے، کہ جو ان میں سے ظالم ہیں شرارتی ہیں ان کا مقصد ہی تمہیں پریشان کرنا ہے، ان کا جواب تم ترکی بترکی دے سکتے ہو، جو انداز انہوں نے اختیار کیا ہے وہی انداز تم اختیار کرلو......! باقی جو ظالم اور شریر نہیں ہیں ان کے ساتھ بحث مباحثہ کی نوبت آجائے تو اچھا انداز اختیار کرو......! یا یہ ہے کہ مستثنیٰ کو منقطع بنالیجئے......! مگر جو ان میں سے ظالم ہیں، ان سے بحث مباحثہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں، ان سے اعراض کر جایا کرو......! یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور تم کہو کہ ہم ایمان لائے، اس چیز کے ساتھ جو ہماری طرف اتاری گئی، وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور جو تمہاری طرف اتاری گئی، وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہم اس کیلئے فرمانبردار ہیں، اپنے آپ کو اس کے حکم پر مطیع کرنے والے ہیں، اسلام کا معنی ہوتا ہے گردن بطاعت نہادن، وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ اور ایسے ہی اتاری ہم نے آپ کی طرف کتاب فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ پھر وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اس پر بھی وہ ایمان لاتے ہیں، وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ، هٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ ان میں سے بھی بعض ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا، مگر کافر لوگ۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ نہیں پڑھتے تھے آپ اس کتاب سے پہلے کوئی کتاب یعنی یہ جو کتاب قرآنِ کریم آپ پر اتاری گئی ہے تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ نہیں لکھتے تھے آپ بِيَمِيْنِكَ اپنے دائیں ہاتھ سے اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ، اِذًا تب یعنی اگر آپ کو پڑھنے لکھنے کی عادت ہوتی اِذًا کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو پہلے لکھنے پڑھنے کی عادت ہی نہیں تھی، اگر ہوتی تو تب یہ باطل لوگ شک کرتے، جب لکھنے پڑھنے کی عادت تھی ہی نہیں، تب اس میں ان لوگوں کو کوئی شک کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ بلکہ یہ واشگاف واضح آیتیں ہیں، فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ان لوگوں کے دلوں میں جو علم دیئے گئے، صدر و بول کر سینہ اور دل دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں، صدور صدر کی جمع ہے صدر سینے کو کہتے ہیں اور دل سینے کے اندر ہوتا ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ مگر ظالم لوگ وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کیوں نہیں

اتاری گئیں اس پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے قُلْ آپ کہہ دیجئے اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ اس کے سوا کچھ نہیں کہ آیات اللہ کے پاس ہیں، آیات سے معجزات مراد ہیں۔ اللہ کے پاس ہیں معجزات جب چاہے اتارے جب چاہے نہ اتارے۔

ماقبل سے ربط:۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو احکامات:۔

شروع سورت سے مشرکین کے ساتھ گفتگو چلی آرہی ہے اور مومنوں کو حق کے اوپر ثابت قدم رکھنے کیلئے، بہت ساری باتیں سنائی ہیں اور ان میں کافروں کیلئے اور مشرکین کیلئے تنبیہ تھی۔ مثالوں کے ساتھ بھی اس کو واضح کیا گیا اور تاریخی حقائق بھی پیش کیے گئے اور جس قسم کی باتوں کے ساتھ مشرکین اہل ایمان کو پھسلانا چاہتے تھے، ان کی وضاحت بھی ہوگئی، اب یہاں سرورِ کائنات ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا جا رہا ہے کہ جو کتاب آپ پر وحی کی گئی آپ اس کی تلاوت کرتے رہیں، یہ تلاوت کرنا ہے بطور تبلیغ کے، یعنی لوگوں کو وہ پڑھ پڑھ کر سناتے رہیں، یہ قولی تبلیغ ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ یہ فعلی تبلیغ ہے، اور آپ نماز کو قائم رکھیں......! کتاب پڑھ پڑھ کے سنائیں اور نماز بھی قائم رکھیں......! اللہ کے کلام کے ساتھ بھی تبلیغ کریں اور لوگوں کے سامنے اپنے عمل کے ساتھ نمونہ پیش کریں اللہ کی عبادت کا جس میں اعلیٰ وافضل چیز نماز ہے اس کو قائم رکھیئے......! بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے، اور بُرے کاموں سے بے شک اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

پہلا حکم تلاوتِ قرآنِ کریم:۔

پہلا حکم دیا گیا تلاوت کے متعلق خطاب سرورِ کائنات ﷺ کو ہے لیکن نبی چونکہ امت کی طرف سے ایک نمائندہ ہوتا ہے اس لئے جو حکم نبی کو خطاب کر کے دیا جائے، وہ امت کیلئے بھی ہوتا ہے، تو جب سرورِ کائنات ﷺ کو اللہ کی کتاب کی تلاوت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے، تو آپ کی امت بھی اس بات کی مکلف ہے، کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرے، بطور تبلیغ کے بھی جو یہاں اصل مقصود ہے، لوگوں کو کتاب پڑھ کر سناؤ......! یہ سنیں یا نہ سنیں توجہ کریں......! یا نہ کریں......! آپ کا فرض ہے کہ آپ پڑھ کے سناتے چلے جائیں، جیسا کہ سرورِ کائنات ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ چاہے دوسرے شور مچائیں، لغو حرکتیں کریں......! اور اعراض کریں......! لیکن آپ نے

اپنے اس فرض کو کسی حال میں چھوڑا نہیں۔ اس بات کو بھی نہیں دیکھا کہ یہ مانتے ہیں یا نہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھ پڑھ کر سناتے رہتے، اور اس کے علاوہ بطور ذکر کے، اور بطور عبادت کے، اللہ کی کتاب کی تلاوت یہ بھی مطلوب ہے، سرور کائنات ﷺ کثرت سے تلاوت فرماتے، خصوصیت کے ساتھ، رات کو نوافل میں، فرضوں میں بھی، اس کو پڑھا جاتا ہے لیکن فرضوں میں پڑھنے کا موقع کم ملتا ہے، کیونکہ جماعت کی شکل میں یہ نماز پڑھنی ہوتی ہے، اس لئے تلاوت کم ہوتی ہے، نوافل کی شکل میں حضور ﷺ بہت کثرت کے ساتھ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ قیام فرماتے تھے، بسا اوقات چار رکعت میں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نسآء اور سورۃ مائدہ ہر رکعت میں ایک سورت پڑھ دیا کرتے تھے، جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے۔ ① تو معلوم ہو گیا کہ اللہ کی کتاب کو پڑھنا بطور تبلیغ کے بھی فرض ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرنا یہ بھی ایک بہت بڑی سعادت ہے، جس کے ساتھ انسان کے دل میں صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں، اور انسان کے سامنے راستہ واضح ہوتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کتاب کی سمجھ دیدے، فہم دیدے اور وہ پڑھتا بھی جائے، اور سمجھتا جائے، تو یہ نور علیٰ نور ہے۔

صرف الفاظ قرآن کی تلاوت بھی سعادت کی کنجی ہے:۔

اور اگر سمجھ نہ ہو، ویسے ہی الفاظ بطور تبرک کے تلاوت کئے جائیں، تو یہ بھی بہت بڑی سعادت کی کنجی ہے اس کو بھی فضول اور مہمل نہیں سمجھنا چاہیے، جس طرح سے کہ آج کل مغرب زدہ لوگوں کا ذہن ہے وہ کہتے ہیں کہ صرف الفاظ کے رٹنے کا کیا فائدہ؟ جب یہ سمجھ میں نہیں آتے تو ان کے اس طرح پڑھنے کا کیا فائدہ؟ وقت ضائع کرتے ہیں یہ بات غلط ہے، گمراہی ہے۔ اللہ کی یہ کتاب دنیا کی تمام کتابوں سے ممتاز ہے، کہ باقی جتنی بھی کتابیں ہیں، چاہے وہ اللہ کی طرف سے اتریں، چاہے وہ انسانوں کی لکھی ہوئی ہیں، ان کے الفاظ مقصود نہیں ہوتے، ان کے معانی مقصود ہوتے ہیں، کہ ان الفاظ میں سمجھایا کیا جا رہا ہے؟ اور بات کیا کہی جا رہی ہے؟ اس لئے اگر وہ بات سمجھ میں آئے تو پڑھنے کا فائدہ ہے۔ اگر سمجھ نہ آئے تو پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، جیسے کہ ہدایہ فقہ کی کتاب ہے لیکن اگر اس کا کوئی مطلب نہیں سمجھتا تو پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں......! ایسے ہی آپ عبارت پڑھتے چلے جائیں

① مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۷ باب صلاۃ اللیل، فصل ثانی

پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں، قدوری ہے اگر آپ اس کی ایسے ہی عبارت پڑھتے چلے جائیں کوئی ثواب نہیں، اسی طرح سے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں کوئی کتاب اُردو کی ہے، فارسی میں ہے، اگر اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو اس کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، ایسی کتابوں کے مقصود معانی ہوتے ہیں الفاظ مقصود نہیں ہیں، تورات کی یہی پوزیشن ہے، انجیل کی یہی پوزیشن ہے، کہ ان کا پڑھنا جو ہے وہ سمجھنے کیلئے ہے، کہ اس میں کہا کیا جا رہا ہے؟ اس میں الفاظ کی نوعیت ایسی نہیں کہ یہ الفاظ منزل من اللہ اور ان الفاظ کو باقی رکھنا مقصود ہے، یا ان الفاظ کے ساتھ بھی احکام متعلق ہیں، ایسی بات نہیں اس لئے تورات آپ کے پاس اُردو میں لکھی ہوئی ہے، انجیل اُردو میں لکھی ہوئی ہے، تو وہ عیسائی اس اُردو کو پڑھنے میں یونہی سمجھتے ہیں، جیسا کہ انجیل پڑھ لی، فارسی میں تورات لکھی ہو، تو فارسی میں تورات پڑھنے کو یہودی یونہی سمجھتے ہیں، جیسے یہ شخص تورات پڑھ رہا ہو۔

صرف قرآن کریم اپنی لفظی حیثیت سے قابل اعتبار ہے:۔

یہ اللہ کی کتاب ممتاز ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی جانب سے اترے ہیں، اور ان الفاظ کا باقی رکھنا بھی مطلوب ہے، جس کیلئے دلیل واضح کتاب اللہ میں موجود یہ ہے جس آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا اور اس کے الفاظ نہیں منسوخ کیے گئے، الفاظ باقی ہوں بالکل اللہ کی ہی کتاب ہے اس کا پڑھنا بھی باقی الفاظ کے پڑھنے کی طرح عبادت ہے، حالانکہ اس کا معنی اور حکم سرے سے مطلوب ہی نہیں، اگر ان الفاظ سے صرف معانی اور حکم کا بیان کرنا ہی مقصود ہوتا، اور بغیر سمجھے ان کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا، تو کم از کم وہ آیات کتاب اللہ سے نکال دی جاتیں، کہ جن کا حکم سرے سے منسوخ ہو گیا ہو، ان پر عمل کرنے کا مطالبہ ہی نہیں، ان کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ؟ یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ کتاب اپنی لفظی حیثیت میں بھی قابل اعتبار ہے اور قابل تعظیم ہے، اس کے الفاظ بھی مقصود ہیں، اس لئے اس کے الفاظ کی تلاوت ہی کتاب اللہ کی تلاوت کہلاتی ہے۔

ترجمہ قرآن تلاوت پر دلالت نہیں کرتا:۔

اور اگر کوئی اس کا معنی یا ترجمہ پڑھنے کی کوشش کرے، تو مسلمان اس کو کتاب اللہ کی تلاوت نہیں کہتے، اگر کوئی شخص نماز میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ پڑھ لے اور سورۃ ملانے کی بجائے قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دے، ہم کہتے ہیں نماز نہیں ہوتی، اس نے قرآن نہیں پڑھا، ہمارے ہاں تو قرآن پڑھنا نام ہی الفاظ پڑھنے کا ہے۔

تلاوتِ قرآن کا ثواب بتانے کیلئے حضور ﷺ نے "الٓمٓ" کا انتخاب کیوں کیا؟

سرورِ کائنات ﷺ نے جو بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ایک ایک حرف پڑھنے پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، اور پھر ارشاد فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ "الف" علیحدہ حرف ہے "لام" علیحدہ حرف ہے "میم" علیحدہ حرف ہے اور جس وقت کسی شخص نے الٓمٓ پڑھ لیا تو اس نے تین حرف پڑھ لیے اس کو تیس نیکیاں ملیں گی، ① یہ نیکیوں کا ملنا الفاظ کی تلاوت پر ہے، چاہے معنی سمجھے یا نہ سمجھے، اس بات کو بیان کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ایک بڑی اچھی بات بیان فرمائی ② کہ حضور ﷺ نے مثال دینے کیلئے الٓمٓ کا لفظ منتخب فرمایا اور اس کے متعلق کہا کہ تیس نیکیاں ملتی ہیں، اور یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ الٓمٓ وہ حروف ہیں جو سورۃ کے شروع میں پڑھے جاتے ہیں، یہ حروف مقطعات ہیں، ان کی مراد سوائے اللہ اور رسول کے اور کوئی نہیں جانتا، اگر مراد اور معنی سمجھے بغیر پڑھنا ثواب نہ ہوتا تو کم از کم الٓمٓ کے پڑھنے پر تو نیکی نہ ملتی......! کیونکہ اس کو تو جو پڑھے گا اس کی مراد کو سمجھ نہیں سکے گا، کیونکہ اس کی مراد حضور ﷺ کی طرف سے واضح ہی نہیں کی گئی، اس لئے کوئی عالم پڑھے، کوئی فاضل پڑھے، کوئی شیخ الحدیث پڑھے، کوئی محدث پڑھے، کوئی مفسر پڑھے، وہ ان لفظوں کو بغیر معنی جاننے کے پڑھے گا، تو جب بغیر معنی کے جانے پڑھے گا، تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے اوپر تیس نیکیاں ملتی ہیں، یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ نیکیوں کے ملنے کا تعلق معنی جاننے کے ساتھ نہیں ہے، ورنہ حضور ﷺ مثال کوئی اور دیتے، جس کا ترجمہ سمجھ میں آتا، اس کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آتا، یہ لفظ جب بھی آپ کے سامنے آتے ہیں تو یہی کہا جاتا ہے کہ "اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ" ان حروف سے مراد کیا ہے؟ یہ اللہ ہی جانتا ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ صرف الٓمٓ پڑھنے سے بغیر معنی جاننے کے، تیس نیکیاں ملتی ہیں، تو یہ الفاظ اور حروف کی تلاوت پر مدار ہے اس بات کا۔ اس لئے ترجمہ نہ بھی آتا ہو تو جو لوگ پڑھتے ہیں، گھروں میں عورتیں پڑھتی ہیں، بوڑھے لوگ پڑھتے ہیں، بہت بڑی سعادت ہے، بہت بڑی نیکی ہے، اس کی ترغیب دینی چاہیے۔

کتاب اللہ کے دشمنوں کی سازشوں سے ہوشیار رہیں......!:-

اور ان دجالوں سے اور ان فتنہ پروروں سے ہمیشہ اپنے ذہن کو بچا کر رکھنا چاہیے، جو کہ مغالطے دے کر

① ترمذی ج ۲ ص ۱۱۳/ ۲۹۱۳/ مشکوٰۃ ص ۱۸۶ عن ابن مسعودؓ/ المستدرک علی الصحیحین للحاکم ج ۱ ص ۷۴۱

② دیکھئے خطبات حکیم الامت ج ۱ ص ۲۰

دنیا کو روکتے ہیں، اصل کے اندر یہ کتاب اللہ کے دشمن ہیں ان کو کتاب اللہ سے اور اس کی اشاعت وتلاوت سے دشمنی ہے۔ ورنہ اگر یوں روکنا شروع کر دیا جائے، تو کتنے آدمی ہیں جو کتاب اللہ کا مفہوم سمجھتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ صرف پڑھنا انہیں کیلئے رہ گیا، جیسے ہندوؤں کا خاص طبقہ اپنی کتاب پڑھتا ہے باقیوں کو کوئی واسطہ نہیں، اب سارے کے سارے لوگ ترجمہ وتفسیر جاننے سے رہے، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان سب کو تلاوت سے روک دیا جائے، تو کتاب اللہ کی جو اتنی اشاعت ہے کثرت سے اس کی تلاوت ہوتی ہے وہ تو ختم ہو جائے گی، اس مغالطے میں نہ خود آئیں، نہ کسی دوسرے کو آنے دیں، اس کے الفاظ کی تلاوت یہ مستقل ایک سعادت ہے، اور اس کے ساتھ دنیا وآخرت کے فضائل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں، اور دنیا وآخرت کی مختلف برکات اس کو نصیب ہوتی ہیں، لفظوں کی تلاوت بھی بیکار نہیں، اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ اس میں دونوں حیثیتیں ہیں تبلیغ کیلئے بھی پڑھو......! لوگوں کو سمجھانے کیلئے بھی اس کی تلاوت کرو......! لیکن اسی طرح بغیر تبلیغ کی نیت کے حضور ﷺ رات کی خلوت میں اس کتاب کو پڑھتے تھے، تو اس وقت کوئی تبلیغ تو مقصود نہیں ہوتی تھی، وہ محض بطور عبادت کے ہے نماز میں پڑھا جائے، تو بہت بڑی سعادت اور اگر نماز میں نہ ہو تو بیٹھ کے پڑھے، زبانی یاد ہے تو زبانی پڑھیں......! دیکھ کے پڑھنا ہو تو دیکھ کے پڑھیں......! یہ چیز باعث برکت ہے بلکہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے دن کی شروعات صبح اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ کریم کی تلاوت سے کرے سارا دن اس کی خیر وبرکت باقی رہتی ہے۔

دوسرا حکم اقامت صلوٰۃ:۔

دوسرا حکم دیا کہ نماز کو قائم کیجئے......! یہ حکم تو اہم ہے ہی۔ کتنی آیات ہیں جن کے اندر اقامت الصلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، اور یہاں نماز کی یہ صفت ذکر کی گئی، یہ شان ذکر کی گئی کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

معاشرے کو برباد کرنے والی دو چیزیں:۔

اور معاشرے کو برباد کرنے والی دو ہی چیزیں ہوتی ہیں فحشاء اور منکر۔ فحشاء سے مراد وہ گناہ ہوتے ہیں، جن کا تعلق بے حیائی سے ہے جیسے شہوانی گناہ ہو گیا، کہ شہوت کے زور سے انسان جس قسم کی حرکتیں کرتا ہے، چاہے وہ نظر بازی ہے، چاہے وہ دست درازی ہے، جو مقدمات بنتے ہیں، زنا کے اور بدکاری کے، یہ سب فحشاء کا مصداق

ہیں، اس کا مصداق سارے ایسے گناہ ہو جائیں گے جن کا مبنیٰ شہوت ہے، اور منکر یہ عام ہو گیا، منکر اسے کہتے ہیں کہ جس کے اُوپر عقل، شریعت اور صالح عرف انکار کرے، نہ اس کو کوئی شریفانہ عرف برداشت کرے، نہ عقل برداشت کرتی ہے، نہ شریعت برداشت کرتی ہے، تو یہ سب کام منکر ہوتے ہیں تو جتنی بھی معصیتیں ہیں، جتنے بھی گناہ ہیں، وہ سارے کے سارے فحشاء اور منکر کے دائرے میں آ جاتے ہیں، جس طرح سے غالباً سورۃ نحل میں اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَ إِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ① اللہ بھی فحشاء اور منکر سے روکتا ہے، وہاں بھی فحشاء اور منکر کا لفظ آیا ہوا ہے، اس طرح سے نماز بھی روکتی ہے۔

نماز فحش اور منکر کاموں سے کیسے روکتی ہے؟:۔

اب رہی یہ بات کہ نماز کس طرح سے روکتی ہے؟ نماز کے روکنے کی دو صورتیں ہیں یا یہ روکنا بالخاصہ ہے یا بالکیفیت ہے......! جس طرح سے بعض دوائیاں ہوا کرتی ہیں جو کسی مرض کیلئے مفید ہوں تو ان کیلئے مرض میں مفید ہونا بظاہر سمجھ میں آتا ہے، کہ یہ مرض سردی کی وجہ سے تھی، گرم دوا لے لی۔ گرمی نے آکے سردی کو زائل کر دیا، یہ ہے کہ دوا کیفیت کے اعتبار سے مفید ہے، سمجھ میں آتی ہے؟ آپ کو خشکی تھی آپ نے کوئی تر چیز کھالی تو تر چیز کے کھانے سے خشکی دور ہو گئی، اور ایک ہوتا ہے کہ یہ نسبت درمیان میں سمجھ نہیں آتی، لیکن یہ چیز استعمال کرنے سے فائدہ ہوتا ہے، اسے کہتے ہیں کہ اس کا خاصہ یہ ہے تجربے کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اس میں فائدہ ہے، اگرچہ دونوں کے درمیان میں ربط نہ دیا جاسکے کہ کیوں مفید ہے......! اس کو مفید بالخاصہ کہتے ہیں۔ مقناطیس لوہے کو کھینچا کرتا ہے، تجربے سے ثابت ہے کہ جس وقت آپ لوہے کو مقناطیس کے قریب کریں گے، مقناطیس اُسے کھینچ لے گا باقی یہ کیوں کھینچتا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ سمجھ میں آئے یا نہ آئے تجربے کے ساتھ ثابت ہے، کہ ایسا ہوتا ہے، چاند کے طلوع کرنے سے سمندر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے، جیسے جیسے چاند بڑھتا جاتا ہے سمندر میں لہریں ویسے ویسے زیادہ اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں، تجربہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے، باقی یہ ہے کہ چاند کا اثر سمندر پہ کیوں پڑتا ہے؟ معلوم ہو یا نہ ہو واقعہ ایسے ہی ہے، ربط اس میں آپ دے سکیں یا نہ دے سکیں......! مشاہدہ ہے آپ جا کر دیکھ لیں......! جن راتوں میں چاند نہیں ہوتا ان راتوں میں سمندر کے اندر اتنا تلاطم نہیں ہوتا، جب چاند بڑھا ہوا ہو تو سمندر میں تلاطم

① پارہ نمبر ۱۴، سورۃ نمبر ۱۶، آیت نمبر ۹۰

زیادہ ہوتا ہے، ایسے جس طرح سے کہ پانی ناچتا ہو، تو یہ چیزیں ہوتی ہیں کہ جن کی خاصیت معلوم ہوگئی، اگرچہ دونوں باتوں کے درمیان ربط نہ دیا جاسکے کہ اس کی کیا وجوہ ہیں؟ جیسے اطباء کہتے ہیں کہ عودِ صلیب ایک لکڑی ہے، وہ گلے میں لٹکائی جائے، تو مقوی قلب ہے ایک تو ہے کہ کھانے کے ساتھ قوت پہنچی، اور ایک ہے کہ گلے میں لٹکانے کے ساتھ ہی مقوی قلب ہوگئی، اب ان دونوں چیزوں کا آپس ربط کیا ہے تجربے کے ساتھ معلوم ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہم ربط بھی پیدا کرسکیں......! کہ اس سے یہ اثرات ہیں اس سے شعاعیں چھوٹتی ہیں، یا قلب پہ یوں اثر انداز ہوئی ہیں، وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہوتا اسی طرح سے ہے، اسی طرح سے نماز یہ بھی بالخاصہ بُرائیوں سے روکتی ہے، کہ اگر کوئی شخص خلوص کے ساتھ نماز کے آداب کی رعایت رکھتا ہوا، پابندی اوقات کے ساتھ نماز پڑھتا رہے، تو تجربہ یہی ہے بُرائیاں اس سے چھوٹ جاتی ہیں، اچھائیاں اس میں پیدا ہوجاتی ہیں، وقت پر پڑھتا رہے، آداب کی رعایت رکھے، تو یہ ایک روحانی غذا ہوتی ہے، کہ جس کے ساتھ روحانی صحت حاصل ہوتی ہے، چاہے اس کی وجہ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اور اگر کسی شخص کو آپ نماز پڑھتا ہوا دیکھیں......! اور اس کے باوجود وہ بُرائیاں نہیں چھوڑتا تو اس سے نماز پر شبہ نہیں ہوسکتا یا یہ کہیں گے وہ ریاکاری کیلئے نماز پڑتا ہے، یا جس طرح سے انسان کو ایک اچھی غذا کھانے کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ درجہ میں پرہیز بھی اختیار کرنا پڑتا ہے، تاکہ اس غذا کو ہضم ہونے کا موقع دے، جزو بدن ہونے کا موقع دے اس طرح سے نہیں کرتا، اب ایک آدمی اچھی غذا کھاتا ہے، اس کے دسترخوان بہترین سے بہترین کھانے کے ہیں لیکن کھانے کے بعد وہ قے کردیتا ہے، وہ کھانے کے ساتھ ہی کوئی اس قسم کی چیز کھالیتا ہے جو غذا کے اثرات کو ختم کردیتی ہے، تو اس میں اب غذا کا قصور نہیں، بلکہ اس کے طرزِ عمل کا قصور ہے، کہ اس نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا کہ غذا اس کا جزو بدن نہیں بنتی، اس طرح نماز تو اپنی جگہ مفید ہے، لیکن ساتھ ہی اس شخص کے اندر کوئی ایسی خرابی ہے یا اس کے نفس میں کوئی ایسا نقص ہے، کہ ریاکاری کے طور پر پڑھتا ہے، یا بدنیتی کے طور پر پڑھتا ہے، یا اللہ کی عبادت کے تصور کے طور پر نہیں پڑھتا، ایک عادت کے طور پر ادا کرتا ہے، تو یہ دوا بے اثر ہوجائے گی، چاہے اس کو کتنا ہی استعمال کرتے جائیں، اس میں نماز پر اعتراض نہیں ہوگا، پڑھنے والے کے اندر خلل کو تلاش کیا جائے گا، کہ کیا وجہ ہے؟ اس میں کیا خرابی ہے؟ جس کی وجہ سے غذا اس کو قوت نہیں پہنچا رہی، اور اس کا جزو بدن نہیں بن رہی جس وقت تک اس خرابی کو دور نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک غذا یا

دوا مریض کیلئے مفید نہیں ہوسکتی، کوئی نہ کوئی بد پرہیزی اس میں ایسی ہے کہ جس کا زائل کرنا اس نماز کے مفید ہونے کیلئے ضروری ہے، تو ایسا ہوتا ہے کہ مریض اچھی سے اچھی دوا کھاتا ہے لیکن اس کو فرق نہیں پڑتا تو اس میں دوا کے اثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن مریض کے اندر کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس دوا کو اثر نہیں ڈالنے دیتی تو اس کا ازالہ ضروری ہے، چاہے نیت میں فساد ہے، ریاکاری ہے، ظاہر کاری ہے، توجہ کے ساتھ نہیں پڑھتا، طہارت اچھی طرح سے نہیں کرتا، اوقات کی رعایت نہیں رکھتا اس قسم کی خرابیاں ہوں گی جن کی بناء پر نماز کی روحانیت ختم ہو جاتی ہے۔

اور اگر اس کو مؤثر بالکیفیت مانا جائے، تو بات بالکل ہی واضح ہے، کہ نماز روکتی ہے یعنی دلالت حال کے ساتھ، ایک آدمی نماز پڑھتا ہے پانچ وقت اللہ کے دربار میں حاضری دیتا ہے، اور اس حاضری دینے سے پہلے یہ تیاری کرتا ہے، حاضر ہونے کی، وضو کرتا ہے پاک کپڑے پہنتا ہے، بدن کو پاک کرتا ہے گھر سے چلتا ہے مسجد میں آتا ہے، کچھ وقت مسجد میں گزارتا ہے چوبیس گھنٹوں کو دیکھو......! پانچ حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے، کہ وقفے وقفے سے آپ کو بلایا جاتا ہے کہ آیئے......! اللہ کے دربار کی طرف اور اللہ کی عبادت کیجئے......! اب ایک آدمی چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ تیاری کرتا ہے، تو شروع سے لیکر آخر تک اس کے ذہن میں خیال ہوتا ہے، کہ میں اللہ کے حکم کے تحت یہ کام کر رہا ہوں، وضو کر رہا ہوں پاک کپڑے پہن رہا ہوں، اور ہر وقت اللہ کے علم کا اس کو تصور ہے۔

نماز کی ایک ایک بات اللہ کی بندگی یاد دلاتی ہے:۔

ورنہ دیکھئے......! خیال کیجئے......! کہ آپ ہمارے سامنے وضو کرتے ہیں، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ باوضو ہیں دیکھنے کے باوجود باوضو نہیں کہہ سکتے، ایک آدمی ٹوٹیوں پر آپ کے سامنے بیٹھ کر وضو کرتا ہے، اور وضو کر کے وہ اٹھا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آدمی باوضو ہے نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اس نے تھوڑی سے ہوا خارج کردی ہو، آپ نے کوئی سونگھ تو نہیں لی آپ کو کیا پتہ؟ اب اگر وہ اپنے وضو کو بچائے ہوئے ہے تو صرف ایک اللہ کے علم کی رعایت رکھتے ہوئے بچائے ہوئے ہے، ورنہ انسان تو نہیں پہچان سکتا کہ اس کا وضو ہے یا ٹوٹ گیا......! یہ کپڑے جو آپ نے پہنے ہوئے ہیں جن کو پہن کر آپ نماز کیلئے جا رہے تو یہ پاک ہیں، یا ناپاک ہیں یہ آپ کو ہی پتہ ہے، کسی دوسرے کو تو پتہ نہیں ہے، اگر واقعی آپ نے نماز کی رعایت رکھتے ہوئے کپڑے پاک رکھے ہوئے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کے علم کا تصور کئے ہوئے ہیں، کہ اگر میرا کپڑا ناپاک ہوگا، کسی انسان کو پتہ ہو یا نہ ہو

لیکن اللہ کو تو پتہ ہے آپ اس جذبے کے تحت کپڑا پاک رکھیں گے......! بدن بھی آپ کا پاک ہے، یا نہیں؟ استنجاء آپ نے صحیح کیا ہے یا نہیں؟ کسی کو کیا پتہ؟ اور پھر جب آپ مسجد میں آتے ہیں نیت آپ نے صحیح کی ہے یا نہیں کی؟ تکبیر تحریمہ کہی کہ نہیں کہی؟ اور آپ نماز کے اندر تسبیحات پڑھتے ہیں کہ نہیں پڑھتے؟ کسی کو کیا علم......! یہ سب آپ اللہ کے تصور کی بناء پر کرتے ہیں، اور اللہ کے علم کی بناء پر کرتے ہیں، ورنہ نیت باندھ لیں......! اور کھڑے ہو کر غزلیں گنگنانی شروع کر دیں کسی کو کیا پتہ؟ اور نماز میں تسبیحات پڑھنے کی بجائے قرأت کرنے کی بجائے تم اپنے شعر پڑھتے رہو......! کسی کے علم میں کیا ہے؟ تو پھر اللہ کے سامنے کھڑے ہونا تسبیحات پڑھنا وغیرہ محض اللہ کے علم میں ہے۔

نماز کی ایک ایک حرکت اللہ کی نافرمانی سے روکتی ہے:۔

اور پھر ایک ایک بات آپ کو بندگی یاد دلاتی ہے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں کس طرح آپ اس کے دربار میں جاتے ہیں؟ جس طرح کوئی شخص اپنے مالک کے دربار میں جایا کرتا ہے، بن کے سنور کے، صاف ستھرا ہو کے ہاتھ باندھ کے اس کے سامنے زبان سے بھی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں، اور عمل سے بھی اس کا اظہار کرتے ہیں، تو جو شخص چوبیس گھنٹے میں پانچ دفعہ دربار میں حاضری دیتا ہے، اور اپنے مولیٰ اور مالک کے تصور میں، اس کے اپنے اوپر قادر ہونا کا تصور کرتے ہوئے، اس کے سامنے ناک رگڑتا ہے۔

اگر وہ اس بات کا دھیان رکھے تو کیا اس کو اس کی ایک ایک حرکت یاد نہیں دلاتی؟ کہ اپنے آقا کی باہر نکل کر بھی نافرمانی نہ کرنا، جس کا تو بندہ ہے جس کے علم کا تو لحاظ رکھتا ہے، کہ اپنا وضو تو باقی رکھے ہوئے ہے، کپڑے پاک رکھے ہوئے ہے، بدن کو تو نے پاک رکھا ہوا ہے، نیت تیری ٹھیک ہے تسبیحات تو پڑھتا ہے، بسا اوقات انسان خلوت میں نماز پڑھتا ہے، تو سوائے اللہ کی ذات کے انسان کے سامنے کیا ہوتا ہے؟ ایک ایک چیز یاد دلاتی ہے کہ تو کس کا بندہ ہے، تیرے اوپر وہ قادر ہے تیری ایک ایک حرکت وہ جانتا ہے، جس کے سامنے تو ناک رگڑ رہا ہے، مسجد سے نکل کر جب تو باہر آئے گا، تو باہر بھی وہی خدا ہے، اب اس کا علم اور قدرت ختم نہیں ہو گئی، تیرے احوال کو جانتا بھی ہے، اور تیرے اُوپر پوری طرح سے قادر بھی ہے، تو جیسے مسجد کے اندر تو اس کے سامنے بندہ بنا ہوا تھا، تو اسی طرح مسجد سے باہر بھی تو بندہ بن کے رہ، جب یہ تصور کرے گا انسان نماز کے اندر اور اس کے اداء اور اقوال اور تسبیحات کو سوچے گا، تو ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کی نافرمانی نہ کرو......!

اس اللہ نے جن کاموں سے منع کیا ہے، ان کا ارتکاب نہ کرو......! اس طرح سے نماز بالکیفیت بھی روکتی ہے، اب اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے پھر بُرائیوں کا ارتکاب بھی کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قدم قدم پر نماز اُسے آواز دے رہی ہے، کہ جس کے سامنے نماز میں ناک رگڑ کے آیا ہے، اس کی نافرمانی نہ کر، یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ نماز روکے اور انسان نہ رکے، روکنا اور چیز ہے انتہاء یعنی رک جانا اور چیز ہے، اللہ روکتا ہے لیکن اس کے روکنے کے باوجود آپ نہیں رکتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں، کہ اللہ روکتا نہیں ہے اسی طرح نماز بھی روکتی ہے لیکن اگر آدمی نہ رکے تو اس میں آدمی کا قصور ہے، نماز کا کوئی قصور نہیں، وہ تو اپنی جگہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے، کہ جس اللہ کے سامنے ناک رگڑتے ہو اس اللہ کی نافرمانی نہ کرو......! جیسے اللہ روکتا ہے اور اس کے روکنے پر بندوں کا رک جانا ضروری نہیں، رکنا نہ رکنا بندے کی اپنی سعادت اور شقاوت ہے، کہ اللہ کے حکم پر کان دھرے اور کان دھرنے کے بعد سمجھے، اور اس سے باز آجائے، تو یہ اس کی اپنی سعادت ہے اسی طرح سے نماز روکتی ہے، اور اس کی آواز کو سننا سمجھنا دلالت حال کے طور پر یہ نیک بختوں کا کام ہے، جو نماز کے بعد پھر اس بات کو سمجھتے ہوئے برائیوں سے رک جاتے ہیں، ورنہ نماز روکتی رہے گی، تم اس کی آواز پر کان نہ دھرو گے قصور تمہارا ہے، بہر حال اس بارے میں کوئی اشکال نہیں کہ نماز واقعی بے حیائی اور منکر کے کاموں سے روکتی ہے، آدمی نمازی ہو اور پھر بے حیائی کا مرتکب ہو، پانچ وقت اللہ کے دربار میں ناک رگڑتا ہو باہر نکل کر اللہ کے خلاف بغاوت کرتا ہو، یہ بات جیسے کہتے ہیں کہ آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے، یہ بات بے جوڑ ہے اچھی نہیں لگتی، اس طرح سے نماز روکتی ہے۔

تیسرا حکم ذکر اللہ:۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ: اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اس کا کیا مطلب؟ بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یوں کہا کہ نماز کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے احکام ہیں وہ سب ماننے چاہیں کیونکہ وہ سب قولاً فعلاً ذکر ہیں اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، ہر وقت انسان اللہ کو یاد رکھے......! اور اللہ کے احکام کی تیاری کرے۔

اللہ کو یاد کرنے والا کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرتا:۔

اللہ کے احکام کی اطاعت کرنا یہی اصل کے اعتبار سے اللہ کا ذکر ہے، اللہ اُسے یاد ہے جو ہر وقت اللہ کے احکام کی رعایت رکھتا ہے، اور اگر کوئی شخص زبان سے تو اللہ اللہ کرتا رہے، اور عمل اس کا اللہ کی نافرمانی میں جاتا ہو، تو یونہی کہیں

گے کہ اس کو خدا یاد نہیں، اگر اس کو خدا یاد ہوتا تو یہ اس کی نافرمانی نہ کرتا، تو اصل ذکر یہی ہے کہ انسان قولاً عملاً اللہ کی اطاعت کرے، تو اللہ کی اطاعت کرو......! کیونکہ اللہ کی اطاعت قولاً ہو، یا فعلاً ہو وہ ذکر ہے، اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے۔

تمام چیزوں سے افضل اللہ کا ذکر ہے:۔

اور روایات کی طرف دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام چیزوں سے افضل ہے۔ نماز بھی ذکر کا فرد ہے، روزہ بھی ذکر کا فرد ہے، جتنی عبادات ہیں سب ذکر کا فرد ہیں، تو اصل فضیلت جو ہے وہ اللہ کو یاد رکھنے کی ہے۔ زبان سے ذکر کی فضیلت بھی ہے، سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُلِلّٰہ، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ان کلمات کے ادا کرنے کی فضیلت بہت آتی ہے، حدیث شریف میں۔ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور ان کلمات کی حضور ﷺ نے تلقین فرمائی اسی طرح سے زبان سے لفظ اللہ اللہ بطور یاد کے جاری کرنا یہ امت میں متفق علیہ طور پر اللہ کی یاد کہلاتی ہے، اور یہ زبان سے الفاظ ادا کرنا واقعی قلب میں قوت پیدا کرتا ہے، اور قلب میں اللہ کی یاد دہانی آتی ہے، تو ذکر لسانی، ذکر قلبی کا ذریعہ بن جاتی ہے، حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے احکام تو بہت سارے ہیں مجھے ایسی چیز بتا دیجئے......! جس کو مضبوطی سے پکڑے رکھوں، تو حضور ﷺ نے فرمایا لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ① اللہ تعالیٰ کی یاد سے تیری زبان ہمیشہ تر رہے، اس کو حضور ﷺ نے افضل ذکر فرمایا ہے، اور اللہ سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا نام اپنی زبان سے ادا کیا جائے، اس کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کا نام لیا جائے جس کے ساتھ محبت ہوجایا کرتی ہے، آپ محاورہ پڑھتے رہتے ہیں عربی کا "مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ" جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس کو یاد بہت کرتا ہے، اس کا نام لینے سے اس کی باتیں کرنے میں انسان کو لطف اور لذت آتی ہے۔

عشق کی مثال:۔

مولانا رومی ؒ نے مثنوی کے اندر ایک واقعہ بیان کیا کہ کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ وہ جنگل کو اختیار کئے ہوئے تھے بیابان میں بیٹھا تھا، اور غم کی حالت ہر وقت جیسے اس پہ طاری تھی لیلیٰ کے عشق کی وجہ سے تو دیکھنے والوں

① مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۷۰/ مسند احمد ج ۲۹ ص ۲۲٦/ سنن ابن ماجہ باب فضل الذکر/ ترمذی باب فی فضل الذکر/ صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۹۷/ مستدرک حاکم ج ۱ ص ٦۷۲

نے کیا دیکھا؟ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ریت کو اس نے کاغذ کی طرح رکھا ہوا ہے، اس کے اُوپر انگلی کے ساتھ لکھ رہا ہے، جیسے کسی کو خط لکھ رہا ہو، پوچھنے والے نے پوچھا کہ مجنوں! تو یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ خط کس کیلئے لکھ رہا ہے؟ اس نے اسی انداز میں پوچھا جیسے مجنوں کا حال تھا......! کہ کس کے نام یہ خط لکھ رہے ہو......! اس نے کہا کہ خط کس کو لکھنا ہے لیلیٰ لیلیٰ لکھ کے اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ عشق حقیقی کو سمجھنے کیلئے ہی عشق مجازی کی مثالیں ہوتی ہیں تو واقعہ یہ ہے کہ جب کسی کے دل کو کسی کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے، پھر اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، تو جو شخص اللہ سے تعلق رکھتا ہے، تو اُس کو اللہ کا نام لینے میں لطف بھی آنا چاہیے، دل کا اطمینان اسی سے میسر ہوتا ہے ایمان کی چاشنی اسی سے ملتی ہے، ذکر کثرت سے کیا جائے، تسبیح کی صورت میں تہلیل کی صورت میں، تحمید کی صورت میں، تلاوت کلام پاک کی صورت میں، اور اس طرح اولیاء اللہ میں جس طرح سے مروج ہے، اللہ کا نام لینا اللہ اللہ اللہ، یہ بھی اپنے اثرات سے خالی نہیں، تجربہ تمام دنیا کے اولیاء کا یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت بڑی نعمت ہے:۔

اور وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ کا یاد کرنا انسان کو یہ بہت بڑی بات ہے ترغیب دینی مقصود ہے، کہ تم اللہ کی کتاب پڑھو......! اور اللہ کی نماز پڑھو......! تو جس وقت تم اللہ کو یاد کرو گے، اللہ تمہیں یاد کرے گا، اور اللہ کا کسی بندے کو یاد کرنا بندے کیلئے بہت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی چیز ہے، جیسا کہ سورۃ بقرہ کے اندر آیا ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ① تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور حدیث شریف میں بھی آتا ہے جب میرا بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں، دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اور اگر کسی جماعت کے اندر تذکرہ کرتا ہے، تو میں اس سے بہتر جماعت مَلَاِ الاعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہو ② تو دنیا کے اندر آپ اللہ کو یاد کریں اللہ تعالیٰ آپ کو یاد کریں گے اور اس ذکر کے اُوپر آپ کو ثواب دے گا، اور جزا دے گا تو یہ اللہ کی یاد بندے کیلئے، کہ اللہ بندے کو یاد کرے، بہت بڑی سعادت ہے، جو بندے کو حاصل ہوتی ہے، اللہ کی یاد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ تم اللہ کو یاد کرو......!

① پارہ نمبر ۲، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۵۲
② مشکوۃ ص ۱۹٦/ عن ابی ھریرہؓ/ مسند احمد ج ١٦ ص ١٦٦/ صحیح البخاری باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ/ ابن ماجہ باب فضل العمل/ ابن حبان ج ۳ ص ۸۳

تو گویا کہ ذکر اللہ میں اللہ فاعل ہو گیا، مفعول اس کا بندہ ہے، اللہ کا یاد کرنا اپنے بندے کو یہ باقی نعمتوں کے مقابلے میں بہت بڑی نعمت ہے، کہ کسی کو اللہ یاد کرے۔ اور اللہ یاد کرے اس کی صورت یہی ہے کہ تم یہاں اللہ کو یاد کرو......! فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، یہ مطلب بھی اس کا ہو سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو، اس کو عام ذکر کر دیا گیا پہلے اگرچہ اس کا خطاب خاص تھا، اب اس میں ترغیب کا پہلو بھی ہے ترہیب کا پہلو بھی ہے، کہ جو کچھ تم اچھے کام کرتے ہو اللہ سے وہ بھی مخفی نہیں، اور بُرے کام کرو گے وہ بھی مخفی نہیں۔

مشرکین مکہ اور اہل کتاب سے گفتگو کا انداز جدا جدا ہے:۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: اب یہاں ذکر آ گیا اہل کتاب کا، پیچھے جتنی کلام چلی آ رہی ہے وہ ساری کی ساری مشرکین کے سنانے کیلئے تھی اور جتنی تنبیہات تھیں ساری کی ساری مشرکین کیلئے تھیں، جیسا کہ تفصیل آپ کے سامنے آ گئی، جس دور میں یہ سورۃ اتری ہے، اس دور میں اہل کتاب کے ساتھ بھی کسی نہ کسی صورت میں کشاکشی شروع ہو گئی تھی، اسلام کی آواز دور دور تک پہنچ گئی تھی، اور اہل کتاب تک بھی پہنچ گئی تھی، اس وقت مشرکین مکہ اہل کتاب کے پاس جاتے، اور اہل کتاب سے شبہات لے کر آ کے مسلمانوں میں پھیلاتے، اس لئے مکی سورتوں میں کچھ اہل کتاب کے متعلق ہدایات دیدیں گئیں، کہ اگر اہل کتاب سے گفتگو کا موقع ملے، تو وہاں گفتگو کا وہ طریقہ نہیں، جو مشرکین مکہ کے ساتھ ہے۔ وہاں گفتگو کا انداز اور ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ اسی رکوع کے بعد ہجرت کا ذکر آ رہا ہے، يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ اور اس وقت جو لوگ ہجرت کر کے جا رہے تھے وہ جا رہے تھے حبشہ کی جانب، یہ تفصیل آپ کے سامنے آ چکی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے بہت بڑا قافلہ لے کر، اور اس کے بعد بھی جو مومن لوگ مشرکوں کے ہاتھوں سے تنگ آتے تھے، ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے جاتے، اور حبشہ میں حکومت تھی اس وقت نجاشی کی، جس کا نام حدیث شریف میں اصحمہ آتا ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سن کے مسلمان بھی ہو گیا تھا اور یہ نجاشی جب فوت ہوا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس کا جنازہ پڑھا تھا، جس پر یہ بحث چلتی ہے فقہاء کے درمیان کہ غائبانہ نماز جنازہ ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک درست نہیں ہے بہرحال نجاشی کا جنازہ جو تھا، اگرچہ حقیقت میں غائبانہ نہیں تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا،

یہ پہلے تھا عیسائی اور وہاں حکومت تھی عیسائیوں کی تو جس وقت مومن لوگ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جاتے تو ان کا واسطہ وہاں مشرکین جیسے لوگوں سے نہیں تھا، بلکہ اہل کتاب سے تھا، اس لئے یہاں سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر کسی اہل کتاب سے گفتگو کرنی پڑ جائے، تو اس کے ساتھ تم نے گفتگو کا انداز کیا اختیار کرنا ہے؟

حاصل اس کا یہ ہے کہ اہل کتاب میں اور تم میں بہت ساری چیزیں مشترک ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، کہ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ہیں، وہ سب توحید کے مبلغ تھے، اس لئے اہل کتاب اصولاً توحید کے مدعی ہیں، رسالت کو یہ مانتے ہیں جو اللہ کی طرف سے رسول آئے، اللہ کی کتابوں کو یہ مانتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کتابیں اترتی رہیں، جنت و دوزخ ان کے عقیدے میں ہے۔ یہ ساری کی ساری چیزیں اہل کتاب مانتے ہیں یہ ایسے مسلمات ہیں جو ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں۔

اہل کتاب اور مسلمانوں میں فرق کیا ہے؟:۔

فرق کہاں سے پڑ گیا؟ فرق یہاں سے پڑتا ہے کہ وہ اپنے نبی کے بعد کسی دوسرے کو نبی ماننے کیلئے تیار نہیں، اور اپنی کتاب کے بعد جو دوسری کتاب اتری ہے اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں، اس لئے ان کے ساتھ گفتگو اس انداز سے کرنی ہے کہ دیکھو......! جو کتاب تم پہ اتری اس کو تو ہم مانتے ہیں، یعنی ہمارے اندر یہ ضد نہیں ہے، کہ ہم پر کیوں نہیں اتری؟ قریشیوں پہ کیوں نہیں اتری؟ ہم نہ تو وطنی عصبیت میں مبتلا ہیں نہ نسبی عصبیت میں مبتلا ہیں، اور جو پیغمبر تمہارے ہیں ان کو ہم نے مان لیا ہے، کیونکہ ہمارا تو انصاف یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب آئے ہم اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اور اللہ کی طرف سے جو پیغمبر آئے ہم ان کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جن انبیاء پہ تمہارا ایمان ہے، ان پہ ہمارا بھی ایمان ہے۔ جو کتابیں تم مانتے ہو ان کو ہم بھی مانتے ہیں، جن کو رسول تم سمجھتے ہو ہم بھی سمجھتے ہیں، تو یہ ہیں مسلمات ان مسلمات کو سامنے رکھ کر مختلف فیہ مسئلے کا فیصلہ کرنا چاہیے......! کہ کیا اس تورات اور انجیل کے علاوہ کوئی دوسری کتاب اگر اللہ کی طرف سے آئی ہے، تو تسلیم کرنی ہے یا نہیں کرنی؟ ان انبیاء کے سلسلے میں کوئی دوسرا پیغمبر آتا ہے اس کو تسلیم کرنا ہے یا نہیں کرنا؟ اگر تمہارا اپنی کتابوں پر صحیح ایمان ہے تو کتابوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس کو بھی مانو......! جس طرح ہم نے اس کتاب کے تقاضے سے پچھلے انبیاء کو بھی مانا، اور پچھلی کتابوں کو بھی مانا۔

مبلغ مخاطبین کو مد نظر رکھ کر گفتگو کرے:۔

اس طرح مثبت انداز کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کرنا، تو جھگڑا کم ہوگا، بات سمجھ میں جلدی آئے گی کیونکہ مبلغ آدمی کا کام یہ نہیں ہوا کرتا، کہ ہر جگہ ایک ہی لاٹھی چلائے بلکہ دیکھا کرتا ہے، کہ مخاطب کیسے لوگ ہیں؟ اگر تو مخاطب ہیں ہی شریر، جن کا مقصد سوائے شرارت کے کچھ نہیں، ان کو تو شرمسار کرنے کی کوشش کرو......! ان کی خامیاں واضح کر کے ان کو نادم کرو......! جس طرح مدینہ منورہ میں جانے کے بعد اہل کتاب جو نہیں مانتے تھے تو قرآنِ کریم نے کثرت کے ساتھ ان کی بد دیانتیاں اور خیانتیں بیان کی ہیں، تا کہ یہ لوگ ذلیل ہو جائیں، اور لوگوں کے دل میں بھی ان کی کوئی عزت نہ رہے، ان کی باتوں کا لوگ اعتبار نہ کریں۔ ضد میں آ جانے کے بعد پھر انداز یہ ہوا کرتا ہے، کہ ان کو شرمسار کرو رسوا کرو ان کی حقیقتیں ان کے سامنے نمایاں کرو......! تا کہ وہ سمجھیں......! کہ ہم غلط ہیں اگر وہ نہ سمجھیں......! تو دوسرے لوگوں کو تو پتہ چلے وہ تو ان پر اعتبار نہ کریں......! شریروں کے ساتھ تو گفتگو اس انداز سے ہوا کرتی ہے، اور اگر کوئی شخص طالب حق بن کے آیا یا خالی الذہن ہے، تو وہاں گفتگو کا انداز اور ہونا چاہیے، وہاں کوشش کرو......! کہ اس کے دل کے دروازے کھول کے ہم دل میں اتریں اور اگر ہم ایسا انداز اختیار کر لیں......! کہ وہ پہلے ہی اپنے دل کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائیں، پھر وہ ہماری گفتگو سے متاثر نہیں ہو پائیں گے، ہر جگہ ایک انداز نہیں اختیار کیا جاتا۔

اہل کتاب سے بات مسلمات سے شروع کریں:۔

تو اس لئے سمجھایا کہ اہل کتاب سے بات مسلمات سے شروع کرنا، جیسے حضور ﷺ نے جتنے خطوط لکھے ہیں، اہل کتاب کو وہاں یہی کہا کرتے تھے یہ آیت لکھا کرتے قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ① آ جاؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے ②، اس مسلم بات کو بنیاد بنا کے آگے مختلف فیہ مسئلوں کا فیصلہ کر لیتے ہیں، اس بات میں تمہارا بھی دعویٰ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرتے ہو......! ہمارا بھی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں، توحید کے مدعی تم بھی ہو، ہم بھی مانتے ہیں۔ آؤ......! تورات انجیل کو سامنے لے آؤ......! اور ان مسلمات اور قواعد کلیہ کو سامنے رکھ لو اور دیکھ لو......! جو حقیقت ثابت ہوتی ہے، اس کو تسلیم کر لو......! یہ

① پارہ نمبر ۳، سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۶۴
② دیکھیں بخاری ص ۵

جھگڑے کومٹانے کاایک اچھاطریقہ ہوتاہے۔

دلائل نبوت:۔

پھراہل کتاب کواس بات کی طرف متوجہ کیاجارہاہے کہ دیکھو......!یہ نبی جن کے اوپر یہ کتاب اتری پہلے یہ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے کہ انہوں نے کسی مدرسے میں داخل ہوکے کوئی نصاب پڑھاہو،کوئی کتابیں پڑھی ہوں، اس لئے گزشتہ تاریخ سے واقف ہوگئے ہوں اورانبیاء علیہم السلام کے حالات سے واقفیت ہوگئی ہو۔اورکوئی ان کو لکھنے پڑھنے کی عادت نہیں،کبھی انہوں نے اپنے ہاتھ سے کوئی خط تک نہیں لکھا،توپھردیکھو......!انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو اگر یہ مشرکین نہیں سمجھتے توتم توسمجھتے ہو......!انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کوانہوں نے کس طرح نکھارکے سامنے رکھ دیا، اورآخرت کے حالات کس طرح سے کھولے......!گذشتہ امتوں کی تاریخ کس انداز سے بیان کی،اگران باتوں پر غورکروگے......!توتمہیں پتہ چل جائے گا کہ واقعی یہ من جانب اللہ بتایاگیاہے،اگرآپ کوپہلے لکھنے پڑھنے کی عادت ہوتی،کوئی مطالعہ کرتے تحقیقات کرتے توباطل لوگ شبہ ڈال سکتے تھے،کہ شایداس نے پچھلی کتابوں سے مطالعہ کرکرکے باتیں نکال لیں......!جوہمارے سامنے یہ پیش کرتے چلے جارہے ہیں،لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوکبھی کسی نے کوئی رسالہ پڑھتے نہیں دیکھا......!کوئی پمفلٹ پڑھتے نہیں دیکھا،کوئی مضمون لکھتے نہیں دیکھا،توپھریکدم اتنی عظیم کتاب قرآن کس طرح سے لے کرآگئے؟یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ان کوجوکچھ دیاجارہاہے اللہ کی جانب سے دیاجارہاہے۔

تواہل کتاب کواس انداز سے سمجھایا۔اگلی آیات میں یہی مضمون ہے،جھگڑانہ کیاکرواہل کتاب سے مگر اچھے طریقے سے،سوائے ان لوگوں کے جوان میں سے ظالم ہیں اس کا مطلب میں نے آپ کی خدمت میں دو طرح سے عرض کیا،سوائے ان لوگوں کے جوان میں سے ظالم ہیں،کہ ان کے ساتھ اگرترکی بترکی جواب دیناپڑے توگنجائش ہے،ان کوچپ کرانے کیلئے ان کوشکست دینے کیلئے،اگرکبھی تشددآمیزگفتگوکرنی پڑجائے،توشریروں کے مقابلے میں گنجائش ہے،ایسابھی ہوتاہے جس طرح سے آدمی صرف مناظرہ بازہے،اس کے ساتھ صرف مناظرانہ انداز میں گفتگوہوتی ہے،اگرایک پہلوان آیااپنی طاقت کامظاہرہ کرنے کیلئے تواس کے سامنے ویسے ہی طاقت کا مظاہرہ ہوناچاہیے،وہاں اس کے علاوہ کچھ مقصودنہیں ہوتا،کہ کندھالگاؤ......!توپہلوانوں کی لڑائی توایسے ہوتی ہے، ہرایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کندھالگاؤگراؤ......!جس طرح سے گرتاہے۔

مبلغ اپنے مخاطبین کو مریض سمجھے:۔

کوئی مبلغ آدمی پہلوان نہیں ہوتا۔مبلغ آدمی کی گفتگو تو حکیمانہ انداز میں ہوتی ہے، جس طرح ایک مریض سامنے آجانے کے بعد طبیب اپنا ذہن لڑاتا ہے کہ میں اس کی تکلیف کیسے زائل کرسکتا ہوں؟ مریض کم سے کم تکلیف اٹھاکے کیسے صحت مند ہوسکتا ہے؟ آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کے پاس کسی بچے کو لے کر جائیں ڈاکٹر ٹیکہ لگانے لگتا ہے، یا اس کے زخم کو کاٹتا ہے، یا اس کے چیرا کرتا ہے، جراحی کرتا ہے تو بچہ ڈاکٹر کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے، بُرا بھلا کہتا ہے بسا اوقات ہاتھ اٹھا کے منہ پہ مارتا ہے، شور مچاتا ہے لیکن ڈاکٹر ہنستا رہتا ہے، اس کو پتہ ہے کہ یہ مریض ہے؟ اور میں جو کچھ کر رہا ہوں چاہے وقتی طور پر اس کے لئے باعث تکلیف ہے۔ لیکن اس میں اسی کی صحت ہے، اس بچے کو نادان سمجھتا ہوا، ڈاکٹر ہنس کے ٹال دیتا ہے، تو مبلغ کی شان یہ ہوا کرتی ہے کہ اپنے سامنے آنے والے کو یوں سمجھے جیسے مریض ہے......!پوری ذہن سازی کے ساتھ دل سوزی کے ساتھ اس کے مرض کے ازالے کی فکر کرے مبلغ کی کیفیت جو ہے طبیب جیسی ہوتی ہے مبلغ پہلوان نہیں ہوتا، جو دوسرے کا صرف کندھا لگانے کا ہی جذبہ رکھتا ہے، پہلوانی نہیں دکھانی چاہیے، حکیمانہ اور مصلحانہ گفتگو ہونی چاہیے، ہاں البتہ کوئی اگر پہلوان بن کر سامنے آئے تو پھر اس کو چت کرنے میں کوئی حرج نہیں، اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ میں یہ بات آگئی کہ بسا اوقات شرافت اور نرمی انسان کی کمزوری کی دلیل سمجھی جاتی ہے، اگر دوسرا ظالم ہے تو اس ظالم کی گردن توڑنے کیلئے تمہیں سختی کرنے کی بھی اجازت ہے۔

یا مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث مباحثہ کیا کرو......!اس میں مباحثہ کرنے کی تلقین ہے، اچھے طریقے سے کرو......!لیکن جو محض شریر ہیں، شرارت پھیلانا چاہتے ہیں، ان سے واسطہ نہ رکھا کرو......! ان سے اعراض کر جایا کرو......! ان کی باتوں کی طرف توجہ ہی نہ دیا کرو......! موقع محل کے مطابق یہ بات بھی صحیح ہے، شریروں کے ساتھ اُلجھنے میں کوئی فائدہ نہیں، وقت ضائع کرنے والی بات ہے، موقع محل کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے، اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ① اور وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا ② اس قسم کے واقعات بھی آتے ہیں۔ وَقُوۡلُوۡۤا اور ان سے یہ کہو کہ دیکھو......! یہ مسلمات سے گفتگو کی ابتداء ہو رہی ہے انہیں کہو کہ ہم ایمان لے آئے،

① پارہ نمبر ۱۴: سورۃ حجر: آیت نمبر ۹۴
② پارہ نمبر ۲۰: سورۃ قصص: آیت نمبر ۵۵

اس چیز کے ساتھ جو تمہاری طرف اتاری گئی۔ پہلے تو اپنے ایمان کا اظہار کرو......! تا کہ یہ بات سامنے آئے کہ ہم متعصب نہیں ہیں۔ نہ ہمیں وطنی تعصب سے کوئی واسطہ، نہ ہمارے اندر نسلی تعصب ہے، جو کتاب بھی اتری، ہم نے مان لیا چاہے تمہاری طرف اتاری گئی۔ چاہے ہماری طرف اتاری گئی، وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ یہ بات بھی مسلم ہے کہ ہمارا تمہارا اللہ بھی ایک ہی ہے، وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ میں ایک دعوت ہے انہیں۔ کہ جس طرح ہم نے اس اللہ کے سامنے اس کے احکام کے سامنے گردن رکھ دی تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی اس کے سامنے اور اس کے احکام کے سامنے گردنیں جھکا دو......! تو یہ ثابت کرنا رہ جائے گا کہ کیا حکم اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہے، کہ آنے والے نبی کو ماننا ہے۔ کیا تمہاری کتابوں کے اندر یہ حقیقت نمایاں ہے، کہ اور کتاب بھی آنے والی ہے اگر یہ چیز نمایاں ہے تو تمہیں بھی اپنے اللہ کے حکم کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے، جس طرح سے کہ ہم نے جھکا دی ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ثابت ہو جائے کہ اللہ کا حکم ہے، کسی بھی زبان میں آیا ہو کسی بھی جگہ پہ آیا ہو ہم تو مانتے ہیں، نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کے اندر یہ بات آ گئی ہم اس کے فرمانبردار ہیں تمہیں بھی اس کی فرمانبرداری اختیار کرنی چاہیے، کہ جب دلیل کے ساتھ ثابت ہو جائے کہ اللہ کا حکم یہ ہے تو تعصب چھوڑ دو......! وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ جس طرح ہم نے پہلے انبیاء پر کتاب اتاری تھی اس طرح ہم نے آپ پر بھی کتاب اتاری۔

اہل کتاب کی دو قسمیں:۔

فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ: پھر وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے جن کو کتاب کا فہم ملا جن کو کتاب سے فائدہ ملا، جنہوں نے فائدہ اٹھایا معلوم ہوتا ہے کہ جب متکلم صیغے کے ساتھ جب بھی ایتاء کتاب کا ذکر آتا ہے تو اس کتاب سے مراد ہوتے ہیں منصف قسم کے لوگ جنہوں نے واقعی اس کتاب کو لیا، اور اس کا مصداق وہ نہیں جو ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''کتب بردار گدھے'' جو مثال اہل کتاب کی اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ دی مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ ① جن پہ ہم نے کتاب کا بوجھ ڈالا تھا اور انہوں نے اس بوجھ کو برداشت نہیں کیا اس کے اوپر عمل نہیں کیا، ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی گدھا کتابیں اٹھائے ہوئے ہو، جو کتب بردار گدھے وہ تو واقعی اس کتاب کو نہیں سمجھیں گے......! لیکن جو کتاب کو کتاب کی حیثیت میں قبول کرتے ہیں

① پارہ نمبر ۲۸، سورۃ نمبر ۶۳، آیت نمبر ۵

منصف قسم کے ہیں یقیناً جب نئی کتاب ان کے سامنے آئی انہوں نے اس کو قبول کرلیا پھر وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی، ایمان لاتے ہیں اس کے ساتھ اور ان مشرک لوگوں میں سے بھی بعض ہیں جو ایمان لاتے ہیں، نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر کافر لوگ، جن کا کافر رہنے کا ہی ارادہ ہے، جن کی فطرت اور سرشت ہی کفر ہے وہی انکار کرتے ہیں، ورنہ جو منصف ہیں وہ انکار نہیں کر سکتے جو پہلی کتابوں پہ صحیح ایمان رکھتے ہیں، یا جن کا ایمان لانے کا ارادہ ہے وہ انکار نہیں کر سکتے، انکار وہی کریں گے جو کفر میں پکے ہیں، کفر پہ اڑے ہوئے ہیں، جن کے ایمان لانے کا ارادہ ہی نہیں، گویا کہ ان کی اپنی کتابوں پہ بھی ایمان نہیں، آپ تو اس سے قبل کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، یہ وہی دلیل جو آپ کے سامنے بیان کر دی گئی اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

حضور ﷺ نے علم وحکمت کے جو دریا لٹائے جمع کہاں سے کیے؟:۔

آخر ایک انسان جب تنہا ہے، تو اس کے اُوپر ماحول کے اثرات ہوتے ہیں، جتنی ہی اعلیٰ شخصیت لیں تو آپ سوچ سکیں گے......! کہ اس نے یہ بلندی یہ اعلیٰ مرتبہ کیسے حاصل کیا، ایک کامیاب مدرس آپ کے سامنے آتا ہے، تو آپ دیکھیں گے......! کہ اس نے کہاں پڑھا، کس استاد سے پڑھا، کتنی دیر ہوگئی پڑھاتے ہوئے، پھر آپ کی سمجھ میں آجائے گا، کہ یہ اتنا کامیاب مدرس کیسے بن گیا؟ ایک سیاسی لیڈر آپ کے سامنے آتا ہے اس کی شخصیت سے آپ متاثر ہیں تو آپ اس کے اردگرد وہ سب اسباب تلاش کر سکتے ہیں کہ جس کی وجہ سے یہ شخصیت بنی کس گھر میں پیدا ہوا؟ کس کی صحبت میں رہا کون کون سے سیاسی میدان میں کام کیا؟ کتنا سمجھدار ہے......! آپ اس کے اجزائے ترکیبی جو ہیں وہ اس کے ماحول میں تلاش کر لیتے ہیں، لیکن حضور ﷺ جس شان کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے آپ کی شخصیت کو بنانے والے اجزائے ترکیبی بھی تلاش کیے جا سکتے ہیں؟ اتنے بڑے آپ نے علم و حکمت کے خزانے جو لٹائے تو جمع کہاں سے کیے؟ کوئی شخص نشاندہی کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا تو پھر اس میں کیا شک رہ گیا، کہ یہ سارے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملے، گویا کہ آپ کا امی ہونا، اور امی ہونے کے بعد اس قسم کی کتاب کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا، یہ آپ کی صداقت اور نبوت کی سب سے واضح دلیل ہے، آگے اسی دلیل کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، اور نہ آپ نے کسی کتاب کو اپنے

دائیں ہاتھ سے لکھا، اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ۔ اِذًا تب یعنی اگر آپ ﷺ نے ایسا کیا ہوتا تب یہ باطل پرست لوگ شک کرتے، اب تو اتنی بھی شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

عقل وفہم رکھنے والوں کیلئے یہ آیات نشانیاں ہیں:۔

بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ: بلکہ یہ کتاب واضح واضح آیتیں ہیں، نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو علم دیے گئے، جن کو علم وفہم حاصل ہے ان کیلئے تو اس میں نشانیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، یہ کتاب جتنی بھی ہے اپنی مختلف باتوں کے اعتبار سے ایک ایک نشانی ہے آپ کی صداقت کی، اہل علم کے سینوں میں، اہل علم کے دلوں میں، یعنی جب اس کتاب کو دیکھیں گے......! تو اس کتاب سے ان کا دل، ان کا سینہ دلائل سے بھر جاتا ہے، جو اس کتاب کی صداقت کے اُوپر دلالت کرتے ہیں، بلکہ یہ آیات نشانیاں ہیں واضح واضح ان لوگوں کیلئے جو عقل وفہم رکھتے ہیں، اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر ظالم لوگ جو ظلم پہ کمربستہ ہیں وہی انکار کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ اہل کتاب سے شبہات سیکھتے تھے:۔

وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ: یہ بات اہل کتاب کی بھی ہوسکتی ہے، اور مشرکین مکہ کی بھی، کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر نشانیاں، اس کے رب کی جانب سے، مشرکین مکہ ہوں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں، کہ اہل کتاب سے سیکھ کے آتے تھے، اس بات کا مقصد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جس وقت نبوت کا اظہار کیا اس کا چرچا ہوا، تو مشرکین مکہ اہل کتاب کے پاس جایا کرتے تھے، یہ پوچھنے کیلئے کہ تم تو اس قسم کی باتیں جانتے ہو، یہ موجودہ شخص مدعی نبوت ہے اس کے متعلق ہمیں کوئی بات بتاؤ......! جس سے ہم ان کو تنگ کریں، یا ان کا امتحان لیں......! ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اہل کتاب سادگی کے ساتھ ایک شبہ ان کے دل میں ڈال دیتے، وہ کہتے کہ ہم زیادہ تو جانتے نہیں البتہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جیسے پہلے نبی آئے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے، یا مردوں کو زندہ کرتے تھے، یا موسیٰ علیہ السلام ہیں، ان کو معجزہ ملا کہ وہ عصا پھینکتے تھے سانپ بن جاتا تھا، ہاتھ دکھاتے تھے تو چمکنے لگ جاتا تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ملی تو اکٹھی کتاب کی شکل میں ملی، موسیٰ علیہ السلام کو تورات ملی، تو اکٹھی کتابی شکل میں ملی، یہ جس کے متعلق تم باتیں کرتے ہو، اس میں ہمیں کوئی ایسی نشانیاں نظر نہیں آتیں، وہ یوں کرکے سادگی کے انداز سے، مشرکین مکہ کو بہکاتے، ہم اور تو کچھ کہہ نہیں سکتے، لیکن اس میں اس قسم کی نشانیاں نہیں

پائی جاتیں، تو مشرکین یہی سبق یاد کر لیتے، وہ آ کے حضور ﷺ کے سامنے یہی ڈھنڈورا پیٹتے، کہ اگر آپ نبی ہیں نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو جس قسم کے معجزات پہلے نبیوں کو ملے تھے، وہ آپ کو کیوں نہیں ملے؟ اس کو آپ کی تکذیب کا ایک ذریعہ بنا لیتے، اس لئے یہ اعتراض اہل کتاب کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشرکین مکہ اہل کتاب سے سیکھ کے یہ بات کرتے تھے، یہاں اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں، یہ کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئیں نشانیاں اس کے رب کی طرف سے؟

منصب نبوت کی وضاحت:۔

تو آپ اپنا منصب واضح کر دیجئے......! کہ معجزات سب اللہ کے قبضے میں ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں کہ معجزات اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، خدا ہونے کا نہیں کیا۔ منہ مانگے معجزات دکھانے کا کام اللہ کا ہے میرا کام نہیں ہے میں تو صاف صاف کہتا ہوں اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میں تو کھول کھول کے ڈرانے والا ہوں، واضح ڈرانے والا ہوں، اور آنے والے خطرات سے آگاہ کرتا ہوں، نبی کا اصل منصب یہ ہوتا ہے۔ باقی، معجزات کیسے آئیں؟ یہ اللہ جانتا ہے، اللہ کی مصلحت ہے، کہ کونسا معجزہ اتارنا چاہیے، اور کونسا نہیں، اور تم ان معجزات کو کہتے ہو، جو وقتی معجزے ہیں، عملی معجزے کہ نبی گئے تو ساتھ معجزات بھی ختم ہو گئے، لیکن جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں، اور یہ معجزہ تمام معجزوں سے افضل ہے۔

حضور ﷺ کو دائمی علمی معجزہ عطاء کیا گیا:۔

وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ کیا ان کیلئے آپ کی نبوت پر دلالت کرنے کیلئے یہ کتاب کافی نہیں؟ جو آپ پر پڑھی جا رہی ہے کتاب اللہ والا معجزہ ان کیلئے کافی نہیں؟ جو سب سے عالی معجزہ ہے، انبیاء سابقین جتنے گزرے ہیں آپ ان کے معجزات نہیں دکھا سکتے......! کتاب میں لکھا ہوا تو دکھا سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام عصا سے سانپ بناتے تھے، لیکن آج اگر کوئی کہے دکھاؤ......! تو آپ دکھا نہیں سکتے، اور سرورِ کائنات ﷺ کو جو علمی معجزہ دیا گیا کتاب دی گئی قیامت تک اسی طرح موجود رہے گی، اور روشن رہے گی اور جو چاہے اس میں غور کر کے آپ کی نبوت اور رسالت کو سمجھ سکتا ہے، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا، اس جیسی چیز جس پر

ایک بشر ایمان لاتا ہے، اور جو مجھے دیا گیا وہ اللہ کی وحی ہے، اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ میرے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے ① یہ معجزہ قائم دائم ہے اور عملی معجزہ یہ ہوتا ہے جب نبی گیا، تو ساتھ معجزہ بھی ختم ہو گیا، آج عیسائی اندھے کو بینا کر کے نہیں دکھا سکتے......! عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کوڑھی کو چنگا کر کے نہیں دکھا سکتے......! اور اس طرح مردے کو زندہ نہیں کر کے دکھا سکتے......! معجزات برحق ہیں تھے لیکن اب ان کی نمائش نہیں کی جا سکتی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کتاب یہ اسی طرح سے چمک دمک کے ساتھ قائم ہے جس طرح سے پہلے تھا۔ اسی لئے فرمایا کیا ان کیلئے کافی نہیں کتاب جو ہم نے اتاری آپ پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں البتہ رحمت ہے، اور ذکریٰ ہے ان لوگوں کیلئے جو یقین لاتے ہیں۔ پیچھے یہ بات آپ کے سامنے آئی ہے۔

سابقہ کتب آسمانی پر ایمان لانے کی حیثیت:۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ: اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ میں تورات اور انجیل کا ذکر تھا، کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں آپکے سامنے واضح کیا جا چکا ہے، کہ ہمارا تورات اور انجیل پر ایمان ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی کتابیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبروں پر اتریں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اتارا وہ بالکل صحیح اور سچ ہے، اور یہ موجودہ تورات اور انجیل ہیں ان پر بھی ہمارا ایمان اسی حیثیت سے ہے باقی جو کچھ اس میں درج ہے، اس کی ایک ایک بات کی ہم تصدیق کریں ایسا نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ کتابیں محرف ہو گئیں تھیں، اور اسکے بعد آج تک ان میں تحریفات کا سلسلہ جاری ہے، تو جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے تو اس کی کچھ ہماری طرف سے گارنٹی نہیں، کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اتنا ہمارا ایمان ہے کہ تورات اللہ نے اتاری، سچی کتاب ہے، انجیل اللہ نے اتاری سچی کتاب ہے، جو کچھ اللہ کی طرف سے اترا اس پر ہم ایمان لاتے ہیں، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہود مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے وہ تورات کو اپنی زبان میں پڑھتے تھے، بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے عربی میں اس کا ترجمہ کیا کرتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ تلقین کر رکھی تھی کہ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ② یہود کوئی بات بیان کریں کہ یہ بات ہماری تورات میں ہے یا اللہ نے یہ بات ہماری کتاب تورات کے اندر بیان فرمائی تو نہ ان کی تصدیق کیا

① مشکوٰۃ ص ۵۱۱/صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم
② بخاری شریف ج ۱ ص ۳۶۹، ج ۲ ص ۱۰۹۴

کرو......! اور نہ ان کی تکذیب کیا کرو......! ایسا نہ ہو کہ بات ان کی اپنی تراشی ہوئی ہو اور تم عقیدہ بنالو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، کیونکہ تمہیں براہِ راست اس سے واقفیت نہیں، اور ایسا نہ ہو کہ بات اللہ کی جانب سے ہو تم اس کی تکذیب کردو......! کہ یہ تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہے، تو بہر حال جس وقت پوری طرح حالات کی تحقیق نہیں تو نہ تکذیب کرنی چاہیے اور نہ تصدیق کرنی چاہیے، اسی طرح سے موجودہ کتابوں میں جو اندراجات ہیں، ہم ان پر اس حیثیت سے ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے اترا اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں باقی اس تحریف نے آ کے چونکہ حق اور باطل کو خلط کر دیا ہے، اس لئے اس میں جتنی باتیں ہیں ہم ہر ایک کو اللہ کی طرف سے نہیں سمجھتے، اور نہ ہم تکذیب کرتے ہیں تو ان کے اُوپر ایمان کی یہی حیثیت ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، جانتا ہے ان چیزوں کو جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿۵۲﴾

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ

جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو، اگر نہ ہوتا وقت متعین کیا ہوا البتہ عذاب ان کے پاس

الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ

آ جاتا، البتہ ضرور آئے گا وہ عذاب ان کے پاس اچانک اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا ﴿۵۳﴾ آپ سے عذاب

بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ۙ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ

جلدی طلب کرتے ہیں بے شک جہنم البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو ﴿۵۴﴾ جس دن ڈھانپ لے گا

الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا

عذاب ان کو اوپر سے اور ان کے قدموں کے نیچے اور کہے گا اللہ تعالیٰ کہ مزہ چکھو

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ

ان کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۵۵﴾ اے میرے بندو جو ایمان لے آئے ہو، میری زمین بہت

وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ

کشادہ ہے، پس تم میری ہی عبادت کرو ﴿۵۶﴾ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے

ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور پھر تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں

لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ غُرَفًا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

البتہ ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے ان لوگوں کو جنت کے بالا خانوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰی

ہمیشہ اس میں رہنے والے ہونگے، عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے ﴿۵۸﴾ جو صبر کرتے ہیں

رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ٭ۖ

اور اپنے رب کے اوپر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾ کتنے ہی زمین پر چلنے پھرنے والے ہیں کہ وہ اپنے رزق کو اٹھائے نہیں پھرتے

اَللّٰهُ یَرۡزُقُهَا وَ اِیَّاکُمۡ ۫ۖ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۰﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ

اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی، وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۶۰﴾ اگر تو ان سے پوچھے

مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ

کس نے پیدا کیا زمینوں کو اور آسمانوں کو، اور مسخر کیا سورج کو اور چاند کو،

لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ

البتہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں پلٹے جا رہے ہیں ﴿۶۱﴾ اللہ کشادہ کرتا ہے رزق کو اپنے بندوں میں سے

یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَ یَقۡدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۶۲﴾

جس کے لئے چاہتا ہے اور کم کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کے متعلق علم رکھنے والا ہے ﴿۶۲﴾

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ

اور اگر ان سے تو پوچھے کس نے آسمان سے اتارا پانی اور آباد کیا اس کے ذریعے سے زمین کو

مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ

اس کے بنجر ہونے کے بعد البتہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہہ دیجئے! سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر

لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾
عقل نہیں رکھتے ﴿۶۳﴾

تفسیر

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا: آپ کہہ دیجئے......! کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے باللہ کے اوپر ب زائدہ ہے، اور اللہ كَفٰى کا فاعل ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے، از روئے گواہ ہونے کے، يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جانتا ہے ان چیزوں کو جو کہ آسمانوں میں ہیں، اور زمینوں میں ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ اور جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں، وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ جلدی طلب کرتے ہیں، آپ سے عذاب، وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى اگر نہ ہوتا وقت متعین کیا ہوا، لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ البتہ عذاب ان کے پاس آ جاتا، وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ البتہ ضرور آئے گا وہ عذاب ان کے پاس اچانک اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا، ان کو شعور بھی نہیں ہوگا، ان کو خبر بھی نہیں ہوگی، يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ آپ سے عذاب جلدی طلب کرتے ہیں وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ بے شک جہنم البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو، يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ جس دن کہ ڈھانپ لے گا عذاب ان کو اوپر سے وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اور ان کے قدموں کے نیچے سے وَيَقُوْلُ اور کہے گا اللہ تعالیٰ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مزہ چکھو......! ان کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے یہاں تک کی جو آیات ہیں ان کا تعلق ماقبل کے ساتھ ہی ہے اور يٰعِبَادِيَ سے آگے نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔

کتاب کا اترنا دلیل نبوت کیلئے کافی ہے:۔

بحث چلی آ رہی تھی کہ مشرکین ہوں، یا اہل کتاب، سرورِ کائنات ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے اُوپر اس قسم کے معجزات کیوں نہیں اترے؟ جس قسم کے پہلے انبیاء پر اُترے ہیں تو اللہ نے فرمایا تھا کہ کیا آپ کی نبوت پر دلالت کرنے کیلئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتار دی؟ جو ان پہ پڑھی جاتی ہے اور

وہ سراپا رحمت ہے یاد دہانی ہے ایمان لانے والوں کیلئے تو یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے، سمجھنے والوں کیلئے یہی کافی ہے، اسی کا تتمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو کتاب اتار کے میرے بارے میں گواہی دیدی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اب تم مانو یا نہ مانو۔ اللہ کے گواہ ہونے کا یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اتار کر گواہی دیدی میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے، میں صحیح کہہ رہا ہوں اور تم میری تکذیب کرتے ہو، اور اس بات پر اللہ گواہ ہے، اللہ کی گواہی یہی ہے جو اس نے کتاب اتار دی، کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کیلئے کافی دلیل ہے۔

اللہ کے علم محیط کا ذکر کر دیا کہ وہ زمین آسمان کی سب چیزوں کو جانتا ہے، اس لئے تمہاری تکذیب تمہاری ایذاء رسانی وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں۔ آگے فیصلہ ذکر کر دیا کہ جو باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔ اللہ کا انکار کرتے ہیں، اللہ کی بیان کردہ باتوں کا انکار کرتے ہیں، باطل پر ایمان لاتے ہیں، کفر اور شرک کے اندر مبتلا ہیں، شرکاء کو مانتے ہیں، غلط باتوں کو تسلیم کئے ہوئے ہیں، اور اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔

مشرکین مکہ حضور ﷺ کو تنگ کرنے کیلئے کیا کہا کرتے تھے؟:۔

جب دلیل کے اعتبار سے ان کے پاس کوئی بات نہ ہوتی، تو آخر وہ یہی کہا کرتے تھے، بارہا آیات کے اندر گزرا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو عذاب کو لے آؤ......! جس کی دھمکی ہمیں دیتے ہو......! بہت ساری آیات کے اندر اس بات کا ذکر آیا ہے، کہ حضور ﷺ کو زچ کرنے کیلئے، تنگ کرنے کیلئے، وہ اسی بات پر آجایا کرتے تھے، کہ ہم تو مانتے نہیں ہیں، باقی جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو، سچے ہو تو عذاب لے آؤ......! اللہ تعالیٰ یہاں یہی سمجھاتا ہے کہ یہ عذاب کو جلدی طلب کرتے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عذاب کے سامنے رکاوٹ کوئی ایسی نہیں کہ ان کا کوئی پاس لحاظ ہے، یا ان کی شوکت ان کی ہیبت سے عذاب رکا ہوا ہے، یا اللہ تعالیٰ کو کسی تیاری کی ضرورت ہے ایسی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ایک وقت متعین کر رکھا ہے، اگر اللہ کی حکمت کے تحت وقت متعین نہ ہوتا، تو ان کے اعمال تو اس قسم کے ہیں کہ جلدی عذاب آجاتا، اور ان کے مطالبے پر فوراً ہی عذاب بھیج دیا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ایک وقت متعین ہے جب وقت آئے گا ان کے پاس عذاب آجائے گا، ان کو جلدی نہیں مچانی چاہیے، اور جب آئے گا تو اچانک آئے گا جس کے پہلے آثار بھی نمایاں نہیں ہوں گے

اچانک آ دبوچے گا، اوران کو خبر بھی نہیں ہوگی، دوبارہ پھر اسی چیز کو بطور تعجب کے ذکر کیا جارہا ہے، کہ یہ عذاب جلدی طلب کرتے ہیں، ار یہ یوں سمجھتے ہیں کہ شاید عذاب دور ہے، عذاب دور نہیں جہنم ان کو گھیرے ہوئے ہے، اب بھی کافر جہنم کے احاطے میں ہیں۔

جنت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب دنیا میں کیے ہوئے اعمال کی شکلیں ہیں:۔

آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ حضرت شیخ الانور رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات وضاحت کے ساتھ فیض الباری میں بیان فرمائی ہے کہ جہنم کا عذاب اور جنت کی نعمتیں یہ دنیا میں کیے ہوئے اعمال کی ہی شکلیں ہیں بُرا عمل انسان کرتا ہے، تو وہ ایک عذاب کی صورت ہے، اچھا عمل کرتا ہے تو ثواب کی صورت ہے، قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ① جو کچھ انہوں نے کیا اسی کو حاضر پائیں گے، اچھائیاں جو ہیں وہ اللہ کی نعمتوں کی شکل میں آجائیں گی۔ اور بُرائیاں جو ہیں وہ عذاب کی شکل میں آئیں گی، تمہاری بدکرداریاں جس طرح سے تم پر محیط ہیں یوں سمجھو کہ تم جہنم کے احاطے میں ہو یہی تمہارے اعمال تم پر عذاب کی شکل میں آجائیں گے، جہنم سے تم نکلے ہوئے نہیں، بس دیر اسی بات کی ہے کہ پلٹا کھایا دنیا سے آخرت کی طرف جائیں گے، تو تمہیں پتہ چل جائیگا کہ دنیا کا کفر وہ بھی تمہارے اندر آگ ہی آگ ہے، اور باہر مشرکانہ جتنی بھی تمہاری حرکتیں ہیں، وہ ساری کی ساری عذاب کی ہی شکلیں ہیں، تم خود دیکھ لوگے، کہ تم کس طرح سے اللہ کے عذاب کے اندر گرے ہوئے ہو، تو اللہ کا عذاب دور نہیں، اس مہلت سے اس تاخیر سے فائدہ اٹھاؤ......! اور اپنے انجام کی فکر کرو......! اور اس مصیبت سے جلدی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرو......! عذاب تم سے کوئی دور نہیں ہے، یہ تعجب کے طور پر دوبارہ نقل کی جارہی ہے یہ بات کہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب۔ بے شک البتہ جہنم گھیرنے والی ہے کافروں کو، جس دن عذاب انہیں ڈھانپ لے گا، اُوپر سے بھی عذاب ہوگا، اور پاؤں کے نیچے سے، جس وقت کسی چیز کو آگ میں ڈال دیا جائے تو اُوپر نیچے چاروں طرف آگ ہی آگ ہوتی ہے، پھر اللہ کہے گا کہ اپنے کیے ہوئے اعمال کا مزہ چکھو......! یہ جو کچھ تمہارے سامنے آرہا ہے یہ تمہارے اپنے اعمال ہی ہیں۔

آگے مضمون آگیا ہجرت کا، جیسا کہ شروع سورت میں ذکر کیا گیا تھا، کہ کافروں کی طرف سے مسلمانوں

① پارہ نمبر ۱۵، سورۃ نمبر ۱۸، آیت نمبر ۴۹

کو بہت تکلیفیں پہنچائی جا رہی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر لحاظ سے مطمئن کیا اور صبر و استقامت کی تلقین کی، کہ اللہ کی راہ میں مشکلات برداشت کرو......! کہ انجام تمہارا ہی اچھا ہے، اسی سلسلے کی بات ہے کہ کافروں سے تنگ آ کر اگر وطن چھوڑنا پڑ جائے، تو وطن کی قربانی دیدینی چاہیے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اور اطاعت کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

انسان کے سامنے دو قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں:۔

اگلی آیات میں یہی مضمون ذکر کیا گیا اور جس وقت وطن چھوڑنا پڑے، اور انسان یہ دیکھ لے کہ اس وطن میں رہتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت نہیں کر سکتے، تو انسان کے سامنے دو قسم کی مشکلات سامنے آتی ہیں، ایک مشکل تو یہ ہے کہ میں اگر اس وطن کو چھوڑ جاؤں، تو یہاں رشتہ دار ہیں اقارب ہیں، بسا اوقات والدین بھی چھوڑنے پڑتے ہیں، بیوی بچے بھی چھوڑنے پڑتے ہیں، بھائی چارہ بھی سارا ہی چھوٹ جاتا ہے، جب آدمی وطن سے بے وطن ہوتا ہے، اپنی جائیداد، اپنے مکانات جتنی بھی انسان نے دنیا کے اندر بنا رکھی ہیں، وہ سب چھوٹتی ہیں، دل کے اُوپر ایک اثر ہوتا ہے کہ میں جو ان سب کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، تو یہ بظاہر ایک خسارہ سا معلوم ہوتا ہے، یہ بھی ایک چیز انسان کے دل میں آتی ہے، جو بسا اوقات انسان کو ہجرت کرنے سے مانع ہوتی ہے، ایمان بچانا ہے تو یہ چیزیں چھوڑنی پڑتی ہیں، اور ان کا چھوڑنا بسا اوقات گراں ہوتا ہے پھر انسان سوچنے لگ جاتا ہے کہ میں ایمان کے اُوپر ان چیزوں کو قربان کروں یا ان چیزوں پر ایمان کو قربان کروں؟ تو اللہ تعالیٰ انسان کے ذہن میں ایک بات ڈالتے ہیں، اس طرزِ فکر کی تلقین کرتے ہیں جس کے بعد ایمان پر ان سب چیزوں کو قربان کرنا آسان ہو جائے گا، تو جب اللہ کے دربار میں آپ جائیں گے تو ایسا ایمان لے کر جائیں گے، کہ جس کے اُوپر وطن کو بیوی بچوں کو عزیز و اقارب کو والدین زمین جائیداد کو قربان کر کے جائیں گے، ایسی شکل میں نہ جائیں کہ ایمان کو ان چیزوں پہ قربان کر دیا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمہارے دل میں یہ خدشہ آئے تو ایک بات سوچ لیا کرو......! کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک دن آخر مرنا ہے موت کا تصور کرو سارے عقدے حل ہو جاتے ہیں، کہ جس وقت موت آئے گی تو مرنے کے بعد تم نے ماں باپ کو بھی چھوڑ دینا ہے، بہن بھائیوں کو بھی چھوڑ دینا ہے، رشتہ داروں کو اور اقارب کو بھی چھوڑ دینا ہے، اور یہ جائیداد اور یہ محلات جو کچھ جمع کر رکھا ہے سب کچھ چھوٹ جائیگا آج اگر اپنے اختیار کے ساتھ

چھوڑ دو گے، قربانی دو گے تو اللہ تعالیٰ سے اجر پالو گے، ورنہ اس بات کی کیا ضمانت کہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گی، آج اگر اللہ کیلئے نہیں چھوڑو گے کل کو مر کے چھوٹ جائیں گی، تو جو چیز چھوٹنے والی ہے تو بہتر ہے کہ اس کو اپنے اختیار سے چھوڑ دو......! تاکہ آخرت میں جا کر تم اجر وثواب کے مستحق بن جاؤ......! یہ بات ذہن میں ڈالی کہ موت کا تصور کرو......! رشتہ داروں سے علیحدگی اپنے وطن سے علیحدگی پر جرأت حاصل کرنے کیلئے، اور اس کے اُوپر اپنے دل کو جمانے کیلئے موت کا تصور ہی ایک نسخہ ہے جس سے ہجرت آسان ہوگی، یوں سوچ لیا کرو چھوٹنا تو انہوں نے ہے ہی، یہ کوئی ہمیشہ رہنے والی چیز تو ہے نہیں، اگر آج نہیں تو کل موت کے ذریعے سے چھوٹ جائے گی، تو بہتر ہے کہ اپنے اختیار سے چھوڑ دی جائیں تاکہ اللہ کے نام پہ جب ہم قربانی دیں گے تو اللہ کی طرف سے اجر وثواب حاصل ہوگا، اور دوسری بات جو انسان کیلئے رکاوٹ پیدا کرتی ہے وہ یہ ہوتی ہے، کہ یہاں تو ہم نے کوئی نہ کوئی رزق کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، ہماری دکان ہے جس سے ہم رزق حاصل کرتے ہیں، زمین ہے جس سے ہم کما کے کھا رہے ہیں، کوئی صنعت ہے، حرفت ہے آخر جہاں انسان رہتا ہے تو وہاں اپنے رزق کے حاصل کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ وسائل اکٹھے کر رکھے ہوتے ہیں، جب اللہ کے نام پر آپ قربانی دیں گے اس علاقے کو چھوڑیں گے۔

اللہ کے راستہ میں مشکلات برداشت کرو رزق سے بھوکے نہیں مرو گے:۔

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ کھائیں گے کہاں سے؟ جو ہمارے رزق کے حاصل ہونے کے ذرائع ہیں وہ تو سارے کے سارے یہیں رہ جائیں گے، پھر ہم کھائیں گے کہاں سے؟ پھر تو ہم بھوکے مر جائیں گے یہ بھی انسان کے دل میں خیالات آتے ہیں، جن کی بناء پر وہ ہجرت سے رکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں اس خیال کو بھی دُور کر دیا کہ تم ذرا سوچو......! اپنے چاروں طرف نظر دوڑاؤ......! اللہ کی مخلوق کے اندر کتنے ہی پرندے کتنے ہی جاندار، کتنے ہی حیوانات، کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں، جو رزق کی محتاج ہیں کھائے پیئے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتیں، یہ پرندے، درندے، چرندے یہ جتنی بھی جاندار چیزیں ہیں، یہ ساری رزق کی محتاج ہیں، اور یہ کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، ذرا نظر دوڑا کر دیکھو......! ان میں کتنے ایسے ہیں جو رزق کا ذخیرہ رکھتے ہیں، تو اگر اللہ تعالیٰ ان پرندوں کو دیتا ہے، ان جانوروں کو دیتا ہے، کیڑے مکوڑوں کو دیتا ہے، درند پرند اور چرند کو دیتا ہے، اگر اللہ کی

مخلوق کے اندر سؤر پلتے ہیں، کتے پلتے ہیں، جو اپنے کندھوں کے اُوپر اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، تو تم اللہ کے نام پہ قربانی دینے والے یہ سوچتے ہو کہ ہم بھوکے مر جائیں گے؟ نہیں جو اللہ ان سب کو دیتا ہے وہ تمہیں بھی دے گا اللہ کے اوپر بھروسہ رکھو......! اور اللہ کے راستے کی مشکلات کو برداشت کرو رزق سے بھوکے نہیں مرو گے رزق کے جتنے اسباب ہیں وہ سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔

رزق کہاں سے حاصل ہوتا ہے؟:۔

اگلی آیات میں یہ ذکر آئے گا رزق کہاں سے حاصل ہوتا ہے، بارش نہ ہو، زمین میں پانی نہ ہو، قحط پڑ جائے، تو رزق کہاں سے حاصل ہوگا؟ اور سورج کا، چاند کا نظم ونسق جتنا ہے وہ سب رزق کے حاصل ہونے کے ذرائع ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا زمین میری، آسمان میرا، بارش برسانا میرے اختیار میں، چاند وسورج میرے قبضے میں یہ ساری نقل وحرکت جتنی ہو رہی ہے، سب میرے قبضے میں ہے، تو اسباب رزق یہاں رہتے ہوئے دے سکتا ہوں، تو دوسرے علاقے میں رہو وہاں بھی دوں گا، ان اسباب کے اُوپر کسی دوسرے کا تصرف نہیں ہے۔ کہ تم یہ سمجھو......! کہ ہم یہاں باطل پرستوں کی بات مانیں گے، ان کے ساتھ رہیں گے تو روٹی ملے گی، اگر ان کو علیحدہ چھوڑ دیا علیحدہ ہو گئے، تو ہمیں روٹی نہیں ملے گی، تو اس وہم کو بھی اپنے دماغ سے نکال دو......! رزق کی تقسیم براہِ راست اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے کشادہ دے دے، جس کو چاہے تنگ کر دے، اس میں کسی علاقے کا یا ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہیں، یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بات ہے، اس لئے اگر میرے بھروسے پر تم اس جگہ کو چھوڑ دو گے......! جہاں تم کفر پر مجبور ہو رہے ہو، اور عبادت اچھی طرح سے نہیں کر سکتے، تو رزق کی تنگی سے نہ ڈرو......! رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، تو یہ دو ہی شبہات ہیں جو انسان کے دل میں اس موقع پر پیدا ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر ان شبہات کا ازالہ فرمایا ہے، کیونکہ اس زمانے میں ہجرت فرض تھی، جو شخص ایمان لاتا تھا اس کو ہجرت کرنی پڑتی تھی، خاص طور پر جب حضور ﷺ مدینہ منورہ منتقل ہو گئے، پھر تو ہجرت ایسے تھی جیسے اقرار باللسان اور جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمادیا لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ ① مکہ فتح ہونے کے بعد اب ہجرت

① صحیح البخاری باب لاہجرۃ بعد الفتح / مسند احمد ج ۴۵ ص ۶۰۸ / سنن النسائی ذکر اختلاف فی انقطاع الہجرۃ / السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۳ ص ۶۰۵

کی ضرورت نہیں، اب وہ بھی دارالاسلام بن گیا ہے اور ہجرت تو اس وقت تک بھی باقی ہے اگر کوئی علاقہ ایسا ہو، چاہے شہر ہے، یا دیہات ہے، وہاں حالات اس قسم کے ناساز گار ہو گئے ہوں، کہ اچھے طریقے سے زندگی نہیں گزار سکتے، کفر میں مبتلا ہونا آپ کی مجبوری ہے، شرک کرنے پہ آپ کو مجبور کیا جا رہا ہے، فسق وفجور پر مجبور کیا جا رہا ہے، یا بدعات پر مجبور کیا جا رہا ہے، یا سنت کے خلاف چلنے پر آپ کو مجبور کیا جا رہا ہے، تو یہ درجہ بدرجہ جس قسم کی برائی پر آپ کو مجبور کیا جائے، اتنی ہی تاکید ہے اس علاقے کو چھوڑنے کیلئے، کسی ایسے علاقے کی طرف چلے جاؤ......! جہاں شریعت وسنت کے مطابق آپ اپنی زندگی گزار سکیں......! جس قسم کی کفر کی شرک کی، فسق کی فجور کی بات ہو گی اسی کے مطابق تاکید ہو گی ہجرت کی۔

اللہ کی زمین بہت وسیع ہے:۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: کتنا پیارا خطاب ہے يٰعِبَادِيَ اے میرے بندو......! جو ایمان لے آئے ہو اے مومن بندو......! ایمان لانے والے بندو......! اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ میری زمین بہت کشادہ ہے یہ نہ سمجھنا کہ یہاں سے چلے جائیں گے تو آخر جائیں گے کہاں؟ جگہ کہاں ملے گی؟ میری زمین بہت کشادہ ہے فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ پس تم میری ہی عبادت کرو......! اس بات پہ پکے ہو جاؤ کہ عبادت میری کرنی ہے وطن قربان ہو جائے تو کردو......! قوم چھوٹتی ہے تو چھوڑ دو......! علاقہ چھوٹتا ہے تو علاقہ چھوڑ دو......! میری ہی عبادت کرنی ہے، اور جہاں اس کے اسباب مہیا ہوں وہیں ٹھہرنا ہے، اور جہاں اللہ کی عبادت میں رکاوٹ پڑتی ہے اس علاقے میں ہم نہیں ٹھہریں گے، تمہارا مقصد یہی ہے کہ تم نے عبادت صرف میری کرنی ہے، علاقے کی پابندی نہیں ہے، کسی وطن کی پابندی نہیں ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ اور پھر تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے، جب ہمارے پاس آؤ گے تو دیکھیں گے ہم، کہ تم نے ایمان کیلئے کتنی قربانیاں دیں......! تو جب میری طرف آنا ہے تو میری مرضی پر چلو......! اور میری مرضی اس میں ہے کہ عبادت صرف میری ہو، وطن کی قربانی دیدو......! قوم کی قربانی دیدو......!

ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کیلئے انعامات:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، نیک عمل میں

ہجرت بھی آ گئی، لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا اگر یہاں مکانات محلات تمہارے چھوٹ جائیں گے، یہاں کوٹھیاں تمہاری چھوٹتی ہیں، تو البتہ ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں، جنت کے بالا خانوں میں، غرفاً غرفہ کی جمع ہے غرفہ بالا خانے کو کہتے ہیں، تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے، اور یہ عمل کرنے والے یہی ہیں، جو صبر کرتے ہیں اللہ کے راستے میں مشکلات سہتے ہیں وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اور اپنے رب کے اُوپر بھروسہ کرتے ہیں اور خطرات سے ڈر کر اللہ کی عبادت اور اطاعت کو نہیں چھوڑتے، توکل کرنے کا یہ معنی ہوتا ہے، اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، اور صبر کا مفہوم بارہا آپ کے سامنے عرض کیا جا چکا ہے۔

جب اللہ چوپایوں کو رزق دیتا ہے تو تمہیں کیوں نہیں دے گا:۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا: کتنے ہی زمین پر چلنے پھرنے والے دَآبَّة کہتے ہیں مایدِبُّ علَی الْأَرضِ زمین پر جو چلتے ہیں ہر جاندار چیز کو یہ لفظ شامل ہے چاہے وہ چوپایہ ہو، یا دوپایہ ہو، بغیر پائے کے ہو، جو بھی ہیں زمین پر چلنے والے رینگنے والے، سب اس میں شامل ہیں، کتنی ہی جاندار چیزیں ہیں، لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا کہ وہ اپنے رزق کو اٹھائے نہیں پھرتے، اور حمل رزق کا یہ معنی بھی ہوتا ہے کہ اٹھا کے نہیں رکھتے، ذخیرہ نہیں کرتے، یہ مفہوم بھی ہے بعضے تراجم میں ہے کتنے ہی دواب ہیں جو اپنے لئے رزق کا کوئی ذخیرہ نہیں کرتے، صبح گھر سے بھوکے نکلتے ہیں، اپنے گھونسلے سے، اپنے بِل سے اور شام کو پیٹ بھر کے واپس آ جاتے ہیں، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے تَغْدُوْ خِمَاصاً وَتَرُوْحُ بطاناً ① کہ صبح کو نکلتے ہیں تو ان کے معدے خالی ہوتے ہیں شام کو آتے ہیں تو بھرے ہوئے ہوتے ہیں، تمہارے سامنے نقشے ہیں، چڑیاں آپ شمار نہیں کر سکتے، لاکھوں کروڑوں کتنی ہیں، اور اس طرح سے دوسرے پرندے جو ہوا کے اندر اڑتے پھرتے ہیں، اور کیڑے مکوڑے ان کی تو کیا ہی حد ہے، جن کی تعداد بھی آپ نہیں جانتے، کوئی بھی نہیں جانتا، کروڑوں ہے، اربوں ہیں، کتنے ہیں کوئی نہیں شمار کر سکتا، اللہ تعالیٰ سب کو رزق دیتا

① مشکوٰۃ ص ۴۵۲ عن ابن عمرؓ/ مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۲/ ابن ماجہ باب التوکل والیقین/ ترمذی باب فی التوکل علی اللہ/ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱۰ ص ۳۸۹

ہے، یہ کوئی اپنے لئے رزق کا ذخیرہ کر کے تو نہیں رکھتے، تازہ بتازہ روزی اللہ تعالیٰ انہیں دیتا ہے، یہ اپنے رزق کو اٹھائے تو نہیں پھرتے۔

اَللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ: اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی دیتا ہے، تو جس طرح سے یہ کھاتے ہیں اس طرح سے تم بھی کھالو گے وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسباب رزق پر اللہ کا قبضہ ہے:۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ: یہ آ گیا اسباب رزق کا تذکرہ۔ کہ ان سے پوچھو......! کہ اسباب رزق کس کے قبضے میں ہیں، اس کو توحید کی دلیل کے طور پر کہہ لیجئے......! یہ بات تو ہے ہی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مخلوق کی طرف متوجہ کرتے ہیں، توحید کی دلیل کے طور پر، شرک کی تردید کیلئے لیکن یہاں ماقبل کے ساتھ ان آیات کو یوں بھی جوڑا جاسکتا ہے، کہ ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسباب رزق پہ قابض ہے، سارے کے سارے اسباب اسی کے قبضہ میں ہیں، تو ملے گا اسے ہی جسے اللہ دے گا، ورنہ زمینوں والے بھی بھوکے مر سکتے ہیں، صنعت والے بھی بھوکے رہ سکتے ہیں، یہ کوئی ایسی بات نہیں اگر کوئی ان سے پوچھے کس نے پیدا کیا زمینوں کو......! اور آسمانوں کو؟ اور کس نے کام پہ لگایا سورج کو......! اور چاند کو؟ البتہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ پھر یہ کہاں پلٹے جارہے ہیں؟ ان کا ذہن سیدھا کیوں نہیں ہوتا؟ ان کا طرز فکر ٹھیک کیوں نہیں ہوتا؟ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ کہاں یہ الٹے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے، اور کم کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے، اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے متعلق علم رکھنے والا ہے، یہ سب اس کے علم وحکمت کے تحت ہے یہ انسان کی کوشش اور ظاہری اسباب پر اس کا مدار نہیں ہے، کسی کیلئے حکمت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے رزق کم دے تو اللہ تعالیٰ کم رزق دیتا ہے، کسی کیلئے مصلحت اسی میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اُسے کشادہ رزق دے، تو اللہ تعالیٰ اُسے کشادہ رزق دیتا ہے، تم جتنا چاہو ہاتھ پیر مارلو......! تنگ رزق کشادہ نہیں ہوتا، کسی کا کشادہ رزق کسی کے رکاوٹ ڈالنے سے تنگ نہیں ہوتا، وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ اور اگر ان سے کوئی پوچھے کس نے آسمان سے اتارا پانی کو؟ اور آباد کیا اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے بنجر اور ویران ہونے کے بعد، موت ارض یعنی اس کا بنجر ہوجانا اور حیات ارض یعنی اس کا آباد ہوجانا، کس نے زمین کو زندہ کیا، اس کے مرنے کے بعد، لفظی

معنی یوں بنتا ہے، لیکن زمین کی موت وحیات کو ہماری زبان میں یوں کہتے ہیں، کہ زمین کو بنجر ہو جانے کے بعد آباد کس نے کیا پانی کے ذریعے سے۔ آپ کہہ دیجئے......! اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ مقدمہ تو سارے لوگ مانتے ہیں پھر نتیجے کے کیوں منکر ہیں؟ ہر چیز کی تصدیق کرنے کیلئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ نتیجے کو کیوں نہیں مانتے؟ سب تعریفیں اللہ کیلئے بَلۡ اَکۡثَرُھُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ بلکہ ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

اور دنیاوی زندگی تو صرف لہو و لعب ہے اور بیشک آخرت کی زندگی

لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ

البتہ وہی زندگی ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ لوگ جان لیں ﴿۶۴﴾ جب یہ سوار ہوتے ہیں کشتی میں پکارتے ہیں اللہ کو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ ۙ

اس حال میں کہ خالص کرنیوالے ہیں اس کیلئے عقیدہ پھر جب ان کو اللہ نجات دیتا ہے خشکی کیطرف پھر اچانک وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں ﴿۶۵﴾

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

تاکہ ناشکری کریں اس چیز کی جو ہم نے ان کو دی چند دن مزے اڑالیں ان کو عنقریب پتہ چل جائے گا ﴿۶۶﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے

اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ

کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور لوگ اُچکے جارہے ہیں ان کے اردگرد سے کیا یہ غلط باتوں پر

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں ﴿۶۷﴾ کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑے

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

یا حق کو جھٹلائے جب وہ حق اس کے پاس آجائے، کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

نہیں ﴿۶۸﴾ جو لوگ ہمارے راستہ میں جہاد کرتے ہیں البتہ ضرور ہم ہدایت دیں گے ان کو اپنے راستوں کی

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے ﴿۶۹﴾

تفسیر

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ: اس دنیا کی محبت میں آ کے اپنی آخرت کو برباد نہ کرو......!
دنیا اور آخرت کا مقابلہ کرو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ایک حقیقی زندگی ہے، اور ایک کھیل تماشا ہے، جس طرح سے کہ تماشے میں کوئی بادشاہ بن گیا، کوئی وزیر بن گیا، کوئی کچھ بن گیا، کوئی کچھ بن گیا، اپنے آپ کو انسان یونہی نمایاں کرتا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد کھیل ختم، سارے کا سارا قصہ ہی ختم۔

دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کھیل تماشا ہے:۔

تو دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کھیل تماشا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، بہت نادان ہیں وہ لوگ جو چندروزہ زندگی کیلئے اپنی آخرت کو برباد کر لیتے ہیں، اور اس کھیل تماشے میں مشغول ہو کر اپنی حقیقت سے غافل ہو جاتے ہیں، بے شک دنیاوی زندگی تو لہو ولعب ہے، لہو ولعب یہ دونوں لفظ قریب قریب ہیں، لہو کہا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ انسان کسی نافع چیز سے غافل ہو جائے، اور لہب کہا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ انسان کسی غیر نافع چیز کی طرف متوجہ ہو جائے، غیر مفید چیز کی طرف توجہ یہ لہب ہے، اور نافع چیز سے غفلت یہ لہو ہے، تو بالکل اسی طرح جس طرح بچے کسی کھیل کود میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، کسی تماشے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، تو ایک لغو حرکت جس کا کوئی نتیجہ نہیں، اور کھیل تماشے میں لگ کے اپنے مفید کاموں سے محروم ہو جائیں، مثلاً آپ پڑھیں نہیں مطالعہ نہ کریں......! ہر وقت کھیل کود میں لگے رہیں، تو سوائے اس کے کہ آپ اپنے مستقبل کو برباد کر رہے ہیں، کچھ بھی نہیں اور کوئی پائیدار نتیجہ نکلنے والا نہیں، اور بے شک آخرت کی زندگی البتہ وہی زندگی ہے، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ آخرت کا گھر بے شک وہی زندگی ہے یعنی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے باقی دنیا تو چندروزہ ہے، کھیل تماشہ ہے اب اس کو کسی دلیل سے سمجھانے کی ضرورت نہیں، رات دن آپ دیکھتے رہتے ہیں......! کہ کیسے یہ کھیل ختم ہوتا ہے بچپن میں لوگ مرتے ہیں، جوانی میں لوگ مرتے ہیں، بڑھاپے میں لوگ مرتے ہیں سارے کا سارا کاروبار دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے، آنکھیں بند ہوئیں اور سب کچھ چھوٹ گیا جیسا کہ ڈرامہ تھا ختم ہوا اُٹھ کے چل دیئے، اتنی سی حیثیت ہے بس اور یہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ لوگ جان لیں، اگر آخرت اور دنیا کا تناسب ان کی سمجھ میں آ جائے، تو یہ بہت ساری برائیوں

سے بچ جائیں۔ اوران کا طرز زندگی بدل جائے۔

مشرکین کی کشتی میں سوار ہوتے وقت کیفیت:۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ: یہ وہی ردشرک ہے مشرکین کو متوجہ کیا جارہا ہے، کہ اللہ پہ اعتماد کرو......! اور جولوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں پر اعتماد کرتے ہیں، تو یہ انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ جب کوئی مصیبت آتی ہے، اور سہارے سب چھوٹ جاتے ہیں، تو مشرکین بھی اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں، کارساز حقیقی معلوم ہوگیا کہ کارساز، حقیقی رازق، رزق دینے والا ہر قسم کی عیش وعشرت دینے والا وہ اللہ ہی ہے کوئی دوسرا نہیں ہے، فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ جب یہ سوار ہوتے ہیں کشتی میں دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ پکارتے ہیں اللہ کو اس حال میں کہ خالص کرنے والے ہیں، اس کیلئے عقیدہ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ پھر جب ان کو ہم نجات دیتے ہیں خشکی کی طرف، اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ پھر اچانک وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں، یہ شکایت انسان کی قرآن کریم کی متعدد آیات میں کی گئی ہے، مشکلات میں تو توجہ اللہ کی طرف کرتا ہے، لیکن جب یہ مشکلات سے چھوٹ جاتا ہے، پھر وہی کفر وشرک کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ، لِیَكْفُرُوْا کے اوپر لام عاقبت ہے۔ لام عاقبت کا مطلب یہ ہے کہ یہ ناشکری کرتے ہیں ان چیزوں کی جو ہم نے انہیں دی ہیں ان کے اس کردار کا نتیجہ یہ ہے، ہم نے انہیں نجات دی ہم نے انہیں سازگار ہوا مہیا کی، پھر یہ شرک کرنے لگ گئے، اور دوسروں کی طرف ان نعمتوں کی نسبت کرنے لگ گئے، نتیجہ یہ ہے کہ ناشکری کرتے ہیں اس چیز کی جو ہم نے ان کو دی، وَلِیَتَمَتَّعُوْا یہ لام امر ہے ان کو چاہیے کہ چند دن مزے اڑالیں کھاپی لیں، ناشکری کر کے چند روز مزے اڑالیں، فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ان کو عنقریب پتہ چل جائے گا، آگے پھر اسی شبہ کا ازالہ ہے جس طرح سے کہ پچھلی سورت کے آخر میں کہا گیا تھا مشرکین مکہ ایمان لاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا: پچھلی سورت کے آخر میں آیا تھا کہتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کے ساتھ مل کر اس دین کو قبول کرلیا، تو اردگرد کے لوگ تو ہمیں اُچک کے لے جائیں گے ہماری جان خطرے میں پڑ جائے گی، ہمارے اسباب خطرے میں پڑ جائیں گے، اسی کا ازالہ یہاں کیا جارہا ہے، کہ ہم نے بنایا حرم امن والا، اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ

حَوْلِهِمْ اور لوگ اُچکے جا رہے ہیں، ان کے اردگرد سے، دنیا میں فساد برپا ہے، مار دھاڑ ہے، لیکن یہ حرم امن والا ہے اس میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہیں، سب کے جان مال محفوظ ہیں، اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ کیا یہ غلط باتوں پہ ایمان لاتے ہیں؟ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، اگر تم کفر وشرک میں ہوتے ہوئے بھی، اس حرم میں امن والے ہو، تو کیا ایمان لانے کے بعد تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔

کیا ایمان لانے کے بعد وہ تمہیں امن نہیں دے گا؟:۔

کفر وشرک میں وہ تم کو امان دیئے ہوئے ہے، تو جب تم اس پر ایمان لے آؤ گے اس کا نام لینے لگ جاؤ گے تو کیا پھر وہ تمہاری حفاظت چھوڑ دے گا؟ اس کی تفصیل ہو چکی حرم امن کی، کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ بات ڈالی ہوئی تھی، کہ کافر ہونے کے باوجود مشرک ہونے کے باوجود، جاہل ہونے کے باوجود، حرم کے حدود کے اندر وہ کسی قسم کی گڑ بڑ نہیں کرتے تھے، وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑے؟ حق کو جھٹلائے، جب وہ حق اس کے پاس آجائے، اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں؟ یعنی یقیناً ہے یہ جو حقیقت کو جھٹلاتے ہیں ان سب کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ مَثْوًى ٹھکانہ۔

جہاد دو طرح کا ہوتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا: جو لوگ ہمارے راستے میں جہاد کرتے ہیں، البتہ ضرور ہم ہدایت دیں گے ان کو اپنے راستوں کی، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے، اس آیت میں اسی پہلے مضمون کو دوہرا دیا گیا، جو سورت کے شروع میں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت احسان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، اور ہمارے راستے میں جہاد کرنے والوں کیلئے، ہم راستے کھول دیتے ہیں، جہاد کا معنی آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا، کہ حق کو غالب کرنے کیلئے اور باطل کو مغلوب کرنے کیلئے جو کوشش کی جائے وہ جہاد ہے، کافر اگر ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالیں تو کافروں کے ساتھ لڑنا جہاد ہے، اور اگر انسان کا نفس اور خواہشات اگر اس کو حق قبول کرنے میں رکاوٹ ڈالیں، تو ان کو پامال کرنا اور حق کو قبول کرنا یہ جہاد بالنفس ہے، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں جہاد اکبر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ غصے میں آکے دوسرے کے ساتھ لڑ پڑنا بہت آسان ہے۔ اپنی خواہشات

کو کچلنا بہت مشکل ہے، جہاد دونوں صورتوں کو شامل ہے، اپنے ساتھ جہاد کرتے ہیں، یعنی اپنی خواہشات کو کچلتے ہیں، ہمارے احکام کو اپنے اُوپر طاری کرتے ہیں، اور اگر کوئی فحش یا غلط قسم کی کوئی تمنا دل میں آتی ہے، تو اُسے دبا لیتے ہیں، جو یہ جہاد کریں جہاد بالنفس ہے، اور اسی طرح سے خارجی جہاد جو کفار کے مقابلے میں ہوتا ہے، ہم ان کیلئے اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے، ہدایت سبیل دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی، آخرت میں جنت کے راستے ان کے سامنے واضح ہوں گے، دنیا کے اندر کامیابی کے راستے واضح ہوں گے، دنیا کے اندر بھی کامیابی کے راستے کوشش کے ساتھ تلاش کرنے کے ساتھ یہ راستے کشادہ ہوں گے۔

جہاد کرنے سے کامیابی کے راستے کھلتے ہیں:۔

جس طرح سے کہ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ مل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر بھی کامیابی کے راستے کھول دیئے، اور اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اگر انسان کو حاصل ہو سکتی ہے، تو صفت احسان کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے، احسن احساناً ہر کام کو اچھی طرح سے کرنا یہ مطلب ہوتا ہے احسان کا، اور احسان فی العبادت یہ ہے جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا تھا آپ ﷺ سے کہ مَا الْإِحْسَانِ؟ تو آپ نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ① کہ اللہ کی عبادت ایسے طور پر کرو......! کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم نہیں دیکھ رہے وہ تو دیکھ ہی رہا ہے، بہر حال تم اللہ کے سامنے ہو، تو عبادت اس طرح سے کرنا گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو، یا یہ تصور غالب کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو، اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تو اس میں ریاء نہیں ہوگی، اور کسی قسم کی خرابی نہیں ہوگی ٹھیک ٹھیک عبادت کریں گے، اور خلوص کے ساتھ کریں گے، جس وقت یہ خلوص کی صفت کسی کو حاصل ہوتی ہے، تو اللہ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے، اللہ کی معیت حاصل ہو جانے کے بعد آپ جانتے ہیں، کہ ہر قسم کے طریقے سازگار ہو جاتے ہیں، پھر کسی کی مخالفت اور کسی کی دشمنی انسان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتی، اگر ساری خدائی مخالف ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی معیت انسان کو حاصل ہو تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے، تو جیسے سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی تھی تو اب پھر وہی ترغیب سورۃ کے آخر میں آ گئی، وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، البتہ ضرور ہم انہیں ہدایت دیں

① مشکوٰۃ ص ۱۱ عن ابن عمرؓ

گے سیدھے راستوں کی اور اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔

کیا غم ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اک خدا فقط میرے لئے

سُورَةُ الرُّومِ

مَدَنِيَّةٌ

ایاتھا ۶۰ ۳۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ رکوعاتھا ۶

سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ۝١ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝٢ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

الٓمّٓ ۝١ رومی مغلوب ہوگئے ۝٢ قریب کے علاقے میں، اور وہ رومی اپنے مغلوب ہونے کے بعد

غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝٣ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ

عنقریب غالب آئیں گے ۝٣ چند سالوں میں۔ اللہ ہی کے لئے امر ہے ان کے مغلوب ہونے سے پہلے بھی

وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝٤ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ

اور ان کے مغلوب ہونے کے بعد بھی، جس دن مومن خوش ہوں گے ۝٤ اللہ کی مدد کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ

مدد کرتا ہے اور وہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ۝٥ اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے، اللہ اپنے وعدہ

وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا

کے خلاف نہیں کیا کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۝٦ جانتے ہیں یہ لوگ

مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٧ اَوَلَمْ

دنیاوی زندگی کے ظاہر کو، اور وہ آخرت سے غافل ہیں ۝٧ کیا ان لوگوں نے

يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اپنے دلوں میں سوچا نہیں، نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک وقت معین کے ساتھ اور بے شک لوگوں میں سے بہت سے

النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں ۝۸ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوْٓا اَشَدَّ

پھر یہ دیکھتے کیسا انجام تھا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گذرے ہیں وہ لوگ زیادہ سخت تھے

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا

ان سے ازروئے قوت کے اور جوتا تھا زمین کو اور آباد کیا زمین کو ان کے آباد کرنے سے زیادہ

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۗ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

اور ان کے پاس ان کے رسول آئے واضح دلائل لے کر، پس نہیں ہے اللہ کہ ان کے اُوپر ظلم کرے لیکن وہ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا

خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے ۝۹ پھر بُرا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہوں نے بُرے کام کئے تھے

السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع

کہ انہوں نے اللہ تعالٰی کی آیات کو جھٹلایا اور وہ اللہ کی آیات کیساتھ استہزاء کرتے تھے ۝۱۰

تفسیر

الٓمّٓ: حروف مقطعات ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ'' ان حروف سے جو اللہ کی مراد ہے، وہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، غُلِبَتِ الرُّوْمُ رومی مغلوب ہوگئے، یہ معناً چونکہ جمع ہے، اس لئے جماعت کی تاویل سے غُلِبَتْ مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا، رومی مغلوب ہوگئے، فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ قریب کے علاقہ میں وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

سَيَغْلِبُوْنَ ، غَلَبِهِمْ میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے، اور وہ رومی اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے، فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ چند سالوں میں، بِضْع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ اللہ ہی کیلئے ہے حکم، قَبْلُ کا مضاف الیہ بھی محذوف منوی اور بَعْدُ کا بھی محذوف منوی، اس لئے یہ مبنی علی الضم ہیں، اس لئے مِن جارہ آنے کے باوجود ان کے اُوپر جر نہیں آئی مبنی علی الضم ہونے کی وجہ سے۔ یعنی ان کے مغلوب ہونے سے پہلے اور ان کے مغلوب ہونے کے بعد سارا اختیار اللہ ہی کو ہے، امر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، ہر کام اللہ کے قبضے میں ہے، ان کے مغلوب ہونے سے پہلے بھی اور ان کے مغلوب ہونے کے بعد بھی وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ جس دن ایسا ہوگا یعنی رومی غلبہ پائیں گے مؤمن خوش ہوں گے، اللہ کی مدد کی وجہ سے، يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اور وہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے، وَعْدَ اللّٰهِ یہ مفعول مطلق ہے جس کا عامل محذوف ہے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا، اخلاف فی الوعد کا مطلب ہوتا ہے کہ وعدے کے مطابق پورا کام نہ کرنا، وعدے کے خلاف کرنا، اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جانتے ہیں یہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو، ظاہری سطح کو، وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ اور وہ آخرت سے غافل ہیں، بے خبر ہیں، پچھلی زندگی سے بے خبر ہیں، اور هُمْ کا تکرار تاکید کیلئے آ گیا یہی لوگ پچھلی زندگی سے بے خبر ہیں، اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ کیا ان لوگوں نے اپنے دلوں میں سوچا نہیں؟ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو، اور زمینوں کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حکمت کے ساتھ، مصلحت کے ساتھ، حق کے مطابق، عبث نہیں پیدا کیا، وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اور ایک وقت معین کے ساتھ، اَجَلٍ مُّسَمًّى وقت معین یہ بھی اِلَّا کے تحت ہے، یعنی نہیں پیدا کیا زمینوں کو اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر وقت معین کے ساتھ، وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ اور بے شک لوگوں میں سے بہت سے اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں، اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کا معطوف علیہ محذوف نکال لیں، اَقَعَدُوْا فِيْ بُيُوْتٍ وَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کیا یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں زمین میں چلے پھرے نہیں؟ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ پھر

یہ دیکھتے کیسا انجام تھا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں؟ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ لوگ زیادہ سخت تھے ان سے از روئے قوت کے، وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ اِثَارَةُ الارض اصل میں زمین کے گھانے کو کہتے ہیں، جس طرح سے زمین کو کھیتی کرنے کیلئے جوتتے ہیں، تو اس کا معنی ہوگا، جوتا انہوں نے زمین کو، وَعَمَرُوْهَآ آباد کیا زمین کو اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا، مَا عَمَرُوْهَا میں ما مصدریہ ہے ان کے زمین کو آباد کرنے سے زیادہ، وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اور ان کے پاس ان کے رسول آئے واضح دلائل لے کر، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ پس نہیں ہے اللہ کہ ان کے اُوپر ظلم کرے، اللہ ان کے اُوپر ظلم کرنے والا نہیں تھا، وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآى یہ عاقبۃ چونکہ منصوب آ گیا یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ کان کی خبر ہے، اس لئے سُوْاٰی مرفوع ہو جائے گا، یہ مؤنث ہے اَسْوَأُ کی جس طرح سے افضل کی مؤنث فُضْلٰی آیا کرتی ہے، تو سُوْاٰی بُری چیز اور یہ کان کا اسم ہے پھر برا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہوں نے برے کام کئے۔

اعلان نبوت کے وقت دنیا دو حصوں میں تقسیم تھی:۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ: یہ سورت کی ابتدائی آیات ایک عظیم الشان پیش گوئی پر مشتمل ہیں، حاصل یہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت ۵۷۰ عیسوی میں ہوئی، یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو ۵۷۰ سال ہو چکے تھے، پھر سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت ہوئی، اور ۶۱۰ عیسوی آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا یعنی ۴۰ سال بعد، یہ جو زمانہ ہے اس زمانے میں دنیا دو بلاکوں میں بٹی ہوئی تھی، بالکل اس طرح سے جس طرح سے آج ہے، آج بھی دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے، ایک بلاک کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں ہے، ان پہ برتری امریکہ کو حاصل ہے، اور دوسرے بلاک کی قیادت روس کو حاصل ہے، اور ان کے اُوپر برتری روس کی ہے، آج دنیا میں جو بھی کشاکشی چل رہی ہے، وہ امریکہ اور روس کے درمیان ہے، تو اس وقت دو بلاک تھے، ایک روم کا ایک فارس کا، روم کا بادشاہ قیصر کہلاتا تھا اور فارس کا بادشاہ کسریٰ کہلاتا تھا تو قیصر و کسریٰ ان کی کشاکشی کا وہ دور ہے، اور باقی دنیا میں ان کے مقابلے میں کوئی معتد بہ حکومت نہیں تھی یوں سمجھو......! کہ دنیا پہ اقتدار انہیں دو قوتوں کا تھا، کچھ حصے پہ قیصر کا کچھ حصے پہ کسریٰ کا کچھ علاقے روم کے زیر اثر تھے، کچھ

علاقے فارس کے زیر اثر تھے، آپس میں لڑائیاں ہوتی تھیں، کبھی وہ ان کو دبا لیتے، کبھی یہ ان کو دبا لیتے، تقریباً ۶۱۴ عیسوی میں فارس اور روم کی لڑائی ہوئی شام کے علاقے میں، بصریٰ اور اذرعات یہ دو آبادیاں ہیں، ان کے قریب قیصر و کسریٰ کی لڑائی ہوئی، اور یہ لڑائی فیصلہ کن ثابت ہوئی، فارسیوں نے رومیوں کو بہت بدتر قسم کی شکست دی، رومیوں کی کمر توڑ دی، یہ سارے علاقے چھین لئے، حتیٰ کہ وہ روم کا بادشاہ قیصر اپنے دار السلطنت قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا، اور ان کا دار الخلافہ جو تھا وہ بھی خطرے میں پڑ گیا، یہ قسطنطنیہ وہی ہے جو کہ آج ترکی کا دار الخلافہ ہے، جسے استنبول کہتے ہیں، پرانا شہر اب بھی قسطنطنیہ کہلاتا ہے، نئی آبادی استنبول کہلاتی ہے، یہ ترکی کا جو دار الخلافہ ہے یہی اس وقت رومیوں کا دار الخلافہ تھا، آج یہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، تو بہر حال بہت بُری طرح سے رومی مغلوب ہوئے، اور ظاہری حالات اس قسم کے تھے کہ اب یہ سنبھل نہیں سکتے تھے، پرویز کا دور تھا فارس میں۔ تو گویا کہ پرویز نے شکست دی رومیوں کو۔ اور ان کے اُوپر مکمل غلبہ حاصل کر لیا۔

مسلمانوں کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کی فارسیوں کے ساتھ تھیں:۔

جب یہ دو قوتیں آپس میں لڑتی ٹکراتی تھیں، تو خبریں تو ہر جگہ پہنچ جاتی ہیں تو ان کے حالات بھی مکہ مکرمہ میں پہنچتے رومی اہل کتاب تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لینے والے آخرت کے قائل، فرشتوں کے قائل، توحید کے مدعی چاہے حقیقت میں موحد تھے یا نہیں؟ بظاہر تو توحید کے مدعی تھے، شرک ان کا مسلک نہیں تھا بتوں کو نہیں پوجتے تھے، دعویٰ ان کا توحید ہے اور اہل کتاب ہیں آسمان کی طرف سے کتاب نازل ہونے کے قائل تھے، اور یہ جو فارسی ہیں یہ تھے آتش پرست اور مشرک، ایک طرف وہ لوگ تھے جو کہ اپنی زبان سے دعویٰ توحید کا کرتے، کتابوں کے قائل رسولوں کے قائل، دوسری طرف مشرک تھے قدرتی طور پر جب یہ خبریں مکہ معظمہ میں آتیں تو مشرکین کی ہمدردیاں اہل فارس کے ساتھ ہوتی تھیں، اور مسلمانوں کی دلچسپیاں روم کے ساتھ تھیں، اہل کتاب کے ساتھ مناسبت ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ مسلمانوں کے اقرب تھے، اپنے نظریات کی وجہ سے۔ فرق جا کے پڑا تو یہی جا کے پڑا تھا کہ حضور ﷺ پر اگر ایمان لے آتے تو معاملہ ٹھیک تھا، عیسیٰ علیہ السلام تک وہ پیغمبروں کو مانتے تھے، کتاب کو مانتے تھے، آخرت کے قائل تھے، مدعی توحید تھے تو مناسبت مسلمانوں کو اہل کتاب سے تھی جس وقت رومیوں کے فتح کے آثار نظر آتے، تو مسلمان خوش ہوتے، مشرکین کو غم ہوتا اور جس وقت فارسی غلبہ پاتے، تو مشرکین خوش

ہوتے تھے، اور مسلمانوں کو صدمہ ہوتا تھا۔

فارسیوں کے غلبہ پر مؤمنین کو مشرکین مکہ کی طعن و تشنیع:۔

اسی مناسبت کی بناء پر تو جس وقت یہ خبر آئی کہ فارسیوں نے رومیوں کو بدترین شکست دیدی ہے، تو مشرکین نے بھی جشن منایا خوشی منائی، اور مسلمانوں کے اوپر طعن و تشنیع شروع کردی، کہ لوتم تو کہتے تھے کہ یہ شرک غلط ہے، مشرک کے اُوپر اللہ کی لعنت اور توحید کا نظریہ صحیح ہے، اور آخرت کا عقیدہ ٹھیک ہے، اور کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو آخرت کے عقیدے کے قائل ہیں، توحید کے قائل ہیں، تو دیکھ لیا کہ توحید والے پٹ گئے مشرکوں کے ہاتھوں جن کو تم مشرک کہتے ہو، تو یہ علامت ہے اس بات کی تمہاری باتیں ساری غلط ہیں، اگر اللہ کی نصرت انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ کی کتابوں کو مانتے ہیں، نبیوں کو مانتے ہیں، آخرت کے قائل ہیں، تو یہ نبیوں کو ماننے والے کیوں پٹ گئے؟ اور یہ جن کو تم مشرک کہتے ہو آتش پرست یہ کیوں فتح پاگئے؟ اس طرح سے مشرکین نے خوشیاں منائیں......! اور مسلمانوں کے اُوپر طعن و تشنیع کی۔

قرآنِ کریم کی پیشن گوئی کہ رومی غالب آجائیں گے:۔

عین اس موقع پر جب مکہ کے اندر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان یہ کشاکشی جاری تھی، بحث و مباحثہ جاری تھا، تو اس وقت یہ آیات اتریں تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بالکل ظاہری حالات کے خلاف یعنی اس وقت ظاہری حالات کے اعتبار سے توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ رومی دوبارہ اٹھ سکتے ہیں، اہل فارس نے ان کی اتنی کمر توڑ دی تھی اور ان کو نیست و نابود کر دیا تھا، علاقے ان کے چھین لئے، یہ پیش گوئی کردی کہ رومی مغلوب ہوگئے، اس میں کوئی شک نہیں قریب کے علاقہ میں مکہ کے قریب جو علاقہ تھا، یعنی شام کا علاقہ اور دوسرا اذرعات کے علاقے مکہ معظمہ سے قریب ہیں، قریب والے علاقے میں رومی مغلوب ہوگئے ہیں، لیکن یہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غلبہ پائیں گے، اور کتنی مدت کے اندر غلبہ پائیں گے، فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ چند سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی قرآن کریم نے کردی، اور یہ بِضْعِ کا لفظ تین سے لیکر نو تک بولا جاتا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ دس سال کے اندر اندر تین سے لے کر نو سال تک، پہلی دہائی میں ہی یہ رومی دوبارہ اہل فارس پر غالب آجائیں گے، یہ پیش گوئی ظاہری حالات کے بالکل خلاف تھی یعنی دنیا کے حالات جس طرح ہوتے ہیں، اسباب ہوتے ہیں، اگر یہ دیکھے

جائیں......! تو توقع نہیں تھی کہ رومی اتنی جلدی اٹھ جائیں گے مسلمانوں نے جب ان آیات کو پڑھا، آ کے مشرکین کو سنایا تو مشرکین نے استہزاء کرنا شروع کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابی بن خلف کی شرط غلبۂ روم پر:۔

حتی کہ ابی ابن خلف مشرک تھا اس کی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث ہو گئی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شرط لگا لو......! اگر رومیوں نے غلبہ نہ پایا، پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین تین سال کی مدت متعین کی، اور دس دس اونٹ کی شرط لگائی، ابی ابن خلف نے مان لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کے کہا کہ بات یوں ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال نہیں کہا تھا، قرآن کریم میں لفظ ''بِضْعِ'' کا آیا ہے اور تم جانتے ہو ''بِضْعِ'' کا لفظ تین سے لیکر نو تک بولا جاتا ہے، تو ادنیٰ مدت کیوں متعین کر لی؟ آپ نے فرمایا جاؤ جا کر شرط کی مدت بھی بڑھا دو اور اونٹوں کی تعداد بھی بڑھا دو......! ''بِضْعِ'' کا لفظ ہی بولنا کہ تین سال سے نو سال تک کی مدت کے اندر یہ رومی اگر غلبہ نہ پائیں تو ہم ہارے اور تم جیتے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جا کے دوبارہ بات کی اور سو سو اونٹ متعین کیا'' بِضْعِ'' پہ شرط لگ گئی یہ اس طرح سے شرط لگانا، ''قمار'' میں داخل ہے جس کو ''جُوا'' کہتے ہیں اور اس وقت اس قسم کے معاملات ابھی حرام نہیں ہوئے تھے، احکام نہیں آئے تھے، جس طرح سے شرط حلال تھی، اس طرح سے ''جُوا'' بھی حلال تھا۔

قمار کی حرمت:۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ کے لفظ آپ کے سامنے گزر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں منافع بھی ہیں، لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے منافع کے مقابلے میں، یہ پہلی آیت آئی اس میں کچھ قباحت بیان کر دی تھی، حرمت پوری طرح سے سورۃ مائدۃ میں جو آیت آئی ہے، اس میں ہے۔ مدینہ منورہ میں جانے کے بعد غزوہ اُحد میں شریک ہونے تک بھی شراب حلال تھی اس طرح سے ''میسر یعنی جوا'' بھی حلال تھا لیکن اب اس قسم کی شرط لگانا جس میں جیت اور ہار کے ساتھ لینا دینا ہو یہ حرام ہے، ایک طرف سے متعین کیا جا سکتا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو میں آپ کو دس روپے دونگا، مقابل بھی اگر اس طرح سے کہہ دے کہ اگر ایسا ہوا تو میں دس روپے دوں گا، تو پھر یہ ''قمار'' ہے اور پھر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شرط لگائی تھی تو یہ وہ دور تھا

جب قمار اور جوا جائز تھا، یہ احکام ابھی نہیں آئے تھے تو یہ شرط بھی لگ گئی، اسی کشا کشی میں مسلمان ہجرت کر کے آ گئے مدینہ منورہ میں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آنے لگے تو ابی ابن خلف کہنے لگا کہ بھائی تم تو چلے جاؤ گے یہ میری شرط کا ذمہ دار کون ہے......؟ جو میں نے لگائی ہوئی ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بڑا لڑکا عبدالرحمٰن یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھائی ہے یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو ضامن ٹھہرایا تھا کہ اگر بات اس طرح سے نہ ہوئی تو یہ سو اونٹ اس سے لے لینا اس نے بھی ضمان قبول کر لی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آ گئے مدینہ منورہ میں۔

مسلمانوں کو دو خوشیاں اکٹھی اللہ تعالیٰ نے دیں:۔

آنے کے بعد عین اس دن جس دن غزوہ بدر میں مشرکین کی پٹائی ہوئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح عطا فرمائی، ادھر انہیں دنوں میں روم اور فارس کی دوبارہ لڑائی ہوئی، اور اس لڑائی کا نتیجہ بھی اسی وقت سامنے آیا، جبکہ یہاں مشرکین اور مسلمین آپس میں ٹکرائے ہوئے تھے، ایک فتح مسلمانوں کو براہِ راست ہوئی کہ بدر میں مشرکین نے شکست کھائی، اور دوسری فتح مسلمانوں کو اس بات کے اعتبار سے ہوئی کہ قرآنِ کریم نے جو پیش گوئی کی، وہ بالکل صحیح نکلی، اور بالکل عین موقع کے مطابق اسی مدت کے اندر رومی دوبارہ غالب آ گئے، قیصر نے اپنی فوجوں کو دوبارہ منظم کیا، اپنی اندرونی خرابیوں کو دُور کیا، اور اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح دیدی، اور میں نے اپنے علاقے واپس لے لئے تو میں پیدل جاؤں گا، بیت المقدس تک، کیونکہ بیت المقدس پر بھی فارسیوں کا قبضہ ہو گیا تھا، اور ان کی جو مقدس ترین صلیب تھی جس کو یہ باعث برکت سمجھتے تھے وہ بھی فارسی اٹھا کر لے گئے تھے بیت المقدس کو بھی لوٹ لیا گیا تھا یہی وہ موقع ہے کہ جب قیصر چند سال کے بعد پیدل آیا بیت المقدس میں شکرانہ ادا کرنے کیلئے اِدھر سے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر پہنچ گئے اور ھرقل سے ملاقات ہوئی تھی اور ھرقل نے ابی سفیان کو بلایا تھا اور حالات پوچھے تھے وہ اسی سلسلے میں آیا ہوا تھا، بیت المقدس میں شکرانے کے نفل ادا کرنے کیلئے، اپنے مسلک کے مطابق جو بھی ان کا مسلک تھا بہر حال یہ دو خوشیاں مسلمانوں کے لئے اکٹھی ہو گئیں، کہ جو پیش گوئی قرآنِ کریم نے دی تھی وہ لفظ بلفظ ثابت ہوئی۔ اب یہاں آپ سمجھتے ہیں کہ خوشی تو سب مسلمانوں کو ہوئی کہ جو بات انہوں نے کی تھی، وہ ٹھیک نکلی اور ادھر واقعتاً اللہ کی نصرت مسلمانوں کو حاصل ہوئی اور مشرکین پر فتح حاصل ہوئی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیت گئے ابی بن خلف ہار گیا:۔

لیکن اس خوشی میں خوش ہونے کا سب سے زیادہ موقع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے تھا کہ ان کی جو شرط لگائی ہوئی تھی وہ واقع ہوگئی چنانچہ ابی ابن خلف تو مر چکا تھا لیکن اس کی پچھلی اولاد نے اس ہارنے کی بناء پر سو اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سو اونٹ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا یہ صدقہ کردے یعنی اس شرط کے متعلق اگرچہ اس وقت حرمت نہیں آئی، لیکن شرط سے حاصل ہوئی رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کروادی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پیسوں کو اپنے استعمال میں نہیں لائے۔

دُنیا کی بالادستی عارضی ہے:۔

تو یہ قرآنِ کریم کی صریح پیش گوئیاں جن کو ہم بطور حقانیت کے پیش کر چکے ہیں کہ دیکھو......! جیسے کہا گیا ویسے ہوا ایک نمونہ ان کے سامنے پیش کردیا گیا کہ اسی طرح اللہ کا وعدہ یوں سمجھ لیجئے......! کہ آخرت آنے والی ہے یقینی ہے اسی طرح جو لوگ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں ان کا علم دنیا کی ظاہری سطح تک ہے ان کو اتنا علم ہے کہ دنیا کی تجارت کس طریقے سے کرنی ہے......؟ اتنا جانتے ہیں کہ یہ چیزیں کس طرح سے بنانی ہیں دنیا کے اندر محلات کوٹھیاں مکانات کس طرح سے بنانے ہیں؟ اور اچھے سے اچھا کپڑا کس طرح سے بنانا ہے؟ کھانے پینے کا انتظام کس طرح سے کرنا ہے؟ یہ دنیا کا ظاہری پہلو ہے، ان لوگوں کا علم انہیں چیزوں پر مشتمل ہے، یہ جانتے نہیں، دیکھتے نہیں کہ اس دنیا کا نتیجہ بھی نکلنے والا ہے، جسے آخرت کہتے ہیں اور جس وقت آخرت آئے گی وہاں جاکر فیصلہ ایمان اور عمل صالح کی بناء پر ہونا ہے، یہاں کی بالادستی، یہاں کی شوکت اور قوت وہاں کام نہیں آئے گی، اس طرح سے اگر مشرکین نے آخرت کیلئے کچھ سہارے تجویز کر رکھے ہیں تو وہ ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے، یہ حاصل ہے ان آیات کا۔

آگے کلام آخرت کی طرف منتقل ہوجائے گی۔ ترجمہ ان آیات کا پہلے ہوگیا اب دوبارہ کرتا ہوں، غُلِبَتِ الرُّوْمُ رومی مغلوب ہوگئے فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ قریب کے علاقے یہ تو اس واقعہ کا بیان ہوگیا وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ یہ پیش گوئی ہے کہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے، مدت متعین ہوگئی ''فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ'' چند سال کے اندر اندر ''بِضْعِ'' کا لفظ تین سے لیکر نو تک بولا جاتا ہے لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ

وَ مِنْۢ بَعْدُ اللہ ہی کیلئے ہے امر یعنی ہر امر اللہ کے قبضہ میں ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے مغلوب ہونے سے پہلے بھی اختیار اللہ کا تھا، اس نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت رومیوں کو مغلوب کیا، ان کی اپنی باطنی کمزوریاں تھیں، ان کے اپنے اخلاق کی کمزوریاں تھیں، استعداد کی کمزوری تھی، جس کی بناء پر وہ شکست کھا گئے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے حکمت اور مصلحت کے تحت ہوتے ہیں، پہلے اور پیچھے سب اختیار اللہ کا ہے، یَوْمَىٕذٍ یعنی یَوْمَ اِذْ كَانَ كَذَا جس دن ایسا ہوگا یعنی رومی غلبہ پائیں گے یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ تو مومنین خوش ہوں گے بِنَصْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔ اب اس کا ظاہری پیش گوئی کے ساتھ جو مطلب سمجھ میں آتا ہے، وہ یہی ہے کہ رومی جس وقت غلبہ پائیں گے، تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد کر دی مشرکوں کے مقابلے میں ان کی بات صحیح ثابت ہوگئی، ان کا باطل پہ غلبہ حاصل ہو جائے گا، لیکن در پردہ وہ دوسری نصرت کی طرف بھی اشارہ تھا؟ جو اس موقع پر ظاہر ہوئی، جب مشرکین اور مومنین بدر کے میدان میں ٹکرائے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ دیا، یہ اللہ کی نصرت ہے یہ خوشی مومنین اس نصرت کی وجہ سے بھی تھی، اور ایک خوشی یہ بھی تھی مومنین کی بات مشرکین کی بات کے مقابلے میں غالب آ گئی، تو یہاں اَلْمُؤْمِنُوْنَ کا اعلیٰ مصداق جو ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ جتنی خوشی ان کو ہو سکتی ہے اس بات کی وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتی، کیونکہ انہوں نے مشرک ابی بن خلف کے ساتھ شرط جو لگائی ہوئی تھی، مومنین میں سے اعلیٰ فرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے:۔

اللہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے وہ زبردست ہے رحم کرنیوالا ہے، یہ مفہوم آپ کی خدمت میں کئی دفعہ عرض کیا گیا ہے، کہ اللہ مدد کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، باقی اللہ کی مشیت کہ اللہ مدد کس کی کرنا چاہتا ہے؟ وہ اللہ کی اپنی حکمت کے تقاضے ہیں، جہاں اس کی علم وحکمت کے مطابق بات ہوتی ہے، وہ مدد کرتا ہے، اور جہاں اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان کو مغلوب کرے، تو مغلوب کر دیتا ہے کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، جس کی چاہے مدد کرتا ہے، اور وہ زبردست ہے، رحم کرنے والا ہے، وَعْدَ اللّٰهِ اصل میں تھا وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا اللہ نے یہ پختہ وعدہ کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی نوعیت نہیں سمجھتے، یہی سمجھتے ہیں کہ ظاہری اسباب جس کے موافق ہوں، نتیجہ اسی کے حق میں نکلا کرتا ہے، ایسی بات

نہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بات ہو جایا کرتی ہے چاہے ظاہری اسباب اس کیلئے سازگار ہوں یا نہ ہوں، اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں، وہ ظاہری اسباب پر ہی مدار رکھتے ہیں، جیسے کہ اگلے الفاظ میں آ گیا کہ یہ لوگ صرف دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں، دنیاوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں کہ خوشحال وہ ہوگا، جس کے قبضہ میں تجارت ہے، یہ ظاہری اسباب ہیں، ان اسباب کے مطابق نتائج کا اخذ کرنا چونکہ اللہ کی عادت کے تحت ہے، لوگ پھر صرف اسی بات کو سمجھتے ہیں، وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ اور پچھلی زندگی سے دنیاوی زندگی کے بعد جو دوسری آئے گی اَلْحَیٰوةُ الدُّنْیَا کا مطلب آپ سمجھتے ہیں کہ قریب والی زندگی یعنی دنیا کی زندگی، اور پچھلی زندگی جو دنیا کی زندگی کے گزرنے کے بعد نتیجے کے طور پر آئے گی، وہ پچھلی زندگی ہے ایک یہ زندگی جو ہمارے قریب ہے جس میں ہم ہیں۔ یہ اَلْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ہے اور جو اس کے بعد بطور نتیجے کے دوسری زندگی آ رہی ہے، وہ پچھلی زندگی ہے اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا اب یہ کلام آخرت کی طرف منتقل ہو گئی کہ یہ کافر لوگ مشرک لوگ یہ صرف دنیا کے ظاہر کو سمجھتے ہیں، اور آخرت سے غافل ہیں، کیا ان لوگوں نے اپنے دلوں میں سوچا نہیں؟ اپنے دلوں میں غور نہیں کیا؟ یعنی اگر کائنات کے آثار دیکھ کر یہ اپنے دلوں پر غور کریں......! تو یہ بات ان کو سمجھ آ سکتی ہے، کیا انہوں نے اپنے دلوں میں سوچا نہیں؟ کہ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ۔ اگر آخرت آنے والی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بے سود، کھیل ہے، زمین آسمان اور ان کے درمیان جتنی کائنات بنائی ہے، ان کا اگر کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو پھر ان کے پیدا کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس کے بعد اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہو بہت دفعہ اس کی تفصیل آپ کے سامنے گزر چکی ہے۔ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اور پیدا کیا اجل مسمی کے ساتھ ایک وقت معین کے ساتھ یہ دائماً ابداً رہنے والی چیزیں نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے تو ایک وقت معین تک کیلئے پیدا کیا ہے، اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لوگوں میں سے بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں، وہ اس دنیا میں غور کر کے آخرت کو سمجھتے نہیں۔

گذشتہ شان و شوکت والی قوموں سے عبرت حاصل کرو......!:۔

اب آگے تاریخی حقیقت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے اگر تاریخی واقعات میں غور کریں......! تو بھی بات

کچھ سمجھ میں آتی ہے کہ تم جیسے لوگ جو آخرت کے منکر تھے، دنیا کے اندر بڑے خوشحال تھے، بہت انہوں نے دنیا کو آباد کیا زمین کو جوتتے تھے زمین میں نباتات، باغات ان کے پاس خوب تھے، قوت شوکت بھی بہت تھی، لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے تو یہ چیزیں ان کے کام نہ آسکیں......! اس لئے تمہیں چاہیے کہ ان تاریخی واقعات سے سبق حاصل کرو......!

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ : کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ کہ دیکھتے......! کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں زیادہ سخت تھے ان سے از روئے قوت کے قوت وشوکت ان کو زیادہ حاصل تھی، وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ اور انہوں نے جوتا زمین کو، وَعَمَرُوْهَآ اور آباد کیا اس زمین کو اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا ان کے بھی آباد کرنے سے بھی زیادہ، وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ اور ان کے پاس ان کے رسول آئے واضح دلائل لے کر، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ یہ نتیجہ ہے واضح دلائل لے کر آنے کا، لیکن یہ اندھے بنے رہے ان دلائل سے ان کی آنکھیں نہیں کھلیں......! اور وہ جس ڈگر پہ چل رہے تھے اسی پہ چلتے گئے، جس قسم کی عیاشی بدمعاشی میں لگے ہوئے تھے، رسولوں کے سمجھانے کے باوجود سمجھے نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ پھر یہ برباد ہو گئے، اور اس بربادی میں اللہ نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، وہی اپنے نفسوں پہ ظلم کرتے تھے، ایسے کردار کا یہی نتیجہ نکلنا تھا، اور مشرکین کو متوجہ کیا جا رہا ہے، کہ اب ان واقعات کے آئینے میں اپنے منہ بھی دیکھ لو......! اپنی قوت اور شوکت پہ ناز نہ کرو......! تم سے پہلے قوت اور شوکت والے بھی تھے، رسول ان کے پاس بھی واضح دلائل لے کر آئے، جس طرح سے یہ رسول تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آئے ہیں اور اگر تم نہیں سمجھو گے تو اپنے کردار کے نتیجے میں تم بھی برباد ہو جاؤ گے، ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰی۔ السُّوْٓاٰی یہ کَانَ کا اسم ہے پھر برا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہوں نے برے کام کئے تھے اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ اللہ کی آیات کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔

اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ

اللہ ابتداءً پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر وہی اس کو لوٹائے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی

يُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَكَآئِهِمۡ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوۡا

مجرم مایوس ہو جائیں گے ﴿۱۲﴾ نہیں ہوں گے ان کے لئے ان کے شرکاء میں سے شفاء اور یہ اپنے شرکاء کا

بِشُرَكَآئِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوۡنَ ﴿۱۴﴾

انکار کرنے والے ہوں گے ﴿۱۳﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن یہ لوگ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے ﴿۱۴﴾

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے پس وہ لوگ باغ میں خوش کئے جائیں گے ﴿۱۵﴾

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، پس یہ لوگ

الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾

عذاب میں حاضر کئے ہوئے ہوں گے ﴿۱۶﴾ اللہ کی تسبیح بیان کرو جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہو ﴿۱۷﴾

وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اور اسی کے لئے سب تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور دن کے پچھلے اوقات میں اور دوپہر کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو ﴿۱۸﴾

يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَيُحۡىِ

نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ زمین کے بنجر ہونے کے بعد

الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۹﴾ ع

وہی زمین کو زندہ کرتا ہے، اسی طرح تم زمین سے نکال دیئے جاؤ گے ﴿۱۹﴾

تفسیر

اَللّٰہُ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ: اللہ ابتداءً پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر وہی اس کو لوٹائے گا یَبۡدَاُ یَبۡدَاُ شروع کرنا اللہ تعالیٰ ابتدا کرتا ہے پیدا کرنے کی اور پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا، اصل تو سمجھانا ہے ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ اور یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ بطور دلیل کے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو لوٹائے گا لوٹانے کی دلیل یہ ہے کہ ابتداءً بھی وہی پیدا کرتا ہے تو دوبارہ پیدا کرنا اس کیلئے کوئی مشکل نہیں ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مجرم لوگوں کو قیامت کے دن چھوٹنے کی کوئی اُمید نہیں ہوگی:۔

وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم مایوس ہو جائیں گے چھوٹنے کی ان کو کوئی امید نہیں رہے گی اِبۡلَاسَ اَبۡلَسَ مایوس ہو جانا، حوصلہ ٹوٹ جانا، مجرم مایوس ہو جائیں گے۔ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ مِّنۡ شُرَکَآئِہِمۡ جس طرح سے پہلے کہا تھا کہ دنیاوی قوت شوکت خوشحالی یہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچاتے تو اس طرح سے شرکاء بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکیں گے۔ جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی شرکاء کچھ کام نہیں آئیں گے، نہیں ہوں گے ان کیلئے ان کے شرکاء میں سے شفعاء۔ شفعاء شفیع کی جمع ہے سفارش کرنے والے کیونکہ یہ یہی کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہ شرکاء ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ سے کہہ سن کے ہمارا کام کروا دیتے ہیں۔ اوّل تو آخرت ہوگی ہی نہیں اگر ہوگی تو یہی ہمارے کام آجائیں گے، ہمیں چھڑا لیں گے تو فرمایا کہ ان کے شرکاء میں سے ان کے لئے کوئی شفعاء نہیں ہوں گے۔ وَکَانُوۡا بِشُرَکَآئِہِمۡ کٰفِرِیۡنَ اور یہ اپنے شرکاء کا انکار کرنے والے ہوں گے یہ خود بھی منکر ہو جائیں گے۔ مختلف حالات طاری ہوں گے قیامت میں۔ کبھی تو اپنے شرکاء کو پکاریں گے، جب اللہ کہے گا کہ بلاؤ انہیں وہ تمہاری مدد کریں......! تو وہ بلائیں گے لیکن وہ جواب ہی نہیں دیں گے کبھی وہ کہیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ ① کہ اللہ کی قسم ہم تو مشرک تھے ہی نہیں، سرے سے انکار کر دیں گے، مطلب یہ ہے کہ موقع محل کے ساتھ وہ بات کو بنانے کی کوشش کریں گے لیکن آخرت بات بنانے کا وقت نہیں ہے، بلکہ حقائق کے ساتھ دوچار ہونے کا وقت ہے، پوری حقیقت سامنے آکر رہے گی، بات بنائے بنے گی نہیں، کبھی وہ سمجھیں گے کہ انکار کرنے سے شاید جان چھوٹ جائے، تو وہ منکر ہی ہو جائیں گے، اور کبھی بدحواسی میں کہیں

① پارہ نمبر ۷: سورۃ انعام: آیت نمبر ۲۳

گے کہ یہی ہیں جن کو ہم پکارا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ بلاؤ انہیں یہ تمہاری مدد کریں......! پھر یہ آوازیں دینے لگ جائیں گے وہ ان کو کوئی جواب ہی نہیں دیں گے یہ مختلف قسم کے حالات ان کے اوپر طاری ہوں گے اور یہ اپنے شرکاء کا انکار کرنے والے ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن کامیاب اور مجرم علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے:۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن یہ لوگ علیحدہ علیحدہ فرقہ ہو جائیں گے، جدا جدا ہو جائیں گے دنیا کے اندر تو وہ خلط ملط ہیں، ایک ہی آبادی میں اہل حق بھی رہتے ہیں، اہل باطل بھی رہتے ہیں، مومن بھی رہتے ہیں، کافر بھی رہتے ہیں، یہاں کی تکلیف کے اندر مومن کافر سب برابر شریک ہو جاتے ہیں، جیسے دنیا کے اندر واقعات ہوتے ہیں لیکن وہاں جا کے ہر گروہ کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے گا جیسے سورۃ یٰسین میں لفظ آپ کے سامنے آئے گا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اے مجرمو! ممتاز ہو جاؤ......! علیحدہ ہو جاؤ......! مومنوں کے ساتھ خلط ملط ہو کے نہ رہو، ٹکڑے ٹکڑے، علیحدہ کر دیئے جائیں گے يَّتَفَرَّقُوْنَ اس وقت یہ علیحدہ علیحدہ، ٹکڑے ہو جائیں گے فرقہ فرقہ بن جائیں گے فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو فرقہ اس کا مصداق ہوگا یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ پس وہ لوگ باغ میں خوش کئے جائیں گے حَبْرَةٌ سَرَّةٌ کے معنی میں سُرور خوشی کو کہتے ہیں وہ باغ میں خوش کئے جائیں گے اس لفظ میں سب نعمتیں آ گئیں یعنی ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے گا جس کے ساتھ انہیں خوشی ہوگی اور آپ جانتے ہیں کہ خوشی تبھی ہوا کرتی ہے جب انسان کی ہر مرضی پوری ہوتی چلی جائے ہر خواہش پوری ہوتی چلی جائے اس لئے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ ① اس میں ان کو وہی کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے جب اپنی ہر خواہش پوری ہوتی چلی جائے گی خوشی کی تکمیل ہو جائے گی، یہ تو ایک فرقے کا بیان ہو گیا وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وہ لوگ اَمَّا تفصیل کیلئے ہوتا ہے پیچھے جو يَّتَفَرَّقُوْنَ میں مختلف فرقوں کا ذکر آیا تھا تو یہ اب اسی کی تفصیل ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ہماری آیات کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ پس یہ لوگ عذاب میں حاضر کئے ہوئے ہوں گے احضار حاضر کرنا اس میں ذلت کا مفہوم ہے جس طرح سے کسی مجرم کو پکڑ کے جکڑ کے لایا جاتا ہے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے تو مُحْضَرُوْنَ کے اندر یہی مفہوم ہے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ

① پارہ نمبر ۲۴: سورۃ زمر: آیت نمبر ۳۴

جس اللہ نے دنیا پیدا کی اور جو اللہ اس دنیا کا نتیجہ سامنے لائے گا اچھے عمل کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا بُرے عمل کرنے والوں کو سزا دے گا، ایسے اللہ کی تسبیح وتحمید کرنی چاہیے۔

اگر آخرت نہ ہو تو انسان سے بے کار پھر کوئی مخلوق نہیں:۔

کیونکہ اگر اس دنیا کے اندر اسی طرح سے چھوڑ دیا جائے تو یہاں بسا اوقات ظالم لوگ خوشحال ہیں کافر اور بدکار آدمی اچھا کھاتا اور پیتا ہے اور جو اچھے اصولوں پہ چلنے والے لوگ ہیں وہ بسا اوقات تکلیفوں میں رہتے ہیں، کھاؤ پیو چاہے دوسرے کا گوشت کھا کر پیٹ بھرو......! جتنا ظلم کرو گے اتنا خوشحال ہوؤ گے تو پھر تو یہ معاملہ عدل و انصاف والا نہیں ہے، پھر تو دنیا میں انسان سے زیادہ بے کار اور بے نتیجہ مخلوق کوئی نہیں اس لئے جو نتیجہ اللہ تعالیٰ لائے گا اس کے مناسب حال جزا سزا عطا کرے گا۔ اس اللہ کی تسبیح تحمید کرنی چاہیے اگلی آیات میں تسبیح تحمید کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے خاص اوقات:۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سبحان اللہ یہ بھی مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا سَبِّحُوْا سُبْحَانًا تو یہ سبحان مصدر ہوتا ہے اللہ کی تسبیح بیان کرو......! اللہ کی پاکی بیان کرو......! حِيْنَ تُمْسُوْنَ تمسون امساء سے لیا گیا ہے، جس وقت کہ تم شام کرتے ہو، اور جس وقت تم صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہو، اور اسی کیلئے تعریف ہے آسمانوں میں، اور زمین میں، یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے وَعَشِيًّا اس کا تعلق حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ کے ساتھ ہے، جس طرح سے وہ ظرف ہے، اس طرح سے یہ بھی ظرف ہے، اَمْسٰى يُمْسِيْ یہ تو شام کا وقت ہوتا ہے، اور عَشِيّ یہ زوال سے لے کر غروب تک کیلئے بھی بولا جاتا ہے، اس سے عصر مراد ہے، اور اَمْسٰی کے اندر آجائیں گے مغرب اور عشاء اور ظہر کا ذکر آگے صراحتاً آرہا ہے، وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ اَظْهَرَ اَیْ دَخَلَ فِیْ وَقْتِ الظَّهِیْرَةِ ظہیرہ کا وقت ہوتا ہے زوال کے بعد جس کو ہم ظہر کا وقت کہتے ہیں، اب اس کا مطلب یہ ہو جائے گا، کہ تُصْبِحُوْنَ کے اندر فجر کی نماز آجائے گی یہ بھی اللہ کی تسبیح کا وقت ہے صبح کا، اور تُمْسُوْنَ یہ مساء کا لفظ آگیا مساء شام کو کہتے ہیں اس میں عصر کا وقت آجائے گا اور عَشِيًّا رات کا ابتدائی حصہ آجائے پھر اس میں مغرب اور عشاء دونوں آجائیں گے، کیونکہ مغرب یہ بھی رات کے بالکل ابتدائی حصے میں ہے اور عشاء جو ہے یہ بھی رات کا ابتدائی حصہ ہے، تُظْهِرُوْنَ میں ظہر کی نماز آجائے گی، تو نماز کے

پانچوں اوقات کی طرف اشارہ اس آیت میں موجود ہے، یہ ہیں خاص اوقات جن میں اللہ کی تسبیح بیان کی جاتی ہے اور نماز پڑھنا یہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ثنا ہے، زبان سے بھی بدن سے بھی قلب سے بھی ہر طرح سے انسان اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اللہ کے پاک ہونے کی شہادت دیتا ہے کہ جس کا یہ تصرف کائنات میں چل رہا ہے، وہ ہر قسم کے عیب سے بھی پاک ہے اور ان اوقات میں تسبیح کرنے کا خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ ان میں خاص تصرف نمایاں ہوتا ہے رات کی تاریکی ختم ہوتی ہے صبح کا اجالا آنے لگتا ہے اور جس وقت سورج چڑھتا ہے تو عروج پہ جاکے اس کے زوال کا وقت شروع ہوتا ہے اور اس طرح سے غروب ہونے کے بعد پھر دوبارہ رات آنے لگتی ہے تو اس میں کائنات کے عظیم تغیرات نمایاں ہوتے ہیں تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے تسبیح کی طرف متوجہ کیا اور درمیان میں یہ آیت آ گئی وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اس میں یہ بتادیا کہ اللہ کی حمد میں ساری کائنات شریک ہے۔

پوری کائنات اللہ کی تسبیح وتحمید کی شہادت دیتی ہے:۔

زمین آسمان میں، سب میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ترانے بجتے ہیں تو جو لوگ اللہ کی حمد وثناء کریں گے تو گویا کہ ان کی سُر بھی باقی سروں کے ساتھ مل گئی اور جو اللہ کی حمد وثناء کو چھوڑ کے غیروں کے ترانے گاتے ہیں، تو ان کی آواز کائنات کے ساتھ سازگار نہیں ہے کائنات شہادت دیتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کی وہ تو اللہ کی تعریف کرتی ہے اور یہ غیروں کے گن گانے لگ جائیں، اور دوسروں کے ترانے پڑھنے لگ جائیں، پھر یہ بے جوڑ بات ہے، اس لئے کائنات کے ساتھ سازگار اسی شخص کا نظریہ اور عقیدہ ہے، عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتا ہے، کیونکہ باقی کائنات ساری کی ساری اسی کی ہی تعریف کرتی ہے، اس آیت میں گویا کہ پانچوں نمازوں کے اوقات موجود ہیں۔

کائنات میں اللہ کے تصرفات بعث بعد الموت کو سمجھانے کیلئے ہیں:۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ نکالتا ہے زندہ کو میت سے وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ یعنی جاندار کو بے جان سے، اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے یہ بھی آپ دیکھتے رہتے ہیں......! جس طرح سے مرغی زندہ ہے اور اس میں سے انڈا بے جان نکلا ہے، پھر انڈا بے جان ہے اس میں سے بچہ جاندار نکلا ہے، اور انسان سے پانی کا قطرہ بے جان ٹپکتا ہے، اس قطرے کو بنیاد بنا کے آگے اللہ تعالیٰ جاندار بنا دیتے ہیں، تو صبح وشام رات دن یہ تصرفات اللہ تعالیٰ کے آپ کے سامنے ہیں اور یہ تصرفات کا ذکر اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ مرنے کے

بعد دوبارہ زندہ ہونا انسان کی سمجھ میں آجائے، کہ اللہ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں، جیسے مشرک کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ جان کیسے پڑ جائے گی؟ بے جان چیزوں کے اندر جان تمہارے سامنے صبح وشام پڑتی ہے تو ہڈیاں بھی تو بے جان ہیں، اگر ان میں دوبارہ جان ڈالنی پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کیلئے کیا مشکل ہے؟ یعنی یہی ہے ناں کہ ان سے جان چلی گئی بوسیدہ ہوگئیں کہتے تھے مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ① ان کو کون زندہ کرے گا؟ جب یہ بوسیدہ ہوجائیں گی؟ تو بے جان چیزوں میں جان ڈال دینا، بے جان چیزوں سے جاندار کو نکال لینا، یہ تو تمہاری آنکھوں کے سامنے صبح شام ہوتا ہے، اور اس طرح يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا زمین کے بنجر ہوجانے کے بعد وہی زمین کو زندہ کرتا ہے، احیاء ارض یعنی زمین کا آباد کرنا اور موت ارض، یعنی زمین کا بنجر ہوجانا تو وہی زمین کے مرنے کے بعد زمین کو زندہ کرتا ہے، یہ بھی صبح شام آپ کے سامنے قصہ ہے، اور اس سے تمہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اسی طرح سے تم زمین سے نکال دیے جاؤ گے، یعنی مرنے کے بعد تم پیوند خاک ہوگئے زمین کے اندر دفن ہوگئے جس طرح سے اللہ تعالیٰ زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو آباد کرتا ہے مردہ چیزوں کے اندر جان ڈالتا ہے تو اسی طرح سے تم نکال لئے جاؤ گے......! وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اصل میں یہ سمجھانا مقصود ہے یہ دو آیتیں جو ہیں فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سے لے کر كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ تک ان دو آیتوں کے متعلق بھی حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے، سرورِ کائنات ﷺ نے صبح شام ان کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا جو شخص صبح ان آیات کو پڑھ لے تو دن میں عبادت کے اندر کسی قسم کی کمی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان آیات کی برکت سے اس کو پورا فرمادیتے ہیں اور رات کو پڑھ لے تو رات کی عبادت میں اگر کسی قسم کی کوئی کمی ہو تو اللہ تعالیٰ ان آیات کی برکت سے اس کمی کو پورا فرمادیتے ہیں ② گویا بارہ (۱۲) گھنٹے میں انسان کے شاکر اور ذاکر ہونے کیلئے ان دونوں آیتوں کی تلاوت کافی ہوجاتی ہے جس طرح سے سورۃ بقرہ کی آخری آیتوں کی فضیلت آتی ہے انسان کے ورد وظائف کیلئے آخری دو آیتیں کافی ہوجاتی ہیں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک ③ اور اسی قسم کی فضیلت سورۃ حشر کی آخری آیات کی بھی آتی ہے تین دفعہ اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشَّیطان الرَّجیم پڑھنے کے بعد وہ آیات پڑھیں جائیں هُوَ اللّٰهُ

① مشکوٰۃ ص ۲۰۱/ابی داؤد باب ما یقول اذا اصبح
② پارہ نمبر ۲۳: سورۃ یٰسین: آیت نمبر ۷۸
③ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۵، بخاری ج ۲ ص ۵۷۲، ج ۲ ص ۷۴۹

الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ آخر تک حضور ﷺ نے فرمایا ستر ہزار فرشتے اس شخص کیلئے دعا کرتے ہیں، صبح پڑھے شام تک اس کیلئے دعا کرتے ہیں اور اس دن اگر انسان مرجائے تو شہادت والا درجہ اس کو حاصل ہوتا ہے ① یہ بعض بعض آیات بہت فضیلت والی ہیں ان میں سے دو آیتیں یہ بھی ہیں ان کو صبح شام اپنے ورد میں شامل کرلینا چاہیے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ سے لے کر وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ تک۔

① ترمذی ج ۲ ص ۱۲۰، مطبوعہ ایچ ایم عن معقل بن یسارؓ الدعاء للطبرانی ج ۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ بیروت

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

اللہ کی نشانیوں سے ہے یہ بات کہ اس نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے، پس اچانک تم انسان ہو پھیلتے ہو ﴿۲۰﴾ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے

اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

کہ اس نے پیدا کیا تمہارے لئے، تمہارے ہی نفسوں سے بیویوں کو تا کہ تم سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان

مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ

محبت اور شفقت بنادی، بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو کہ غور کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور اللہ تعالیٰ کی

اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ

نشانیوں میں سے ہے زمین و آسمانوں کو پیدا کرنا، تمہاری زبانوں کا اختلاف اور تمہارے رنگوں کا اختلاف،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جاننے والوں کیلئے ﴿۲۲﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے سونا تمہارا رات میں

وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور دن میں اور تمہارا تلاش کرنا اللہ کے فضل کو اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ

جو کہ سنتے ہیں ﴿۲۳﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی اس حال میں کہ تم ڈرنے والے ہوتے ہو اور امید رکھنے والے ہوتے ہو اور اتارتا ہے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

آسمان سے پانی آباد کرتا ہے اس پانی کے ذریعے سے زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد، بیشک اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو کہ سوچتے ہیں ﴿۲۴﴾ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ ٹھہرے ہوئے ہیں زمین اور آسمان

بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾
اس کے حکم کے ساتھ پھر جس وقت تمہیں بلائے گا ایک مرتبہ بلانا زمین سے، اچانک تم نکل آؤ گے ﴿۲۵﴾
وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ
اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کے سب اسی کی اطاعت کرنیوالے ہیں ﴿۲۶﴾ وہی ہے
یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ
جو پیدا کرنے کی ابتداء کرتا ہے وہی پیدا کرنے کا اعادہ کرے گا، اعادہ کرنا تو زیادہ آسان ہے۔ اسی کیلئے
الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ ع
سب سے اعلیٰ شان ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۲۷﴾

تفسیر

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ پچھلے رکوع کی آیات میں اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاد کا تذکرہ کیا تھا خصوصیت کے ساتھ آخرت کا بیان اور آخرت میں ان کے شرکاء کا کام نہ آنا ذکر کیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ آخرت میں فیصلہ عدل وانصاف کے ساتھ فرمائیں گے اس کے فیصلوں پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکے گا اور پھر دو فریق بنائے تھے ایک اس آخرت کے قائل اور اس کی تیاری کرنے والے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مزین ہو جائیں گے ان کا اچھا انجام ذکر کیا تھا اور جو آخرت کا انکار کرنے والے ہیں اللہ کی باتوں کا انکار کرنے والے ہیں ان کا برا انجام ذکر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کی ترغیب تھی اگلا رکوع سارا ہی تقریباً اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر مشتمل ہے جس کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کافر جو سمجھتے تھے اور مشرکوں کا عام طور پر جو قول ذکر کیا گیا کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد ان میں جان کیسے ڈالی جائے گی اللہ تعالیٰ کے ان افعال اور تصرفات کی طرف دیکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجانی چاہیے اس لئے جہاں بھی آخرت کا تذکرہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی آیات کا بھی ذکر فرمایا کرتے ہیں اور ان آیات کے اندر احسان کا پہلو بھی

ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تحمید کی طرف ترغیب دیتا ہے اس لئے مسلسل ان آیات کا ذکر آئے گا اور آخر میں جا کے پھر اس بات کو دوہرایا جائے گا۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اور اسی طرح سے اگلے رکوع میں بھی ایسے ہی مضمون ہے اس کے آخر میں بھی یہی بات دوہرائی جائے گی

اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے عدل وانصاف پر مبنی ہوں گے:۔

تو خصوصیت کے ساتھ اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ آخرت کا عقیدہ اختیار کرو جس وقت کوئی شخص مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا عقیدہ اختیار نہیں کرے گا اس وقت تک اس کے عمل کی اس کے عقائد کی اصلاح نہیں ہو سکتی انجام کا فکر ہو کسی کے سامنے حساب و کتاب دینے کا عقیدہ ہو تب انسان اپنے آپ کو سدھار سکتا ہے اور اگر آخرت کا عقیدہ نہ ہو تو پھر مزے اڑانا عیش وعشرت میں رہنا یہی چیزیں ہوا کرتی ہیں کہ مرنے کے بعد تو مٹی ہو جانا ہے کسی نے پوچھنا نہیں۔ چند دن کی زندگی ہے اس لئے جو عیش اڑا سکتے ہیں اڑا لیں پھر انسان کی زندگی اس نہج سے ہوا کرتی ہے قرآنِ کریم میں توحید کے ساتھ ساتھ یہ معاد کا تذکرہ بہت اہمیت کے ساتھ کیا گیا اور پھر آخرت کے عقیدے کو بے معنی کرنے کے لئے ایک نظریہ ہو سکتا تھا کہ وہاں سفارشی ہیں وہاں شفعاء ہیں وہ ہمیں چھڑا لیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے بھی ایسے ہوں گے کہ نعوذ باللہ جس طرح سے پاکستان کی عدالتوں کے ہیں کہ جو کوئی پیسے دیدے وہ غلط فیصلہ کروا لے اور جو کوئی سفارشی لے جائے وہ غلط فیصلہ کروا لے تو پھر اس یوم حساب کا مطلب کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کا دربار اس طرح سے نہیں پھر وہاں نہ پیسوں سے کام نکلے گا اگر زمین و آسمان کے درمیان والا بھرا ہوا حصہ بھی سونے کا پیش کرو تو بھی وہ لے کر تمہیں چھوڑا نہیں جائے گا اور کوئی سفارشی اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا وہاں اللہ تعالیٰ کے جو بھی فیصلے ہوں گے سب عدل وانصاف پر مبنی ہوں گے خصوصیت کے ساتھ اس پہلو کو نمایاں کیا جا رہا ہے وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ پچھلے رکوع کا اختتام بھی اسی بات پر تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بے جان چیزوں میں جان ڈالتا ہے اسی طرح سے تم بھی زمین سے نکلو گے اللہ تعالیٰ تمہیں بھی نکال لے گا۔

انسان کی ابتداء مٹی سے ہوتی ہے:۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ اللہ کی نشانیوں سے ہے یہ بات کہ اس نے تمہیں پیدا کیا مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے ثُمَّ

اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ پس اچانک تم انسان ہو پھیلتے ہو۔ پھیلے پڑے ہو یہ بھی اللہ نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کو ذکر کیا کہ تمہاری ابتدا مٹی سے ہے۔ مٹی سے ابتدا کس طرح سے یہ باتیں بارہا آپ کی خدمت میں آ چکیں یا تو آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست مٹی سے بنایا تھا باقی عنصر بھی تھے پانی کی آمیزش بھی تھی آگ ہوا سب کچھ ہی ہوتا ہے لیکن زیادہ تر غلبہ مٹی والے عنصر کا ہے تو وہاں سے ہماری نسل چلی تو ہماری ابتدا مٹی سے ہوئی براہ راست۔ یا مٹی سے ابتدا اس طرح سے ہے کہ آج کل انسان کی بنیاد رکھی جاتی ہے پانی کے ایک قطرے پر جس کو نطفہ کہتے ہیں اور یہ تیار ہوتا ہے غذا سے اور غذا ماخوذ ہے زمین کی مٹی سے تو اب یہ ہماری ابتدا مٹی سے ہوئی ہے کہ زمین سے نباتات پیدا ہوتی ہیں غذائیں حاصل ہوتی ہیں انسان ان کو کھاتا ہے مرد بھی کھاتا ہے عورت بھی کھاتی ہے اور اسی سے وہ مادہ تیار ہوتا ہے جس پر انسان کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس لئے ابتدا مٹی سے ہے اور اس کے بعد ظاہری طور پر ایک پانی کی بوند کی شکل سے انسان کو اٹھایا جاتا ہے اس لئے خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ ① کہ نطفہ سے انسان کی بنیاد رکھی گئی، ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ تم دیکھو تو سہی ابتدا تو تمہاری ایسی چیز سے ہے کہ جو ساکن ہے صامت ہے جامد ہے اس میں کوئی کسی قسم کی حرکت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف کے ساتھ تمہیں ایسا بنایا کہ تم انسان بن کے پھیلے پھر رہے ہو۔ کیا نسبت ہے انسان کی اس زندگی میں اور مٹی میں تو جس اللہ کی قدرت تمہیں مٹی سے یوں اٹھا سکتی ہے تو مارنے کے بعد دوبارہ زندگی ڈالنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

عورت انسان کی جنس ہے:۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ پھر اچانک تم پھیلے پڑے ہو وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہارے لئے تمہارے ہی نفسوں سے بیویوں کو مِّنْ اَنْفُسِكُمْ سے مراد ہے تمہاری جنس سے جیسے تمہاری جنس ہے تمہاری بیویاں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں بنائیں تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں یہ عورت جو ہے یہ انسان کی جنس سے ہی ہے تخلیق اس کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے جیسے سورۃ نساء کی ابتدائی آیات میں ذکر کیا گیا تھا کہ پہلے آدم کو بنایا پھر آدم سے آدم کے جوڑے کو بنایا بیوی کو بنایا اماں حوا کو کس طرح سے بنایا جمہور کا قول یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کے بدن کی پسلی سے اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ لیا اور اس پر بنیاد رکھی حوا کی تخلیق کی اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ عورت

① پارہ نمبر ۲۳: سورۃ یٰسین: آیت نمبر ۷۷

چونکہ ٹیڑی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس کی طبیعت میں بھی کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیویوں کی اس کجی کو برداشت کرتے ہوئے فائدہ اٹھایا کرو یہ بالکل سیدھی نہیں ہوسکتی اس کی طبیعت میں پوری طرح سے اعتدال نہیں آسکتا اگر زیادہ سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ بیٹھو گے ① اور توڑنا یہ ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو گے طلاق دیدو گے اس روایت میں بھی یہی بیان کیا گیا اور جمہور کا قول بھی یہی ہے اگر چہ بعض مفسرین نے یوں بھی ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی نفس سے اس کے لئے اس کی بیوی بنائی وہاں بھی معنی یہی ہے کہ اس کی جنس سے بنائی باقی تخلیق اس کی بھی مستقل ہے جس طرح آدم علیہ السلام کی مستقل ہے اور اس آیت کو بطور قرینے کے پیش کرتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وہاں جس طرح سے خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یہاں خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں بنائیں......! یہاں بھی جنس والا معنی ہے، تو وہاں بھی جنس والا معنی ہے، بعض مفسرین نے یوں ذکر کیا، بہر حال جو صورت بھی ہو دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے، جیسے آدم علیہ السلام کو براہِ راست پیدا کیا، حوا کو بھی براہِ راست پیدا کر دیا ہو، یا آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہی بنایا ہو، جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور یہی راجح ہے کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے تھوڑا سا مادہ لے کر جس طرح سے عام انسانوں کی بنیاد آدمی سے خارج کئے ہوئے پانی سے رکھی جاتی ہے، تو حوا کی بنیاد اسی طرح آدم کی پسلی سے ماخوذ ایک مادے سے رکھ دی۔

خاوند و بیوی کے تعلق سے آگے نسل کی افزائش ہے:۔

اور بعد میں سلسلہ جو ہے تخلیق کا اس طرح سے ہے، جیسے پیدائش ہوتی ہے، لڑکیوں کی بھی ہوتی ہے لڑکیوں کی بھی ہوتی ہے، پھر آپس میں خاوند بیوی بنتے ہیں، اور اس میں یہ بات بھی ذکر کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا بنایا، ایک چیز کے مقابلے میں دوسری چیز ہے، جس کو بار بار آپ کے سامنے نمایاں کیا جاتا ہے، مرد کے مقابلے میں عورت بنادی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے، اور پھر ان میں اختلاف بھی ہے، بدن کے لحاظ سے، ان کی بناوٹ میں، صلاحیتوں میں اختلاف ہے، لیکن اختلاف کے باوجود سازگاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپس میں ان کے اندر محبت اور جوڑ لگا دیا، اور اس سازگاری کے نتیجے میں کیا اچھے اچھے نتائج نکلتے ہیں، نیند سکون آرام راحت، اور زندگی انسان کی پُر لطف ہو جاتی ہے، یوں ہوتا ہے جس طرح سے کہ گاڑی کے دو پہیے ٹھیک ہو گئے، تو

① بخاری ج ۱ ص ۴۶۹، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۰

گاڑی ٹھیک چلتی ہے تو خاوند بیوی کا جوڑ جب لگ جاتا ہے تو سکون محبت راحت آرام، آگے نسل کی افزائش یہ سارے فائدے حاصل ہوتے ہیں، تو اختلاف پیدا کرنے کے بعد آپس میں اتحاد پیدا کر دیا، سازگاری پیدا کر دی، یہ علامت ہے اس بات کی جو مرد کا خالق ہے، اگر عورت کا خالق اور ہوتا، تو ان میں سازگاری نہ ہو سکتی، تو یہ اختلاف میں اتحاد، علامت ہے اس بات کی کہ دونوں کا خالق ایک ہے بالکل اسی طرح سے اللہ تعالیٰ جگہ بجگہ آپ کو دکھاتے ہیں، کہ آسمان اور زمین یہ دو علیحدہ علیحدہ مخلوقات ہے، باوجود اس بات کے آسمان اور ہے، زمین اور ہے دونوں میں اختلاف کے باوجود پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں اتحاد کس طرح سے کیا؟ آسمان کی طرف سے بارش آتی ہے زمین اس کو قبول کرتی ہے، آسمان کی طرف سے سورج کی حرارت اور روشنی آتی ہے، زمین اس کے اثرات قبول کرتی ہے، چاند ستاروں کے اثرات پڑتے ہیں، تو دونوں کا اس طرح سے آپس میں رابطہ قائم ہو گیا، کیا کہنے اللہ تعالیٰ کے، دریا بہا دیے اس طرح وافر مقدار کے ساتھ زمین کے اندر نعمتیں اجاگر ہوتی ہیں، یہ زمین اور آسمان میں سازگاری کی دلیل ہے، اگر زمین کا خالق اور ہوتا آسمان کا خالق اور ہوتا۔ تو ان کے اندر یہ سازگاری نظر نہ آتی۔ یہ جگہ بجگہ اللہ تعالیٰ مثالیں پیش کرتے ہیں کہ کائنات میں دو مختلف چیزیں۔ پھر دیکھو......! ان کا آپس میں کس طرح سے اتحاد ہے، آگ اور پانی ہے، ہوا ہے، مٹی ہے، یہ بظاہر دیکھنے میں مختلف چیزیں نظر آتی ہیں، لیکن ایک دوسرے کا اثر قبول کرنے سے کتنے شاندار نتائج نکلتے ہیں، یہاں وہی اختلاف کے ساتھ اتحاد دکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے ہی نفسوں سے یعنی تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں۔

زوجین میں محبت سبب راحت ہے:۔

لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا تاکہ تم سکون حاصل کرو ان بیویوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لئے سکون اور راحت کا ذریعہ ہیں وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً تمہارے درمیان محبت اور شفقت بنا دی۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی، دونوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا، رحمت ہمدردی تو یہ دلوں کے اندر محبت اور ایک دوسرے سے ہمدردی یہ زوجین میں جتنی ہی زیادہ ہوں گی، اتنی ہی گھر کے اندر سکون اور راحت ہو گی، اور اگر بدقسمتی سے کوئی جوڑا ایسا کہ جن کی آپس مودت اور رحمت نہ ہو تو ان کی زندگی میں سکون بھی نہیں ہوتا، اس لئے بیوی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ایسی مل جائے، کہ جس کے ساتھ مودت اور رحمت اور انس پیدا ہو جائے، تو پھر زندگی میں سکون ہی

سکون ہوتا ہے، تو اصل میں بیویوں کی تخلیق اس لئے ہوئی تا کہ مرد کیلئے باعث سکون بنیں، مودت اور رحمت کے اندر وہ سارا تعلق جو خاوند اور بیوی کا ہوتا ہے، وہ آ گیا محبت بھی ہوتی ہے، آپس میں انس بھی ہوتا ہے، دونوں آپس میں ملتے ہیں اور مل کر سکون اور اطمینان حاصل کرتے ہیں، جوانی میں عموماً مودت اور محبت کا غلبہ ہوتا ہے، جیسے جیسے عمر ڈھلتی جاتی ہے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی بڑھتی چلی جاتی ہے، آخر ایک ایسا دور بھی آتا ہے کہ جب محبت کے تقاضے تقریباً ختم ہوجاتے ہیں، لیکن ہمدردی جو ہے وہ اپنے عروج پہ پہنچ جاتی ہے، تو یہی چیز ہے مودت اور رحمت جو زندگی بھر خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے کیلئے سازگار رکھتی ہے، اور اسی کے ساتھ ہی زندگی کے اندر سکون پیدا ہوتا ہے، تو بیوی کی محبت اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے، اس کے ساتھ انسان کو اطمینان اور سکون کا سامان حاصل ہوتا ہے، اور جتنی بیوی کے ساتھ محبت ہوگی اتنی ہی اخلاق کی پاکیزگی اور راحت ہوگی، اس لئے خاوند اور بیوی کی محبت بہت مطلوب ہے۔

خاوند اور بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنا شیطان کا محبوب ترین مشغلہ ہے:۔

اور جو لوگ خاوند اور بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی سخت مذمت آتی ہے شیطان کا محبوب ترین مشغلہ یہی ذکر کیا گیا ہے، کہ خاوند اور بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنا اور **يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ** ① یہود کے بارے میں بھی یہی ذکر کیا گیا تھا، کہ جب ان میں اخلاقی گراوٹ ہوئی، جادو سیکھ سیکھ کے انہوں نے خاوندوں اور بیویوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا شروع کر دی، **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور کرتے ہیں۔ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، زمین وآسمانوں کو پیدا کرنا۔

زبان اور رنگوں کا اختلاف یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے:۔

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ تمہاری زبانوں کا اختلاف اور تمہارے رنگوں کا اختلاف زبانوں کے اختلاف سے، یا تو لب ولہجہ کا اختلاف مراد ہے، ایک ہی لغات بولنے والے ایک ہی قسم کی بولی بولنے والے، ان کے بھی لب ولہجے میں فرق ہے، ایک کا لب ولہجہ دوسرے کے ساتھ ملتا نہیں، یا اختلاف النسنۃ سے زبانوں کا

① پارہ نمبر ۱، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۰۲

اختلاف مراد ہے کہ کوئی پنجابی بولتا ہے، کوئی اُردو بولتا ہے، کوئی سندھی کوئی پشتو، کوئی انگریزی، دنیا میں کتنی ہی زبانیں ہیں ایک باپ کی اولاد پھیلی ہوئی ہے، تو پھیلنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زبانوں کا اختلاف بھی نمایاں ہوگیا، وَاَلْوَانِکُمْ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف کوئی کالا ہے، کوئی سفید ہے، کوئی پیلا ہے، کوئی سرخ ہے، کتنے رنگ ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں کچھ خصوصیات رنگ کے اعتبار سے، لب و لہجے کے اعتبار سے رکھدیں، کہ اَربوں انسان پیدا ہوئے، اور پیدا ہوتے چلے جائیں گے، اگر آپ دنیا کا چکر لگائیں تو آپ ایک شکل کے، ایک لب و لہجے کے، ایک رنگ کے دو انسان تلاش نہیں کر سکتے۔ کہ دونوں ایک جیسے ہوں، ان میں کوئی کسی قسم کا امتیاز نہ ہو۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا، شکل وصورت لب ولہجہ زبان آواز قد کی بناوٹ، نقش ونگار میں اختلاف ڈال کے، ہر انسان کو، اللہ تعالیٰ دوسرے سے مختلف کر دیتا ہے۔ اب آپ اندازہ کریں......! یہی تو دو چار نقش ہیں ناک آنکھیں ہونٹ، ٹھوڑی، چار پانچ چیزیں ہیں، ان میں انسان اگر عقل سے سوچے تو کتنی تصویریں بنائی جا سکتی ہیں، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے لاکھوں نہیں، کروڑوں نہیں، اربوں صورتیں بنتی چلی جاتی ہیں۔ اور ایک صورت مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ دوسرے کے مشابہ نہیں، کتنی بڑی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ کی اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ بے شک اس میں بھی البتہ نشانیاں ہیں لِّلْعٰلِمِیْنَ جاننے والوں کیلئے، علم والے لوگوں کیلئے، علم والے لوگ اس سے بھی استدلال کر سکتے ہیں کہ دیکھو......! اللہ تعالیٰ کی کیسی قدرت کہ کیسے کیسے لب و لہجے مختلف، رنگ مختلف، قد مختلف، یہ نقشہ اگر دیکھنا ہو تو حج کے وقت خوب نظر آتا ہے، اس کے باوجود سارے ایک مقصد کیلئے متحد اور مشترک بھی نظر آتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نقطہ ایسا اجتماعی ہے جس کے اُوپر یہ سارے اکٹھے ہیں، تو آدم کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے اختلافات پیدا کیے، یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ لیکن ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو کوئی علم ہوتا ہے، جن کو سمجھ بوجھ ہوتی ہے۔

رات و دن کو اکٹھا کیوں ذکر کیا گیا......؟

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے منام یہ مصدر میمی ہے تمہارا سونا رات میں اور دن میں وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اور تمہارا تلاش کرنا اللہ کے فضل کو، یہاں دو باتیں اکٹھی کر دیں رات اور دن میں سونا اور اللہ کے فضل کو تلاش کرنا، عام طور پر سونے کا ذکر لیل کے ساتھ آیا ہے، سکون حاصل کرنے کا ذکر

اور کام کرنے کا ذکر نہار کے ساتھ آیا ہے، لیکن یہاں دونوں کو اکٹھا کر دیا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ سونا صرف رات کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ بلکہ انسان دن کو بھی سوتا ہے، چاہے کمی بیشی کا فرق ہے اور اس طرح سے رزق کیلئے کوشش کرنا، رزق تلاش کرنا ہمیشہ دن کو نہیں ہوتا، رات کو بھی کام کرنا پڑتا ہے، اس لئے دن ہو یا رات ہو، اس میں سونا بھی ہے، اور کام کرنا بھی ہے، کمی بیشی کا فرق ہے اگر چہ رات اصل میں وضع کی گئی ہے آرام کیلئے، انسان بسا اوقات اپنی معاشی ضروریات کیلئے رات کو بھی کام کرتا ہے، اور دن اصل میں وضع کیا گیا ہے نقل وحرکت کیلئے، رزق کیلئے جستجو کیلئے، لیکن بسا اوقات انسان دن کو آرام بھی کرتا ہے، اور سو بھی لیتا ہے، اس لئے دونوں کو اکٹھا کر کے ذکر کر دیا گیا، اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا دن میں اور رات مین، اور تمہارا تلاش کرنا اللہ کے فضل کو، اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو کہ سنتے ہیں، مطلب یہ نہیں کہ ان کے کان نہیں، وہ بہرے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی بات سننے کی عادت ہے، وہ ان نشانیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور جو ہوں گے بہرے، اندھے، ڈھوروں ڈنگروں (جانوروں) کی طرح، اپنا وقت گزارنا جانتے ہیں، وہ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ نے دن کیوں بنایا؟ رات کیوں بنائی؟ اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیا کیا احسانات کئے ہیں؟ تفکر ہے علم ہے سمع ہے یہ سب چیزیں ذکر کی جا رہی ہیں، یہی ہیں جن سے انسان اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کے فائدہ اٹھاتا ہے۔

برق بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس میں خوف وامید دونوں ہوتے ہیں:۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہیں دکھاتا ہے برق یعنی بجلی کی چمک بارش میں جو پیدا ہوتی ہے خَوْفًا وَّ طَمَعًا اس حال میں کہ تم ڈرنے والے ہوتے ہو، اُمید رکھنے والے ہوتے ہو ڈر بھی لگتا ہے، کہ کہیں طوفان نہ آجائے کیونکہ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں، بجلی گرتی ہے اور اس سے نقصان ہو جاتا ہے۔ عمارتیں گرتی ہیں، انسان مر جاتے ہیں، اور اس طرح سے بجلی چمکتی ہوئی اور بادل گرجتا ہوا آتا ہے، تو بعض اوقات اس میں طوفان بھی آجاتا ہے، آندھی آگئی بارش بے انتہا آگئی، جس سے آبادیاں اُجڑ جاتی ہیں، اور اُمید بھی لگی ہوئی ہوتی ہے، کہ بارش ہوگی زمین سرسبز ہوگی غلہ پیدا ہوگا۔ سبزیاں پیدا ہوں گی، درخت پیدا ہوں گے، گھاس پیدا ہوگی، جس سے جانور فائدہ اٹھائیں گے، انسان فائدہ اٹھائیں گے۔ امید بھی لگی ہوئی ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ دکھاتا ہے، تمہیں بجلی اس حال میں کہ تم ڈرنے والے ہوتے ہو، اور امید رکھنے والے ہوتے ہو، اور

اتارتا ہے آسمان سے پانی، فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا آباد کرتا ہے اس پانی کے ذریعے سے زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو کہ سوچتے ہیں خاص طور پر احیاء الارض یہ بہت واضح علامت ہے، معاد کیلئے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اس کیلئے اس علامت کا بہت ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ کے حکم سے آسمان تھما ہوا ہے:۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ ٹھہرے ہوئے ہیں زمین اور آسمان، اس کے حکم کے ساتھ اس کو بھی بیان اس لئے کیا جارہا ہے، کہ تم یہ سمجھتے ہو، کہ جس طرح سے آسمان اپنے طور پر کھڑا ہے یونہی کھڑا رہے گا، زمین جس طرح سے بنی ہوئی ہے ایسے ہی رہ جائے گی، جیسے مشرک اور کافر لوگ پہاڑوں کے متعلق پوچھتے تھے، کہ اتنے بڑے بڑے پہاڑ اور اتنے مضبوط پہاڑ ان کا کیا ہوگا؟ جب انہیں بتایا جاتا کہ یہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے، تو تعجب کرتے کہ اتنے بڑے یہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؟ ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی یہ بات۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آسمان اور زمین کو بھی یوں نہ سمجھو......! کہ یہ خود بخود قائم ہیں اور ایسے ہی قائم رہیں گے، اللہ کے قائم کرنے کے ساتھ یہ قائم ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ یہ تھمے ہوئے ہیں، اور جب اللہ کا حکم ہو جائے گا، یہ سارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، زمین و آسمان آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ان کو صرف اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے تحت تھام رکھا ہے، ستارے ہیں، وہ اپنے اپنے محور میں حرکت کر رہے ہیں، اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں، زمین ہے وہ اپنی جگہ ہے، آسمان ہے وہ اپنی جگہ ہے، اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ قائم ہیں زمین اور آسمان، ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً پھر جس وقت تمہیں بلائے گا ایک مرتبہ بلانا زمین سے اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ اچانک تم نکل جاؤ گے ایسی قدرت والے کے سامنے کیا مشکل ہے؟ مرو گے مرنے کے بعد پیوند خاک ہو جاؤ گے ایک ہی آواز دے گا اللہ، ایک ہی دفعہ بلائے گا، تم سب نکل آؤ گے دیر ہی کیا لگے گی؟ تو صور اسرافیلی ہے ایک دفعہ صور پھونکا جائے گا سب زمین سے نکل آئیں گے کوئی زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، دَعْوَةً ایک مرتبہ بلائے گا تمہیں زمین سے اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ اچانک تم نکل آؤ گے۔

ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور وہ چیز پر قادر ہے:۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اسی کیلئے ہے جو آسمانوں میں ہے جو کچھ زمین میں ہے كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ سب کے سب اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں، تکوینی طور پر سارے ہی مطیع ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی آ جائے تو کن کے بعد فیکون فوراً مرتب ہو جاتا ہے۔ آگے پھر وہی بات آ گئی وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وہی ہے جو پیدا کرنے کی ابتداء کرتا ہے، وہی پیدا کرنے کا اعادہ کرے گا، وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ انسانی اعادہ ابتداءً پیدا کرنے سے آسان ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ کہ اعادہ تو زیادہ آسان ہے، کیونکہ انسانی عرف کے مطابق پہلی دفعہ کام کرنا مشکل ہوتا ہے، جب پہلی دفعہ کر لیا تو پھر دوبارہ کیا مشکل؟ آسان ہے تو اَهْوَنُ ہمارے محاورے کے مطابق کہا جا رہا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کیلئے جیسے پہلی دفعہ پیدا کرنا ویسے دوسری دفعہ پیدا کرنا ہے، نہ پہلی دفعہ پیدا کرنے میں کوئی مشکل پیش آئی، اور نہ دوبارہ پیدا کرنے میں کوئی مشکل پیش آئے گی، یہ تو آپ کو سمجھانے کیلئے کہا جا رہا ہے۔ بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے تھکا نہیں مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں کہ تم سمجھو......! ہم دوبارہ یہ کام نہیں کر سکتے، وہی ہے جو ابتداءً پیدا کرتا ہے، وہی اعادہ کرے گا، اور اعادہ کرنا آسان ہے بمقابلہ ابتداء کے، یہ ہمارے انسانی محاورے کے مطابق ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کیلئے دونوں کام برابر ہیں۔ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اسی کیلئے سب سے اعلیٰ شان ہے۔ مثل کا لفظ صفت اور شان کے معنی میں ہے یعنی اسی کیلئے سب سے اعلیٰ شان ہے، آسمانوں میں اور زمین میں وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ زبردست ہے رحم کرنے والا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ هَلۡ لَّكُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ

بیان کی اللہ نے مثال تمہارے نفسوں سے کیا تمہارے لئے تمہارے غلاموں میں سے

مِّنۡ شُرَكَآءَ فِىۡ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ تَخَافُوۡنَهُمۡ

شرکاء ہیں اس چیز میں جو ہم نے تمہیں دی، پھر اس میں تم برابر ہو، تم ان کا لحاظ کرتے ہو،

كَخِيۡفَتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾

مثل لحاظ کرنے تمہارے اپنے لوگوں سے، اسی طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں ﴿۲۸﴾

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ فَمَنۡ يَّهۡدِىۡ

بلکہ پیچھے لگ گئے ظالم لوگ اپنی خواہشات کے بغیر کسی علم کے، پس کون شخص ہدایت دے سکتا ہے،

مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ

ایسے آدمی کو جس کو اللہ بھٹکا دے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ﴿۲۹﴾ پس تو سیدھا رکھ اپنا چہرہ دین حنیف کے لئے

حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ

اتباع کیجئے اللہ تعالیٰ کی فطرت کی جس پہ اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا اللہ کی خلق کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے!

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ﴿۳۰﴾

مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۳۱﴾

ہو جاؤ تم اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور اسی سے ڈرو، نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو ﴿۳۱﴾

مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ

نہ ہو ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ہو گئے مختلف گروہ اور ہر گروہ ان خیالات پر جو ان کے پاس ہیں

فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ

خوش ہے ﴿۳۲﴾ جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف پکارتے ہیں اپنے رب کو، اس حال میں کہ اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں

اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

اور پھر جب چکھادیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انسانوں کو رحمت، اچانک ایک فریق ان میں سے اپنے رب کیساتھ

یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا وقفة فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ

شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے ﴿۳۳﴾ تاکہ ناشکری کریں ان نعمتوں کی جو ہم نے انہیں دیں، پس تم مزے اڑالو عنقریب تمہیں پتہ چل جائیگا ﴿۳۴﴾ کیا

اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَآ

ہم نے ان کے اوپر کوئی واضح دلیل اتاری ہے، جو بیان کرتی ہو، اس چیز کیساتھ جسکو یہ اللہ کیساتھ شریک ٹھہرارہے ہیں ﴿۳۵﴾ جس وقت

اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

ہم انسانوں کو رحمت چکھاتے ہیں تو یہ اترانے لگ جاتے ہیں اور اگر پہنچ جاتی ہے ان کو کوئی بُری حالت بسبب اُن اعمال کے

اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ

جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے، اچانک وہ مایوس ہوجاتے ہیں ﴿۳۶﴾ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق

لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ

جس کیلئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو کہ ایمان لاتے ہیں ﴿۳۷﴾ قرابت والے

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ

کو دیا کرو اس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو، یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے

یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَآ اٰتَیْتُمْ

جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿۳۸﴾ اور جو بڑھنے والی چیز

مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ
تم دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہوکر بڑھ جائے، وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں اور جو تم
اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾
زکوٰۃ دیتے ہو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے، یہی لوگ مال کو بڑھانے والے ہیں ﴿۳۹﴾
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ
اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر اسی نے تمہیں رزق دیا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا،
مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى
کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کرتا ہو، اللہ پاک ہے اور بلند و برتر ہے
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾
ان چیزوں سے جن کو لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ﴿۴۰﴾

تفسیر

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ : بیان کی اللہ تعالیٰ نے مثال تمہارے نفسوں سے هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کیا تمہارے لئے تمہارے غلاموں میں سے شرکاء ہیں؟ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وہ چیزیں جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں، شرکاء شریک کی جمع فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ اس چیز میں جو ہم نے تمہیں دی، فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ پھر اس میں تم برابر ہو۔ تَخَافُوْنَهُمْ تم اندیشہ کرتے ہو ان کا لحاظ کرتے ہو ان کا، یہاں خوف لحاظ والے معنی میں ہے، لحاظ کرنا تمہارا اپنے لوگوں سے۔ نشانیاں بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کیلئے جو کہ سوچتے اور عقل رکھتے ہیں۔

تم مملوک کو اللہ کے برابر کس طرح ٹھہراتے ہو؟:۔

اس مثال پر توجہ کریں......ردِ شرک کیلئے اللہ تعالیٰ ایک فطری سی دلیل دیتے ہیں، جو انسان کے اپنے دل

میں موجود ہے اگر اپنے حالات میں خیال کرے تو اس کو یہ توحید سمجھ میں آسکتی ہے، شرک کی مذمت بھی سمجھ میں آسکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ غلام بھی ہیں، کیونکہ اس دور میں گھروں میں غلام ہوتے تھے۔ اگر دیکھو......! تو وہ انسان ہیں تمہارے بھائی ہیں، بنی آدم میں سے ہیں، لیکن ایک عارضی حالات کے تحت تمہارے مملوک ہوگئے۔ تمہارے مملوک جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں جو کچھ مال و دولت ہم نے تمہیں دیا ہے، کیا تم ان کو اپنے ان مالوں کے اندر شریک سمجھتے ہو؟ کیا ایسا ہوتا ہے کہ تم ان کو اپنے برابر ٹھہرالو......! اور ان کا اسی طرح سے لحاظ کرو......! جس طرح سے تم اپنے آزاد لوگوں کا لحاظ کرتے ہو، کاروبار میں جس طرح سے دو بھائی آپس میں مل کر شرکت کرتے ہیں، یا پھر چار آدمی دوستی کے طور پر آپس میں کاروبار میں شرکت کرتے ہیں، تو ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھتا ہے، اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہیں کرتا، اس سے پوچھ کر کام کرتا ہے۔ ایسا کام نہیں کرتا جس سے دوسرے کو ناگواری ہو، برابر کے شرکاء ہوتے ہیں۔ تو ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھتا ہے۔ لیکن کیا کبھی تم نے اپنے غلاموں کو بھی یہ حیثیت دی ہے؟ کہ تم ان کو اپنے مال میں جائیداد میں برابر کا شریک سمجھو......! اور ان کا اسی طرح سے لحاظ کرو......! جس طرح سے تم اپنے آزاد بھائیوں کا لحاظ کرتے ہو کیا۔ ایسا ہے؟ بات واضح ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے، غلام تو کسی چیز کے مالک ہوتے ہی نہیں، اس کا تو ان چیزوں پر کسی قسم کا حق ہے ہی نہیں، کہ آپ اس کا لحاظ کریں......! اس سے پوچھ کے کوئی کام کریں، آپ جتنی اجازت دیں گے اتنا وہ کام کرے گا، جتنی آپ اجازت نہیں دیں گے، نہیں کرے گا، اور ملکیت کی صفت اس میں ہوتی ہی نہیں، کہ وہ کسی چیز کا مالک بن سکے، جس طرح سے فقہ میں آپ پڑھتے ہیں، اور یہی اس وقت بھی عرف تھا کہ غلام کو کسی چیز کا مالک نہیں سمجھا جاتا تھا، وہ تو اپنے مولیٰ کا تابع ہے، جو وہ کہے گا یہ کرے گا، جو نہیں کہے گا نہیں کرے گا، کہ جس وقت تمہارے مملوک تمہارے شریک نہیں، اور تم ان کا اس طرح سے لحاظ نہیں کرتے، جس طرح سے اپنے برابر کے لوگوں کا کیا جاتا ہے، اپنی جائیداد میں، اپنے مال میں، ان کا کوئی حق تم نہیں سمجھتے، تو تم اللہ کے مملوک کو اللہ کے برابر کس طرح ٹھہرا رہے ہو؟ اور اللہ کے ذمے یہ بات کس طرح لگا رہے ہو کہ اللہ ان کا اپنے برابر والا لحاظ رکھتا ہے تم تو اپنے مملوکوں کا لحاظ رکھتے نہیں، ان کو برابر کا سمجھتے نہیں، تمہارے رزق کے اندر وہ تو برابر کے شریک نہیں، تو اللہ کی مخلوق کو اللہ کے ساتھ، تم نے کس طرح شریک ٹھہرالیا؟ اسی سے سمجھ لو کہ مالک اور مملوک میں فرق ہے۔

جس نسبت کو تم اپنے لئے گوارہ نہیں کرتے اللہ کیلئے کیسے گوارہ کر لیتے ہو؟:۔

اور یہ تو برائے نام ملکیت تمہاری ہے، عارضی ہے، اور اللہ تعالیٰ تو حقیقت کے اعتبار سے خالق بھی ہے، اور مالک بھی، سارے کے سارے اسی کی مخلوق اور اسی کے مملوک، پھر خاص طور پر جن بتوں کو تم تراش کر یہ نظریہ رکھتے ہو کہ یہ بھی اللہ کے شریک ہیں، وہ تو مخلوق در مخلوق ہوئے، تم بھی اللہ کی مخلوق اور یہ چیزیں تمہاری بنائی ہوئی، فرشتے اللہ کی مخلوق، انبیاء اللہ کی مخلوق، جتنی چیزیں ہیں، جنات وغیرہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، تو اس مخلوق کو تم اللہ کے ساتھ کس طرح شریک ٹھہراتے ہو؟ تمہاری عقل کیا کہتی ہے؟ اپنے معاملات میں تو تم اپنے مملوکوں کو شریک سمجھتے نہیں ان کو تو برابر کے حقوق دیتے نہیں، ان کا تو اس طرح سے لحاظ رکھتے نہیں، جس طرح سے برابر کے لوگوں کا رکھا جاتا ہے، تو اللہ کی مملوک اور مخلوق کو تم اللہ کے برابر کس طرح قرار دیتے ہو؟ جیسے بیٹیوں والے نظریے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے کئی آیات کے اندر بیان کیا، ان کی عقل سے اپیل کی کہ سوچو تو سہی......! جس نسبت کو تم اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اس نسبت کو تم اللہ کیلئے کیسے گوارا کرتے ہو؟ اپنے لئے تو تم بیٹیاں پسند نہیں کرتے اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہو، اسی طرح مملوکوں کو تم اپنا شریک بنا نہیں سکتے، بلکہ شریک سمجھتے ہی نہیں تو اللہ کی مخلوق کو اللہ کا شریک کس لئے بناتے ہو؟ یہ ایک فطری دلیل ہے جس کے ذریعے شرک کی مذمت نمایاں کی جارہی ہے۔ تو فرمایا بیان کی اللہ نے مثال تمہارے ہی نفسوں سے، یعنی یہ ایسی مثال ہے جو تمہارے اپنے حالات سے ماخوذ ہے، کیا ہیں تمہارے لئے تمہارے مملوکوں میں سے کوئی شرکاء؟ یا یوں کہہ لیں کہ وہ چیزیں جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، یہ ترجمہ میں نے اکٹھا کر دیا۔ کیا تمہارے مملوکوں میں سے کوئی شرکاء ہیں؟ اس مال میں سے جو ہم نے تمہیں دیا؟ پھر تم اور وہ اس مال میں برابر ہو جاؤ......! لحاظ رکھو تم ان مملوکوں کا جس طرح سے کہ تم لحاظ رکھتے ہو اپنے لوگوں کا یعنی آزاد لوگ جو تمہارے مملوک نہیں، اگر تمہارے ساتھ شرکاء ہوں، تو جیسے تم ان کا لحاظ رکھتے ہو، تو ان مملوکوں کا بھی اس طرح سے لحاظ رکھتے ہو، کیا کوئی ایسی بات ہے تمہارے لئے؟ کوئی ایسے شرکاء تمہارے مملوکوں میں سے ہیں؟ کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں وہ تمہارے شریک ہوں، اور پھر تم ان کا اسی طرح سے لحاظ رکھو......! جس طرح کہ آزاد لوگوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی نہیں، مملوک شریک نہیں ہوا کرتے، اور کوئی شخص اپنے مملوکوں کا اس طرح سے لحاظ نہیں رکھتا، جس طرح کہ آزاد لوگوں کا رکھتا ہے، تو جب تمہارے مملوک

تمہارے شریک نہیں، تو میرے مملوک میرے شریک کس طرح سے ہوگئے؟ تو میرے متعلق تم کیسے سوچتے ہو؟ کہ میں ان کا ایسا لحاظ رکھتا ہوں کہ ان سے پوچھ پوچھ کے کام کرتا ہوں، ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا، یہ تو تمہارے اپنے اندر کی ایک مثال موجود ہے کہ اگر تم غور کرو......! تو تمہیں سمجھ میں آ سکتا ہے۔ کہ مملوک کا یہ مقام نہیں ہوتا، کہ وہ شریک ہو۔ اور مملوک کا یہ مقام نہیں ہوتا کہ اس کا لحاظ یوں رکھا جائے، اس لئے تم جن کو شرکاء سمجھتے ہو وہ سارے میرے مملوک ہیں، وہ سارے میری مخلوق ہیں۔ وہ میری کسی چیز میں شریک نہیں، اور نہ میں کوئی فیصلہ کرتے وقت ان کا لحاظ کرتا ہوں، کہ ان سے پوچھ پوچھ کے کام کروں، اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف نہ کروں، ان کا یہ مقام نہیں تم اپنے دلوں میں غور کرو......! تو یہ مثال سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ایسے ہی کھول کھول کے بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔

ظالم لوگ بغیر کسی دلیل کے خواہشات کے پیچھے لگ گئے ہیں:۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ: بل یہ اِضراب (اعراض) کیلئے ہوتا ہے، پیچھے لفظ آیا کہ یہ نشانیاں ان لوگوں کیلئے ہیں کہ جو عقل رکھتے ہیں، اب یہاں آ گیا کہ یہ سوچتے نہیں مَا عَقَلُوْا وَمَا اتَّبَعُوا الْحَقَّ یہ نہیں سوچتے......! اور یہ حق بات کی اتباع نہیں کرتے بلکہ پیچھے لگ گئے ظالم لوگ اپنی خواہشات کے بغیر کسی دلیل کے۔ علم سے یہاں دلیل اور استدلال مراد ہے، بغیر کسی دلیل کے، بغیر علم کے خواہشات کے پیچھے لگ گئے، الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا یہ ان کا مقام واضح ہوگیا، یہی ظالم لوگ ہیں جو عقل کا تقاضا پورا نہیں کرتے۔ علم کا تقاضا پورا نہیں کرتے، اور اللہ کے رسول کے حقوق نہیں پہچانتے، ہر چیز کو تلف کر رہے ہیں، یہ مشرک لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے، بغیر کسی علمی دلیل کے۔

اللہ کسی کو زبردستی سیدھے راستہ پر نہیں چلاتا:۔

فَمَنۡ یَّهۡدِیۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ: پس کون شخص ہدایت دے سکتا ہے؟ ایسے آدمی کو جس کو اللہ بھٹکا دے، اللہ کے بھٹکانے کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے قانون کی زد میں آ کے سیدھے راستے سے بھٹک گیا، اللہ کی عادت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی غلط راستے پہ چلنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو زبردستی سیدھے راستے پہ نہیں چلاتا۔ تو وہ قانون کی زد میں آ گیا جب کوئی غلط راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی اس کو توفیق ہوجائے گی، تو جو اللہ کے

قانون کی زد میں آ کے گمراہی میں جا پڑے کوئی شخص زبردستی اس کو سیدھے راستے پہ نہیں چلا سکتا۔

نبی امت کی طرف سے وکیل ہوتا ہے:۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا: پس تو سیدھا رکھ اپنا چہرہ دین کیلئے، اس حال میں کہ تو مخلص ہے، حنیف کہتے ہیں جو ادیانِ باطلہ سے ہٹ کر دین حق کی طرف متوجہ ہونے والا ہو، یہ مشرک اگر اتباع نہیں کرتے تو نہ کریں، اور اَقِمْ کا خطاب ہے سرورِ کائنات ﷺ کو اور سنانا مقصود ہے باقیوں کو کیونکہ نبی جو ہوتا ہے وہ امت کی طرف سے وکیل ہوتا ہے، اس کو جو احکام دیئے جاتے ہیں تو وہ امت کیلئے بھی ہوتے ہیں کافر اگر شہوات کے پیچھے لگ جائیں، خواہشات کے پیچھے لگ جائیں، تو لگے رہیں آپ تو اپنے آپ کو دین حق کا تابع رکھئے……! حنیف کا مطلب ہے جو ادیانِ باطلہ سے ہٹ کر دین حق کو اپنا لے، سیدھا رکھ تو اپنے چہرے کو اخلاص کے ساتھ، مخلص بن کر اپنے چہرے کو سیدھا رکھ دین کیلئے۔

فطرت اللہ سے کیا مراد ہے……؟

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ: فِطْرَتَ اللّٰهِ یہ منصوب ہے، فعل محذوف کی وجہ سے، اِتَّبِعْ فِطْرَتَ اللّٰهِ یا اِلْزَمْ فِطْرَتَ اللّٰهِ، فطرت فطر یعنی پھاڑنا، چیرنا اس کا مفہوم ہوا کرتا ہے، انفطر پھٹنا جیسا کہ قرآنِ پاک کے اندر آیا ہے، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا، فطرت یہ فِعْلَة کے وزن پر ہے، اَلْفِعْلَةُ لِلْحَالَةِ ① آپ پڑھتے رہتے ہیں یہ حالت اور ہیئت کو بیان کرنے کیلئے ہوتا ہے، تو فطرت اللہ سے مراد اللہ کی ایک خاص تراش، اللہ کا ایک خاص طریقے سے پیدا کرنا، اور مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ نے انسان کی صلاحیت اور انسان کی طبیعت کے اندر حق کو قبول کرنے کی قابلیت رکھی ہے، یہاں فطرت اللہ سے یہ مراد ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی فطرت کی، اللہ تعالیٰ کی تراش کی اتباع کیجئے……! ایک خاص ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کی ہیئت اس کی قلبی استعداد اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچانے، اس کے احکام کو پہچانے، اس کی اتباع کرے اور اس کا شکر گزار رہے، یہ انسان کی پیدائش اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی استعداد پر اسی قابلیت پر، انسان کو پیدا کیا ہے، اور اس قابلیت اور استعداد کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہر بچے کو اچھی استعداد پر پیدا کرتا ہے:۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ② یہاں فطرت سے مراد وہی

---

① روح المعانی، سورۃ کہف: آیت نمبر ۲۲ کے تحت

② صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین

فطرت صحیحہ اچھی استعداد مراد ہے، اللہ تعالیٰ ہر بچے کو اچھی استعداد پر پیدا کرتا ہے، اگر باہر سے غلط اثرات اس کے اُوپر نہ پڑیں......! تو وہ ہمیشہ سیدھے راستے پر چلتا ہے، اس کی طبیعت کا تقاضا یہی ہے کہ خالق، مالک، محسن کو پہچانے اور اس کی اطاعت کرے لیکن باہر کا ماحول انسان کی اس فطرت کو خراب کر کے غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ یہودیوں کے گھر میں بچہ پیدا ہوا تو یہودیوں کے طریقے پہ چلا دیا۔ یُنَصِّرَانِہٖ یا اس کے والدین اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں۔ جس ماحول میں پیدا ہو گیا تو اپنی استعداد اس نے ادھر کو استعمال کر لی، ورنہ اچھی قابلیت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کیلئے رکھی ہے۔ اور غلط اثرات کو قبول کر کے انسان خود کو غلط راستے پہ ڈال لیتا ہے، بہر حال اتباع کیجئے......! اللہ تعالیٰ کی تراش کی اللہ تعالیٰ کی خلقت کی جس کیفیت اور ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس کی اتباع کیجئے......! اسی کو لازم پکڑیئے......! جس پہ اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی خلق کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔

تمام احکام شرعیہ انسانی طبیعت کے خلاف نہیں:۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ: صورتاً یہ نفی ہے، معناً یہ نہی ہے، یعنی اللہ کی خلق کو بدلو نہیں۔ جو اللہ نے تمہارے اندر اچھی استعداد، اچھی فطرت رکھی ہے۔ اسی کے مطابق چلو......! اس لئے دین کو دین فطرت کہا جاتا ہے۔ کہ انسان کی خلقت، انسان کی پیدائش، انسان کے حالات، اسی دین کا تقاضا کرتے ہیں یعنی جتنے بھی احکامِ شریعت میں دیئے جاتے ہیں، وہ انسان کی طبیعت کے خلاف نہیں ہیں، بشرطیکہ غلط اثرات کے تحت اس نے اپنی طبیعت کو بگاڑا ہوا نہ ہو، جو کچھ کہا جا رہا ہے، یہ انسان کی قابلیت اور استعداد کے مطابق کہا جا رہا ہے، اور باہر کے اثرات انسان کے اُوپر نہ پڑے ہوئے ہوں، تو انسان نہایت خوشی کے ساتھ اس راستے پہ چلتا ہے، جس راستے پر اللہ تعالیٰ اُسے چلانا چاہتے ہیں۔

قبولِ حق کی استعداد ہر انسان میں آخر وقت تک رہتی ہے:۔

اور یہ استعداد ہر انسان کیلئے ہے، اس میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی کفر بھی اختیار کر لے، تو بھی اس میں حق قبول کرنے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ کٹر سے کٹر مشرک ہو تو بھی اس میں حق کو قبول کرنے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ اس لئے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کا یہ معنیٰ بھی کر سکتے ہیں کہ اللہ کی خلق کیلئے تبدیلی نہیں، یعنی آخر وقت تک اللہ کی خلق اسی طرح سے قائم ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ انسان اپنی عادت بگاڑ لے وگرنہ حق قبول

کرنے کی استعداد آخری وقت تک قائم رہتی ہے، جب انسان اس کے خلاف چلتا رہے، چلتا رہے، تو وہ عادت پختہ ہوگی، جس کے مقابلے میں وہ استعداد مغلوب ہو جاتی ہے، ورنہ موجود ہر وقت رہتی ہے، اور اگر حق قبول کرنے کی استعداد ہی انسان کے اندر موجود نہ ہو تو پھر اس کو حق قبول کرنے کا مکلف کیسے بنایا جاتا؟ یہ تو ایسی چیز کی تکلیف ہو جائے گی کہ جس کو انسان کر ہی نہیں سکتا، تو ترجمہ یہ ہوگا لازم پکڑیئے اللہ کی دی ہوئی استعداد کو، اتباع کیجئے اللہ کی فطرت کا جس فطرت پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اور اللہ کی خلق کیلئے تبدیلی نہیں، یعنی وہ ہر انسان میں موجود ہوتی ہے، یا یہ ہے کہ اس کو تبدیل کرنا نہیں چاہیے، خراب کرنا نہیں چاہیے، بلکہ دل کی آواز سنو گے اپنے حالات پہ غور کرو گے......! تو تمہیں اپنے باطن سے ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ واقعی اللہ نے طبیعت کے اندر جو بات ڈال دی یہی دین حق ہے، یہی سیدھا دین ہے فطرت کے تقاضے کے مطابق چلنا سیدھا دین ہے، اس لئے دین اسلام کو دین فطرت کہا جاتا ہے، اس میں کوئی ایسا مطالبہ نہیں جو انسان کی قابلیت یا اس کی استعداد یا برداشت سے باہر ہو۔

دین فطرت کا تقاضا کیا ہے؟:۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ: لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ یہ حال واقع ہو رہا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ اس میں چونکہ معنی جمع کا ہے، اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ یہ مفہوم ہو جائے گا، یعنی اس حال میں کہ تم رجوع کرنے والے ہو اللہ کی طرف، اسی سے ڈرو......! اور نماز کو قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو......! یہی دین فطرت کا تقاضا ہے، یہی دین قَیِّم ہے، یہی دین فطرت ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں كُوْنُوْا مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ہو جاؤ تم اللہ کی طرف رجوع کرنے والے، اور اسی سے ڈرو......! یا پھر اِلْزَمُوْا فِطْرَتَ اللّٰهِ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ اللہ کی فطرت کو لازم پکڑو......! اس حال میں کہ تم اللہ کی طرف توجہ کرنے والے ہو، اور اسی سے ڈرو......! نماز کو قائم کرو......! اور مشرکوں میں سے نہ بنو......! یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر دیا۔

جماعت کے ٹکڑے کرنے والوں کی اتباع سے منع کیا گیا ہے:۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ: یہ مشرکین کا بیان ہے نہ ہو مشرکوں میں سے، یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، وَكَانُوْا شِيَعًا اور وہ مختلف گروہ ہو گئے، شِيَعًا کا لفظ پہلے بھی گزرا

تھا شِیَعًا کی جمع ہے، شیعہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو کسی ایک نظریئے پر متفق ہوگئی ہو، جیسے شیعہ علی جو اپنے آپ کو کہتے ہیں جو کہ اپنے گمان میں علی کی اقتداء پر متفق ہوگئے۔ اور ان کو امام بنا کے ایک جماعت متشکل کر لی یہ شیعہ ہیں، یعنی دین فطرت کے انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اپنی خواہشات کی آمیزش کر کے مختلف گروہ بن گئے۔ اور ہر گروہ ان خیالات پر جو ان کے پاس ہیں خوش ہے، ہر گروہ نے جو نظریات اختیار کر لئے جو خیالات بنا لئے وہ اسی کے اُوپر مست ہے کہتا ہے بس یہی ٹھیک ہے ان لوگوں میں سے نہ ہو، بلکہ دین فطرت پر نگاہ رکھو......! اور اللہ تعالیٰ اس فطرت کی جو تفصیل تمہارے سامنے کرتا ہے اس کی اتباع کرو......! مختلف ٹکڑے ہو جانے والوں میں سے نہ ہو ورنہ تو جس کو بھی دیکھو گے، اپنے خیالات پہ تو سارے ہی خوش ہیں، لیکن اس خوشی کا اعتبار کوئی نہیں، کیونکہ تفریق ڈالتی ہے اس دینِ فطرت میں اور وہ مختلف گروہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ جو تفصیل سامنے بیان کرتا ہے اصل چیز یہی ہے اتباع تم اس کی کرو......!

توحید فطرت ہے اور شرک خلافِ فطرت ہے:۔

آگے پھر اس فطرت کی آواز بتائی جا رہی ہے کہ توحید یہ فطرت ہے، اور شرک فطرت کے خلاف ہے، اس لئے جب تک تو انسان کیلئے حالات سازگار ہیں، یہ غافل ہوتا ہے غفلت کے نتیجے میں شرک میں پڑ گیا، اور جہاں اللہ کی طرف سے کوئی آفت مصیبت آتی ہے، ظاہری سہارے چھوڑ جاتے ہیں، انسان چوکنا ہو جاتا ہے، تو پھر سوائے اللہ کے کسی دوسرے کو نہیں پکارتا۔ معلوم ہوگیا کہ توحید اصل چیز ہے، جب باہر کے سارے سہارے ختم ہو جاتے ہیں، تو پھر انسان اسی اللہ کو پکارتا ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے تعلق کو نمایاں کرتا ہے، اور جب تک دنیا کے اندر عیش وعشرت ہے، اور غفلت میں پڑا ہوا ہے، اس وقت تک شرک میں مبتلا ہے، تو توحید یہ فطرت کی آواز ہے، شرک فطرت کے خلاف ہے، جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف دَعَوْا رَبَّهُمْ پکارتے ہیں اپنے رب کو، اس حال میں کہ اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں، اور ثُمَّ إِذَآ أَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً پھر جب چکھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان انسانوں کو رحمت یعنی خوشحالی آجاتی ہے۔

مشرکین کے طرزِ عمل کا نتیجہ:۔

إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ: اچانک ایک فریق ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک

ٹھہرانے لگ جاتا ہے۔ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ یہ لام عاقبت ہے اسی قسم کی آیت سورۃ عنکبوت کے آخر میں بھی گزری تھی۔ یعنی ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ناشکرے ہیں ان نعمتوں کے جو اللہ نے انہیں دی ہیں، دیتا اللہ ہے اور پھر یہ غفلت میں پڑ کے ان کی نسبت دوسروں کی طرف کرنے لگ جاتے ہیں، ان کے اس کردار کا نتیجہ یہ ہے، کہ یہ ناشکرے ہیں ان نعمتوں کے جو ہم نے انہیں دیں۔ فَتَمَتَّعُوْا وہاں آیا لِيَتَمَتَّعُوْا ان لوگوں کو چاہیے کہ مزے اڑالیں، فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ وہاں غائب کا صیغہ آیا تھا کیونکہ لِيَتَمَتَّعُوْا ان لوگوں کو چاہیے کہ کچھ روز مزے اڑالیں......! عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا، یہاں خطاب کا صیغہ ہے فَتَمَتَّعُوْا پس تم کچھ دن مزے اڑالو......! فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پھر تم عنقریب جان لو گے......! اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ فطرت کی آواز تو شرک نہیں ہے، فطرت کی آواز توحید ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان جب کسی مصیبت میں آتا ہے تو پھر اس کا دل صاف ہو جاتا ہے، تو کیا ان کے پاس کوئی نقلی دلیل موجود ہے؟ جو ان کے مشرک ہونے کا جواز ثابت کر رہی ہو، دلیل کا بولنا یہ ہوتا ہے کہ بات کا ثابت کرنا، یہ دلیل بول بول کے یہ کہہ رہی ہے، یعنی اس پر دلالت کر رہی ہے تو یہ بیان کرنے کے معنی میں ہے، کیا ہم نے ان کے اُوپر کوئی واضح دلیل اتاری ہے، جو بیان کرتی ہو، جو بول رہی ہو، اس چیز کے ساتھ جس کو یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہے ہیں، یعنی ان کے مستحق عبادت ہونے کے متعلق دلالت کر رہی ہے، کیا ہم نے کوئی دلیل اتاری ہے؟ نقلی دلیل ان کے پاس نہیں، فطری اور عقلی دلیل ان کے پاس نہیں، پھر یہ شرک کیوں کرتے ہیں؟ کیا اتاری ہے ہم نے ان کے اوپر کوئی دلیل پس وہ بیان کرتی ہو؟ بولتی ہو اس کے ساتھ یعنی ان کے مشرک ہونے کا جواز ثابت کرتی ہو؟ یا ان چیزوں کے مستحق عبادت ہونے کو بیان کرتی ہو؟ جس کو یہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے مصدریہ بھی ہو سکتا ہے، اللہ کے ساتھ ان کے شریک ٹھہرانے کا جواز ثابت کرتی ہو، یا ان کے مستحق عبادت ہونے کو بیان کرتی ہو، جن کو یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین پر حصولِ نعمت کے بعد شکر کی کیفیت طاری نہیں ہوتی:۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا: جس وقت ہم انسانوں کو خوشحالی دے دیتے ہیں، اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں، تو یہ اترانے لگ جاتے ہیں اس رحمت کے ساتھ اکڑنے لگ جاتے ہیں، فخر و غرور میں

آ جاتے ہیں، یعنی شکر کی کیفیت ان پہ طاری نہیں ہوتی۔

کامل انسان حصولِ نعمت پر شکر اور تکلیف پر صبر کرتا ہے:۔

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ : اور جب پہنچ جاتی ہے ان کو کوئی بُری حالت بسبب ان اعمال کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اِذَا هُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ اچانک وہ مایوس ہو جاتے ہیں پھر ان میں صبر نہیں رہتا، کامل انسان وہی ہوتا ہے، جو نعمت کے حاصل ہونے کے وقت شکر گزار ہو، اور کسی تکلیف کے پہنچ جانے کے وقت صبر کرے، ان کو نہ شکر حاصل ہے نہ صبر حاصل ہے۔ اللہ کی طرف سے خوشحالی ملتی ہے، تو پھر یہ اکڑتے ہیں خوب گردن اٹھا اٹھا کے چلتے ہیں، ایسے سمجھتے ہیں جیسے ہم نے اپنی قابلیت اور کوشش سے سب کر کرا لیا، اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش آجاتی ہے کوئی تکلیف آجاتی ہے، انہیں کے اعمال کے نتیجے میں، تو پھر ان پہ مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر ان پہ صبر کی کیفیت نہیں رہتی۔

رزق کی کشادگی اللہ کے حکم کے تحت ہے:۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ : کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کیلئے چاہتا ہے، اور تنگ کرتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو کہ ایمان لاتے ہیں، اس لئے اگر رزق کشادہ ہو جائے، تو اترانا نہیں چاہیے اگر کبھی اس کی طرف سے تنگی آجائے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی علم وحکمت کا تقاضا یہی ہے۔ تو رزق کا کشادہ ہونا یہ کوئی اکڑنے کی بات نہیں، اور تنگی کا واقع ہو جانا یہ کوئی مایوسی کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کو ہمیشہ سامنے رکھو......! رزق کشادہ ہو تو شکر ادا کرو......! اگر کسی وجہ سے آزمائش میں آجاؤ......! تو صبر کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے، اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے لئے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے، الناس سے کافر لوگ مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت پر شکر کرنا نہیں آتا، جب کوئی بُری حالت پہنچتی ہے یعنی ان کی مرضی کے خلاف کوئی حالت پیش آجاتی ہے تو پھر بالکل ہی مایوس ہو جاتے ہیں، تو رحمت پر شکر نہیں اور کوئی تکلیف پہنچے تو اس کے اوپر صبر نہیں یہ اللہ تعالیٰ سے لاتعلقی کی علامت ہے۔ اور رحمت میں جتنی چیزیں ہیں ان میں بظاہر وسعت رزق بھی ہے، اور مرضی کے خلاف جو چیز انسان کو پہنچتی ہے اس میں بظاہر رزق کی تنگی بھی ہے، یہ آگے متصل اس کو ذکر کر دیا کہ رزق کی کشادگی یہ بھی اللہ

تعالیٰ کی حکمت کے تحت ہے، تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو......! اگر رزق کی تنگی آ جائے جو تم بظاہر اپنے خیال کے مطابق سیئہ سمجھتے ہو......! تو یہ بھی اللہ کی مشیت کے تحت اگر اللہ تعالیٰ کبھی آزمائش کے طور پر یہ ڈال ہی دے تو صبر کیا کرو......! یہ سب کچھ تنگی کشادگی جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت ہی آتی ہے۔

اللہ کی رضا سے دیئے ہوئے مال میں برکت آتی ہے:۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى: قربیٰ قرابت کے معنی میں مصدر ہے۔ قرابت والے کو دیا کرو......! حَقَّهٗ اس کا حق وَالْمِسْكِيْنَ اور مسکین کو دیا کرو......! وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسافر کو دیا کرو......! ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ یہ بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اللہ کے چہرے کا ارادہ رکھتے، یعنی اللہ کی رضا چاہتے ہیں، کہ اللہ ان کی طرف متوجہ رہے، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ بڑھنا پھولنا، اس لئے رِبوۃ کہتے ہیں ٹیلے کو، اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ① قرآنِ کریم کے اندر آیا ہے، یہ سود کو کہتے ہیں یعنی مال کے بدلے مال کے اُوپر بڑھوتری کو کہتے ہیں، پھر وہ مال جو کسی دوسرے کو سود پر دیا ہو، اس کو بھی ربٰوا سے تعبیر کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ ربٰی حاصل ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جس کو شریعت میں ربٰوا کہا جاتا ہے، اس ربٰوا کے حاصل ہونے کا جو مال ذریعہ بنے، اس کو بھی ربٰوا سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ جو بڑھنے کیلئے دیا جائے جیسے مجھ سے ایک ہزار روپیہ لیا، اور گیارہ سو روپیہ لینا کر لیا تو اصل مصداق ربٰوا کا وہ سو روپیہ ہے جو آپ نے اضافی لیا ہزار ر ہزار کے مقابلہ میں۔ اور یہ ہزار آپ نے قرض دیا ہے، چونکہ یہ ہزار اس بڑھوتری کا ذریعہ بنا تو مآل کے اعتبار سے یا اس کے نتیجے کے اعتبار سے اس کو بھی ربٰوا کہا جائے گا، یہاں ربٰوا سے مراد وہی مال ہے جو دوسرے کو دیا جائے۔ جو مال تم دیتے ہو لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ تاکہ یہ بڑھ جائے لوگوں کے مالوں میں، زیادہ ہو جائے، لوگوں کے مالوں میں فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ اور جو زکوٰۃ تم دیتے ہو تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ یہ اٰتَيْتُمْ کی ضمیر سے حال واقع ہو جائے گا، جو زکوٰۃ تم دیتے ہو یعنی صدقہ خیرات کے طو۔ پر جو مال دیتے ہو ارادہ کرتے ہوئے اللہ کی رضا کا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ یہی لوگ مال کو بڑھانے والے ہیں، مضعفون اَضْعَفَ سے یعنی دگنا کر دینا یہاں مطلقاً بڑھانا مراد ہے یہ دو آیتیں بھی ماقبل والی آیت سے متعلق ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے یہ بات ذکر کی کہ رزق کی کشادگی اور رزق کی تنگی یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

---

① پارہ نمبر ۱۸: سورۃ مؤمنون: آیت نمبر ۵۰

نہ تو خرچ کرنے سے اور نہ ہی حقوق تلف کرنے سے تنگی آتی ہے:۔

اس عقیدے کے اختیار کرنے پر انسان کا عمل نہ تو بخل والا ہونا چاہیے، نہ حرص والا ہونا چاہیے، اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں مال کو جوڑ جوڑ کے رکھنا شروع کر دوں، تو میں کسی وقت میں مالدار ہو جاؤں گا، تو یہ غلط ہے، ایسے واقعات بے شمار آپ کے سامنے آتے ہیں کہ ایک آدمی ذرا ذرا کر کے مال جوڑتا ہے، اور بہت سارا مال جمع ہو جاتا ہے، تو یکدم ہی کوئی چور اٹھا کے لے جاتے ہیں، آگ لگ جاتی ہے، جل جاتا ہے کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے جس کے بارے میں محاورہ ہے "بندہ جوڑے پڑی پڑی رام لڑھائے کپا" پرانی اُردو میں ایک محاورہ ہے پڑی کہتے ہیں جس کے ساتھ پیپے سے تیل نکالتے ہیں، ایک دفعہ نکالا تو وہ ایک پڑی ہوتی ہے اور کپا کہتے ہیں جو بڑا سارا بنا کے رکھ لیا ہو، تو بندہ جوڑے پڑی پڑی یعنی بندے نے تو پڑی پڑی جوڑ کے کپا بھر لیا۔ رام لڑھائے کپا رام کہتے ہیں خدا کو کہ خدا ایک دفعہ ہی سارا کپا لڑھا دیتا ہے۔ تو جوڑ جوڑ کر رکھنے سے آدمی مالدار نہیں ہوتا، سرمایہ دار نہیں بنتا، یہ بھی اللہ کی حکمت کے تحت ہے، بسا اوقات آپ جمع کریں گے تو جمع کرنے میں لوگوں پر ظلم کریں گے، لوگوں کے حقوق تلف کریں گے اکٹھا کریں گے لیکن وہ ایک ہی دفعہ ضائع ہو جائے گا۔ اور اسی طرح سے اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر میں خرچ کروں گا، یتیموں کو دوں گا، مسافروں کو دوں گا، مسکینوں کو دوں گا، اہل قرابت کا حق ادا کروں گا، تو میں محتاج ہو جاؤں گا، میرے رزق میں تنگی آ جائے گی، تو یہ بات بھی غلط ہے، جتنا دو گے اللہ تبارک وتعالیٰ اسی طرح سے آپ کو دیتا رہے گا، نہ تو خرچ کرنے سے تنگی آیا کرتی ہے اور نہ ہی کسی کے حقوق تلف کرنے اور جوڑ جوڑ کر رکھنے سے رزق میں فراخی آیا کرتی ہے۔ رزق کی کشادگی، رزق کی تنگی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، بسا اوقات ایک آدمی خوب دیتا ہے رشتہ داروں کو دیتا ہے، مسکینوں کو دیتا ہے، مسافروں کو دیتا ہے، ایک طرف سے نکلتا چلا جاتا ہے، دوسری طرف سے اللہ تعالیٰ اتنا ہی دیتا چلا جاتا ہے، اور بسا اوقات دینا بند کر دیا جائے تو پیچھے سے آمد بھی بند کر دی جاتی ہے، جیسے کنواں ہے کنویں سے پانی نکالتے چلے جاؤ......! تازہ آتا چلا جائے گا، اگر نکالنا بند کر دو گے تو یہ ٹھہر جائے گا، بلکہ کھڑا کھڑا پانی خراب ہو جاتا ہے، اسی طرح سے حقوق تلف کر کے جو مال اکٹھا کیا جائے گا، مختلف قسم کی مصیبتوں کا وہ ذریعہ بن جاتا ہے، کسی مقدمے میں پھنس جاؤ گے، رشوت میں چلا جائے گا، وکیلوں کی فیسوں میں چلا جائے گا، اور دوائیوں میں چلا جائے گا، کوئی اور کسی قسم کا حادثہ ہو گیا، تو اس میں چلا جائے

گا، اگر حقوق تلف کر کے انسان مال کو جمع کرنے کی کوشش کرے، تو وہ مختلف مصیبتوں کا سبب بن جاتا ہے، تو یہاں جس وقت ذکر آیا کہ رزق کی تنگی اور رزق کی کشادگی، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو ساتھ یہ بات کہہ دی کہ رشتہ دار کو اس کا حق دیا کرو......! اور مسکین کو بھی دیا کرو......! اور مسافر کو بھی۔ یہاں بھی حَقَّهٗ ہی ہے۔ ان کا حق بھی دیا کرو......! حق کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مالدار کے مال میں ان لوگوں کا بھی حق ہے یہ اس طرح سے دینا چاہیے گویا کہ ہم حق ادا کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ کوئی احسان کر رہے ہیں، کسی حق کے ادا کرنے کو احسان نہیں کہتے، وہ تو آپ کے ذمہ لازم ہے اسی طرح سے جو آپ کے مالوں میں یتیموں کا حق متعین ہے، مسافر کا حق متعین ہے، اور اس طرح سے رشتہ دار کا حق متعین ہے، اس کو حق کی ادائیگی کے جذبے کے طور پر دیا کرو......! یہ کوئی احسان کرنے والی بات نہیں ہے، یہی تو وجہ ہے کہ اگر دے کر احسان جتلاؤ گے تو سارا دیا ہوا ضائع ہو جاتا ہے، اس پر کسی قسم کا ثواب مرتب نہیں ہوتا، اسلامی ذہن یہی ہے کہ ایک آدمی مال کماتا ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میرا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت آپ کے کمائے ہوئے مال میں بعضے ایسے لوگوں کے حقوق لگائے ہیں جو بظاہر کمانے پر قادر نہیں، یا کسی وجہ سے وہ محتاج ہو چکے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آزمائش کیلئے رزق کے ذرائع مختلف رکھے ہیں، کسی کو استعداد دیدی صلاحیت دیدی، وہ خود محنت کر کے کمالے، اور کسی کو اگر استعداد اور صلاحیت سے محروم کیا ہے، تو اس کا رزق دوسرے کے مال میں متعین کر دیا، وہ دینا ایسے ہی ہے جیسے کہ اس کا حق تھا جو اس کی طرف آیا ہے، ادا کرنا ضروری ہے تو جب آپ ادا کریں گے تو اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا، اس طرح سے آپ کے بھی درجے بلند ہوتے چلے جائیں گے۔

حصولِ رزق کے بعد خرچ کرنے والے فلاح پانے والے ہیں:۔

تو رزق کی تنگی اور کشادگی کے ذکر کرنے کے ساتھ یہ بات اس لئے کہہ دی کہ جب یہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو پھر تم دینے سے محتاج نہیں ہو جاؤ گے، اور روکے رکھنے کے ساتھ سرمایہ دار نہیں بن جاؤ گے، قرابت والے کو اس کا حق دیا کرو......! رشتہ داروں کو ان کا حق دیا کرو......! مساکین کو ان کا حق دیا کرو......! اور مسافر کو دیا کرو اس کا حق۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، کہ جو رزق کے حاصل ہو جانے کے بعد اس پر خزانے کے سانپ بن کر نہیں بیٹھ جاتے ان کو جمع

کرنے کی فکر نہیں ہوتی بلکہ حقوق کے ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ ان سے اللہ راضی بھی ہوتا ہے اور حقیقتاً کامیابی انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اور جو مال ربٰوا کے طور پر لیا جائے۔

اللہ نے سود کی حوصلہ شکنی اور صدقہ خیرات کی ترغیب دی ہے:۔

مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے سود حرام نہیں تھا، یہ ربوی معاملات چلتے رہتے تھے مدینہ منورہ میں جانے کے بعد بھی ابتداءً ابتداءً یہ معاملات اس طرح سے چلتے تھے، اس کی حرمت کا اعلان بہت بعد میں ہوا ہے پھر اس کے اُوپر بہت شدت کے ساتھ وعید آئی، اور یہ کہا گیا کہ جو سود لیتے ہیں، باز نہیں آتے، ان کو اللہ کی طرف سے اعلان جنگ سن لینا چاہیے، سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں یہ مضمون آیا تھا، صدقہ خیرات کا ذکر آیا تھا، قرض دینے کا ذکر آیا تھا، درمیان میں اس ربٰوا کا ذکر آیا تھا۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں۔ ورنہ ابتداء ابتداء میں یہ معاملہ درست تھا، اور چلتا بھی تھا، لوگوں کے ساتھ لین دین ربوی بھی تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی حوصلہ شکنی کی ہے، صدقہ خیرات کی ترغیب دی ہے، تو صراحتاً یہ آیت حرمت ربٰوا کے اُوپر دلالت نہیں کرتی، لیکن اس کی مذمت اس سے نکلتی ہے، حوصلہ شکنی اس سے ہوتی ہے، ایک تو دینا ہے کسی مسکین کو کسی محتاج کو زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کے طور پر اور ایک دینا ہے، ربٰوا کے طور پر۔ کہ یہ پیسے لے جائے گا اور اس کے مال میں ہمارا مال بڑھ جائے گا، بڑھ کر واپس آجائے گا، تو جو مال اس جذبے کے تحت دیا جائے کہ دوسرا لے جائے اور وہاں جا کر ہمارے مال میں اضافہ ہو جائے، اور وہاں سے مال بڑھ کر ہماری طرف آئے جس کو سود کہا جاتا ہے، یہ اللہ کے نزدیک بڑھنے والی بات نہیں ہے۔

صدقہ وخیرات کی برکات دنیا وآخرت دونوں میں نصیب ہوں گی:۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ: ① جیسے وہاں لفظ آیا تھا ربٰوا کو تو اللہ مٹا دیتا ہے بڑی بے برکتی ہوتی ہے، یعنی جس طرح کوئی جانور پرائے کھیت میں چر کر پلتا ہے، اس کی مثال تو وہ ہوتی ہے یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، بلکہ اس میں بے برکتی ہو جاتی ہے، جس کی پوری مذمت سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں آئی تھی، ہاں البتہ جو تم صدقہ خیرات کے طور پر دیتے ہو، بظاہر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے اس مال کو نکال دیا، لیکن اللہ کے نزدیک تمہارا یہ مال بہت بڑھ رہا ہے، اس کی وجہ سے تمہارے لئے ذخیرہ جمع ہو رہا ہے، دنیا میں بھی اس کی برکات نصیب ہوں گی، آخرت میں بھی نصیب ہوں گی، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خلوص کے ساتھ اللہ کے راستے میں

---

① پارہ نمبر ۳: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۲۷۶

کوئی کھجور کا دانہ خیرات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتے ہیں، قبول کرنے کے بعد پھر اس کو بڑھاتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس طرح تم اپنی گھوڑی کے بچے کو پالتے ہو دن بدن اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ اس کھجور کو بڑھاتے جاتے ہیں بڑھاتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے ① اب ایک کھجور بڑھتے بڑھتے احد پہاڑ کے برابر ہو جائے تو ذرا احد پہاڑ کے برابر کھجوروں کا وزن کر کے دیکھو......! کتنی کھجوریں بڑھیں گی؟ تو اس کی کوئی حد نہیں کہ دس پہ جا کے رک جائے دس گنا بڑھ جائے۔ یا سات سو گنا بڑھ جائے جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اتنا بڑھاتا ہے کہ آپ کے شمار میں بھی نہیں آئے گا، کہاں ایک کھجور اور کہاں احد پہاڑ؟ اگر احد پہاڑ کو تراش تراش کر کھجوروں کے برابر بنایا جائے تو بھی کروڑوں اربوں سے کہیں زیادہ بن جائیں گی، اور اگر وزن کیا جائے تو پوچھنا ہی کیا۔

تو اللہ تعالیٰ اس میں اتنا اضافہ فرما دیتے ہیں کہ دنیا وآخرت میں آپ کے لئے وہ مال بڑھے گا، اور آپ کیلئے فوائد کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے کوئی محتاج آپ کے پاس آ جائے تو درمیانہ درجہ ہے کہ آپ اس کو قرض دیدیں، کہ جتنا دیا اتنا ہی واپس لے لو......! اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی محتاجی اور اس کی مسکینی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیئے ہوئے مال کے مقابلے میں زیادہ لینا۔

ظلم وستم والی ذہنیت:۔

ایک محتاج قرض لینے آپ کے پاس آ گیا آپ اُسے سو روپیہ دیں، اور ایک سو دس روپے لیں تو آپ نے دس روپے کا اس کی محتاجی سے فائدہ اٹھایا، یہ بہت ظلم وستم والی ذہنیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کی حوصلہ شکنی کی ہے اس مال کو یوں نہ سمجھو کہ وہ بڑھ جاتا ہے بڑھتا نہیں ہے اللہ کے نزدیک۔ ہاں البتہ جو تم صدقہ خیرات اور زکوٰۃ کے طور پر دیتے ہو جو اللہ کی رضا کیلئے دیتے ہو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا ہے ایک تو اس کا یہ مطلب ہو گیا جو بیان ہوا، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس کا مفہوم دوسرا بیان کیا ہے، مکہ معظمہ میں چونکہ ربوٰا کی حرمت تو آئی نہیں تھی، اس لئے یہاں لغوی مفہوم اس کا مراد ہے۔ اور اس سے مراد لیا کہ لوگ جو کسی دوسرے کو ہدیہ دیتے ہیں۔ تحفہ دیتے ہیں، اور دل میں یہ ارادہ ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں زیادہ ہو کے واپس

---

① صحیح البخاری باب الصدقۃ من کسب طیب/ صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۱۶۴ مطبوعہ بیروت/ مسند احمد ج ۱۳ ص ۷۳

آئے گا، اس کی مذمت کرنی مقصود ہے، اگر چہ وہ شرعاً حرام نہیں، لیکن خساءت اور کمینہ پن ہے۔ اور گھٹیا ذہنیت ہے کہ انسان کسی کو اس نیت کے ساتھ دے کہ دوسرے وقت میں زیادہ وصول ہوگا، اور اس کی مثال حضرت نے تفسیر کے اندر ہی ذکر فرمائی جس کو ''نیوتا'' کہتے ہیں یا بعض زبانوں میں ''نیندرا'' کہتے ہیں جو کہ شادیوں کے موقع پر دیا کرتے ہیں، اور وہاں یہی اُصول چلتا ہے کہ اگر پانچ دیئے تو خیال ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں دس ہو کے واپس آئیں گے، دس دیئے تو دوسرے وقت میں بیس ہو کے واپس آئیں گے، اور اگر کوئی شخص جتنا لیا اتنا ہی واپس کر دے تو لوگ سمجھا کرتے ہیں کہ آئندہ کیلئے اس نے لین دین کا دروازہ بند کر دیا، تو اس قسم کا ذہن چلتا ہے رسوم کے اندر کہ کسی کو ہدیہ دیا جائے تو یہ زیادہ ہو کے واپس آئے گا، یہ ذہن چلتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں اس میں کوئی اضافہ والی بات نہیں، اس مال میں بے برکتی ہوتی ہے، انسان کو اخلاق عالیہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کہ جب کسی کو دو، تو اس نیت سے دو کہ ضرورت مند تھا، ہم نے اس کی امداد کر دی، یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ کسی دوسرے وقت میں واپس ہو کے آئے گا، بالکل اس طرح سے جس طرح سے سورۃ مدثر میں اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو وحی کے ذریعے سے ابتدائی باتیں بتائیں تھیں۔

''نیندریں'' جو شادی کے موقع پر دی جاتی ہیں ایک غلط رسم ہے:۔

ان میں ایک لفظ یہ بھی آیا تھا وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ احسان نہ کیا کر، زیادہ طلب کرتا ہوا، عدم جواز یا جواز سے بحث نہیں۔ یعنی اس میں اس کی مذمت کرنی مقصود ہے وہ مسئلہ علیحدہ ہے آج کل جو ''نیندریں'' دیتے ہیں چونکہ اس میں قرض والا معنی ہے اور بلا ضرورت دوسرے کو دیا جاتا ہے، اور ذہن یہی ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں زیادہ واپس آئے گا، پھر وہ واپس کرنے کا کوئی اصول نہیں کہ جس نے دیا اسی کو دیا جائے، آگے اس کے بیٹے کی طرف ادا کر دیا جاتا ہے، بیٹی کی طرف ادا کر دیا جاتا ہے، اس لئے یہ رسم غلط ہے اور ہمارے بزرگ اس رسم سے روکتے ہیں۔ اگر دل چاہے کہ محبت میں کسی کو ہدیہ دو، تو اس سے قطع نظر کر کے دو، یہ نہ سوچو کہ کل کو یہ بھی مجھے دے گا، تو پھر وہ ہدیہ محبت کا باعث بنا کرتا ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ کو بھی اخلاق کا جواب اخلاق سے دینا چاہیے، اگر کسی وقت میں آپ کو کسی نے ہدیہ دیا، تو دوسرے وقت میں آپ بھی دیدیں۔ یہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے۔ جو تم دیتے ہو ''ربا'' یعنی وہ مال جو بڑھنے کے جذبے سے دیا گیا ہو۔ یہاں اس کو ''ربا'' کہا گیا

ہے، تاکہ بڑھے وہ لوگوں کے مالوں میں وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ اور جو تم ''زکوٰۃ'' دیتے ہو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے ہوئے، پس یہی لوگ بڑھانے والے ہیں یہ اپنے مال کو کئی کئی گناہ بڑھاتے ہیں، دونوں مفہوم آپ کے سامنے آ گئے۔

شرکاء کے پلے کچھ بھی نہیں:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ: شروع سورت سے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کچھ کچھ فاصلے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی احیاء بعد الموت کا ذکر فرماتے ہیں، پچھلی سب تفصیل سے تمہارے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر اسی نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا، یہ تصرفات جتنے بھی ہیں سب اللہ ہی کے ہیں۔ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ یہ استفہام ہے کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے؟ جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کرتا ہو؟ تمہیں پیدا کرتا ہو اور تمہارے لئے رزق کے اسباب مہیا کرتا ہو؟ تمہیں موت دیتا ہو؟ موت کے بعد زندہ کرتا ہو؟ کیا کوئی ان کاموں کو کرتا ہے تمہارے شرکاء میں سے؟ نہیں کچھ بھی نہیں۔ پیدا کرنا اللہ کے اختیار میں، روزی اسی کے اختیار میں، زندگی اسی کے اختیار میں، موت اسی کے اختیار میں، ان شرکاء کے پلے کچھ نہیں، ''سُبْحٰنَهٗ'' اللہ پاک ہے شرک ایک عیب ہے جس کو لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اللہ پاک ہے وَتَعٰلٰی اور بلند و برتر ہے، عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ان چیزوں سے جن کو لوگ شریک ٹھہراتے ہیں، یا ان کے شریک ٹھہرانے سے۔ ما موصولہ ہو تو معنی ہوگا ان چیزوں سے جن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس اللہ کی شان بہت اونچی ہے، یہ شریک کس طرح سے ہو سکتے ہیں، یا ما مصدر یہ ہو تو پھر معنی ہوگا ان کے شریک ٹھہرانے سے اللہ بلند و برتر ہے۔ ہر عیب سے اور خاص طور پر شرک والے عیب سے پاک ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوگیا، ان کاموں کی وجہ سے جو لوگ کرتے ہیں

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ

تاکہ چکھائے اللہ تعالیٰ ان کو بعض ان کاموں کا مزہ، جو انہوں نے کئے تاکہ یہ لوگ لوٹ آئیں ﴿۴۱﴾ آپ کہہ دیجئے!

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ

کہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہوئے ہیں،

كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ

ان میں سے اکثر مشرک تھے ﴿۴۲﴾ قائم رکھ اپنے چہرے کو مضبوط دین کیلئے،

قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾

قبل اس کے کہ آجائے ایسا دن جس کے لئے لوٹنا نہیں اللہ کی جانب سے، اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے ﴿۴۳﴾

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ

جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا، اور جو شخص نیک کام کرے گا سو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کیلئے

يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ

راہ ہموار کررہے ہیں ﴿۴۴﴾ تاکہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے،

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ

بلاشبہ وہ کفر کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا ﴿۴۵﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہے

وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ

تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تاکہ کشتیاں اسکے حکم سے جاری ہوں اور تاکہ تم

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا

اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۴۶﴾ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا

اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ

سو وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے جرم کئے

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ

اور اہل ایمان مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے ﴿۴۷﴾ اللہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو،

فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا

پس وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھالاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس بادل کو پھیلاتا ہے آسمان میں، جس طرح چاہتا ہے، پھر وہ بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے،

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

پھر تو دیکھتا ہے بارش کو نکلتی ہے اس بادل سے، پھر جب پہنچادیتا ہے اللہ تعالیٰ بارش جس کو چاہتا ہے

مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

اپنے بندوں میں سے پس اچانک وہ خوش ہوتے ہیں ﴿۴۸﴾ اگرچہ تھے وہ لوگ اس سے قبل

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ

بارش کے اترنے سے البتہ مایوس ﴿۴۹﴾ پس دیکھو اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف

اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ

کیسے اس نے زمین کو آباد کردیا اس کے بنجر ہونے کے بعد، بے شک یہی زندہ کرے گا مردوں کو

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا

اور وہ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم بھیجتے ہیں ہوا پھر دیکھتے ہیں وہ اپنی اس کھیتی کو زرد

لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ

تو پھر وہ اس کے بعد البتہ ناشکرے ہوجاتے ہیں ﴿۵۱﴾ بیشک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہ ہی

الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ

بہروں کو پکار جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہوں ﴿۵۲﴾ اور نہ آپ ہدایت دینے والے ہیں اندھوں کو

ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

ان کی گمراہی سے بچا کر۔ نہیں سناتے آپ مگر مومنوں کو ہی جو ایمان لاتے ہیں پھر وہ فرمانبردار ہوتے ہیں ﴿۵۳﴾

تفسیر

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ: ''بَرّ'' خشکی کو کہتے ہیں یعنی خشک علاقے کو، اور ''بحر'' پانی والے علاقے کو کہتے ہیں۔ تو جس طرح صبح وشام کا لفظ بول کر سارے اوقات مراد لے لئے جاتے ہیں۔ دن رات کا لفظ بول کر۔ اس لئے یہاں خشکی اور تری یہ دو لفظ بول کر ساری دنیا مراد ہے۔ فساد ظاہر ہوگیا خشکی میں اور سمندر میں ان کاموں کی وجہ سے جو لوگ کرتے ہیں، لوگوں کے کسب کی وجہ سے، خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوگیا۔ نہ خشکی میں امن ہے نہ سمندر میں امن ہے۔ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا تاکہ چکھائے اللہ تعالیٰ ان کو بعض ان کاموں کا مزہ جو انہوں نے کیے، لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ تاکہ یہ لوگ لوٹ آئیں اللہ کی طرف رجوع کریں۔

خشکی اور تری میں فساد لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ظاہر ہو رہا ہے:۔

ان کے عملی فساد کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں، خشکی میں آتی ہیں، سمندروں میں آتی ہیں، اور ان میں بھی مقصد ایک تنبیہ ہوتی ہے، تاکہ لوگ اپنی بدکرداری سے باز آجائیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیں......! عالمگیر مصیبتیں جو آتی ہیں، وہ اکثر لوگوں کے بُرے اعمال کے نتیجے میں ہی آتی ہیں، جس طرح سے کہ آج آپ دیکھ رہے ہیں، کہ نہ سمندروں میں امن ہے، نہ فضا میں امن ہے، نہ خشکی میں امن ہے، سمندر میں بھی جنگ کی تیاریاں اور ایک دوسرے کو مارنے کیلئے کس طرح سے لوگ آبدوزیں بنا رہے ہیں، اور کیسے کیسے خطرناک ہتھیار

بنا رہے ہیں، اور اسی طرح سے ہوا میں گولہ باری ہوتی ہے، ہوائی جہاز جو ہیں وہ بھی گولہ باری کے ساتھ اڑائے جاتے ہیں، اور خشکی کے اُوپر بھی کس طرح سے فساد ہے تو یہ خشکی تری ہر جگہ پہ فساد لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ظاہر ہو رہا ہے، اور عقل مند لوگ ان واقعات سے متنبہ ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور جن کے دل میں یہ استعداد نہیں، وہ اللہ کی طرف رجوع ہونے کی بجائے فساد میں اور کوشش کرتے چلے جاتے ہیں، دیکھ ہی رہے ہو......! جس طرح کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے کہ خشکی تری اور اس طرح سے فضا کوئی چیز بھی محفوظ نہیں۔ تو جس وقت بھی ان بدکرداروں کی آپس میں کچھ لڑائی ہوگئی اور یہ ایک دوسرے کو گرانے، اور ایک دوسرے کا کندھا لگانے کے جذبے سے میدان میں اُچھل پڑیں، تو آگ ہی آگ برسے گی سمندروں میں بھی آگ، خشکی میں بھی آگ، فضا میں بھی آگ، جہاں لڑائی ہوتی ہے وہاں دیکھ لو......! کیا حال ہوتا ہے، اس زمانے میں بھی ایسے ہی تھا۔

تکلیف ومصیبت میں نیکوں کے لئے حیثیت اور ہے بُروں کے لئے حیثیت اور ہے:۔

اور یہ جو شخصی تکلیفیں ہوا کرتی ہیں، ان میں دونوں پہلو ہوتے ہیں، کبھی بدعملی کے نتیجے میں سزا ہوتی ہے، کبھی اللہ کی طرف سے آزمائش اور درجات کی بلندی ہوتی ہے، اس لئے شخصی مصیبت میں یہ فیصلہ فوراً نہیں کیا جاسکتا، یہ شخص جو بیمار ہوا ہے اس پر جو یہ مصیبت آئی ہے یہ کوئی بدکردار ہے، کسی گناہ کے نتیجے میں آئی ہے، یا اللہ کی طرف سے آزمائش ہے، اس کے درجے بلند کرنے کیلئے آئی ہے، یہاں دونوں پہلو ہوتے ہیں، اور یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس کی مثال آپ یوں سمجھئے......! کہ ایک آدمی کا ہاتھ یہاں سے کٹا ہوا آپ کے سامنے آیا اب یہ ہاتھ کٹنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس نے چوری کی تھی اور کسی شرعی حکومت کے اندر پکڑا گیا، اور سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو بھی کٹے ہوئے ہاتھ کی شکل یہی ہوگی، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہاتھ کے اُوپر کوئی زخم ایسا ہوگیا کینسر ہوگیا، ناسور ہوگیا، اندیشہ ہونے لگا کہ اگر یہ اسی طرح رہا تو باقی بازو بھی گل سڑ جائے گا، تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، اب آپ دیکھیں گے......! تو شکل دونوں کی ایک جیسی ہوگئی کہ ہاتھ یہاں سے کٹا ہوا ہے لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ ایک کٹنا اس کے عمل کی سزا ہے، اور دوسرا کٹنا اس کے لئے رحمت ہے، کہ یہ نہ کٹتا تو بیماری آگے سرایت کرتی۔ نقصان زیادہ ہو جاتا صورت دونوں کی ایک جیسی ہے لیکن حقیقت میں اور معنی میں بڑا فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک آدمی جو بیمار ہے، وہ ہاتھ کٹواتا ہے تو ڈاکٹر کو فیس بھی ادا کرتا ہے، اور کٹنے کے بعد جب یہ دیکھتا ہے

کہ مرض زائل ہو گیا، صحت بحال ہو گئی اور باقی بدن آئندہ کیلئے محفوظ ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتا ہے، اور بخلاف اس کے جو چور پکڑا گیا، اور ہاتھ کُاٹا گیا زندگی بھر کیلئے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اس کا سر جھکا رہتا ہے، تو ظاہری طور پر تکلیف ایک ہی قسم کی ہوا کرتی ہے، لیکن نیکوں کیلئے اس کی حیثیت اور ہے، بُروں کیلئے اس کی حیثیت اور ہے۔

تکلیف و مصیبت کب سزا ہے اور کب رحمت ہے؟:۔

اور یہ فرق کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس عمل کی سزا ملی ہے، یا اس کے درجات کی بلندی ہے، یا گناہوں کا کفارہ ہے، یا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو کوئی زیادہ انعام دینا چاہتے ہیں، پتہ نہیں یہ مصیبت کس طرح سے آئی ہے؟ علامات کے طور پر یہ بات بزرگوں نے ذکر کی ہے کہ جس بیماری پر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا رجحان یا رجوع نہ ہو، یا اس تکلیف میں اور زیادہ جری ہو جائے۔ زیادہ معاصی کی طرف متوجہ ہو جائے، جس طرح سے کہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے تو لوگ اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت کرنے لگ جاتے ہیں اور زیادہ گناہوں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، اس قسم کی مصیبت یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ کسی گناہ کی سزا ہے، اور جس تکلیف کے آجانے کے بعد انسان توبہ استغفار کی طرف متوجہ ہو جائے، اور قلب اس کا راجع الی اللہ ہو جائے، تو یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ مصیبت اس کیلئے اللہ کی طرف سے رحمت ہے، یا اس کے حق میں نتیجہ اچھا نکلے گا، اور ایسے ہی جس تکلیف میں قلب میں زیادہ پریشانی آئے یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے بطور سزا کے ہے، قلب کے اندر انسان کے اطمینان ہے، ایک صبر کی سی کیفیت ہے، تو یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے کسی اور مصلحت کے تحت یہ مصیبت آئی ہے۔

شخصی مصیبتوں میں جلدی سے فیصلہ نہیں کرنا چاہیے:۔

شخصی مصیبتیں انبیاء علیہم السلام پر بھی آتی ہیں، اولیاء پر بھی آتی ہیں، معصوم بچوں پر بھی آتی ہیں، نیکوں پر بھی آتی ہیں، بُروں پر بھی آتی ہیں، شخصی مصیبتوں میں جلدی سے فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، کہ اس شخص کو یہ سزا کسی کردار پر ملی ہے......! ہاں البتہ جماعتی تکلیفیں جو ہوا کرتی ہیں یعنی عالمگیر تو اکثر و بیشتر ان میں لوگوں کا کردار دخل انداز ہوتا ہے، جیسے جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت ساری حکمتیں بیان فرمائی ہیں لیکن اس کی

نسبت بھی مَا کَسَبُوْا کی طرف ہی کی ہے، کیونکہ جماعت کے کچھ افراد اگر غلطی کرتے ہیں۔ سزا سب کو بھگتنی پڑتی ہے، جہاں جماعتی معاملہ ہوا کرتا ہے تو وہاں شخصی کردار کو نہیں دیکھا جاتا، وہاں جماعتی کردار کو ہی دیکھا کرتے ہیں، تو جماعت میں کچھ آدمی ایسے تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے حکم کی پابندی نہیں کی، وہ مورچہ چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے شکست ہوگئی، تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا کی طرف کی ہے، تو اسی طرح سے بڑی بڑی عالمگیر مصیبتیں جو آتی ہیں تو اکثر و بیشتر ان میں انسانوں کی آبادیوں کے کردار کا دخل ہوتا ہے، شخصی تکلیفوں میں اسی طرح سے ہوتا ہے کبھی وہ رحمت ہوتی ہے، کبھی وہ آزمائش ہوتی ہیں، اور کبھی انسان کی کسی غلطی کی سزا کے طور پر ہوتی ہیں۔

فاسد کردار ظاہری حالات خراب کر دیتا ہے:۔

ظاہر ہو گیا فساد خشکی میں اور تری میں ان اعمال کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھ کرتے ہیں، لوگوں کے کسب کی وجہ سے ان عملوں کی وجہ سے۔ جو لوگوں نے کیے "اَیْدِیْ" کی طرف نسبت ہو جاتی ہے کام کی "کسب ید" ہاتھ کی کمائی۔ تاکہ چکھائے اللہ تعالیٰ ان کو بعض ان اعمال کا مزا جو انہوں نے کیے تاکہ لوگ رجوع کریں......! قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ اللہ کی انہی تنبیہات کا اگر نقشہ دیکھنا ہے تو زمین میں چلو پھرو......! زمین کے اُوپر پھیلے ہوئے کھنڈرات تمہیں بتا دیں گے کہ جس وقت لوگوں کا کردار فاسد ہوتا ہے، تو ان کی زندگی کے ظاہری حالات خراب کر دیئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مصیبت اور آفت آ جاتی ہے، ان کو کھنڈرات کی زبان سے سن لو......! آپ کہہ دیجئے کہ زمین میں چلو پھرو فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو اِس سے پہلے ہوئے ہیں، كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ جب یہ بات آپ کے سامنے نمایاں ہوگئی، کفر و شرک اور بدکرداری کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے عذاب آتا ہے، یہ بُری بات عذاب کو لانے والی ہے، تو آپ اپنے آپ کو دین قیم پر ہی سیدھا رکھئے......! قائم رکھ اپنے چہرے کو مضبوط دین کیلئے قبل اس کے کہ آ جائے ایسا دن لَا مَرَدَّ لَهٗ جس کے لئے لوٹانا نہیں اللہ کی جانب سے، مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور جو شخص نیک کام کرے گا سو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں، تاکہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے

جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے بلاشبہ وہ کفر اختیار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مثالوں کے بیان سے اصل مقصود آخرت کی یاددہانی ہے:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ: اللہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو فَتُثِیْرُ سَحَابًا اَثَارَ یُثِیْرُ اُٹھانا، اُبھارنا، پس وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھالاتی ہیں فَیَبْسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ پھر اللہ تعالیٰ اس بادل کو پھیلاتا ہے آسمان میں، کَیْفَ یَشَآءُ جس طرح چاہتا ہے۔ وَیَجْعَلُہٗ کِسَفًا "کسفا" یہ کِسْفَۃٌ کی جمع ہے کسفہ ٹکڑے کو کہتے ہیں یعنی کبھی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھیلا دیتا ہے اور کبھی بھرپور فضا بادلوں سے جس طرح سے کہ گھٹا چھائی ہوئی ہوتی ہے، کبھی بادل مختلف ٹکڑیوں میں بٹ جاتا ہے، فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ پھر تو دیکھتا ہے، بارش کو نکلتی ہے اس بادل سے، بادل میں سے بارش برستی ہے۔ موٹے موٹے قطروں والی بارش کو ودق کہتے ہیں، اور یہی لفظ سورۃ نور میں بھی آیا تھا فَاِذَآ اَصَابَ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ پھر جب پہنچادیتا ہے اللہ تعالیٰ بارش جس کو چاہتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ پس اچانک وہ خوش ہوتے ہیں وہی مُبَشِّرٰتٍ ہوائیں جو تھیں، جنہوں نے بشارت دی تھی، ان سے ہی خوشی حاصل ہوئی، تو بندے بارش کے آنے سے خوش ہوجاتے ہیں، وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْھِمْ مِّنْ قَبْلِہٖ لَمُبْلِسِیْنَ یہ اِنْ مخففہ ہے مِنَ الْمُثَقَّلَہ اِنْ شرطیہ نہیں بلاشبہ تھے وہ لوگ بارش کے اترنے سے قبل البتہ مایوس یعنی بارش کے دیر سے اترنے سے قبل ان لوگوں پر مایوسی طاری تھی اور پھر جب بارش ہوتی ہے، تو سارے خوش ہوجاتے ہیں، فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی پھر وہی بات لوٹ کے آگئی شروع سے جیسے چلی آرہی ہے، رَحْمَتِ اللّٰہِ سے بارش مراد ہے اور اٰثٰرِ سے نباتات جو بارش کے نتیجے میں اُگتی ہیں وہ مراد ہیں۔ اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھو......! کیسے اس نے زمین کو آباد کردیا، اس کے بنجر ہونے کے بعد۔ یہی جو زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی بے شک یہی زندہ کرے گا مردوں کو وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ ہر چیز کے اُوپر قدرت رکھنے والا ہے، یعنی تھوڑے تھوڑے وقفے سے اسی مضمون کا اعادہ ہورہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود آخرت کی یاددہانی کرانا مقصود ہے، اور آخرت کے متعلق انسانوں کے اندر جو غفلت ہے اسی کو دور کیا جارہا ہے، یہی زندہ کرے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا

ہے۔ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا اور اگر ہم ہوا بھیج دیں، یہاں ہوا سے مراد ایسی ہوا ہے جو انسان کو تکالیف پہنچانے والی ہے، جس میں عذاب والا معنی ہے یہ قرآنِ کریم میں "ریاح" کا لفظ جہاں بھی آیا اس سے اللہ کی رحمت کی ہوائیں مراد ہوتی ہیں۔ جمع کا صیغہ جہاں بھی آیا، بابرکت ہوائیں مراد ہیں۔ اور مفرد کے طور پر جب اس کو ذکر کیا جاتا ہے، تو اکثر و بیشتر اس میں عذاب والا معنی ہوتا ہے۔

تلون مزاجی:۔

اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ : ① قرآن کریم میں دوسری جگہ موجود ہے کہ ہم نے ان پر بے برکت ہوا بھیجی۔ اور اگر ہم بھیجتے ہیں ہوا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا تو یہاں ضمیر کھیتی کی طرف لوٹ رہی ہے، یہ اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ کے تحت مذکور ہے۔ یعنی جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اٰثٰر سے بارش کے اثرات مراد ہیں۔ بارش سے جو نباتات اُگتے ہیں وہی مراد ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں وہ اپنی اس کھیتی کو زرد اس ہوا کے نتیجے میں جیسے سخت سرد ہوا چلی جس سے کھیتی خشک ہوگئی یا کوئی بہت زیادہ لو چلی، اور اس نے کھیت کو خشک کر دیا، لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ تو پھر وہ اس کے بعد البتہ ناشکرے ہو جاتے ہیں، یعنی پچھلی ساری نعمتیں ان کو بھول جاتی ہیں، کبھی ایک دفعہ بھی کھیتی خراب ہو جائے اس کے خشک ہونے کے آثار پیدا ہو جائیں، تو بڑے ناشکرے ہو جاتے ہیں، کھایا پیا یاد ہی نہیں رہتا، سب ختم تو یہ ہے تلون مزاجی کہ منٹ میں خوش اور منٹ میں ناشکرے۔ ذرا حالات اچھے ہو جاتے ہیں، دندناتے ناچتے ہیں خوشی کے مارے اور ذرا مرضی کے خلاف بات آ جائے، تو آس توڑ کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ ان کے متلون مزاج ہونے کی علامت ہے۔

آپ کافروں کو سنوا اور منوا نہیں سکتے:۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى : تو یہ لوگ جو آپ کے سمجھائے سمجھتے نہیں، تو یہ مردہ ہیں روحانی طور پر، ان کے دل مردہ ہیں، ضمیر کے مردہ لوگ ہیں، ان کو سنانا یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اور نہ ہی آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، گویا کہ یہ مردہ بھی ہیں، بہرے بھی ہیں، اندھے بھی ہیں، نہ یہ آنکھوں سے کام لیتے ہیں نہ ہی کانوں سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی عقل سے کام لیتے ہیں، مردہ ہو گئے عقل کے اعتبار سے، ضمیر کے اعتبار سے

① پارہ نمبر ۲۷: سورۃ ذاریات: آیت نمبر ۴۱

قلوب کے اعتبار سے، روحانی اعتبار سے، تو یہاں موتی سے صُمّ سے عُمی سے کافر مراد ہیں یہ حقیقتاً موتی یا حقیقتاً بہرے یا حقیقتاً اندھے مراد نہیں ہیں، اس لئے قرآنِ کریم میں یہ مسئلہ ذکر نہیں کیا گیا، کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے......! بلکہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کافروں کو سنوا منوا نہیں سکتے حقیقتاً کیا بات ہے؟ وہ تفصیل مکمل آپ کے سامنے سورۃ نمل میں آ گئی تھی۔ یعنی جن کا یہ حال ہے کہ منٹ میں کچھ، اور منٹ میں کچھ، پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ ان کو تو سنوا منوا نہیں سکتا۔ یہ تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ بے شک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہ ہی بہروں کو پکار۔ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہوں۔ وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اور نہ آپ ہدایت دینے والے ہیں اندھوں کو، ان کی گمراہی سے بچا کر ''عَنْ'' یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہاں ہدایت کے اندر صَرْف والا معنی ہے تو فَاِنَّكَ میں فَ جس طرح سے بتاتی ہے، ماقبل کے مضمون پر تنبیہ ہے کہ یہ لوگ جن کے یہ حالات ہیں، یہ تو مردوں کی طرح ہیں، بہروں کی طرح ہیں، اندھوں کی طرح ہیں، ان کو سیدھے راستے پہ لے آنا آپ کے بس کی بات نہیں۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ نہیں سناتے آپ مگر مومنوں کو ہی جو ایمان لاتے ہیں۔ وہ آپ کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں آپ ان کو سناتے ہیں منوا لیتے ہیں۔ یا جو ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یہ مقابلہ ہے مَنْ یُّؤْمِنُ کا موتی کے ساتھ۔

سماع دو قسم پر ہے:۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ: یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ ''موتی'' سے کافر مراد ہیں جیسا کہ دوسرا قرینہ ذکر کیا تھا پہلے پارے میں واضح طور پر کہ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یہ ان کی عدم تاثر کی بات ہے، کہ ڈرایا نہ ڈرا وہ لوٹیں گے نہیں، آگے لفظ ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ کافروں منافقوں کے ذکر کے بعد کہ یہ صم ہیں، بکم ہیں، اندھے ہیں تو وہاں بالیقین کفار مراد ہیں، وہی جن کے متعلق کہا کہ مانیں گے نہیں۔ انہیں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ یہ اندھے ہیں، گونگے ہیں، بہرے ہیں، اس طرح یہاں انہیں کو مردہ کہا جا رہا ہے، انہیں کو بہرہ کہا جا رہا ہے، اور انہیں کو اندھے کہا جا رہا ہے، ان کے مقابلے میں جو مومن ہیں وہ زندہ ہیں، وہ سننے والے ہیں اور دیکھنے والے ہیں وہ آپ کی باتیں سن کر متاثر ہوتے ہیں، آپ انہیں کو سنا سکتے ہیں، جو ایمان لاتے ہیں، فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ پھر وہ فرمانبردار ہوتے ہیں، یعنی جن کے اندر ایمان کا، فرمانبرداری کا جذبہ ہے، یہی آپ کی بات کو سنیں گے، یہی آپ کی بات کو مانیں گے، اس لئے حقیقتاً مردوں کا کیا درجہ ہے؟ قرآنِ کریم

میں یہ مسکوت عنہ ہے، عبارت النص کے طور پر کسی آیت میں یہ ذکر نہیں کیا گیا۔ کہ مردے سنتے نہیں ہیں، وہ قرائن سے ثابت کرتے ہیں ثابت کرنے والے۔ ان کے پاس بھی قرائن ہیں، اور جو انکار کرتے ہیں، ان کے پاس بھی قرائن ہیں، سماع کونسا؟ مسلمانوں والا۔ سماع دو قسم کا ہے ایک کافروں مشرکوں والا جو اپنے اللہ کے متعلق خیال کرتے تھے۔ کہ وہ ہر جگہ سے سنتے ہیں، ہر بات سنتے ہیں، ہر کسی کی سنتے ہیں مشرکین جو اپنے اللہ کے متعلق اس قسم کے خیال رکھتے تھے، یہ سماع کا عقیدہ شرک ہے، جس کے متعلق ایسے سماع کا عقیدہ بنالیا جائے، اس کو آپ نے اللہ کا شریک بنالیا، مشرکین کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے، جو آیات آئیں ان میں اسی سماع کی تردید ہے، جن کو ہم سماع لازم اور دائم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وہ سماع جو مسلمانوں میں مختلف فیہ ہے، اس میں ایسا نہیں بلکہ اس کو سماع فی الجملہ کہا جاتا ہے، اس کیلئے قرائن دونوں طرح کے ہیں بعض اس کا قول کرتے ہیں بعض نہیں کرتے یہ تفصیل آپ کے سامنے سورۃ نمل میں کردی گئی تھی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا، پھر اللہ ضعف کے بعد قوت بنادیتا ہے

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ

پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنادیتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،

وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙۗ

اور وہی علم اور قدرت والا ہے ﴿۵۴﴾ جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے،

مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ

نہیں ٹھہرے ایک گھڑی کے علاوہ۔ اسی طرح وہ دنیا میں پھیرے جاتے تھے ﴿۵۵﴾ کہیں گے وہ لوگ

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ ٘

جو علم اور ایمان دیئے گئے بیشک ٹھہرے ہو تم اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کے مطابق اٹھنے کے دن تک

فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ

پس یہ اٹھنے کا دن ہے لیکن تم دنیا میں جانتے نہیں تھے ﴿۵۶﴾ پس اس بعثت کے دن نہیں نفع دے گی

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا

اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا انکی معذرت اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا ﴿۵۷﴾ البتہ تحقیق بیان کی ہم نے

لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ

لوگوں کے نفع کیلئے، اس قرآن میں ہر قسم کی مثال، اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں،

لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ

البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، نہیں ہو تم مگر باطل پر ﴿۵۸﴾ اسی طرح سے مہر کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ

عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٥٩ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں رکھتے ۝٥٩ صبر کیجئے! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے
وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝٦٠
جو اللہ کے وعدے پر یقین نہیں لاتے وہ آپ کا استخفاف نہ کریں ۝٦٠

تفسیر

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا یعنی تمہاری ابتداء کمزوری سے ہے۔ پانی کا قطرہ، بوند بس تے انسان کی بنیاد اُٹھی کیا قوت، طاقت ہے اس کی، پھر اس کی پیدائش کے بعد بچپن کا زمانہ بھی کمزوری کا زمانہ ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ضعف سے قوۃ بنا دیتا ہے، جوانی آجاتی ہے، اور پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیتا ہے، تو تمہاری قوت اور جوانی یہ دو کمزوریوں کے درمیان گھری ہوئی ہے، ادھر بھی کمزوری، ادھر بھی کمزوری، درمیان میں چند دن کیلئے قوت اور طاقت آ گئی، تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان نہ اپنے آگے کو یاد رکھے، اور نہ اپنے پیچھے کو یاد رکھے، چند دن کی طاقت اور جوانی پر اکڑے اور کہے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ① اس سے زیادہ حماقت کیا ہے؟ نہ ماضی یاد، نہ مستقبل یاد، کل تم کیا تھے اور کل کو کیا ہو جاؤ گے؟ تمہیں یاد ہی نہیں چند دن کی جوانی وقوت پر اتنا اکڑنے اور اترانے لگ گئے، بچپن کا زمانہ یاد کرو......! کتنی قوت اور طاقت تھی پھر بڑھاپے کا نقشہ دیکھ لیا کرو......! کہ نہ گھٹنے کام دیں، نہ ہاتھ نہ آنکھ کام دے گی، نہ کمر سیدھی ہو گی۔ بچوں کی طرح پھر انسان کے اُوپر ضعف طاری ہو جاتا ہے، دو ضعفوں کے درمیان گھری ہوئی قوت، یہ کوئی ناز والی بات نہیں ہے، اترانے اور اکڑنے والی بات نہیں ہے، اور خود تمہارے اُوپر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں، یہ خود دلیل ہے کہ يَخْلُقُ مَا يَشَاۤءُ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا رہتا ہے، وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ علم اور قدرت اللہ کیلئے ثابت ہے کہ اردگرد بھی اس کے آثار پھیلے ہوئے ہیں، اس سورۃ میں بہت کثرت کے ساتھ اس کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر دیا گیا، مِنْ اٰيٰتِهٖ کا کتنی جگہ ذکر آیا ہے، اور اگر زیادہ نہیں اپنی طرف ہی توجہ کرو گے تو اپنے بچپن سے لیکر بڑھاپے

① پارہ نمبر ۲۴، سورۃ نمبر ۴۱، آیت نمبر ۱۵

تک کے حالات دیکھو......! تو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ کہ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا رہتا ہے علم وقدرت اسی کیلئے ہے۔ شَیۡبًا اصل میں کہتے ہیں شَابَ یَشِیۡبُ بالوں کا سفید ہو جانا چونکہ عادتاً یہ بڑھاپے میں جا کر سفید ہوتے ہیں، اس لئے شَیۡبًا کا ترجمہ بڑھاپے سے کر دیا جاتا ہے۔ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا ① سورۃ مریم کے ابتداء میں آیا تھا کہ میرا سر سفیدی سے بھڑک اٹھا تو شیب اصل میں بالوں کے سفید ہونے کو کہتے ہیں۔

یہاں عیش وعشرت کا زمانہ بہت کم ہے:۔

وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ: جس دن قیامت قائم ہوگی، یُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ مجرم قسمیں کھائیں گے، مَا لَبِثُوۡا غَیۡرَ سَاعَةٍ نہیں وہ ٹھہرے ایک گھڑی کے علاوہ۔ کَذٰلِکَ کَانُوۡا یُؤۡفَکُوۡنَ اور اسی طرح وہ دنیا میں پھیرے جاتے تھے نہ حقیقت کا ادراک یہاں صحیح کیا اور نہ دنیا میں کیا یعنی اتنا زمانہ گزرا ہوگا دنیا میں، اور برزخ میں کہ یہ سمجھیں گے......! ایک گھڑی گزری قسمیں کھا کھا کے کہیں گے اصل بات یہ ہے کہ یہ بھی ان کی بدحواسی ہے، دنیا میں جو آرام کا وقت گزرا وہ ایک لحظہ معلوم ہوگا جس کو سمجھتے تھے کہ مَا لَکُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ② کہ ہمارے لئے زوال ہے ہی نہیں وہاں جا کے یہ معلوم ہوگا کہ ایک گھڑی گزری ہے، اور قیامت کی سختیوں کے مقابلے میں، برزخ بھی ان کیلئے کچھ نہ کچھ باعث راحت تھی، تو راحت کا زمانہ جو ہوتا ہے، مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد، ایسے لگتا ہے جیسے ایک گھڑی میں گزر گیا ہو، قسمیں کھا کھا کر کہیں گے، یہاں ان کا حال بیان کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ عیش وعشرت کا زمانہ بہت کم ہے، وہاں قسمیں کھاؤ گے کہ یہ تو ایک ساعت کی طرح تھا، اور آگے بڑی زندگی آنے والی ہے، تو یہاں کی عیش وآرام کے متعلق فکر کرتے ہو، اگلی زندگی کی بھی فکر کرو......! دنیا کے اندر بھی ایسے چکرائے ہوئے تھے، ایسے پلٹا دیئے جاتے تھے، کہ بات کو صحیح سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے، اور یہاں بھی ان کا ادراک صحیح نہیں۔

اہل علم وایمان قیامت کے دن مطمئن ہوں گے:۔

وَقَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ: اور وہ لوگ جن کو علم دیا گیا، ایمان دیا گیا، ان کے حواس وہاں بھی صحیح ہوں گے، کہیں گے وہ لوگ جو علم دیئے گئے، ایمان دیئے گئے، لَقَدۡ لَبِثۡتُمۡ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوۡمِ الۡبَعۡثِ، کِتٰبِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی کتاب، اللہ کی تحریر، اللہ کا نوشتہ۔ بے شک ٹھہرے ہو تم اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کے مطابق، یَوۡمِ الۡبَعۡثِ یہ بعث کا دن

---

① پارہ نمبر ۱۶: سورۃ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۴

② جیسے پارہ نمبر ۱۳: سورۃ مریم: آیت نمبر ۴۴ میں ہے

آ گیا وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔لیکن تم دنیا میں جانتے نہیں تھے کہ ایک بعث کا دن بھی آنے والا ہے، یہ جس میں آج تم اٹھ کھڑے ہو یہی بعث کا دن ہے، فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ پس یہ بعث کا دن نہیں نفع دے گا، ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ان کا معذرت کرنا، ظالموں سے مراد بدکردار کافر، مشرک اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ① جس دن ایسا ہوگا یعنی جس دن اٹھ کھڑے ہوں گے قیامت کا دن آ جائے گا اس دن ظالموں کو عذر کرنا کوئی نفع نہیں دے گا، وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ اِسْتِعْتَاب اس کا مأخذ ہے عتاب اور عتاب کہتے ہیں غصے کو، اعتاب باب افعال سے ہو تو ازالہ عتاب کے معنی میں ہے، استعتاب ہو تو ازالہ عتاب کا مطالبہ کرنا، ان کی معذرت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی، اور نہ ان سے یہ مطالبہ کیا جائے گا، کہ اللہ کی ناراضگی کو آج زائل کرلو......! غصے کے زائل کروانے کا بھی ان سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، یعنی یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم کوئی توبہ کر کے معافی مانگ کے آج اس غصے کو زائل کرلو......! ایسا موقع بھی ان کو نہیں دیا جائے گا۔ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ کا یہ معنی ہے اس کا حاصل یہ ترجمہ کر دیا جاتا ہے کہ ان سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، یا توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا، اصل مفہوم اس کا یہی ہے کہ ان سے راضی کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کہ تم اب اللہ کو راضی کرلو......! اس لئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ نہ ان سے کوئی منوانا چاہے گا یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم اب اللہ کو منالو......! عذر معذرت بھی کوئی کام نہ آئے گی اور منوانے کا موقع بھی نہیں دیا جائے گا۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ البتہ تحقیق بیان کیا ہم نے لوگوں کے نفع کیلئے اس قرآنِ کریم میں ہر قسم کی مثال کو، وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں، لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ نہیں ہو تم مگر باطل پر۔ تم سے مراد رسول بھی، رسول کے ماننے والے بھی، سب مبطل ہو، باطل کا ارتکاب کرنے والے، اس نشانی کو جادو کہیں گے، لانے والوں کو جادوگر کہیں گے۔ ماننے والوں کو جادوگر کا متبع کہیں گے۔ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اسی طرح سے مہر کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں رکھتے، بے علموں کے دل ایسے ہی سخت ہو جاتے ہیں، اور پھر وہ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے یعنی ان کی بدکرداری کے نتیجے میں، آہستہ آہستہ ان کی استعداد ختم ہو جاتی ہے، تاثر نہیں رہتا چونکہ خالق ہر کیفیت کا ایک اللہ ہے، اس لئے نسبت اس کی طرف کر دی جاتی ہے، یہ حاصل ہے ساری سورت کا، بہت اللہ نے

① پارہ نمبر ۲۱: سورۃ لقمان: آیت نمبر ۱۳

آیات بیان کر دیں اب جو لوگ متاثر نہیں ہوتے، تو یوں سمجھو......! کہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے، فَاصۡبِرۡ آپ حالات کا مقابلہ کرتے رہیے، مستقل مزاج رہیے گھبرانے کی بات نہیں ہے، صبر کیجئے......! اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، جس کی بیسیوں مثالیں اس سورت کے اندر ذکر کر دی گئیں، خاص طور پر رومیوں والا واقعہ جو تھا، وہ تو بہت ہی واضح مثال ہے اللہ کے وعدے کے سچے ہونے کی وَّلَا یَسۡتَخِفَّنَّکَ الَّذِیۡنَ لَا یُوۡقِنُوۡنَ جو اللہ کے وعدے پر یقین نہیں لاتے وہ آپ کا استخفاف نہ کریں۔ استخفاف کا معنی ہوتا ہے کسی کو ہلکا بنا لینا، ہلکا سمجھ لینا، باتیں کر کے ہنسی مذاق میں، اُسے اڑا دینا، بے برداشت کر دینا، یہ استخفاف کا معنی ہوتا ہے۔ بے برداشت نہ کرنے پائیں آپ کو وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے، یعنی ہنسی مذاق کر کے آپ کے قدم نہ اکھیڑ دیں۔ بے برداشت نہ کر دیں، آپ اللہ کے وعدے پر یقین رکھئے......! اور اللہ کا وعدہ سچا ہے، جو وعدے آپ سے کیے گئے ہیں کہ ایک دن کفر مغلوب ہوگا، اور مومن لوگ غالب آئیں گے، دنیا وآخرت میں کامیابی ایمان والوں کیلئے ہے، کافر خسارے میں رہیں گے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں، وقت پر آپ کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے۔

سُورۃ

لقمٰن

مکیّۃ

آیاتہا ۳۴ | ۳۱ سورۃ لقمٰن مکیۃ ۵۷ | رکوعاتہا ۴

سورۂ لقمان مکہ میں نازل ہوئی اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

الٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ اس حال میں کہ یہ ہدایت اور رحمت ہے محسنین کے لئے ﴿۳﴾

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو آخرت

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کے ساتھ یقین لاتے ہیں ﴿۴﴾ یہی لوگ اس ہدایت پر ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ہے یہی لوگ ہیں

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ

فلاح پانے والے ﴿۵﴾ لوگوں میں سے بعض، وہ ہے جو خریدتا ہے غفلت میں ڈالنے والی بات کو تاکہ بھٹکائے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اللہ کے راستے سے بغیر علم کے اور بنائے اس اللہ کے راستے کو ہنسی مذاق۔ ان کے لئے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

ذلیل کرنے والا عذاب ہے ﴿۶﴾ اور جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں پیٹھ پھیرتا ہے وہ تکبر کرتا ہوا گویا کہ

لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾

اس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں ثقل (بوجھ) ہے پس آپ اس کو خبر دے دیجئے درد ناک عذاب کی ﴿۷﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ
جولوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے خوشحالی کے باغات ہیں ﴿۸﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے
فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۹﴾ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو
بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ
بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھو اور ڈالے اللہ تعالیٰ نے زمین میں بوجھل پہاڑ تاکہ زمین تمہیں لے کے ایک طرف کو مائل نہ ہو جائے
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا
اور پھیلایا اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر قسم کے دابہ کو اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پس اُگایا ہم نے
فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ
زمین میں ہر مفید قسم کی مختلف قسمیں ﴿۱۰﴾ یہ تو اللہ کی مخلوق ہے دکھاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے
الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾
انہوں نے جو اللہ کے علاوہ ہیں، بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں ﴿۱۱﴾

تعارف سورۃ اور ماقبل سے ربط:۔

یہ سورۃ لقمان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ۳۴ آیتیں ہیں اور ۴ رکوع ہیں سورۃ مکی ہے اس لئے مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی اصولِ دین کا تذکرہ ہے، پچھلی سورتوں میں توحید و اثبات معاد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا، اور اس میں زیادہ تر آفاقی دلائل بیان کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت ساری آیات پچھلی سورت میں مذکور ہوئیں، اس سورت میں خصوصیت کے ساتھ ذکر آرہا ہے حضرت لقمان کے وعظ کا، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ توحید صرف یہی نہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے اس کی تعلیم دی، بلکہ مسلّم عقلاء اور صاحب حکمت لوگ وہ بھی اسی عقیدے پر تھے اور اسی عقیدے کی تلقین کرتے تھے، تو حضرت لقمان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا، ابتدائی آیات سورۃ بقرہ کے ساتھ ملتی جلتی ہیں۔ ان کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

تفسیر

الٓمّٓ : حروف مقطعات ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ'' ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں اور بعض حضرات الٓمّٓ کو سورۃ کا نام بتاتے ہیں تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ، رَحْمَةً یہ منصوب ہے یہ قرینہ ہے کہ هُدًى بھی منصوب ہی ہے اگر چہ هُدًى کے اوپر اعراب تقدیری ہے تو یہ حال واقع ہو جائیں گے اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ سے، کیونکہ تِلْكَ کے اندر اُشِیْرُ فعل والا معنی ہے اس حال میں کہ یہ ہدایت اور رحمت ہے محسنین کیلئے کتاب یا کتاب کی آیات جو بھی کہہ لیں یہ ہدایت ہیں، رہنمائی کا ذریعہ ہیں، اور اللہ کی رحمت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں لِّلْمُحْسِنِيْنَ محسن کی جمع آ گئی محسن یہ احسان سے لیا گیا ہے اَحْسَنَ اِحْسَانًا ہر کام کو اچھے طریقے سے کرنا، تو محسنین کو ہم نیکوکار اور خوب کار کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں، جو ہر کام کو حسن خوبی کے ساتھ کرنے والے ہیں، وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور جو بدکردار ہیں بدی کی طرف جن کا رحجان ہے، اچھائی کی طرف جن کا رحجان ہی نہیں، وہ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے نیکوکاروں کیلئے یہ ہدایت اور رحمت ہے، یعنی ابتداءً یہ راہنمائی ہے اور جب کوئی شخص اس راستے سے فائدہ اٹھائے گا تو اللہ کی رحمت اس کو حاصل ہو جائے گی، آگے محسنین کی صفات ذکر کی جا رہی ہیں کہ نیک کار خوب کار کون لوگ ہوا کرتے ہیں؟ جو نماز قائم کرتے ہیں اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ کی تفسیر بارہا ہو گئی اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں زکوٰۃ سے مراد نفلی صدقات بھی ہو سکتے ہیں، کیونکہ مکہ معظمہ میں اس نظم کے تحت زکوٰۃ نہ دی جاتی تھی نہ لی جاتی تھی، یہ سارے کا سارا نظم مدینہ منورہ میں جا کے قائم ہوا زکوٰۃ کے وصول کرنے کا انتظام کیا گیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فرضیت زکوٰۃ تو مکہ معظمہ میں ہو گئی تھی لیکن لوگ اپنے طور پر اپنے مال میں سے خرچ کرتے رہتے تھے کوئی اندازہ کہ کس مال میں سے کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے مکہ معظمہ میں یہ نہیں تھا یہ سارا نظم مدینہ منورہ میں جا کے قائم ہوا، اس لئے صدقہ خیرات جتنی بھی کسی کو توفیق ہوتی وہ اپنے طور پر کر لیتا یعنی مال میں سے کچھ خرچ کرنا فرض تو ہو گیا تھا، اگر چہ یہ تفصیل مکہ معظمہ میں نہیں تھی جو مدینہ منورہ میں کی گئی۔ بہر حال بدنی عبادت آ گئی اقامت الصلوٰۃ میں اور مالی عبادت آ گئی اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ میں وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ خصوصیت کے ساتھ یہ بات ذکر کی جا رہی ہے کہ محسنین وہی ہوتے ہیں جو آخرت کے ساتھ یقین لاتے ہیں، کیونکہ آخرت کا یقین ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش

ہونے کا، اعمال کے محاسبے کا ڈر ہوگا، تو ہی جا کے انسان اچھا کردار ادا کرتا ہے اور اگر خیال یہی ہو کہ مرنے کے بعد مٹی ہو جانا ہے کوئی ہمیں پوچھنے والا نہیں، کسی کے سامنے ہم نے حساب کتاب نہیں دینا تو پھر انسان متبع شہوات ہو جاتا ہے۔ کہ یہاں مزے کی زندگی گزار لو، عیش اُڑا لو جس طرح سے بھی ہو سکے اس کے عمل میں، کردار میں حُسن خوبی نہیں آسکتی کسی صورت میں بھی، اچھائی بُرائی کا اس کے ذہن میں معیار ہی نہیں ہوگا، وہ دیکھے گا کہ خواہش کس طرح سے پوری ہوتی ہے وہی اچھا کام ہے وہ کرے گا اور جس سے اپنی خواہش پوری نہیں ہوتی وہ چھوڑ دے گا، اگر آخرت کا عقیدہ نہ ہو تو پھر انسان متبع شہوات ہو جاتا ہے، عمل کے اندر خوبی پیدا ہوتی ہے آخرت کے عقیدے سے، أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. یہی جو اقامت الصلوٰۃ کرتے ہیں ایتاء الزکوٰۃ کو انہوں نے اپنایا ہے اور آخرت کا عقیدہ رکھتے ہیں یہی لوگ اس ہدایت پر ہیں۔ جو ان کے رب کی طرف سے ہے یہ مِّن رَّبِّهِمْ یہ هُدًى سے تعلق رکھتا ہے جو ہدایت ان کے رب کی طرف سے آئی ہے یہ لوگ اس ہدایت پہ قائم ہیں، تو گویا کہ کتاب یہی ہدایت دیتی ہے۔ کہ نماز پڑھو......! زکوٰۃ ادا کرو......! آخرت کا یقین رکھو......! جس شخص نے یہ فائدہ اٹھا لیا اللہ کی کتاب سے اس کو اللہ کی طرف سے رحمت حاصل ہوگئی، اور یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے جو اس کتاب سے ہدایت حاصل کر کے بدنی طور پر عبادت کرتے ہیں۔ اپنے عقیدے کو درست رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ حدیث تو بات کے معنی میں ہے اور لہو ولعب یہ لفظ کئی دفعہ قرآن مجید میں آیا ہے کھیل کود کے معنی میں، اور اَلْهَا يُلْهِي اِلْهَاءً ماضی مضارع دونوں قرآنِ کریم میں مستعمل ہیں، غفلت میں ڈالنا الھا ماضی کا صیغہ آیا ہوا ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ غفلت میں ڈال دیا تمہیں ایک دوسرے کے مقابلے میں کثرت پیدا کرنے کے جذبے نے، تو لہو اس چیز کو کہتے ہیں جو غفلت میں ڈالنے کا باعث بن جائے، تو لَهْوَ الْحَدِيثِ میں اضافت ایسی ہے جس طرح سے کہ زخرف القول میں ہے، یعنی صفت کی اضافت موصوف کی طرف۔ وہاں بھی ترجمہ کیا گیا تھا اَلْقَوْلُ الْمُزَخْرَفُ مزین بات ملمع شدہ بات جس کی حقیقت کچھ اور ہو، چمک کچھ اور ہو، ظاہر اور ہو، باطن کچھ اور ہو، اسے زخرف القول کہتے ہیں اَلْقَوْلُ الْمُزَخْرَفُ سجائی ہوئی بات، ملمع کی ہوئی بات اور اس طرح سے لَهْوَ الْحَدِيثِ کا معنی ہو جائے گا، الحدیث الْمُلْهِي غفلت میں ڈالنے والی بات، الاحادیث اَلْمُلْهِيَة غفلت میں ڈالنے والی باتیں جمع کے طور پر اس کو تعبیر کر دیں گے تو یہ اضافت ہو جائے گی صفت کی

موصوف کی طرف اور اضافت مِنْ بھی بنائی ہے مفسرین نے ای لھو من الحدیث کیونکہ لہو صرف بات ہی نہیں ہوتی بعضے کام بھی لہو کا مصداق ہوتے ہیں، تو مِنَ الْحَدِیْث بیان بن جائے گا اس کا کہ یہاں لہو سے مراد حدیث ہے، یوں بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے، کیونکہ بعضے کام بھی ہوتے ہیں جو غفلت کا باعث بنتے ہیں اور بعضے باتیں بھی ہوتی ہیں جو غفلت کا باعث بنتی ہیں، یہاں لہو کا مصداق بات کو بنا دیا گیا، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ مَنْ چونکہ مفرد ہے اس لئے یشتری مفرد کا صیغہ آیا اشتریٰ کا معنی خریدنا بیع و شراء یہ لفظ آپ سنتے رہتے ہیں اور ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کے اختیار کرنے کیلئے بھی لفظ اشتراء کا بولا جاتا ہے، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ① جنہوں نے ہدایت کو چھوڑ کے گمراہی کو اختیار کرلیا تو ایسے موقع پر بھی اشتراء کا لفظ بولتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لوگوں میں سے بعض وہ ہیں، اگر جمع کے طور پر ترجمہ کرنا چاہیں تو بھی ٹھیک ہے اور اگر مفرد کے طور پر کرنا چاہیں تو بھی ٹھیک، لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو خریدتا ہے غفلت میں ڈالنے والی بات کو تاکہ بھٹکائے اللہ کے راستے سے، بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر علم کے وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا، هَا ضمیر سَبِيْلِ کی طرف لوٹ رہی ہے لفظ سَبِيْلِ قرآنِ کریم میں مذکر مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہوا ہے اور تاکہ بنائے اس اللہ کے راستے کو ہنسی مذاق اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ان کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے، وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا اور جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا پیٹھ پھیرتا ہے وہ تکبر کرتا ہوا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا گویا کہ اس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا وقر کہتے ہیں بوجھ کو یہ کانوں میں جو ثقل پیدا ہو جاتا ہے گویا کہ اس کے کانوں میں ثقل ہے، بہرا پن ہے فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ پس آپ اس کو خبر دے دیجئے دردناک عذاب کی۔

شانِ نزول:۔

اس آیت کے شانِ نزول میں لکھا گیا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص نضر بن حارث تھا اور یہ مکہ کی ممتاز شخصیات میں سے ہے۔ ابوجہل کی طرح یہ سرورِ کائنات ﷺ سے عداوت رکھتا تھا، اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھا، تاجر تھا، باہر جایا کرتا تھا تجارت کیلئے۔ جب یہ ایران کی طرف فارس کی طرف سفر کرتا تو یہ وہاں سے رستم وغیرہ اور شاہانِ ایران کے قصے کہانیاں وہ کتابیں جن کے اندر یہ چیزیں لکھی ہوئی ہوتی تھیں جس طرح سے آج کل یہ ناول

① پارہ نمبر ۲، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۷۵

ہیں اس زمانے میں بھی ایسے قصے کہانیوں کا رواج تھا، یہ وہاں سے ایسی ہی کتابیں خرید کر لاتا اور پھر مکہ معظمہ میں مجلس لگاتا، اور لوگوں کو ترغیب دیتا کہ یہ محمد ﷺ (ان کے اپنے کہنے کے مطابق) کہ یہ محمد ابن عبداللہ تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتا ہے اور خواہ مخواہ ڈراتا رہتا ہے کہ نماز پڑھو......! یہ کرو وہ کرو۔ آؤ میں تمہیں اس سے زیادہ لذیذ جدید حکایتیں سناتا ہوں تو آوارہ قسم کے لوگ اکٹھے ہو جاتے حضور ﷺ قرآنِ کریم سناتے اور وہ یہ کہانیاں سناتا اس طرح لوگوں کو قرآنِ کریم سننے سے روکتا تھا اور ایک گانے والی لونڈی لایا کہیں سے بہت اچھی خوش آواز بڑی اچھی گویا تھی اور اس قسم کی مجلسیں لگاتا جس طرح سے کہ میلے لگا کرتے ہیں، وہاں لوگوں کو اکٹھا کرتا مقصد اس کا یہ ہوتا تا کہ لوگ حضور ﷺ کی طرف نہ جائیں کچھ وقت ان کو ادھر مصروف کر دیا جائے تو آیت کے شانِ نزول کے اعتبار سے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کا مصداق وہی ہے، اس لئے یہاں اگر اشتراء حقیقتاً خریدنے کے معنی میں رکھ دیا جائے تو یہ واقعہ کے مطابق ہے، وہ خرید کے لاتا تھا غفلت میں ڈالنے والی بات۔ مقصد اس کا ہوتا تھا اللہ کے راستے سے روکنا، اس کی اس آیت میں مذمت کی گئی، لیکن آپ جانتے ہیں کہ آیت اسی پر بند نہیں ہوا کرتی جو اس کا شانِ نزول ہوا کرتا ہے بلکہ جو واقعہ بھی اس قسم کا ہو اس پر یہ صادق آسکتی ہے۔

جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیں وہ لہو ولعب ہیں:۔

اس لئے اسی کے حکم میں ہے ہر وہ چیز جس میں مصروف ہونے کے ساتھ اللہ کے ذکر سے غفلت ہوتی ہو وہ سب اس کا مصداق ہو سکتے ہیں، اس لئے یہ ناول یہ قصے کہانیاں فضول قسم کے پڑھنا جن میں مشغول ہونے کی بناء پر انسان قرآنِ کریم کی تلاوت سے محروم رہ جائے دل ودماغ پر غفلت طاری ہونیکی طرف رجحان ہو تو اس قسم کی چیزیں خریدنا وہ سب اس آیت کے تحت ممنوع ہو جائیں گی۔ اگر وہ باتیں خریدی اس لئے جائیں، لائی اس لئے جائیں تا کہ لوگوں کو ایمان سے برگشتہ کیا جائے تو پھر تو آپ جانتے ہیں کہ کفر ہی ہے، اور اگر وہ باتیں اس لئے لائی جاتی ہیں کہ کفر کی ترغیب دینا تو اگرچہ مقصود نہیں لیکن اس میں مشغول ہونے کے ساتھ دینی کاموں میں غفلت ہوتی ہے لوگ تاش کھیلنے لگ جاتے ہیں، اور اس قسم کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں چاہے اس پہ بازی پیسوں کی نہ ہی لگائیں، یعنی اگر اس کے اوپر پیسوں کی بازی لگائیں تو یہ جوا ہے اور یہ تو پھر نص قطعی کے ساتھ حرام ہے، اور اگر یہ پیسوں کی بازی نہ لگائی جائے، جیت

ہار نہ ہو ویسے ہی اس کو مشغلے کے طور پر اختیار کریں اور اتنا مشغول ہو جائیں کہ نماز کے اوقات بھی یاد نہیں دوسرے ضروری کاموں سے بھی غفلت ہو جائے پھر یہ اشتغال بھی ممنوع ہوتا ہے۔

دینی کاموں میں قوت حاصل کرنے کیلئے کوئی کھیل کھیلا جائے تو باعث ثواب ہے:۔

اور اگر دین کے کاموں سے غفلت نہ ہو اگرچہ اس میں کوئی معتد بہ فائدہ نہیں اس قسم کا کھیل مباح ہے یعنی کسی وقت میں دل بہلا لیا جائے لیکن دین کے کسی کام میں غفلت نہ ہو نماز کا خیال رکھا جائے دوسرے کاموں کا خیال رکھا جائے ایسی صورت میں وہ کھیل مباح ہوگا اور اگر اس میں معتد بہ کوئی فائدہ مدنظر ہو تو پھر اس میں ثواب بھی ہو سکتا ہے جیسے ایک شخص دین کا کام کرتے کرتے تھک گیا پڑھتے پڑھاتے دماغ تھک گیا بدن میں تھکاوٹ ہو گئی تو دل بہلانے کیلئے تاکہ طبیعت میں بشاشت آ جائے سستی اتارنے کیلئے صحت کی حفاظت کیلئے تاکہ صحت کو پھر دین کے کاموں میں لایا جائے اس کے تحت اگر کوئی کھیل کھیلی جاتی ہے تو اس میں ثواب بھی ہو سکتا ہے اگر نیت یہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے اس زمانے کے اعتبار سے فرمایا کہ ہر وہ چیز جس کے ساتھ انسان دل بہلاتا ہے باطل ہے بیکار ہے سوائے تین چیزوں کے تین چیزوں کو مستثنیٰ فرمایا انسان کا اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنا، تیر اندازی کرنا، مقابلے میں ایک دوسرے کے تیر چلانا جیسے آج آپ فٹبال کھیلتے ہیں اور ایک دوسرے کو شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں تو اس وقت رواج تیر اندازی کا تھا لہٰذا مقابلہ بھی تیر اندازی میں ہوتا تھا فرمایا کہ یہ کھیل مفید ہے اور اس طرح کوئی شخص اپنے گھوڑے کو سدھاتا ہے گھڑ دوڑ کرتا ہے گھوڑے بھگاتا ہے شہ سواری کی مشق کرتا ہے تو فرمایا کہ یہ کھیل بھی مفید ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ دل بہلانا گھر جا کے۔ ان تین کو مستثنیٰ فرمایا① کیونکہ تیر اندازی کے ساتھ کھیلنا اور گھوڑے کی مشق کرنا اور گھڑ سواری یہ دونوں ہی اسوقت جہاد کے مقدمات میں سے تھے کہ جب تیر چلائیں گے کہ کس کا تیر دور جاتا ہے کس کا تیر نشانے پر لگتا ہے تو یہ چیز بھی بعد میں جہاد میں کام آئے گی اس طرح گھوڑے دوڑانا ایک دوسرے کے مقابلے میں شہ سواری کی مشق کرنا یہ بھی جہاد میں کام آنے والی چیز ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ دل بہلانا یہ بیسیوں اخلاقی بیماریوں کا علاج ہے اور تحفظ ہے۔ تو گھر میں انسان بیٹھے گھر میں اپنا دل بہلائے تو تین چیزوں کا ذکر فرمایا لیکن اسی کے حکم میں ہر وہ چیز جس میں کوئی معتد بہ فائدہ ہے آج کل تیر اندازی نہیں گھڑ سواری نہیں تو صحت کی حفاظت کیلئے اگر کوئی کھیل کھیلی جائے بالکل ٹھیک ہے جبکہ نیت یہ ہو کہ قوت حاصل

① مشکوٰۃ ج۲ ص ۳۳۷، ترمذی ج۱ ص ۲۹۳ ایچ ایم

ہوگی تو ہم اپنی اس صحت کو، اپنی اس قوت کو دین کی خدمت میں صرف کریں گے پھر اس میں اس کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے اور بسا اوقات یہ ضروری ہو جاتی ہے زیادہ بیٹھے رہنے سے سستی طاری ہو جائے معدہ خراب ہو جائے صحت خراب ہو جائے تو پھر انسان نہ پڑھنے کا نہ پڑھانے کا تو ایسی صورت میں ترغیب دی جائے گی کہ ضرور کسی طرف چلو پھرو، دوڑو تا کہ صحت اچھی ہو جائے۔

جن کھیلوں میں مشغولیت کا نتیجہ ذکر اللہ سے غفلت ہو تو ایسے کھیل ممنوع ہیں:۔

لیکن ہر وہ کھیل جس میں مشغول ہونے کے ساتھ غفلت طاری ہو کہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو اور دین کے کاموں میں خلل پڑتا ہو تو وہ ساری کی ساری اس آیت کے تحت ممنوع ہیں آج کل اس کے حکم میں ٹیلی ویژن ہو گیا یہ ٹیپ ریکارڈروں پر گانے بجانا سننا وغیرہ یہ سب اسی میں داخل ہے۔ اب یہ ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈ فی حد ذاتہ ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، یہ ان کا اچھا بُرا ہونا استعمال کے تابع ہے اور اسی طرح اگر کوئی شخص اس لئے خریدتا ہے ٹیلی ویژن کہ اس پر فلمیں دیکھا کریں گے ناچ گانا دیکھیں گے، تو پھر یہ بالکل مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کا وہ مصداق ہے، کیونکہ ایسے لوگ جب فلمیں دیکھنے کیلئے، ڈرامے دیکھنے کیلئے بیٹھتے ہیں تو اگر چہ بذاتِ خود یہ بھی گناہ اور اس کے ساتھ ساتھ نماز وغیرہ کی خبر ہی نہیں رہتی، ایسی غفلت طاری ہو جاتی ہے دن بدن انسان دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے تو اس لئے ریڈیو خریدنا گانے سننے کیلئے، ٹیلی ویژن خریدنا، ٹیپ ریکارڈر خریدنا، جس طرح سے لوگ ہر وقت گیت بجاتے ہیں گانے سنتے ہیں، فلمیں دیکھتے ہیں، یہ سب اسی میں داخل ہیں نہ خریدنا جائز، نہ ان کا سننا دیکھنا جائز، لیکن ان چیزوں میں فائدے کا پہلو بھی ہے ریڈیو میں صرف خبریں سننا چاہیے اور کسی اچھے آدمی کی وعظ تقریر ہو وہ سنیے......! ٹیپ ریکارڈ میں اسی طرح اچھی باتیں محفوظ کر کے ان کو سنیں اور ٹیلی ویژن میں بھی کوئی اچھا پروگرام ہو اس کو براہِ راست دیکھا جائے اس لئے اگر اس کو رکھیں گے اور نماز کے اوقات کا خیال بھی رکھیں گے دوسرے امور دین کا خیال رکھیں گے تو اس میں کوئی حرج ہی نہیں ہے۔ فی حد ذاتہ یہ چیزیں مباح ہیں استعمال کے تحت آ کے پھر یہ چیزیں قبیح ہو جاتی ہیں، تو نضر بن حارث کا تو مقصد ہی یہی تھا کہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں نہ جائیں ان قصے کہانیوں میں لگے رہیں ناچ کی، رنگ کی، کھانے کی، پینے کی کہانیوں میں ان کو مشغول رکھا جائے تو یہ صریح کفر تھا جس کا اس نے ارتکاب کیا تو اس پر یہ وعید سنائی گئی کہ آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دیدیجئے......! خبر دے دیں۔

اہل عرب کے لئے قرآنِ کریم کی تفسیر آسان تھی:۔

جس طرح کہ ہم کہتے ہیں کہ بعضے لوگ یوں کرتے ہیں مَن لفظوں میں مفرد ہے معناً جمع ہے جو بھی ایسا ہوگا وہ اس کا مصداق بن جائے گا، اور ایسے لوگوں کا جب نام نہیں لیا جاتا تو موقع محل کے اعتبار سے وہ متعین ہوتے ہیں اس لئے قرآنِ کریم کی تفسیر ان لوگوں (زمانہ نبوی کے لوگوں) کیلئے آسان تھی حضور ﷺ صرف آیات پڑھ کے سناتے تھے وہ فوراً سمجھ جاتے تھے اور ہمارے لئے مشکل ہو جاتی ہے کہ ضمیر کدھر لوٹتی ہے کون تھا؟ کیا خرید کے لاتا تھا؟ کس طرح سے لاتا تھا؟ جس وقت تک یہ واقعہ ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اور نہ ان لوگوں کیلئے اس میں کوئی دشواری نہیں تھی ان کے سامنے یہ واقعات پیش آتے تھے وہ فوراً سمجھ جاتے تھے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي کا مصداق کون ہے؟ اور لَهْوَ الْحَدِيْثِ کا مصداق کیا ہے؟ ان کے سامنے بات نمایاں تھی۔

کھیل تماشے میں مشغول لوگوں کو نیکی کی بات اچھی نہیں لگتی:۔

لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو خریدتا ہے غفلت میں ڈالنے والی بات لَهْوَ الْحَدِيْثِ کا معنی یہ ہو جائے گا کھیل کی بات غفلت میں ڈالنے والی بات، تاکہ بھٹکا دے اللہ کے راستے سے بغیر علم کے، ہے جاہل کوئی اور دلیل تو ہے نہیں کھیل تماشے میں لگا کے لوگوں کو بھٹکانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ کے راستے کا ہنسی مذاق اڑائے جس طرح تماشے کے شیدائی ہوتے ہیں اور دنیا کے چسکاری جتنے بھی ہیں، چسکاری لوگ ان کے سامنے نیکی کی بات آئے یہ اچھی نہیں لگتی۔ جب انسان غفلت کی طرف جائے گا کھیل تماشے کی طرف جائے گا تو نیکی کی باتیں اس کو اچھی نہیں لگیں گی اور وہ کھیل تماشے کی طرف جائے گا، اور یہی لوگ ہیں جن کیلئے یہ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ چونکہ معناً مَن کے اندر جمع کا معنی تھا، معنیٰ اس کا مصداق جمع ہے تو أُولٰٓئِكَ کو جمع سے تعبیر کر دیا گیا یہی لوگ ہیں کہ ان کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے، جب غفلت میں پڑیں گے تو دوسری طرف سے بات چھوٹ جائے گی کہ اللہ کی آیات سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے، جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں ان پر تو تکبر کے ساتھ پیٹھ پھیر کے چل دیتا ہے وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا گویا کہ اس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں گویا کہ وہ بہرا ہے جس طرح سے کافروں کو صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ کہا گیا یہاں وہی بات ہے کہ ایسے گزر جاتا ہے گویا کہ سنا ہی نہیں۔ اس کے کانوں میں ثقل ہے بہرا ہے۔ خبر دیدو اس کو دردناک عذاب کی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں وہ لوگ آ گئے جو غفلت

میں نہیں پڑتے قصے کہانیوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے، ناولوں میں گھنٹے کے گھنٹے برباد نہیں کرتے، فلمیں دیکھتے ہوئے اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتے، ان کے مقابلے میں جو لوگ ایمان لاتے ہیں، اور نیک عمل کرتے ہیں ان کیلئے خوشحالی کے باغات ہیں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

قدرتِ خداوندی کے دلائل:۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا: یہ آیت ایسی ہے جیسے سورۃ الرعد کے شروع میں آئی تھی پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے تَرَوْنَهَا ھا کی ضمیر اگر عمد کی طرف لوٹائی جائے تو تَرَوْنَهَا یہ صفت بن جائے گا عمد کی، اور غیر اس کے اوپر داخل ہو جائے گا بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو یعنی بغیر ستون مرئی کے، ایسے ستونوں کے بغیر اللہ نے پیدا کیا جو تمہیں نظر آئیں، غیر کے ساتھ نفی کا معنی پیدا ہو گیا جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قدرت کے ستون تو بنائے ہیں لیکن وہ مرئی نہیں ہیں نظر نہیں آتے یا تَرَوْنَهَا کی ضمیر سمٰوٰت کی طرف لوٹا لو تو علیحدہ بات ہو جائے گی پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے۔ دیکھتے ہو تم ان آسمانوں کو وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اور ڈالے اللہ تعالیٰ نے زمین میں بوجھل پہاڑ۔ رواسی راسیۃ کی جمع ہے۔ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ تا کہ تمہیں لے کے ایک طرف کو مائل نہ ہو جائے جھک نہ جائے کسی ایک طرف کو وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ اور پھیلایا اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر قسم کے دابہ کو۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ پس اگایا ہم نے زمین میں ہر مفید قسم کی مختلف قسمیں جو فائدہ پہنچانے والی ہیں هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یہ تو اللہ کی مخلوق ہے جس کی طرف ہم نے نشاندہی کی آسمان، زمین، پہاڑ ہر قسم کے دواب پانی کا اتارنا نباتات کا اگانا یہ تو اللہ کی مخلوق ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ دکھاؤ تم مجھے، کیا پیدا کیا ہے ان لوگوں نے جن کو تم نے اللہ کے علاوہ بنا رکھا ہے اللہ کے علاوہ جن کو تم شرکاء قرار دیتے ہو، جن کو اللہ کے علاوہ پوجتے ہو، انہوں نے کیا پیدا کیا ہے دکھاؤ تو سہی......! تو جب وہ خالق نہیں تو کسی اعتبار سے لائق عبادت نہیں بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ بل کا مطلب وہی ہے کہ مخلوق میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو یہ دکھا سکیں بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں کھلی گمراہی میں ہیں بلا وجہ ہی ان کو خالق کے برابر ٹھہرائے ہوئے ہیں اور جس طرح سے خالق

کی عبادت اور طاعت کی جاتی ہے اسی طرح سے ان کی کرنے میں لگے ہوئے ہیں ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں ظالم یعنی مشرک جس طرح سے آگے آرہا ہے اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ اور اصل میں ظلم کا معنی یہ ہوتا ہے کسی غیر کا حق تلف کرنا جہاں اس کا حق ہے وہاں نہ رکھا جائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو تلف کرنا خصوصیت سے وہ حق جو توحید والا ہے یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

پکی بات ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی یہ کہتے ہوئے کہ تو اللہ کا شکر ادا کر جو شکر ادا کریگا وہ اپنے فائدے کیلئے کریگا

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ

اور جو کوئی ناشکری کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ہے ﴿۱۲﴾ قابل ذکر ہے وہ وقت جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا

وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

اس حال میں کہ لقمان اپنے بیٹے کو وعظ کہہ رہا تھا اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کر۔ بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے ﴿۱۳﴾

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ

ہم نے تاکید کی ہے انسان کو اس کے والدین کے متعلق۔ اٹھایا اس کو اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے

وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

اور اس کا جدا کرنا دو سال میں ہے، یہ کہ میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو میری طرف ہی لوٹنا ہے ﴿۱۴﴾

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا

اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرا، اس چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان دونوں کا کہنا نہیں ماننا

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ

لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا ساتھ دیجیو! اور اتباع کر ایسے شخص کی جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہو

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ

پھر تم سب کا میری طرف لوٹنا ہے، پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا عمل کرتے تھے ﴿۱۵﴾ اے بیٹے! اگر کوئی عمل

اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي

رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی چٹان کے اندر ہو

السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾
یا آسمان میں ہو یا زمین میں ہو، اللہ تعالیٰ اس عمل کو لے آئے گا، بیشک اللہ تعالیٰ باریک بین ہے خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۶﴾
يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ
اے بیٹے نماز کو قائم کیا کر، اچھائی کا حکم دیا کر اور برائی سے منع کیا کر، جو تم
عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کیا کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ﴿۱۷﴾ نہ تو پھیرا کر اپنے رخسار کو
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
لوگوں کے لئے، اور زمین کے اُوپر اکڑتا ہوا نہ چلا کر بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا ہر
مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ
اکڑنے والے فخر کرنے والے کو ﴿۱۸﴾ اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو بھی پست رکھا کر
اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾
آوازوں میں سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہے ﴿۱۹﴾

تفسیر

حضرت لقمان کا تعارف اوران کا واقعہ:۔

لقمان کے بارے میں اس بات پر تو تقریباً اتفاق ہی ہے کہ یہ نبی نہیں بلکہ کوئی معروف عقلمند، صاحب حکمت انسان گزرے ہیں، اللہ والے تھے، اللہ کے مقبول بندے تھے، صاحب حکمت تھے، دانش مند تھے، علم وعمل کی اللہ نے توفیق دی ہوئی تھی، تقریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ نبی نہیں ہیں اس لئے یہاں جو واقعہ ذکر کیا جارہا ہے تو یہ ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا جارہا ہے کہ جو دنیا کے اندر مُسَلَّم عقلاء گزرے ہیں وہ بھی شرک کو بُرا سمجھتے تھے اور توحید کی تلقین کرتے تھے باقی یہ کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کس زمانے میں ہوئے ہیں؟ اس بارے میں لوگوں کی

تحقیق ایک نہیں ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک حبشی غلام تھے جس طرح کہ ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بوستان میں ذکر کیا ہے ''شنیدم کہ لقمان سیاہ فام بود'' ① میں نے سنا ہے کہ لقمان سیاہ فام تھے تو یہ حبشی تھے اور حبشی غلام تھے اس قسم کے واقعات ان کے ذکر کئے گئے ہیں، جو اپنے آقا کی اطاعت اپنے مولا کی خدمت میں رہتے تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ کے اندر بیان کیا ہوا ہے لقمان کا قصہ وہ بھی اسی بات پر مبنی ہے کہ وہ کسی کے غلام تھے، ایک باغ میں یہ کام کیا کرتے تھے اور ان کا مالک جو تھا وہ آیا اور اس نے کہا کہ ایک ککڑی لاؤ......! ککڑی جو کہ تر ہوتی ہے اس علاقے میں جس کو آپ ''پابیاں'' کہتے ہیں تو ککڑی منگوائی اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ ککڑی اگر کڑوی ہوتی ہے تو انتہائی کڑوی ہوتی ہے، اس لئے کھانے کیلئے جب لی جاتی ہے تو چکھ چکھ کر لی جاتی ہے اور اگر کڑوی ہو تو اتنی بدمزا ہو جاتی ہے کہ اس کا نگلنا مشکل ہو جاتا ہے، اور جو کڑوی نہیں ہوتی ہے اچھی ہوتی ہے لوگ کھاتے ہیں تو اس نے ککڑی منگائی اور چھیلی کھانے سے پہلے ویسے ہی اپنے خادم پر شفقت کرتے ہوئے اپنے خادم کو دیدی، لقمان نے لے لی اور لقمان اس کو کھا گئے چہرے پر ذرا بھی ناگواری ظاہر نہیں ہونے دی، تو مالک نے بھی سمجھا ہوگا کہ ٹھیک ہے پس جس وقت اس نے منہ میں رکھی تو وہ انتہائی کڑوی تھی تو مالک لقمان سے پوچھتا ہے کہ کڑوی تھی تو نے کیوں کھائی؟ تو لقمان کہنے لگے کہ جی جس کے ہاتھ سے بارہا میٹھی چیزیں لے کر کھائی ہیں اگر ایک دفعہ کڑوی مل جائے تو کیا اس کو تھوک دیا جائے؟ یہ تو بڑی ناشکری ہے کہ جس ہاتھ سے بار بار میٹھی چیزیں کھائیں اگر کبھی کڑوی کھانی پڑ جائے تو اس کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ ② کیسی حکمت کی بات ہے، ہمارے شیخ ایسے واقعات نقل کرنے کے بعد یعنی یہ واقعہ نہیں بلکہ اس جیسے اور واقعات نقل کر کے کہتے ہیں کہ

آں را کہ بجائے تست ہر دم کرمے
عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے ③

کہ جس شخص کیلئے تیرے اوپر ہر وقت احسانات ہیں تیرے ساتھ ہر وقت کرم سے مہربانی سے پیش آتا ہے تو اگر کسی وقت نادانستہ طبیعت کے خلاف بھی معاملہ پیش آ جائے تو اس کو برداشت کر لینا چاہیے یہ کیسی ناشکری ہے کہ جس کو پنجابی میں کہتے ہیں کہ ''میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو'' کہ میٹھا ملتا جائے تو اس کو نگلتے چلے جاؤ......! اور کڑوا

---

① بوستان باب چہارم، حکایت لقمان حکیم
② دیکھیں ملفوظات حکیم الامت ج ۲۴ ص ۲۹۸، ج ۲۸، ۲۷ ص ۲۶۵
③ گلستان باب اول، حکایت نمبر ۲۵

آ گیا تو اس کو تھوک دو ایسا نہیں بلکہ کبھی کڑوا بھی برداشت کرنا چاہیے۔ ایسے ہی ہوا کرتا ہے یہ ایک شکر گزاری ہے کہ اگر کسی کے احسانات ہیں تو اگر خلافِ طبیعت معاملہ پیش آ جائے تو اس کو برداشت کر لینا چاہیے، ان کی حکمت کی اور دانش کی ایک بات ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں یہ عربی تھے اور اپنی قوم کے سردار تھے، اور یہ نصیحتیں جو اپنے بیٹے کو کی ہیں، ایسے ہی کی ہیں جس طرح کہ ایک بیٹے کو سرداری کیلئے لائق اور فائق بنایا جا رہا ہے، ایسی قسم کی صفات ہونی چاہئیں، تب جا کے انسان اپنی برادری، اپنی قوم، اپنے قبیلے کی قیادت کر سکتا ہے، کسی نے ان کی نسبت یمن کی طرف کی ہے اور زمانے کے بارے میں زیادہ تر روایات یہی ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے زمانے کے آس پاس ہی ہیں، بہر حال معروف شخصیت ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی شان کو بیان کر کے ان کی شان کو بڑھا دیا۔ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی کئی دفعہ ان کا ذکر آیا حضور ﷺ نے ان کا ذکر کیا ① اور عرب کے اندر پرانے شعراء بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے معروف آدمی تھے کہ ان کے علم کی باتیں، حکمت کی باتیں لوگ بطور ضرب المثل نقل کیا کرتے تھے تو یہاں ان کا حال بیان کر کے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دیکھو......! عقلمند لوگوں کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کو توحید کا درس دیتے ہیں اور اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں اور تم کیسے لوگ ہو اگر تمہارے بچوں میں سے کوئی بچہ اسلام اختیار کرتا ہے، توحید اختیار کرتا ہے تو تم اس کو باندھ کر مار پیٹ کرنی شروع کر دیتے ہو، یہ سورۃ عنکبوت میں آپ کے سامنے تفسیر ذکر کی گئی تھی کہ اگر کوئی بچہ مسلمان ہو جاتا تو ماں باپ اس کے اوپر تشدد کرتے تھے اور اپنے حق جتا جتا کر اس کو متوجہ کرتے تھے کہ شرک اختیار کر۔ سورۃ عنکبوت کی ابتداء میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں کا ذکر کیا گیا تھا تو یہ واقعہ بیان کر کے ان کو متاثر کرنا مقصود ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ: لَقَدْ تاکید کیلئے یعنی پکی بات ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی حکمت کا ذکر پہلے بھی آپ کے سامنے آیا تھا، دانش مندی اور علم صحیح اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق، سمجھداری تفقہ فی الدین یہ سب حکمت کا مصداق ہوتے ہیں، ہم نے اس کو دانش مندی دی تھی عقلمندی دی تھی۔

شکر کی تعریف اور اس کی اقسام:۔

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ: یہ کہتے ہوئے کہ تو اللہ کا شکر ادا کر یہاں یہ اَنْ تفسیر ہو جائے گا اٰتَيْنَا کی یعنی اس حکمت

①

میں ایک یہ بھی تھی کہ تو اللہ کا شکر ادا کر یعنی شکر والا کام یہ بھی حکمت کی بات ہے کہ جس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جائے جس کے احسانات سے فائدہ اٹھایا جائے اس کی قدر کی جائے اور آپ جانتے ہیں کہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے کہ اسی کا ترانہ گاؤ جس نے احسان کیا اور قلب سے بھی ہوتا ہے کہ اسی کی عظمت قلب میں ہو جس نے تم پہ احسان کیا اور اعضاء سے بھی ہوتا ہے کہ جس نے تم پہ احسان کیا اس کی فرمانبرداری کرو۔ شکر کی تینوں قسمیں آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں اور اصل مفہوم شکر کا یہ ہوا کرتا ہے کہ احساس ہو کہ واقعی یہ جو کچھ مجھے ملا ہوا ہے یہ اللہ کا دیا ہوا ہے اس میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں۔

شکر ادا کرنے کا طریقہ:۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا یا اللہ! تیری نعمتیں ان گنت ہیں ان کا شکر کس طرح سے ادا کیا جائے؟ اور اگر کبھی توفیق شکر کی ہو بھی جائے تو یہ بھی تو مستقل تیری ایک نعمت ہے کہ شکر کی توفیق ہو گئی پھر اس کا بھی آگے شکر ادا کریں یہ تو تسلسل ہے تو تیرے شکر سے کوئی شخص عہدہ برآ ہو بھی سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ موسیٰ! جو بندہ یہ سمجھ لے کہ اس کے پاس جو نعمت ہے وہ میری ہی دی ہوئی ہے بس اس نے میرا شکر ادا کر دیا ① یہ بات کہنے کو معمولی ہے کہ انسان اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرے یہ حقیقت میں بہت مشکل ہے، جب کسی کو کوئی کمال حاصل ہوتا ہے تو انسان اکڑتا ہے گردن اونچی ہوتی ہے، یہ سمجھ کے کہ یہ میرا کمال ہے اور جس شخص کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اس میں تواضع پیدا ہوگی انکسار ہوگا کبھی وہ اکڑا اور اترایا نہیں کرتا، اور کبھی اپنا حق نہیں جتلاتا۔

شکر کی ادائیگی کے بعد نعمت میں اضافہ ہوتا ہے:۔

اللہ کا شکر ادا کیجئے ...... ! وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ اور جو کوئی اللہ کا شکر ادا کرے گا سوائے اس کے نہیں اپنے نفع کیلئے ادا کرے گا فائدہ اسی کا ہے۔ آخرت کیلئے بھی فائدہ ہے کہ آخرت میں شکر گزاروں کیلئے بہت کچھ ہے اور دنیا میں بھی فائدہ ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ② اگر تم شکر ادا کرو گے میں تمہیں زیادہ دوں گا نعمت میں زیادتی ہوگی شکر کے ساتھ وَمَنْ كَفَرَ اور جو کوئی ناشکری کرے فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اللہ کا کوئی نقصان نہیں

① تفسیر مظہری سورۃ بقرہ آیت ۵۲ کے تحت
② پارہ نمبر ۱۳: سورۃ ابراہیم: آیت نمبر ۷

بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ہے۔تعریف کیا ہوا کا مطلب ہے کہ اس کیلئے ہر کمال ثابت ہے وہ استکمال بالغیر نہیں کرتا کہ کسی غیر کی تعریف کرنے کے ساتھ اس کی شان بڑھے یا کوئی کمال حاصل ہو اور اس کے کمال کا کوئی اعتراف کرے تو اس کو کمال حاصل ہو، ایسی بات نہیں ہے بلکہ تعریف کیا ہوا ہے یعنی ہر قسم کا کمال اس کیلئے ذاتی طور پر ثابت ہے۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت:۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ: قابل ذکر ہے وہ وقت جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا اس حال میں کہ لقمان اپنے بیٹے کو وعظ کہہ رہا تھا نصیحت کر رہا تھا اے بیٹے! شرک نہ کر اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ شرک ظلم عظیم ہے بیٹے کو شرک سے روک رہے ہیں اب یہاں مفسرین لکھتے ہیں یہ نہیں معلوم کہ بیٹا ان کا کون تھا کیسا تھا؟ وہ مشرک تھا؟ اور اس کو سمجھا رہے ہیں؟ یا جس طرح موحد کو بھی توحید پر مزید پختہ کرنے کیلئے جیسے مسلمانوں میں وعظ کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ شرک اچھی بات نہیں ہے تو یہ بھی یونہی سمجھا رہے ہیں اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مشرک ہو اور اس کو راہِ راست پہ لانا چاہتے ہیں دونوں احتمال ہیں کیونکہ ان کے بیٹے کی تفصیل معلوم نہیں کہ اس کا کیا نام تھا اس کے کیسے احوال تھے؟ یہ کہیں مذکور نہیں ہے تو اپنے بیٹے کو کہہ رہے تھے اس حال میں کہ اسے نصیحت کر رہے تھے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ والدین کا حق یاد دلاتے ہیں:۔

اب آگے وعظ آ رہی ہے حضرت لقمان کی لیکن درمیان میں اللہ تعالیٰ نے والدین کا حق ذکر کر دیا یہ جملہ معترضہ ہے درمیان میں۔اصل میں قرآنِ کریم میں اور پچھلی کتابوں میں بھی جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی والدین کی شکر گزاری کی طرف بھی متوجہ کیا ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ① اب لقمان نے بھی والدین کے ادب کی تعلیم تو دینی تھی لیکن چونکہ یہ اپنا ایک ذاتی مسئلہ بن جاتا ہے اور اپنے بیٹے کو سمجھا رہے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ لقمان نے اس نصیحت میں والدین کا حق نہ یاد دلایا ہو تو اس خلاء کو اللہ تعالیٰ نے پُر کر دیا کہ باپ نے بیٹے کو اللہ کا حق یاد دلایا تو اللہ تعالیٰ بیٹے کو ماں باپ کا حق یاد دلاتے ہیں

① پارہ نمبر ۱۵: سورۃ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۲۳

بہر حال یہ درمیان میں والدین کے حق کی یاد دہانی ہوگئی اور اس کے بعد پھر حضرت لقمان کی وعظ آرہی ہے تو وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ یہ براہِ راست اللہ کی طرف سے ہے یہ لقمان کی طرف سے یا لقمان کی زبان سے نہیں۔ ہم نے انسان کو تاکید کی ہے اس کے والدین کے متعلق وَصّٰى تَوْصِيَةً تاکیدی حکم دینا ہم نے تاکید کی انسان کو اس کے والدین کے متعلق حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ، وَهْنٍ کمزوری کو کہتے ہیں وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اٹھایا اس انسان کو اس کی ماں نے۔ برداشت کرتے ہوئے کمزوری پر کمزوری جیسے حمل کی ابتداء میں کمزوری کم ہوتی ہے جیسے بڑھتا جاتا ہے کمزوری زیادہ ہوتی جاتی ہے یہ کمزوری جو حمل کے وقت ہوئی اور دوسری کمزوری جو وضع حمل کے وقت ہوئی تو وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ مسلسل کمزوریوں کی طرف اشارہ ہے کمزوریوں پر کمزوریاں برداشت کرتے ہوئے اس کی ماں نے اس کو اٹھایا وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اس کا جدا کرنا دو سال میں ہے یہ دودھ چھڑانے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عموماً بچہ دو سال میں دودھ چھوڑ دیتا ہے باقی یہ ہے کہ شرعاً جائز کتنی مدت ہے دو سال یہ چھڑانا ضروری ہے یا دو سال کے بعد بھی پلایا جاسکتا ہے یہ فقہ میں تفصیل موجود ہے اکثر ائمہ کا قول اور ہمارے صاحبین رحمہما اللہ کا بلکہ فقہ حنفی میں مفتی بہ یہی ہے کہ دو سال میں بچے کا دودھ چھڑا دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ احسان والدین کا ہے:۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ: ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق تاکید کی ہے یہ کہتے ہوئے کہ میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو تو شکر کا لفظ والدین کیلئے استعمال کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد اس دنیا میں سب سے زیادہ احسان انسان پر والدین کے ہوتے ہیں اور یہاں والدہ کا ذکر آیا کہ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ یہ مسلسل تکلیف ہے جو والدہ اٹھاتی ہے، والد کی تکلیف اور قسم کی ہے جو بچوں کیلئے اٹھاتا لیکن جو تکلیف والدہ اٹھاتی ہے اتنا بظاہر والد نہیں اٹھاتا۔ حمل کے زمانے کی تکلیف وضع کی تکلیف پھر دودھ پلانے کے زمانے کی تکلیف اس کا پیشاب پاخانہ برداشت کرنا اس کو نہلانا دھلانا کپڑے پہنانا سلانا یہ ہر وقت کی خدمت گزاری والدہ کے ذمے ہوتی ہے اس لئے حدیث شریف میں والدہ کے حق کو زائد قرار دیا گیا والد کے حق کے مقابلے میں حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا تھا کہ میں کس کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ انہوں نے کہا پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ اس نے کہا پھر؟ آپ ﷺ نے

فرمایا اپنی ماں کے ساتھ جب اس نے چوتھی مرتبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ ① جس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کا حق تین مرتبہ ذکر کیا باپ کا حق ایک دفعہ ذکر کیا تو جہاں تک خدمت اور احسان کا تعلق ہے اس میں ماں مقدم ہے ماں کی خدمت زیادہ ہونی چاہیے اِلَیَّ الْمَصِیْرُ میری طرف ہی لوٹنا ہے تو والدین کا حق تو ہم نے یاد دلایا۔

والدین اگر حق نہیں پہچانتے تو وہ بھی محروم ہو جائیں گے:۔

لیکن ایک بات یاد رکھئے......! والدین کا حق اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ② والدین بھی اللہ کی نافرمانی کیلئے کہیں تو وہاں نہیں حق بنتا اگر وہ اپنے خالق کا حق نہیں پہچانتے تو وہ بھی حق سے محروم ہو جائیں گے، اپنی اولاد پر اپنا حق بھی وہ نہیں جتا سکتے اس لئے فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ اگر وہ تجھے مجبور کریں، تیرے پہ زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرا ایسی چیز کو جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں، یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ کوئی شریک نہیں، کسی شریک کے متعلق کوئی دلیل نہیں پیش کی جا سکتی۔ کہ کوئی اللہ کا شریک ہے، اگر وہ تیرے پہ زور ڈالیں......! کہ تو شریک ٹھہرا میرے ساتھ ایسی جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا ان دونوں کا کہنا نہیں ماننا، پھر والدین کی بات نہ مانیو۔

دنیاوی معاملات میں والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم:۔

وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا ساتھ دیجئو......! یعنی مشرک ہونے کے باوجود بھی بچوں کے ذمے والدین کی خدمت ضروری ہے، اس لئے اگر مسلک کا اختلاف ہو تو مسلک کے اختلاف میں والدین کا حق ساقط نہیں ہو جاتا، بات نہیں مانی جائے گی ان کے کہنے کے مطابق، گمراہی کو اختیار نہیں کریں گے، باقی اگر وہ گمراہ ہیں، کافر ہیں، مشرک ہیں، تو بھی دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، ان کے نان ونفقے کا خیال رکھو......! ان کی بدنی خدمت کا خیال رکھو......! وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ایسے موقع پر اتباع کرو......! ایسے شخص کی جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہو والدین کو چھوڑو......! نظریے اور عقیدے کے اعتبار سے اسی کی اتباع کرو......! جس کا رجحان میری طرف ہو ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ پھر تم سب کا میری طرف لوٹنا ہے فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم

---

① مشکوٰۃ ص ۴۲۰ عن بہز ابن حکیم/ مسند الرویانی ج ۲ ص ۱۱۴ مطبوعہ القاہرہ
② مشکوٰۃ ص ۳۲۱

کیا عمل کرتے تھے اس وقت سب حقیقت سامنے ہو جائے گی، وہاں والدین کو ان کے نظریے اور عقیدے کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی اس لئے والدین کی اتباع میں شرک کرنا جائز نہیں ہے البتہ خدمت ان کی خوب کرو......!

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو مزید نصائح:۔

آگے پھر حضرت لقمان علیہ السلام کا وعظ آ گیا، یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطے کو ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ ہر وقت یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کے سامنے ہیں ہمارا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں، یہ انسان کے اعمال کو درست کرنے کا ذریعہ ہے جب جب انسان گناہ پر جرأت کیا کرتا ہے، تو اس طرح سے کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا، بات مخفی رہ جائے گی گناہوں کا جذبہ اخفاء پر مبنی ہے، ہمیشہ یاد رکھیے......! اس لئے رسول اللہ ﷺ سے جب کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ گناہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مَاحَاكَ فِي صَدۡرِكَ وَكَرِهۡتَ اَنۡ يَطَّلِعَ عَلَيۡهِ النَّاسُ ① گناہ وہ چیز ہے جو دل میں تردد پیدا کر دے، یہ بھی دیکھ لینا چاہیے جب بھی آپ کسی بُرے کام کی طرف متوجہ ہوں گے تو دل کے اندر وہ ٹھک ٹھک ہوگی ہے یہ باطنی طور پر ایک تنبیہ ہے کہ یہ کام ٹھیک نہیں، اور دوسری علامت ذکر فرمائی وَكَرِهۡتَ اَنۡ يَّطَّلِعَ النَّاسُ اس بات پر لوگوں کا مطلع ہو جانا تجھے پسند نہ ہو یعنی تو اس کو چھپانا چاہے، تو یہ چاہے کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے بس جس بارے میں تیرے دل میں یہ آئے کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے تو سمجھ لے وہ بُرا کام ہے، تصور میں اللہ تعالیٰ کے علم کا استحضار بھی بہت اعلیٰ مراقبہ ہے، اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ② اس آیت کا جو مراقبہ کراتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہم کو یہ استحضار ہے کہ ہمارا کوئی عمل، کوئی کسی قسم کا کردار مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، ہر وقت ہم اس کے سامنے ہیں یہ استحضار علم الٰہی کا، اخلاق اور اعمال کو درست کرنے کا ذریعہ ہے، تو حضرت لقمان بیٹے کو یہی بات یاد دلاتے ہیں کہ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ، اِنَّهَآ یہ ضمیر قصہ ہے، مراد عمل ہے کیونکہ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ آگے آ رہا ہے مؤنث کا ذکر تو یہ ضمیر مؤنث کی لوٹا دی گئی، مراد عمل یا خصلت ہے، بیٹا بات یہ ہے کہ خصلت اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہو یعنی کوئی عمل رائی کے دانے

① مشکوٰۃ ص ۴۳۱
② پارہ نمبر ۳۰، سورۃ علق، آیت ۱۴

کے برابر بھی ہو فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ پھر وہ کسی چٹان کے اندر ہو یعنی چٹانوں میں گھس کے کہیں کرلو......!
جس میں کوئی روشندان نہیں، یا آسمانوں میں اَوْ فِي الْاَرْضِ یا زمین میں ہو جہاں تاریکی ہی تاریکی
ہے۔ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس خصلت کو اس عمل کو لے آئے گا اللہ سے مخفی نہیں ہے اس لئے جہاں بھی کرو، یہ سمجھ
کے کیا کرو، کہ ایک دن اس عمل نے ظاہر ہونا ہے، اللہ کے علم میں ہے، پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہو تو بھی یہی
سمجھو......! بلندیوں پہ چڑھ جاؤ؟ تو یہی سمجھو......! زمین میں گھس جاؤ......! تو یہی سمجھو......! تہہ خانوں میں گھس کر
کوئی کام کرو......! تو بھی یہی سمجھو......! کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو لائے گا یہ ظاہر ہو جائے گا۔

اچھے عمل کے اچھے اثرات اور بُرے عمل کے بُرے اثرات چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں:۔

چنانچہ حدیث شریف میں سرورِ کائنات ﷺ ریاکاری سے روکتے ہوئے کہ انسان کو دکھلاوا نہیں کرنا
چاہیے یہی بات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی چٹان میں گھس کر کوئی عمل کرے چاہے اچھا ہو یا برا ہو جس کا کوئی
روشندان نہیں اور کوئی اس کو دیکھنے والا نہیں تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو ظاہر کر دیں گے حدیث میں یہ لفظ آئے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ اس کو ایک چادر پہنا دیتے ہیں اس انسان کو جس کے ذریعے سے وہ پہچانا جاتا ہے ① مطلب یہ ہے کہ گناہ کو
چھپانے کی کوشش نہ کرو وہ ظاہر ہو کے رہے گا نیکی کو ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو وہ خود بخود ظاہر ہو جائے گی تو تم اپنی
نیت کے ساتھ اپنے عمل کو کیوں برباد کرتے ہو۔ تو فرمایا کہ چادر پہنایا جاتا ہے انسان جس کے ذریعے سے پہچانا
جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوپر آثار طاری ہو جاتے ہیں۔ آپ سن لیجئے جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ برے
ہیں برے کام کرتے ہیں بری حرکتیں کرتے ہیں بدمعاش ہیں آپ کے دل میں ان کے متعلق یہ خیال آتا ہے ان کو
بدمعاشی کرتے آپ نے دیکھا نہیں ہوتا وہ بدمعاشی چھپ کے کرتے ہیں وہ گناہ علیحدگی میں کرتے ہیں لیکن ان
کے چہرے پر ان کے بدنوں پر ایسے اثرات طاری ہو جاتے ہیں کہ دیکھنے والا آدمی سمجھتا ہے کہ یہ بدمعاش ہے اس
کی دل میں کبھی عزت نہیں آسکتی دیکھنے والے کے دل میں۔ اور اس طرح سے کوئی آدمی چھپ چھپ کے رات کو
نوافل پڑھتا ہے تہجد پڑھتا ہے نوافل پڑھتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے تو اس کے چہرے پر اس کے بدن پر ایسے اثرات
آجاتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص اس پہ نظر ڈالتا ہے تو اس کے اوپر اثر پڑتا ہے کہ یہ آدمی نیک ہے تو چھپ کے

① دیکھیے مشکوۃ ج ۲ ص ۴۵۶ باب الریاء فصل ثالث

برائی کرنے والوں کی برائی نمایاں ہوتی ہے کہ لوگوں کے قلوب پر اثر پڑتا ہے لوگوں کی آنکھوں میں اس قسم کے آثار آجاتے ہیں کہ انسان پہچان لیتا ہے جس طرح سے کہ کہا کرتے ہیں

مے تواں نہفتن عشق زمردم لیکن
زردی رنگِ رخ و خشکیٔ لب راچہ علاج؟

یہ عشق بازی تو لوگوں سے چھپا سکتے ہو لیکن یہ جو چہرے زرد زرد ہو جاتے ہیں ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں اس کو کہاں لے جاؤ گے تو اس قسم کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اس طرح سے جو نیکی کرنے والے ہوتے ہیں عبادت گزار ہوتے ہیں تو ان کے چہرے پر اس قسم کے نورانی اثرات آجاتے ہیں کہ جن کو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ واقعی یہ اللہ سے ڈرنے والا آدمی ہے اس لیے نیکی کا دکھلاوا کرنے کی ضرورت نہیں نیکی اللہ خود ظاہر کردے گا برائی کو چھپانے کی ضرورت نہیں برائی ظاہر ہو کے رہے گی اگر وہ خصلت وہ کام رائی کے دانے کے برابر ہوا پھر وہ چٹان میں ہوا، آسمانوں میں ہوا یا زمین میں ہوا، اللہ اُس کو لے آئے گا بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین ہے خبر رکھنے والا ہے یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ یہ بنیادی چیز ہے عقیدے کی تصحیح کے بعد۔ بیٹا نماز کو قائم کیا کرو۔

نیکی کا حکم اور بُرائی سے منع کرنے سے اپنا جذبہ ٹھیک ہوتا ہے:۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ اچھائی کا حکم دیا کرو وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی نیک ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نیک بنانے کی کوشش کرو صرف یہی نہیں کہ تم نیکی کو اختیار کرو...... نہیں بلکہ نیکی کے مبلغ بنو۔ یہ نہیں کہ برائی کو ترک کردو بلکہ برائی کو مٹانے کا جذبہ لاؤ تب جا کے انسان میں پختگی آتی ہے اگر آدمی صرف نیکی کرتا ہے نیکی کیلئے کہتا نہیں تو اس میں نیکی کا جذبہ کمزور ہو جائے گا جب دوسروں کو نیکی کیلئے کہے گا تو اپنا جذبہ بھی مضبوط ہوگا اور ایک آدمی برائی کو چھوڑے ہوئے ہے لیکن برائی سے کراہت نہیں کرتا دوسروں کو روکتا نہیں ہے تو برائی سے بچنے کا جذبہ کمزور ہو جائے گا جب دوسروں کو روکے گا تو اپنا جذبہ بھی مضبوط ہوگا اس لئے نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

تکلیف پر صبر ہمت کے کاموں میں سے ہے:۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ جو تم کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کیا کرو عام تکلیف کے متعلق ہے کیونکہ دنیا میں

رہتے ہوئے مرضی کے خلاف واقعات پیش آتے ہیں تو ان کو برداشت کیا کرو اور اسی طرح اگر امر بالمعروف نہی عن المنکر میں بھی کسی دشمن کی طرف سے کسی مخالف کی طرف سے کوئی طعن کوئی تشنیع کوئی بات ہو جائے اسے بھی برداشت کیا کرو جب دوسروں کو کہو سنو گے تو بسا اوقات مقابلے میں باتیں کچھ کی کچھ بھی سننی پڑ جاتی ہیں اگر ایسی کوئی بات ہو جائے کوئی تکلیف آ جائے تکلیف ہر وہ بات ہوتی ہے جو مرضی کے خلاف پیش آ جائے اس کے اوپر صبر کیا کر اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ، اَیْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْمَعْزُوْمَةِ یہ ان کاموں میں سے ہے جن کا عزم کیا جاتا ہے ڈھیلے ڈھالے ارادے سے کرنے کے یہ کام نہیں پختہ ارادے سے کرنے کے یہ کام ہیں اس لئے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ان کاموں میں سے ہے جس کیلئے انسان کو ہمت کرنی پڑتی ہے پختگی کے ساتھ جو کام کئے جاتے ہیں یہ ان کاموں میں سے ہیں یعنی امر بالمعروف اور صبر اور اقامت الصلوٰۃ یہ سب چیزیں ہمت کے کاموں میں سے ہیں وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ خَد رخسارے کو کہتے ہیں اور صعر ایک بیماری ہے جو اونٹ کو ہوتی ہے اور اونٹ کی گردن ایسے ہو جاتی ہے جس طرح آدمی کو لقوہ ہو جائے تو اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔

گفتگو کے آداب:۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کا معنی ہوگا نہ تو پھیرا کر اپنے رخسارے کو لوگوں کیلئے یعنی تیرے ساتھ اگر کوئی بات کرنے آئے تو اس کی طرف رخ کر کے توجہ کے ساتھ اس سے بات کیا کر متکبروں کی طرح منہ نہ کرلیا کر۔ سامنے کوئی آدمی آ جائے تو منہ پھیرا نہ کر، اعراض نہ کیا کر۔ جب منہ کریں گے تو گویا کہ رخسارہ اس کے سامنے آ جائے گا اور رخسارا پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ منہ دوسری طرف کرلیا جس طرح کہ متکبرین کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی بات کرنے جائے تو اس کی طرف توجہ کر کے بات نہیں سنتے بلکہ ادھر ادھر رخ کر لیتے ہیں۔ لوگوں کیلئے اپنے چہرے کو پھیرا نہ کر اور حضرت شیخ نے ترجمہ کیا کہ گال مت پھلا لوگوں کی طرف، گالیں پھلانا یہ بھی متکبرانہ برتاؤ کرنے کی طرف اشارہ ہے فاخرانہ طور پر بات کرنا جس طرح سے کہ اونٹ بڑبڑایا کرتا ہے اور گال پھلاتا ہے نہ پھیرا کر تو اپنا رخسارے کو لوگوں کیلئے یعنی اعراض نہ کیا کر بلکہ ان کی طرف توجہ کر کے ان کی بات کو سنا کر۔

زمین پر چلنے کے آداب:۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا زمین کے اوپر اکڑتا ہوا نہ چلا کر تیری چال جو ہے وہ بھی متواضع ہونی

چاہیے یَمۡشُوۡنَ عَلَى الۡاَرۡضِ هَوۡنًا ① کے اندر تفصیل ذکر کی تھی کہ اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ بیماروں کی طرح چلو جیسے ایک انسان کی سادگی کے ساتھ عادت ہوتی ہے تیز چلنے کی ضرورت ہو تو تیز چلنا بھی ممنوع نہیں بے تکلفی ہونی چاہیے کہ نہ بھاگو نہ اٹھلاؤ نہ بیماروں کی طرح چلو متوسط چال جس طرح سے ہوتی ہے زمین میں اتراتے ہوئے نہ چلا کرو تمہاری چال ڈھال سے بھی تواضع نمایاں ہو اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا ہر اکڑنے والے فخر کرنے والے کو اس لئے یہ اکڑنا فخر کرنا یہ انسان کی عزت میں اضافہ نہیں کرتا جو چیز اللہ کو پسند نہیں وہ چیز مخلوق پر بھی اچھا اثر نہیں ڈالا کرتی۔ تواضع اللہ کو پسند ہے تو تواضع انسان کے دل میں اثر کرتی ہے اور فخر و غرور اللہ کو پسند نہیں تو مخلوق پر بھی اس کا غلط اثر پڑتا ہے اس لئے جو شخص اتراتا ہے فخر کرتا ہے اکڑتا ہے سامنے اس کو کوئی برا کہے یا نہ کہے لیکن پیٹھ پیچھے سارے اس کو برا کہتے ہیں لوگوں کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی دلوں کے اندر اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِكَ اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر جس طرح سے پہلے ذکر کر دیا کہ نہ بھاگو دوڑو بلکہ میانہ روی اور اعتدال رفتار میں ہونا چاہیے وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ اور اپنی آواز کو بھی پست رکھا کر زیادہ ہر وقت چیخنا چلانا شور مچانا یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے اپنی آواز کو پست کیا کر آواز کو پست کرنے کا یہی مقصد ہے کہ شور نہ کیا کرو چلا چلا کر باتیں نہ کیا کرو گلے پھاڑ کے نہ بولا کرو اپنا گلا پھاڑنا اور دوسرے کے کان پھاڑنا یہ کوئی اچھی بات نہیں اس سے نفرت دلانے کیلئے آگے کہا کہ اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ آوازوں میں سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہے اوپری آواز جو انسان کے کانوں میں نفرت پیدا کرتی ہے اور گدھا ہی ایک ایسا جانور ہے جو بولتا ہے تو خوب زور لگاتا ہے سانس باہر نکالتا ہوا بھی، اندر کو کھینچتا ہوا بھی تو جب کوئی شخص بلاوجہ اسی طرح سے چیخے گا چلائے گا تو اس کی آواز بھی یونہی بھدی ہو جاتی ہے سننے والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اس لئے بات سنجیدگی کے ساتھ کیا کرو بلاوجہ آواز اونچی نہ نکالو اور نہ ہی اتنی پست کرو کہ دوسرا سمجھ نہ سکے مطلب یہ ہے کہ موقع محل کے مطابق ہو اگر آپ کسی مجمع کے اندر وعظ کہہ رہے ہیں اور آواز اونچی کرنے کی ضرورت ہے تو آواز اونچی کرو لیکن بلاضرورت چیخنا چلانا یہ اچھی بات نہیں یہ تو گدھے کی طرح ہینگنے والی بات ہوئی انسان ہو کر گدھوں جیسی حرکت کیوں کرے۔ اپنی بات اسی انداز سے کرو کہ گزارہ ہو جائے وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِكَ اپنی چال کے

① پارہ نمبر ۱۹: سورۃ فرقان: آیت نمبر ۶۳

اندر میانہ روی اختیار کر وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ یہ گفتار اور رفتار دونوں کا ذکر آ گیا۔ اور اپنی آواز کو پست کیا کر اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ بے شک آوازوں میں سے اوپری اور بھدی آواز البتہ گدھے کی آواز ہے حمیر یہ حمار کی جمع ہے۔ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِیۡرَ ① جس طرح سے قرآنِ کریم میں آیا ہوا ہے بغال بغل کی جمع ہے حمیر حمار کی جمع ہے گدھوں کی آواز تمام آوازوں میں سے اوپری اور بھدی آواز ہے تو چیخنا چلانا یہ کوئی خوبی کی بات نہیں بسا اوقات انسان کی آواز ایسی بھدی ہو جاتی ہے جس طرح سے کہ گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

① پارہ نمبر ۱۴: سورۃ نحل: آیت نمبر ۸

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

کیا تم دیکھتے نہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دیا تمہارے لیے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں

وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

اور کامل کیا تم پر اپنی نعمتوں کو اس حال میں کہ وہ ظاہر ہیں اور چھپی ہوئی ہیں اور لوگوں میں سے

یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا

بعض وہ ہے جو جھگڑا کرتا ہے اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب منیر کے ۝۲۰ اور جب

قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

انہیں کہا جاتا ہے کہ تم اتباع کرو اس چیز کی جس کو اللہ نے اتارا وہ کہتے ہیں بلکہ ہم پیروی کریں گے اسی طریقے کی

عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ

جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا اگرچہ بلاتا ہوگا شیطان ان کے آباء کو

السَّعِیْرِ ۝۲۱ وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

عذاب سعیر کی طرف ۝۲۱ اور جو کوئی سپرد کر دے اپنی ذات اللہ کی طرف اس حال میں کہ وہ محسن بھی ہے پس تحقیق اس نے تھام لیا

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا یَحْزُنْكَ

ایک مضبوط کڑے کو اور اللہ ہی کی طرف انجام ہے تمام کاموں کا ۝۲۲ اور جو شخص کفر کرے اس کا کفر آپ کو غم میں

كُفْرُهٗ ؕ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ

نہ ڈالے ہماری طرف ہی ان سب کاموں کا لوٹنا ہے پھر ہم انہیں خبر دیں گے ان کاموں کی جو انہوں نے کیے بیشک اللہ تعالیٰ علم رکھنے والے ہیں

الصُّدُوْرِ ۝۲۳ نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِیْظٍ ۝۲۴

سینے کی باتوں کا ۝۲۳ ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچائے گے پھر ان کو ہم کھینچ کے لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف ۝۲۴

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ

اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے پیدا کیا زمین اور آسمان کو تو البتہ ضرور کہیں گے اللہ نے آپ کہہ دیجئے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

سب خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر جانتے نہیں ﴿۲۵﴾ اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے ﴿۲۶﴾ اور اگر وہ سب درخت جو زمین میں ہیں قلمیں بن جائیں

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اور سمندر، اس کے مددگار سات سمندر اور بن جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے بے شک

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ

اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿۲۷﴾ نہیں ہیں تمہیں پیدا کرنا اور تمہیں اُٹھانا مگر ایک ہی نفس کی طرح بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں دیکھنے والے ہیں ﴿۲۸﴾ کیا تو نے دیکھا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور داخل کرتا ہے رات کو

فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

دن میں اور کام میں لگا رکھا ہے سورج اور چاند کو ہر کوئی چلتا ہے اپنے وقت معین تک

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور وہ سب چیزیں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ وہ سب باطل ہے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہے کبریائی والا ہے ﴿۳۰﴾

تفسیر

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ کیا تم نے دیکھا نہیں مضارع کے اوپر لم داخل ہو جائے تو ماضی کے معنی میں ہوتا ہے اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دیا تمہارے لئے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سَخَّرَ کا معنی تابع کر دینا کسی کی خدمت میں لگا دینا یہاں مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفع کیلئے مسخر کیا یعنی کام میں لگایا، تابع کیا ان چیزوں کو جو زمینوں میں ہیں آسمانوں میں ہیں۔ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ، اَسْبَغَ کامل کیا قرآنِ کریم میں دوسری جگہ لفظ ہے سٰبِغٰت کاملت کے معنی میں یعنی کامل کیا تم پر اپنی نعمتوں کو نِعَمْ یہ نِعْمَةٌ کی جمع ہے ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً اس حال میں کہ وہ ظاہر ہیں اور چھپی ہوئی ہیں یعنی ظاہری نعمتوں کو بھی اور باطنی نعمتوں کو بھی۔ ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو ہمارے حواس کی گرفت میں آتی ہیں ہم ظاہر میں دیکھتے ہیں اپنی آنکھوں کے ساتھ اور باطنی وہ ہیں جو عقلی استدلال کے ساتھ معلوم ہو جائیں۔ تو ظاہری باطنی، نمایاں اور چھپی ہوئی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تم پر پوری کیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو جھگڑا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر هُدًى کے اور بغیر کتاب منیر کے بغیر علم کے اندر جو نفی کا معنی معلوم ہوا یہ لا هُدًى کے اوپر جو لا ہے لا كتاب منير کے اوپر جو لا ہے یہ اسی نفی کی تاکید ہے اور یہ تینوں لفظ آپ کے سامنے سورت حج میں آئے تھے فرق بیان کر دیا گیا تھا کہ علم سے مراد ہے علم بدیہی علم ضروری جو انسان کو طبعی طور پر حاصل ہوتا ہے اور هُدًى سے مراد ہو جائے گا وہ علم جو کہ عقلی استدلال سے حاصل ہوتا ہے اور کتاب منیر سے مراد ہو جائے گا وہ علم جو کہ نقل سے حاصل ہوتا ہے اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ نہ تو اس کو کوئی واقفیت ہے اپنے طور پر اور نہ ہی اس کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے نہ اس کے پاس کوئی نقلی دلیل ہے تو کتاب منیر روشن کتاب یا روشنی پھیلانے والی کتاب اس سے نقلی دلیل مراد ہوگئی هُدًى راہنمائی یہاں عقل کی راہنمائی مراد لیں گے تاکہ کتاب منیر کے ساتھ اس کا مقابلہ نمایاں ہو جائے اور علم سے مراد واقفیت ہے جو طبعی طور پر علم ضروری کے طور پر علم بدیہی کے طور پر انسان کو حاصل ہوتی ہے تو معنی یوں بنے گا کہ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے بغیر کسی واقفیت کے اور بغیر کسی عقلی دلیل کے اور بغیر کسی نقلی دلیل کے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا اور جب انہیں کہا

جاتا ہے کہ تم اتباع کرو مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس چیز کی جس کو اللہ نے اتارا قَالُوْا وہ کہتے ہیں بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا، بَلْ اِضراب کیلئے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی ہم اتباع نہیں کریں گے مطلب ان کا یہ ہے کہ جس کو تم مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قرار دیتے ہو ہم اس کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ ہم پیروی کریں گے اسی طریقے کی جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ کیا وہ اپنے آباء کی پیروی کرتے رہیں گے اگرچہ بلاتا ہوگا شیطان ان کے آباء کو عذاب سعیر کی طرف، آگ کے عذاب کی طرف، اگرچہ شیطان ان کے آباء کو جہنم کے عذاب کی طرف لے جارہا ہو تو کیا پھر بھی یہ اپنے آباء کے پیچھے لگتے رہیں گے وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ اور جو سپرد کردے اپنی ذات اللہ کی طرف اپنے چہرے کو اللہ کے تابع کردے۔ یہاں چہرے کی طرف نسبت ہے مراد ساری ذات ہے جو اپنے آپ کو تابع کردے اللہ کے وَهُوَ مُحْسِنٌ اس حال میں کہ وہ محسن بھی ہے محسن سے اس کے دل کے اخلاص کی طرف اشارہ ہے اچھے طریقے سے دل کے خلوص کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے تابع کردے فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى عروہ کہتے ہیں حلقہ یا کڑا جس طرح سے کہ کوئی رسی ہو اور رسی کے اندر ایک حلقہ لگا لیا جائے ہاتھ ڈال کے سہارا لینے کیلئے الْوُثْقٰى کہتے ہیں مضبوط کو یہ اوثق کی مؤنث ہے۔ عروہ وثقی یعنی مضبوط حلقہ مضبوط کڑا۔ استمساک یعنی تھام لینا پس تحقیق اس نے تھام لیا ایک مضبوط کڑے کو یعنی اس کو ایک بہت مضبوط سہارا مل گیا جب آدمی کسی رسی کو پکڑ لے اس کے حلقے میں ہاتھ ڈال لے تو گویا کہ وہ گرنے سے بچ گیا اور وہ رسی مضبوط ہے ٹوٹے گی نہیں کوئی شخص اپنی غفلت کے ساتھ چھوڑ دے تو علیحدہ بات ہے چھوٹ سکتی ہے ٹوٹ نہیں سکتی اس کو ایسا سہارا مل گیا جس کے بعد وہ کسی خطرے میں گرے گا نہیں۔ تحقیق تھام لیا اس نے ایک مضبوط کڑے کو وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اللہ ہی کی طرف انجام ہے تمام کاموں کا یعنی انجام کار سارے کام اللہ کے سپرد ہونے والے ہیں وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اور جو شخص کفر کرے اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈالے اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ہماری طرف ہی ان سب کا لوٹنا ہے فَنُنَبِّئُهُمْ پھر ہم انہیں خبر دیں گے بِمَا عَمِلُوْا ان کاموں کی جو انہوں نے کئے اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک اللہ تعالیٰ علم رکھنے والا ہے سینے کی باتوں کا۔ صدور صدر کی جمع ہوگئی صدر سینے کو کہتے ہیں دل کا راز، سینے کا بھید دونوں طرح سے یہ لفظ استعمال ہوتا رہتا ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ پھر ہم ان کو کھینچ کے لے جائیں گے

سخت عذاب کی طرف وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اگر تو ان سے پوچھے کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو البتہ ضرور کہیں گے اللہ نے قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ آپ کہہ دیجئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں تو یہ مقدمہ جس وقت تسلیم کرتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ اس بات کو انہوں نے تسلیم کرلیا اس کا نتیجہ توحید ہے لیکن وہ اس میں غور کرکے توحید کو حاصل نہیں کرتے بلکہ ان میں سے اکثر جانتے نہیں بے علم ہیں اس قسم کے مقدمات کی تفصیل بھی نہیں جانتے اور اس میں غور نہیں کرتے تدبر نہیں کرتے۔

اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے جو کچھ زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے غنی یعنی بے نیاز جو کسی کا محتاج نہیں اور حمید محمود کے معنی میں تعریف کیا ہوا یعنی سارے کمالات اس کے لئے ذاتی طور پر ثابت ہیں وہ محمود ہے حمد کیا ہوا ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ اور اگر بے شک وہ سب درخت مِنْ شَجَرَةٍ یہ مَا کا بیان ہے اَقْلَامٌ یہ قلم کی جمع ہوگئی اگر وہ سب درخت جو زمین میں ہیں قلمیں بن جائیں وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ اب قلم کا ذکر آیا تو اس کے ساتھ سیاہی کا ذکر آ گیا اور مدد دے اس کو اس سمندر کے علاوہ سات سمندر یعنی اس سمندر کے مددگار سات سمندر اور بنادیئے جائیں تو یہ قلم اور سیاہی کا ذکر آ گیا جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ ان قلموں کے ساتھ اس سیاہی سے لکھنا شروع کیا جائے مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ تو اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے یہ سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کلمۃ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی آیات جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں اللہ کے تصرفات، اللہ کے ذاتی افعال اگر ان کو کوئی لکھنا شروع کرے تو یہ سیاہیاں ختم ہو جائیں گی قلمیں گھس جائیں گی لکھنے والے ختم ہو جائیں گے مگر اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوسکتیں مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ نہیں ہے تمہیں پیدا کرنا اور نہ تمہیں اٹھانا مگر ایک ہی نفس کی طرح یعنی تمہارا پیدا کرنا اور مارنے کے بعد دوبارہ اٹھانا نہیں ہے مگر ایک ہی نفس کی طرح۔ بے شک اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے اور سننے والا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور داخل کرتا ہے

رات کو دن میں اور کام میں لگا رکھا ہے اس نے سورج کو اور چاند کو ہر کوئی چلتا ہے اپنے وقت معین تک اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو خبر رکھنے والا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ اس قسم کی آیت سورۃ حج ① میں گزری تھی یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے باکمال اور ہر قسم کے کمال پر ذاتی طور پر متصف ہونے کی وجہ سے یہ تصرفات ظاہر ہو رہے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور وہ سب چیزیں جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ وہ سب باطل ہیں اور یہ اس سب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کبریائی والا ہے۔

① پارہ نمبر ۱۷: سورۃ نمبر ۲۲: آیت نمبر ۶

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ

کیا تو نے دیکھا نہیں کہ بے شک کشتی چلتی ہے سمندر میں اللہ کے احسان کے ساتھ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی بعض آیات دکھائیں بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا

اس میں البتہ نشانیاں ہیں ہر صابر اور شاکر کیلئے ﴿۳۱﴾ پھر جب ڈھانپ لیتی ہے ان کو موجیں سائبانوں کی طرح تو پکارتے ہیں

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا

اس حال میں کہ خالص کرنے والے ہوتے ہیں اس کیلئے دین کو پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف ان میں سے بعض ہوتے ہیں جو اعتدال کی راہ اختیار کر لیتے ہیں

يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

اور نہیں انکار کرتا ہماری آیات کا مگر وہ شخص جو خطار ہے ناشکرا ہے ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اس دن سے بھی ڈرو

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ

جس دن نہیں ادا کرے گا کوئی والد اپنی اولاد کی طرف سے اور نہ جنا ہوا بچہ ادا کرے گا کچھ اپنے والد کی طرف سے

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وقفة وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیاوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کوئی دھوکے باز بھی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ

اللہ کے بارے میں ﴿۳۳﴾ بیشک اللہ اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش اتارتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ

اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی نفس نہیں جانتا کل کو کیا کرے گا اور نہیں جانتا

نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

کوئی نفس کہ وہ کس علاقے میں مرے گا بیشک اللہ علم رکھنے والا ہے اور خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۴﴾

تفسیر

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ کشتیاں۔ فلک کا لفظ واحد وجمع دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، بے شک کشتی چلتی ہے سمندر میں اللہ کے احسان کے ساتھ، جمع کے طور پر بھی ترجمہ کر سکتے ہو بے شک کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں اللہ کے احسان سے تا کہ دکھائے وہ تمہیں اپنی قدرت کی بعض آیات سمندر کا اس طرح سے ہونا کشتی کا نہ ڈوبنا، ہوا کے ساتھ چلنا، رزق کا ذریعہ بننا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے۔ اس کی قدرت کی آیات بھی ہیں۔ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں، ہر صابر و شاکر کے لئے صَبَّارٍ یا صبر کرنیوالا شَكُوْرٍ یا شکر کرنیوالا۔ مراد کامل مومن جن کی صفت ہے صبر اور شکر۔ صبر و شکر کا جنہوں نے خلق حاصل کرلیا ان کیلئے اس میں نشانیاں ہیں اور جو صابر نہیں اس کو کوئی تکلیف پیش آ جائے وہ برداشت نہیں کرتا، شکر گزار نہیں اللہ کی نعمت آ جائے تو اس سے متاثر نہیں ہوتا، تو انہوں نے کیا سمجھنا ہے نشانیوں سے؟ پھر جب ڈھانپ لیتی ہے ان کو موج یہ تمر کی طرح ہے تمر تمرۃ جس طرح سے واحد اور جمع میں فرق کیا کرتے ہو۔ یہاں بھی موج جمع ہے مَوْجَةٌ کی۔ جس وقت ڈھانپ لیتی ہے ان کو موجیں سائبانوں کی طرح، ظُلَلٌ ظُلَّة کی جمع ہے اس طرح سے اُوپر چڑھ آتی ہے جس طرح سے سائبان ہوتا ہے، بادلوں کی طرح اُوپر محیط ہو جاتی ہیں، سائبانوں کی طرح اُوپر چڑھ آتی ہیں، تو پکارنے والے ہوتے ہیں اللہ کو اس حال میں کہ خالص کرنے والے ہوتے ہیں اس کیلئے اپنے دین کو، اپنے عقیدے کو، اپنے طریقے کو، فَلَمَّا نَجّٰهُمْ پھر جب اللہ انہیں نجات دیدیتا ہے، اِلَى الْبَرِّ خشکی کی طرف فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اقتصاد کا معنی ہے درمیانی چال چلنا، عدل کا راستہ اختیار کر لینا، مطلب یہ ہے کہ یہاں وہ کفر و شرک سے بچتے ہیں، سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں۔ یہاں مقتصد سے موحد مراد ہے، ان میں سے بعض ہوتے ہیں جو اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور اعتدال کی راہ توحید کی راہ ہے، اور مقابلے میں محذوف نکلے گا کہ بعض وہ ہیں جو خشکی میں آ کے پھر شرک کرنے لگ جاتے ہیں وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اور نہیں انکار کرتا ہماری آیات کا اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ یا كَفُوْرٍ یا، خَتَّارٍ یا یہ لفظ ختر سے لیا گیا ہے، ختر کہتے ہیں بدترین قسم کی غداری کو۔ غدار جو اپنی زبان پر اپنے عہد پر قائم نہیں رہتا، تو معنی ہوگا مگر وہ شخص جو کہ غدار ہے ناشکرا ہے، جس کو اپنی کی ہوئی باتیں یاد نہیں رہتی، اپنے کئے ہوئے عہد و پیان یاد نہیں رہتے، وہی ہماری آیات کا انکار کرتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو......! اپنے رب سے ڈرو رب کا ذکر کیا مقصد یہ ہے

کہ جو تمہیں کھانے کو دیتا ہے، تمہیں پالتا ہے اس نے تمہیں پیدا کیا رب میں سارے مفہوم ہیں تو یہاں ڈرنا اس قسم کا ڈرنا نہیں جس طرح سے کہ انسان درندے سے یا سانپ سے ڈرتا ہے بلکہ عظمت کا ڈرنا جس طرح سے شاگرد استاد سے ڈرتا ہے مرید پیر سے ڈرتا ہے بچے اپنے ماں باپ سے ڈرتے ہیں تو یہ عظمت کا ڈرنا ہوتا ہے تو یہاں بھی وہی تقویٰ مراد ہے جو اللہ کی عظمت کی بناء پر ہو اس کی مخالفت سے انسان بچے اور اندیشہ رکھو اس دن کا یعنی اس دن سے بھی ڈرو لَا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ نہیں ادا کرے گا کوئی والد اپنی اولاد کی طرف سے یعنی کسی مطالبے کو۔ اگر اولاد پکڑی گئی ان پر کوئی مطالبہ ہوا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا تو والد ان کی جگہ اس مطالبے کو پورا نہیں کرے گا وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اور نہ جنا ہوا بچہ اپنے والد کی طرف سے کچھ ادا کرنے والا ہوگا یعنی باپ پکڑا گیا اور اس کا کوئی مطالبہ ہو گیا تو بیٹا اس کے مطالبے کو پورا کر کے چھڑا نہیں سکتا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس کو ایسے ہی نہ سمجھ لینا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیاوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ غین کے فتح کے ساتھ یہ صفت کا صیغہ ہے دھوکہ دینے والا اور غُرُوْرٌ غین کے ضمہ کے ساتھ جو کہ مصدر ہوتا ہے اور فتح کے ساتھ یہ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ کی طرح صفت کا صیغہ ہے دھوکے باز۔ تو معنی ہوگا کہ کوئی دھوکے باز بھی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اللہ کے بارے میں شیطان یہ دھوکہ نہ دے کہ کوئی بات نہیں اللہ غفور رحیم ہے، مزے اڑالو اللہ بخش دے گا، آخر عمر میں جا کے توبہ استغفار کر لیں گے، کیا ضروری ہے کہ ابھی صوفی بن کے بیٹھ جائیں، اس قسم کے دھوکے میں نہ پڑ جائیو کسی دھوکے باز کی وجہ سے۔ تو اللہ کے بارے میں تمہیں کوئی دھوکہ دینے والا دھوکے میں نہ ڈال دے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ بے شک اللہ اسی کے پاس ہی ہے قیامت کا علم کہ کب آئے گی؟ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اور وہی بارش اتارتا ہے؟ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے يَعْلَمُ جانتا ہے مَا فِى الْاَرْحَامِ اس چیز کو جو رحموں میں ہے اَلْاَرْحَامِ رحم کی جمع یعنی مادہ کے رحم میں کیا چیز ہے؟ لڑکا ہے لڑکی ہے؟ کامل پیدا ہوگا؟ ناقص پیدا ہوگا؟ ذہین ہوگا؟ کند ذہن ہوگا؟ بینا ہوگا؟ اندھا ہوگا؟ لنگڑا ہوگا؟ لولا ہوگا؟ صحیح سالم ہوگا؟ یہ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے؟ گا غَدًا یعنی آنے والا کل۔ آنے والے کل میں وہ کیا کرے گا کسی نفس کو پتہ نہیں وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کس علاقے میں مرے گا؟ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ علم رکھنے والا ہے اور

خبر رکھنے والا ہے۔

ماقبل سے ربط اور رکوع میں بیان کردہ مضامین کی نشاندہی:۔

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ذکر بھی کیا مومنین کا ذکر بھی کیا تھا، اور معاد اور توحید کا تذکرہ بھی تھا، اور اسی سلسلے میں حضرت لقمان علیہ السلام کی وعظ نقل کی گئی تھی اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ ہی دو باتیں ذکر کی گئیں تھیں کہ شرک سے بچو......! توحید اختیار کرو......! اور اللہ کے علم کا ہمیشہ استحضار رکھو......! کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اللہ جانتا ہے اور اللہ ان کو لائے گا لانے کا مطلب یہی ہے کہ ان کا کیا ہوا اس کے سامنے آئے گا اور اس کے مطابق اس کو جزا سزا دی جائے گی، یہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی آیات جو دلائل کے درجے کی ہیں ذکر فرمائیں جو توحید پر بھی دال ہیں اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے ان تصرفات اور قدرت کے افعال کو دیکھ کے معاد کا سمجھنا آسان ہو جائے گا، درمیان میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کچھ تسلی کا مضمون ہے، جیسا کہ ترجمے سے آپ کے سامنے یہ سب باتیں آ گئیں۔

اللہ نے کتنی نعمتیں ہیں جو انسان کے تابع کر دی ہیں؟:۔

حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ متوجہ فرماتے ہیں کہ دیکھو......! آسمانوں میں جو کچھ ہے زمین میں جو کچھ ہے میں نے تمہارے نفع کیلئے مسخر کیا، یعنی اپنی قدرت سے ان کو تابع کیا، ان کو کام پر لگا دیا ان سب کے فوائد تمہیں پہنچتے ہیں سورج سے فائدہ تم اٹھاتے ہو، چاند سے اٹھاتے ہو، زمین میں کتنی چیزیں ہیں جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، یہ ساری کی ساری کائنات تمہارے نفع کیلئے بنا دی، اور غور کرو......! کتنی نعمتیں ہیں جو اللہ نے تمہارے اُوپر کامل کیں، کچھ ظاہر بھی ہیں، کچھ باطن بھی۔ ظاہر وہی ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، کانوں سے سنتے ہیں، ہاتھوں سے چھوتے ہیں، جن کا احساس ہمیں اپنے حواس کے ساتھ ہو جاتا ہے، یہ ظاہری نعمتیں ہیں، اور ایسے ہی باطنی نعمتیں اللہ نے ہمارے اندر کس قسم کی استعدادیں رکھیں، کیسی کیسی قابلیتیں رکھیں......!

اللہ تعالیٰ کی باطنی نعمتیں:۔

اور ہمارے دل میں، دماغ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ بھی اور اسی طرح سے کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسباب غیبیہ جس قسم کے اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے رہتے ہیں جن سے ہم

فائدہ اٹھاتے ہیں ان کی ہم تفصیلات بھی نہیں جانتے ہم تو ظاہر میں دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے احسان فرمادیا روٹی پکی ہوئی ہمارے سامنے آ گئی اور ہم نے کھالی یہ ایک ظاہری چیز آ گئی لیکن اس روٹی کے تیار کرنے کے اندر کیا کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کام کئے ہیں کس قسم کے افعال پیدا ہوئے اسباب ظاہر ہوئے جن کے ساتھ یہ روٹی تیار ہو کے آئی ہے ذرا غور کرو تو ایک روٹی کی تیاری کے اندر ہی آپ کو یوں معلوم ہوگا جیسے کائنات سمٹی ہوئی ہے بادلوں کا اثر اس میں، آسمان کے ستاروں سیاروں کا اثر اس میں، موسموں کا اثر اس میں، اور زمین کے کتنے قسم کے گیس اور کتنے قسم کے اجزاء اس میں اکٹھے ہوتے ہیں اور پھر جا کے کوئی نباتات بنتی ہے اس میں لوہے کو بھی دخل ہوا کہ لوہے کے ساتھ یہ چیز حاصل ہوئی آگ سے یہ چیز حاصل ہوئی کتنی چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں اور اکٹھی ہونے کے بعد ایک کھانے کی چیز آپ کے سامنے مرتب ہو کے آتی ہے اس لئے ساری کی ساری تفصیل آپ کے سامنے نہیں یہ باطنی نعمتیں ہیں جو اللہ نے عطا فرمائیں پانی کا قطرہ جو پینے کیلئے آپ کو ملتا ہے تو اللہ نے اس کو کس کس طرح سے آپ تک پہنچایا ہے اور کیسے پیدا کرتا ہے یہ تفصیل آپ نہیں جانتے اور جتنا بھی کوئی تفصیل کو جاننے کی کوشش کرے گا اس کے پیچھے اور تفصیل موجود ہے یہ سب باطنی نعمتیں ہیں غیبی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت کیلئے لگا دیا۔ فرشتے متعین ہیں ہماری خدمت کرتے ہیں ہر قسم کے اسباب راحت کے مہیا کرتے ہیں یہ باطنی نعمتیں ہیں جن کو ہم اپنے حواس خمسہ کے ساتھ دیکھ نہیں سکتے تو اللہ نعمتیں دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے کائنات ساری کی ساری تمہارے کام میں لگا دی۔

مشرکین کی جاہلانہ گفتگو:۔

لیکن پھر بھی بعضے لوگ بے علمی کے ساتھ بے عقلی کے ساتھ اور بغیر کسی نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ ہمیں فلاں نے دیا اور یہ فلاں نے دیا اللہ نے اپنا اختیار فلاں کو دیدیا۔ بے علمی کے ساتھ بے عقلی کے ساتھ نہ کوئی کتاب جس سے استدلال کریں کچھ بھی نہیں۔ جہالت کے اندر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں سراسر جہالت پر مبنی یہ باتیں ہیں اور جب انہیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کو مانو کتنی سیدھی سی بات ہے ثبوت اس کا مہیا ہونا چاہیے کہ یہ اللہ نے اتاری ہے بات۔ تو اللہ کی اتاری ہوئی بات کو تسلیم کر لینا چاہیے تو اللہ کی اتاری ہوئی بات کے مقابلے میں اپنے آباء کی باتوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی طریقے پر

چلیں گے جس طریقے پر ہم نے اپنے آباء کو پایا اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ اللہ کا اتارا ہوا ہے یا نہیں اُتارا ہوا۔ وہ اپنی طرف سے دعویٰ یہی کرتے ہیں یہ تعمیم میں اس لئے کر رہا ہوں کہ ان کی طرف سے دعویٰ یہی تھا کہ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ① حکم اللہ نے ہمیں دیا ہے۔

لَا یَعْقِلُوْنَ اور لَا یَهْتَدُوْنَ کی تقلید:۔

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا ② اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے ہمارے آباء بھی شرک نہ کرتے یہ جاہلیت کی باتیں ہیں۔ ثبوت ان کے پاس کوئی نہیں تھا اللہ نے حکم دیا ہے۔ تو ان سے کہا گیا بتاؤ کہاں دیا ہے اللہ نے حکم؟ کیا تم اس وقت موجود تھے؟ جب اللہ نے کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب اتاری جس سے تم استدلال کرتے ہو آخر دو ہی باتیں ہیں یا تو مشاہدے کا دعویٰ کرو......! کہ اللہ نے ہمارے سامنے کہا تھا کہ یوں کرنا یہ مشاہدے کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے، یا اللہ نے کوئی کتاب اتاری ہے وہاں سے تم دلیل لے آؤ......! تو جب نہ تم مشاہدے کا دعویٰ کر سکتے ہو، اور نہ اللہ کی اتاری ہوئی کتابوں میں سے تمہارے پاس کوئی دلیل ہے، تو تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اللہ یہی چاہتا ہے تو یہ جاہلیت کی بات تھی تو اگر اس قسم کا طریقہ آباء کا ہو اللہ کے اتارے ہوئے طریقے کے مقابلے میں تو اس کی اتباع کرنا سراسر جہالت ہے اس لئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے آباء تو لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ③ تھے، ان کو نہ تو عقل تھی، نہ وہ ہدایت رکھتے تھے، نہ وہ نقلی علم رکھتے تھے، نہ ہی عقلی علم رکھتے تھے، تو ان کے پیچھے لگنا کیا معنی رکھتا ہے......! شیطان ان کو جہنم کی طرف بلا رہا تھا وہ بھی جہنم کی طرف گئے اور تم بھی ان کے پیچھے لگ کے جہنم کی طرف چلے جاؤ گے تو یہاں جو تقلید آباء سے روکا جا رہا ہے یہ ایسی تقلید آباء ہے جن کو شیطان بلا بلا کے جہنم کی طرف لے کر گیا جو لَا یَعْقِلُوْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ کا مصداق ہیں۔

غیر مقلدین کا جاہلانہ استدلال:۔

یہ آپ کی خدمت میں بارہا عرض کر چکا کہ تقلید آئمہ کے متعلق بھی بعضے جاہل یہ آیت پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ علماء کے پیچھے لگنے کے بارے میں بھی جاہل بسا اوقات اس آیت سے استدلال کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ غیر

① پارہ نمبر ۸: سورۃ اعراف: آیت نمبر ۲۸

② پارہ نمبر ۸: سورۃ انعام: آیت نمبر ۱۴۸

③ پارہ نمبر ۲: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۷۰

مقلدوں کے علماء کے پیچھے بھی تو عوام لگتے ہیں ہر شخص تو پوری طرح سے قرآن وحدیث کا واقف نہیں ہوتا وہ بھی اپنے علماء سے پوچھ پوچھ کے چلتے ہیں اصل تو گمراہ وہ لوگ ہیں جو ان باتوں کے ذریعے سے اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں دوسروں کے پیچھے سے ہٹانا چاہتے ہیں ورنہ جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ لوگوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پیچھے لگو اور اپنے پیچھے لگنے کی وجہ وہ یہی بیان کرتے ہیں کہ ہماری بات علم پر مبنی ہے تو جب وہ اپنے علم کا دعویٰ کر کے اپنے پیچھے چلنے کی تلقین کرتے ہیں تو جس کے پاس علم ہوگا وہ دوسروں کو پیچھے چلا سکتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْٓ ① میرے پاس علم آگیا آپ کے پاس نہیں ہے تو میرے پیچھے لگو معلوم ہوگیا کہ جس کے پاس علم ہو اس کے پیچھے تو لگنا چاہیے اور یہاں جو منع کیا جا رہا ہے روکا جا رہا ہے مذمت کی جا رہی ہے یہ ان آباء کی تقلید سے روکا جا رہا ہے جو شیطان کے پجاری تھے شیطان کے پیچھے لگ کے جہنم میں جا گرے تم ان کی اتباع کرو گے تو تم بھی ان کے پیچھے جہنم میں جاؤ گے۔

علماءِ حق اور ائمہ کرام ما انزل اللہ کو ہم تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں:۔

اور یہ علماء حق اور ائمہ کرام جن کی باتیں ہم لیتے ہیں وہ اس لئے لیتے ہیں کہ یہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کو ہم تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں ہم ان کی باتوں کو یہ سمجھ کر لیتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کی باتیں بتاتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو اللہ نے اتارا ہے ہم تک پہنچانے کا یہ سبب بنے ہیں ذریعہ بنے ہیں ہم ان کے اوپر اعتماد کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی باتیں سمجھ کر ہم تک پہنچاتے ہیں لیکن اللہ کی بات کے مقابلے میں ہم ان کی بات نہیں مانتے بلکہ اللہ کے ترجمان قرار دیتے ہوئے ہم ان کی بات کو مانتے ہیں کہ جن کی ہر بات علمی عقلی دلیل کے ساتھ مدلل ہے تو ایسے آباء کے پیچھے لگنے کی ممانعت نہیں۔

آباء دو قسم کے ہوتے ہیں:۔

جیسے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آباء دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ہیں ہدایت والے آباء ان کی تو اتباع کا ذکر ہے قرآنِ کریم میں یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ② میرے بعد تم کس چیز کی پوجا کرو گے قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ ہم اسی کو پوجیں گے جس کو تو نے پوجا جس کو تیرے

① پارہ نمبر ۱۶، سورۃ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۴۳

② پارہ نمبر ۱: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۳۳

آباء پوجتے رہے تو یہاں بھی آباء کی طرف نسبت آ گئی کہ ہم خدا اسی کو کہیں گے کہ جس کو خدا تو کہتا ہے جس کو تیرے آباء کہتے رہے آباء میں حضرت اسحاق آ گئے حضرت ابراہیم آ گئے آباء چونکہ بڑوں کے معنی میں ہے تو اسماعیل علیہ السلام بھی اس میں داخل ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات جس کو الٰہ قرار دے کر جس کی پوجا کرتے تھے ہم بھی ان ہی کی پوجا کریں گے یوسف علیہ السلام نے جیل میں وعظ کہتے ہوئے کیا کہا تھا، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ ① کہ میں نے تو اپنے آباء کی ملت کی اتباع کی ہے، میں تو اپنے آباء کے طریقے پہ چلتا ہوں، چونکہ ان کے آباء اللہ کے نبی، اہل علم، اہل عقل تھے، اس لئے ان کی اتباع کمال ہے، جیسے دوسری جگہ فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ② تو یہاں لفظ آ گیا، أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ مطلب ایک ہی ہے کہ اگرچہ شیطان ان کے آباء کو عذابِ سعیر کی طرف بلا کے لے جا رہا ہو، تو پھر بھی اپنے آباء کے پیچھے چلیں گے؟ اور اگر چلیں گے تو اسی طرح سے یہ بھی شیطان کے متبع بن جائیں گے، یہ بھی جہنم میں جا گریں گے، تو آباء کے طریقے کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کرنی چاہیے، جو شخص اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے اخلاص کے ساتھ، وَهُوَ مُحْسِنٌ نفاق نہ ہو کہ اُوپر اُوپر سے تو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، بلکہ دل کے خلوص سے کہے کہ اَسْلَمْتُ تو اس نے ایک مضبوط سہارا تھام لیا، یہ تقلید آباء کوئی سہارا نہیں آخرت کے عذاب سے چھوٹنے کا، بلکہ یہ تو آخرت میں عذاب کے اندر مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جائے گی، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے آپ کو جھکا دینا، اللہ کے حکم کے تابع خود کو کرنا، اخلاص کے ساتھ یہ مضبوط سہارا ہے، جس کے ذریعے سے انسان آخرت کے عذاب سے بچے گا، تمام کاموں کا انجام اللہ کی طرف سے ہونے والا ہے، کسی دوسرے کا کوئی اختیار نہیں، اگلے الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور تسلی کے ہیں کہ جو کوئی کفر کرے تو آپ اس کے پیچھے زیادہ غم نہ کیجئے......! اس کے کفر کا نقصان اسے ہی ہوگا یہ ہمارے پاس آنے والے ہیں، ہم ان کو بتا دیں گے جو وہ کام کرتے رہے ہیں، اور اللہ سے کوئی بات مخفی نہیں وہ تو دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے، اور یہاں کی عیش میں بھی مبتلا ہو کے بھی، وہ دھوکے میں نہ پڑیں......! یہ عیش بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، قلیل مقدار کے برابر کیونکہ آخرت اس کے مقابلے میں بہت کثیر ہے، مقدار کے اعتبار سے ملک کبیر اللہ تعالیٰ نے اسے قرار دیا ہے، وَاِذَا مَآ اٰیٰتٌ ثُمَّ

① پارہ نمبر ۱۲: سورۃ یوسف: آیت نمبر ۳۸
② پارہ نمبر ۲: سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۷۰

رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ① بہت خوشحالی بہت بڑی سلطنت ہوگی، بہت بڑا ملک ہوگا، مقدار کے لحاظ سے بھی آخرت زیادہ ہے، اور وقت کے لحاظ سے بھی زیادہ ہے، دنیا کا زمانہ قلیل ہے، اور آخرت کا زمانہ بہت طویل جو کبھی ختم ہونے والا نہیں، ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، وقت کے اعتبار سے بھی، اور مقدار کے اعتبار سے بھی، پھر ان کو مضطر کر دیں گے، عذابِ غلیظ کی طرف، کھچے کھچے جائیں گے، پھر ہم انہیں مجبور کر کے لے جائیں گے عذابِ غلیظ کی طرف، سخت عذاب کی طرف۔

اللہ کے مقابلہ میں سب محتاج ہیں:۔

آگے پھر وہی توحید کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے، اور یہ بار بار قرآنِ کریم میں یہ سوال آیا کہ آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کہیں کہ جب خالق اس کو مانتے ہو تو پھر معبود بھی وہی ہے، پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیوں کرتے ہو؟ اکثر بے علم ہیں، جانتے نہیں، سمجھ نہیں رکھتے، اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد پھر انکار کی گنجائش ہی نہیں، حاکم بھی اللہ ہے، حکم بھی صرف اسی کا چلے گا، کسی دوسرے کا نہیں چلے گا، اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں وہ حمید ہے، ہر قسم کے کمالات اسی کیلئے ثابت ہیں اور اس کے مقابلے میں تم جس کو بھی دیکھو......! وہ سب محتاج ہیں۔ مخلوق محتاج یہ دونوں لفظ تقریباً مترادف ہیں، مخلوق کا تو معنی ہی یہی ہے کہ کسی نے پیدا کیا تو پیدا ہو گئے، اپنے طور پر یہ بننے والے نہیں تھے، احتیاج تو ابتداء سے ہی شروع ہو گیا۔ اور اس کے بعد پھر ان کا باقی رہنا کسی کے رکھنے کے ساتھ، فنا ہو جانا کسی کے فنا کرنے کے ساتھ ہر چیز میں احتیاج ہی احتیاج ہے، اِلٰہ تو وہ ہے، عبادت تو اس کی کرنی چاہیے جس میں کسی پہلو میں بھی احتیاج نہیں، اور نہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے کمال حاصل کرتا ہے، بلکہ وہ خود ذاتی طور پر خوبیوں والا ہے، اس کیلئے ہر قسم کے کمال ثابت ہیں، کسی سے وہ کمال حاصل نہیں کرتا، اس کا غنی حمید ہونا یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ہے، اللہ کے علاوہ تم جس کو دیکھو گے، وہ تمہیں محتاج نظر آئے گا۔

غنی اور حمید میں وحدانیت کی دلیل ہے:۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ عیسائیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ جن کو تم اللہ

① پارہ نمبر ۲۹، سورۃ نمبر ۷۶، آیت نمبر ۲۰

بنائے بیٹھے ہو۔ كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ ① وہ تو روٹی کھایا کرتے تھے، روٹی کھانے والا آدمی کتنا محتاج ہے؟ روٹی جس کو مہیا ہوگی تو دیکھو کتنی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، کتنی چیزوں کا محتاج بنتا ہے، تب جا کے اس کو روٹی میسر ہوتی ہے، تو كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ اس کے محتاج ہونے کی دلیل ہے، روٹی کے محتاج تھے، روٹی کھاتے تھے تو وہ خدا کس طرح سے ہو گئے؟ تو غنی اور حمید کے اندر وہی وحدانیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کمالات ختم ہونے والے نہیں:۔

اور آگے بات یہ آئی کہ وہ اتنا کمالات والا ہے، جیسے حمید کے اندر کہا گیا کہ کمالات اس کیلئے ثابت ہیں۔ کہ اگر یہ دنیا کے سارے درخت قلمیں بنالی جائیں، یعنی ان کو کاٹ کے اتنا اتنا بناؤ......! جتنی قلمیں ہوا کرتی ہیں، تو ایک درخت سے ہزاروں قلمیں نکلیں گی، اور ساری دنیا کے درختوں کا کیا اندازہ ہے، اور پھر لکھنے کیلئے سیاہی سمندر ہوں، اور پھر اکیلا سمندر نہیں، بلکہ سات سمندر اس جیسے اور اس کی مدد پر لگا دیں۔ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ ② کہ یہ سمندر ختم ہو جائیں گے اللہ کے کلمات ختم ہونے سے پہلے۔ اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی، یعنی وہ باتیں جو اللہ کے کمالات پر دلالت کرنے والی ہیں، اور اللہ کے تصرفات اللہ کے افعال، اللہ کے کلمات لکھتے لکھتے سیاہی ختم ہو جائے گی، قلمیں گھس جائیں گی، سارے فرشتے، سارے انسان، سارے لکھنے والے ختم ہو جائیں گے، اللہ کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے، یہ کوئی مبالغہ نہیں، واقعہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کے افعال، اس کے تصرفات، اس کا خلق اس کی تدبیر جتنی سمندر میں نمایاں ہے، جتنے اس نے حیوانات پیدا کیے کس طرح سے پیدا کیے؟ حیوانات کے کیا کیا فوائد ہیں؟ وہ کس کس کام آتے ہیں؟ سمندر کس طرح سے بنا؟ اور اس کے پانی کی کیا تاثیر ہے؟ اور اس میں کیا کچھ ہے؟ اگر لکھنا شروع کر دیں تو سمندر کی سیاہی تو سمندر کے اندر جو اللہ کے کمالات نمایاں ہیں وہی نہیں لکھ سکے گی، آج سائنس کی اتنی ترقی کے باوجود باقی کائنات کو تو چھوڑو......! کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی کیا کیا چیزیں قدرت ظاہر کر رہی ہے، یا یہ زمین کن چیزوں کا مجموعہ ہے، جب سے دنیا بنی آج تک اس کے متعلق تحقیقات جاری ہیں، نئی سے نئی تحقیق نکلتی آرہی ہیں، کسی زمانے میں مٹی کا تیل نہیں تھا، پھر تیل نکل آیا، کسی زمانے میں گیس نہیں تھا، پھر اس میں سے گیس نکل آیا، اور اس میں سونا چاندی پیتل پتہ نہیں کتنی دھاتیں ہیں؟

① پارہ نمبر ۶، سورۃ مائدہ: آیت نمبر ۷۵
② پارہ نمبر ۱۶، سورۃ کہف، آیت نمبر ۱۰۹

آئے دن کھدائی کرنے کے ساتھ نئی سے نئی چیز نکلتی چلی جارہی ہے۔ یعنی اس ترقی کے دور میں بھی کوئی سائنسدان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم نے ساری زمین کو چھان لیا کہ اس میں کیا کچھ ہے؟ یہی دعویٰ نہیں کرسکتا، اس لئے آئے دن تحقیقات جاری ہیں، پہاڑوں میں، صحراؤں میں، دوسرے میدانوں میں، سمندر کی تہوں میں، عجیب وغریب قسم کی چیزیں نکل رہی ہیں۔ سمندر سے نکل رہی ہیں، خشکی سے نکل رہی ہیں، آئے دن نئی سے نئی نباتات ظاہر ہورہی ہیں، اگر ان چیزوں کی تفصیلات کی طرف جائیں تو واقعہ یہ ہے کہ ان کی کوئی انتہا نہیں، واقعہ یہ ہے کہ اربوں لوگ اس کام میں لگ جائیں، اور فرشتے ساتھ شامل ہوجائیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی انتہا نہیں، کسی اور طرف آپ کیوں دیکھتے ہیں! اپنے وجود کی طرف ہی آپ دیکھ لو......! طب اور ڈاکٹری میں انسان کے اس ظاہری بدن پر بحث ہے اگر وہی کتابیں اکٹھی کرلیں جو انسان کے بدن کے اجزاء کی تشریح کے طور پر لکھی گئیں ہیں، جن کے متعلق آپ کہہ نہیں سکتے یہ حرف آخر ہے، ایک آنکھ کے متعلق ہی طب اٹھا کے دیکھو......! ڈاکٹری کی کتابیں اٹھا کے دیکھو......! دفتروں کے دفتر بھرے پڑے ہیں، دل اور دماغ کے متعلق جتنا کچھ لکھا جاچکا، یا جتنا لکھا جاسکتا ہے، تو ایک انسان کے بارے میں معلومات کسی انتہا کو نہیں پہنچتی، طبی طور پر، ڈاکٹری طور پر، جو صرف ایک ظاہر بدن کے اُوپر بحث کرتے ہیں، اس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ آئے دن ترقی ہوتی چلی آرہی ہے، اور اس کے جو باطنی کمالات ہیں، اس کا تو کہنا ہی کیا......! بہرحال یہ کوئی مبالغہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کے کمالات لامتناہی ہیں، لامتناہی کا معنی ہوتا ہے، جو کسی حد پہ ختم ہونے والے نہیں، اس لئے سات سمندر تو کیا......! اگر سو سمندر بھی ہوجائیں، تو ناکافی ہوجائیں گے، اللہ تعالیٰ کے کمالات ختم نہیں ہوسکتے، متناہی چیز جو ہے، وہ تو گرفت میں آتی ہے، سمندر متناہی ہیں، اور غیر متناہی چیز کی تو حد ہوتی کوئی نہیں، سمندر ختم ہوجائیں گے، سب کچھ ختم ہوجائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے کمالات ختم نہیں ہوں گے، یہ اتنے کمالات والا ہے، عزیز ہے، حکیم ہے، تو اس کے ساتھ تم کسی دوسرے کو شریک کس طرح سے کرتے ہو؟

توحید، معاد اور آیاتِ قدرت:۔

اور اس سے قدرت کو ذکر کرکے، کمالات کو ذکر کرکے، کلام منتقل ہوگیا، توحید کی طرف اور توحید کے ساتھ معاد یہ ملا جلا آتا ہے قرآن کریم میں، تمہیں (مشرکین کو) یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد اٹھائے گا کیسے؟ جیسے مشرکوں کو یہی اشکال ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا پیدا کرنا، اور تمہیں مار کر اُٹھانا، یہ میرے

لئے ایسے ہی ہے، جیسے ایک جان کا مسئلہ ہے، جیسے ایک انسان کو پیدا کر دیا، ویسے اربوں کو پیدا کر دیا، جیسے ایک کو مار دیا، مار کر اُٹھا دیا، ویسے سب کو اُٹھانا ہے، میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں، اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، اس کے سامنے ہر چیز نمایاں ہے، قدرت بھی ہر قسم کی اسی کے لئے ہے، اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے، آگے پھر اللہ کے تصرفات دیکھ لو......! اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، دن کو رات میں، اس کی تفصیل بھی کئی دفعہ آپ کے سامنے ہو چکی، کام میں لگا دیا اس نے سورج کو اور چاند کو، ان میں سے ہر کوئی چلتا ہے ایک وقت معین کی طرف۔ اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے، تمام کاموں کی جو تم کرتے ہو اور یہ اسی وجہ سے کہ اللہ حق ہے، ثابت ہے، مالک حقیقی ہے، اور جن چیزوں کو یہ پکارتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر سب باطل ہیں، جن کے اندر کوئی حقیقت نہیں، اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ اللہ ہی عَلِیٌّ الْکَبِیْرُ ہے۔

آخری رکوع کی تفسیر:۔

آگے بھی وہی آیات قدرت ہیں کہ اے مخاطب! کیا تو دیکھتا نہیں......! کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں، اللہ تعالیٰ نے اس احسان کی طرف قدرت کی طرف، کہ لکڑی کیسی بنائی ہے؟ پانی کیسا بنایا؟ ہوا کیسے چلتی ہے؟ کشتی کا ایک طرف سے دوسری طرف پہنچنا رزق کے حصول کا ذریعہ بننا، یہ سب فوائد ہیں اس میں دیکھتا نہیں کہ کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں، اللہ کے احسان کے ساتھ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہیں دکھائے، اس میں نشانیاں ہیں صابر وشاکر لوگوں کے لئے یعنی مؤمن جو کامل ہیں، جن کا تدبر تفکر صحیح ہے، وہی اس سے نشانیاں اخذ کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو حاصل کرتے ہیں، اور جب ان کو موجیں ڈھانپ لیتی ہیں، یعنی جب امن چین میں کشتیاں چل رہی ہیں، تو ان کو غفلت ہوتی ہے، اور جب ان کے اُوپر موجیں طاری ہو جاتی ہیں، جیسا کہ سائبان ہوتا ہے بہت بڑی بڑی موجیں اُٹھتی ہیں، پہاڑوں جیسی جیسے سورۃ نوح میں ذکر آیا تھا، جب سائبانوں کی طرح موجیں ان کو ڈھانپ لیتی ہیں، پھر یہ اللہ کو پکارتے ہیں، خالص کرنے والے ہوتے ہیں عقیدے کو، اور جن کو شریک ٹھہراتے ہیں، سب کو بھول جاتے ہیں، اس وقت سمجھتے ہیں کہ بڑی مصیبتوں سے نجات دلانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، یہ جو ہم نے تراش کے رکھے ہوئے ہیں، یا جن کو ہم نے پوجا اور پکارا ہے وہ اس وقت میں ہمارے کام آنے والے نہیں، اور پھر جب اللہ ان کو نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف، تو بعضے ہیں جو معتدل رہ جاتے ہیں، سیدھے راستے پہ چلنے والے

ہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ بعضے ایسے بھی ہیں جو پھر آ کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ہماری آیات کا انکار نہیں کرتا مگر ہر غدار جس کو اپنی باتیں یاد نہیں رہتیں، عہد کئے ہوئے معاہدے یاد نہیں رہتے، اور ناشکرا جو اللہ کے احسانات کو بھول جاتا ہے، وہی ہماری آیات کا انکار کر سکتا ہے، آگے پھر معاد کی طرف متوجہ کر دیا، کہ اپنے رب سے ڈرو......! اس کی نافرمانی سے بچو......! اور اس دن کا بھی اندیشہ کرو......! جو دن ایک آنے والا ہے جس میں باپ بیٹے کے، بیٹا باپ کے کوئی کام نہیں آئے گا، باپ سے کوئی مطالبہ ہو گیا بیٹا ادا نہیں کرے گا، بیٹے سے مطالبہ ہو گیا باپ ادا نہیں کرے گا، اور یہ ایسے نہ سمجھ لینا کہ باتیں کی جا رہی ہیں، ان میں واقعہ کچھ نہیں، نہیں اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے ایسے ہو کر رہے گا، مرو گے اٹھو گے، اللہ کے سامنے پیش ہوؤ گے، اور وہاں پھر نفسی نفسی ہوگی، اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، اس لئے اپنی فکر کرو......! کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

ایمان کی برکت سے قیامت کے دن ایک دوسرے کے کام آئیں گے:۔

دوسری آیات کی طرف دیکھتے ہوئے جبکہ دنیا سے ایمان لے کر نہیں گیا کفر کی حالت میں گیا ہے، بات انہیں کو سمجھانی مقصود ہے اور حقیقت یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کفر کے ساتھ دنیا سے چلا گیا، تو اس کے کام کوئی نہیں آئے گا، نہ باپ، نہ بیٹا، ہاں البتہ اگر باپ بھی مؤمن ہے، بیٹا بھی مؤمن ہے، تو دوسری آیات میں تفصیل موجود ہے پھر اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے کسی کو سفارش کا حق دے گا، کسی کے توسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ درجات بلند کرے گا، باپ کا درجہ اُونچا ہے، اللہ اولاد کو اس کے ساتھ ملا دے گا، اولاد آگے نکل گئی، اللہ باپ کو ان کے ساتھ ملا دے گا، خاوند کی وجہ سے بیوی کے درجات بلند ہوں گے، بیوی کی وجہ سے خاوند کے درجات بلند ہوں گے، استاد شاگرد کے کام آئیں گے، پیر مرید کے کام آئیں گے۔

اعمال کی کمی بیشی تعلقات کی بناء پر قائم ہو سکتی ہے:۔

لیکن یہ اس وقت ہوگا جب ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنا ایمان ہو، اعمال کی کمی و بیشی یہ تعلقات کی بناء پر قائم ہو سکتی ہے، یہ دوسری قرآن کریم کی آیات اور حدیث شریف کی روایات کو دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہے، مر جانے کے بعد صالح اولاد اس کیلئے دعا کرتی ہے، اس کو فائدہ پہنچتا ہے، اس کے پیچھے صدقہ خیرات کرتے ہیں، اُسے فائدہ پہنچتا ہے، تو یہ ایمان کی دولت حاصل ہو جانے کے بعد پھر تو ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھائیں گے،

اور اگر ایمان کی دولت نہیں تو پھر کوئی کسی کے کام آنے والا نہیں، تو دوسری آیات کی طرف دیکھتے ہوئے، اس آیت کی یوں تشریح کرنی پڑے گی، ورنہ ایک دوسرے سے فائدہ نصوص صحیحہ کے اندر آیا ہے، البتہ اگر کوئی کافر ہوگا تو وہ ایک دوسرے کو فائدہ نہ دے سکے گا، جیسے ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو نہیں چھڑا سکیں گے، نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو چھڑا نہیں سکیں گے، لوط علیہ السلام اپنی بیوی کے کچھ کام نہیں آ سکیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کافر چچوں کے کام نہیں آ سکیں گے، یہ سارے واقعات جو قرآن کریم میں ذکر کیے گئے ہیں اس لئے ذکر کیے گئے ہیں۔

دنیاوی عیش وعشرت میں آخرت سے غافل مت ہو جاؤ:۔

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ: اللہ کا وعدہ سچا ہے، ایسے ہی ہوگا جیسے تمہیں کہا جا رہا ہے، دنیاوی زندگی تمہیں دھوکے مین نہ ڈال دے، یہاں کھاتے ہو، پیتے ہو، عیش و آرام کرتے ہو، تو اس دھوکے میں نہ پڑیو......! کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے، نہیں اس کو سوچا کرو......! کہ یہ فانی ہے، اس عیش وعشرت میں مبتلا ہو کے آخرت سے غافل نہ ہو جاؤ......! اور نہ تمہیں کوئی دھوکے میں ڈالنے والا اللہ کے معاملہ میں دھوکے میں ڈال دے، کوئی کہے کہ اللہ بڑا غفور الرحیم ہے، کوئی بات نہیں، ابھی تم مزے اڑالو......! آخر وقت میں سنبھل جائیں گے، پھر توبہ کر لیں گے، نہیں اس قسم کے دھوکے میں نہ آئیو......! بسا اوقات انسان توبہ کے اعتماد میں گناہ میں مبتلا ہوتا ہے، توبہ کرنے کا موقع ہی نہیں آتا، کہ پہلے ہی موت آجاتی ہے، پھر کیا کرو گے۔

پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں:۔

آگے پانچ چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، ان کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں، اللہ کا علم ان پہ محیط ہے، یہاں ان کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مغیبات تو بے انتہاء ہیں، جن کو اللہ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا، لیکن یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور انسان متوجہ ہوتا ہے، اور ان چیزوں کے جاننے کی طرف اس کو رغبت ہوتی ہے، قیامت کا ذکر تو اس لئے ہے کہ جس وقت آخرت کا ذکر ہوتا تو مشرکین کہتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ قیامت کے متعلق تو وہ پوچھتے تھے، ہر وقت مشرکین کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا تھا، کہ یہ جو ہر وقت کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد سب نے اکٹھے اٹھنا ہے، تو قیامت کے وقت کے تو وہ متلاشی تھے، ہر وقت پوچھتے تھے، بتایا جا رہا ہے کہ اس کا علم بھی اللہ کے پاس ہے، اور اس بات کو پختہ کرنے کیلئے کہ بعض چیزیں اللہ کے علم میں

ہیں، تمہارے علم میں نہیں، لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہ ہو کر رہتی ہیں، اس لئے اگر تمہیں کسی چیز کا با تعیین علم نہ ہو تو وہ چیز واقع بھی نہ ہو، یہ تو بالکل حقیقت کے خلاف ہے، اسی طرح سے اگر اللہ نے قیامت کا علم تمہیں تعیین کے ساتھ نہیں دیا، تو اس کا یہ معنی نہیں کہ قیامت ہے ہی نہیں، یہ تو ایسے ہے کہ بارش کو دیکھو......! کسی کو پتہ نہیں کب ہوگی؟ کتنی ہوگی؟ اور اس کے اترنے کیلئے کیا کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اسباب پیدا ہوتے ہیں؟ کس علاقے میں ہوگی؟ کب ہوگی؟ کتنی ہوگی؟ یقینی علم اس کا کسی کو نہیں، لوگ اپنے قرائن کے ساتھ کبھی اٹکل وغیرہ لگاتے ہیں، کبھی صحیح نکل آتی ہے، کبھی غلط، وہ ظنی سی بات ہوتی ہے یقین کی کوئی بات نہیں۔

علم غیب کسے کہتے ہیں؟:۔

اور اسباب میں علامات میں غور کر کے جو علم حاصل کیا جائے وہ علم غیب نہیں ہوتا، طبیب اگر نبض دیکھ کے باطن کے حالات معلوم کرتا ہے کہ گرمی ہے، سردی ہے، خشکی ہے، قبض ہے، کیا ہے کیا نہیں......! تو یہ علم غیب نہیں کیونکہ یہ تو ایک علامت ہے، جس کے ذریعے سے پہچانا، تو علامتوں کے ذریعے سے پہچاننا، یہ علم غیب نہیں، علم غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی ذریعے سے حاصل کیا جائے، اب بارش کے بارے میں کسی کو قطعی علم نہیں آثار سے، علامات سے پہچانتے ہیں، کبھی صحیح، کبھی غلط، پاکستان میں تو آپ نے بیسیوں دفعہ دیکھا ہوگا آج اخبار آئے گا یا ریڈیو پر محکمہ موسمیات کی طرف سے اعلان ہوگا، کل کو موسم خشک رہے گا، اور دھڑا دھڑ بارش ہو جاتی ہے، اور ان کی پیش گوئی ہوتی ہے کہ کل کو فلاں فلاں جگہ بارش ہونے کا امکان ہے۔ تو سارا دن سورج چمکتا رہتا ہے، دھوپ ہی نکلی رہتی ہے، یہ تو آئے دن کے واقعات ہیں حالانکہ کروڑ ہا رقم حکومت محکمہ موسمیات پر خرچ کرتی ہے، لیکن ان کے نتائج بالکل ظنی، کبھی صحیح کبھی غلط ہوتی ہے، بارش ایک خاص مقدار سے ہوتی ہے، لیکن پتہ کسی کو نہیں چلتا، تو نہ پتہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا واقعہ بھی کوئی نہیں، اس طرح سے جب کسی کی بیوی حاملہ ہو جائے تو انسان سوچتا ہے، اس کا شوق ہے کہ پتہ چلے کہ لڑکا ہوگا کہ لڑکی ہوگی؟ کامل ہوگا؟ ناقص ہوگا؟ خوبصورت ہوگا؟ بدصورت ہوگا؟ ذہین ہوگا؟ کند ذہن ہوگا؟ انسان کے دل میں سوالات اٹھتے ہیں، لیکن ہزار جتن کرلو کبھی نہیں جان سکتا، تو تمہیں معلوم نہیں لیکن واقعہ ہے اور ہونا ہوتا ہے۔

جن چیزوں کے جاننے کے تم مشتاق ہو وہ تم معلوم نہیں کر سکتے:۔

اور اسی طرح سے آپ اپنے مستقبل کے متعلق سوچتے ہیں، کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے، بڑے بڑے منصوبے انسان بناتا ہے، لیکن بالکل پہلے قدم پہ انسان فیل ہو جاتا ہے، افراد کی زندگی میں بھی آئے دن ناکامیاں، اپنی ارادوں و خواہشات کے خلاف ہوتی رہتی ہیں۔ اور حکومت بھی منصوبے بناتی ہے کہ اس سال اتنی گندم پیدا ہوگی، اس سال اتنے چاول پیدا ہوں گے، اس سال ہم اتنے خود کفیل ہو جائیں گے، لیکن ذرا سا موسم کا ایک جھٹکا سب منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے، تو جن چیزوں کے تم جاننے کے مشتاق ہو وہ تو تم معلوم نہیں کر سکتے، لیکن اس کے باوجود تم سمجھتے ہو کہ ہوگا؟ ایسے ہی دوسرے واقعات ہوتے ہیں، اور تمہیں پتہ نہیں اور اپنی زندگی کے متعلق انسان سوچتا ہے، کہ ہم نے کہاں مرنا ہے؟ خیال آتا ہے۔ باوجود اس بات کہ ہم یہاں رہتے ہیں، یہاں ہمارا آنا جانا ہے، لیکن مرنا کہاں ہے؟ کچھ پتہ نہیں، ایک آدمی کسی تقریب میں بیاہ شادی کیلئے اچھا لباس پہن کر خوشی کے ساتھ نکلتا ہے، آئے دن پڑھتے رہتے ہو کہ بھری بسیں برأت کی وہ ٹکر کھا کر مر جاتیں ہیں، گئے تھے خوشیاں منانے، لیکن لاش واپس آجاتی ہے، جہاں پہ جگہ متعین ہوتی ہے وہیں جا کہ انسان مرتا ہے، کوئی نہ کوئی ضرورت ایسی سامنے آجاتی ہے کہ انسان ادھر کو چلا جاتا ہے، مرتے ہوئے جگہ کا پتہ نہیں، پتہ نہ ہونے کی بناء پر تم انکار نہیں کر سکتے، کہ تم نے مرنا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغیبات لامتناہی ہیں:۔

تو یہ روزمرہ کے اردگرد پھیلے ہوئے واقعات ہیں، جن کی طرف تمہاری توجہ بھی ہوتی ہے اور تم ان کو سمجھنے سے عاجز ہو، اسی طرح تم قیامت کے متعلق سمجھو......! کہ اگر تمہیں پتہ نہیں ہے، کہ قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے تعیین نہیں بتلائی تو اس کا یہ مطلب کیسے ہو گیا کہ ہوگی ہی نہیں......! تو یہ چونکہ روزمرہ کی باتیں ہیں جدھر انسان متوجہ ہوتا ہے، تو ان چیزوں کا ذکر کر دیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی مغیبات لامتناہی ہیں، جن کو انسان نہیں جان سکتا......! ہاں البتہ بتادے اللہ تعالیٰ انبیاء کو، اپنے احکام اپنی مرضیات کی اطلاع دیتا ہے، جو کوئی دنیا میں ہونے والے ہیں، ان کی اطلاع دیدیتا ہے، جس طرح سے غلبہ روم کا ذکر آپ کے سامنے آیا تھا، اس قسم کی پیش گوئیاں وحی کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں۔

انسانی معلومات کے ذرائع سب ظنی ہیں:۔

کسی ولی کو دل میں الہام ہو وہ ظنی ہے، صحیح بھی ہوسکتا ہے غلط بھی، خواب میں آنے والے واقعات کا پتہ چل جائے یہ چیزیں جتنی ہیں یہ جزوی طور پر کسی کو پتہ بھی چلتا ہے۔ یہ ظنی ہیں تو وحی ایک ذریعہ قطعی ہے، جو اللہ بتادے یقینی طور پر معلوم ہوجائے گا، باقی جتنی بھی چیزیں ہیں، چاہے تم علامات سے پہچانو......! مضمون سے پہچانو......! کہانت سے پہچانو......! جفر سے، رمل سے دست شناسی سے، یہ جتنے بھی ذرائع ہیں سب ظنیات ہیں، ان کے ذریعے سے معلوم کی ہوئی بات کبھی صحیح بھی نکلے گی کبھی غلط بھی نکلے گی۔ اور ایسے ہی خواب اور الہام، یہ ساری کی ساری چیزیں ظنی ہیں۔ اللہ کسی بات کا غیر نبی کا انکشاف کردے کہ آدمی اتنے دن میں مرجائے گا، تو یہ ظنی چیزیں ہیں، کبھی صحیح کبھی غلط ان چیزوں کے اُصول پر اللہ کا قبضہ ہے، اور پانچ چیزوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کردیا، کہ ان کے ساتھ ہر وقت انسان کی توجہ ہے۔ قیامت کے متعلق تو سوالات اٹھتے تھے، باقی چیزیں ایسی ہیں جو اپنی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، اور انسان کے دل میں شوق ہے کہ میں ان باتوں کو جانوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے ان چیزوں پر اللہ کا قبضہ ہے، بس اسی طرح سے جانو کہ قیامت کی تفصیلات تعینات پر بھی اللہ کا قبضہ ہے، لیکن اس کو دلیل بنالینا کہ چونکہ ہمیں تعیین سے معلوم نہیں، اس لئے یہ ہوگی بھی نہیں یہ بات غلط ہے، اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم، وہی بارش اتارتا ہے، یہ اگرچہ فعل کا ذکر ہے، لیکن اس کو بھی چونکہ علم کے سلسلے میں لایا جارہا ہے، تو مطلب ہے کہ اتارتا بھی وہی ہے، اور اتارنے کی تفصیلات بھی وہی جانتا ہے، بارش کیسے پیدا ہوئی؟ اس کے کیا اسباب بنے؟ کہاں برسے گی؟ کتنی برسے گی؟ کس علاقے میں اترے گی؟ سب اللہ جانتا ہے اور جانتا ہے اس چیز کو جو کہ رحموں میں ہے، عورت کے رحم میں جو کچھ ہے لڑکا ہے، لڑکی ہے، ناقص ہے، کامل ہے، خوب صورت ہے، بدصورت ہے، یہ سب اللہ جانتا ہے، کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کو کیا کرے گا؟ مستقبل کے متعلق اپنے منصوبے سوچتے ہو، لیکن پہلے دن ہی ناکام ہوجاتے ہیں، تمہارا علم تو اتنا ناقص، نہ ماضی پہ محیط، نہ مستقبل پہ محیط، کوئی نفس نہیں جانتا، کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ کس علاقے میں جاکے مرے گا مرنا تو یقیناً ہے، اور یہیں زمین پر ہی مرنا ہے، لیکن کس علاقے میں

مرے گا کوئی پتہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، اور خبر رکھنے والا ہے، علم اور خبر سب اللہ ہی کا خاصہ ہیں، جتنا علم ظاہر کردے، اتنا کسی کو پتہ چلے گا۔ ورنہ کسی چیز کا پتہ نہیں، اصول جتنے بھی ہیں، سب اللہ کے قبضہ میں ہیں، جزئیات کی اطلاع اللہ تعالیٰ مختلف ذرائع سے دیتا ہے، لیکن ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ وحی کا قطعی ہے، باقی سارے کے سارے ذرائع ظنی ہیں۔